

اماوس کی رات





ایم الیاس

انوپ کمار دہری شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی بزنس مین کی شخصیت سے بھی لوگ واقف تھے۔ وہ صرف کروڑ پتی نہیں' بلکہ ارب پتی تھا۔ اس کی کاروباری صلاحیت کو اس کے حریف اور دشمن بھی مانتے تھے' اور اس کی پیروی بھی کرتے تھے۔ انوپ کمار کا خیال تھا' کہ اس کی شخصیت کا جو دوسرا پہلو تھا' اس کے متعلق اس کی ماں بھی نہیں جانتی تھی' جس نے اسے جنم دیا تھا۔ لیکن یہ اس کی سوچ تھی' اس کا وہم اور خیال تھا۔ اس کی ماں جانتی تھی' لیکن اس نے کبھی کسی بات اور کسی طور سے اس پر ظاہر ہونے نہیں دیا تھا۔ یہ راز اس نے اپنے سینے میں دفن کیا ہوا تھا۔ وہ اس راز کو اپنے سینے میں لئے اس سنسار سے لوٹ جانا چاہتی تھی۔ یہ راز اس کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹ سی لئے تھے۔ اسی میں اس کی بہتری تھی' اور اس کے بیٹے کی بھی۔ لیکن وہ ایک بات جانتی تھی' اور اس بات پر وشواش رکھتی تھی' کہ جرم جرم ہے۔ جرم کتنا ہی احتیاط' ہوشیاری اور منصوبہ بندی سے کیوں نہ کیا جائے' وہ پنپتا نہیں...... پھلتا پھولتا نہیں' اس لئے کہ جرم بولتا ہے۔ اپنا نشان چھوڑ جاتا ہے۔ اور ایک مجرم کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر دم لیتا ہے۔

اس کا بیٹا جو پراسرار اور درندہ صفت...... دیوانہ قاتل...... لہو آشنا' اور انسانی لہو شراب اور پانی کی طرح مزے لے لے کر پیتا ہے' وہ کیوں اور کس لئے ہے......؟ بیٹے کی رگوں میں کس کا خون ہے؟ یہ اس کا بیٹا نہیں جانتا تھا۔ اسے کبھی اس بات کا شدید احساس ہوتا تھا' کہ اس نے اپنی زندگی کی کتنی بڑی سنگین' اور فاش غلطی کی' جب اس کے بیٹے نے جنم لیا تھا' تب اس نے بیٹے کا گلا گھونٹ کیوں نہیں دیا تھا۔ گلا نہ گھونٹتی' مگر اس کے منہ پر تکیہ رکھ دیتی' جب کہ وہ جانتی تھی کہ سانپ کا بچہ نیولیا ہوتا ہے۔ لیکن اس نے اس ننھے سے وجود کو ختم کیوں نہیں کیا تھا؟ اسے کس نے روکا تھا؟ ماتا نے...... لیکن یہ کیسی ماتا تھی' جو اسے اپنا دودھ پلا کر' پالتی پوستی رہی تھی۔ اسے بڑا کیا تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس کا پتی انوپ کو اپنا بیٹا اور اپنا خون سمجھتا رہا تھا۔ جب وہ تعلیم سے فارغ ہوا' تو باپ نے بیٹے کو کاروبار میں شریک کر لیا تھا۔

اسے کاروبار اور دولت کمانے کے سارے اسرار و رموز سے آگاہ کیا تھا۔ ذہین بیٹے نے سب کچھ بہت جلد سیکھ لیا تھا۔

اس کے بیٹے کی رگوں میں کس کا خون دوڑ رہا تھا؟ وہ کس کا خون تھا؟ اگر وہ کسی کو بھی اعتماد میں لے کر بتاتی تو کوئی بھی اس کی اس بات کا یقین نہیں کرتا۔ اسے پاگل کہتا۔ نفسیاتی مریض قرار دیتا۔ اس لئے کہ یہ بات جتنی عجیب و غریب' اور ناقابلِ فہم تھی' اتنی ہی پُراسرار بھی۔ اور پھر یہ سب کچھ بتانا ہر طرح' اور ہر لحاظ سے لاحاصل تھا۔ جو بھی سنتا' وہ یہی کہتا کہ وہ اپنی سیاہ کاری' اور بدچلنی پر پردہ ڈالنے کے لئے من گھڑت کہانی سنا رہی ہے۔

اس کی زندگی کی وہ تین راتیں' جسے وہ کبھی بھلا سکی' اور نہ آخری سانس تک بھلا سکتی تھی۔ برسوں گزر جانے کے بعد بھی اسے ایسا لگتا' اور محسوس ہوتا' جیسے کل کی بات ہو۔ جیسے ایک عجیب' پراسرار اور خوفناک سپنا ہو۔ اگر انوپ نے جنم نہ لیا ہوتا' تو وہ اسے سپنا ہی کہتی' لیکن یہ ایک تلخ' ٹھوس اور انتہائی بھیانک حقیقت تھی' جو کسی صورت بھی جھٹلائی نہیں جا سکتی تھی۔

وہ نوجوان اور آغازِ شباب میں نہ صرف انتہائی حسین و جمیل تھی' بلکہ غیر معمولی پُرکشش بھی تھی' ایسا پُرشباب' گداز بدن سینکڑوں اور ہزاروں میں نہیں' بلکہ لاکھوں میں ایک ہوتا ہے۔ جوانی اپنی جگہ ایک حسن ہے۔ اگر حسن شباب کی منزل میں آ جائے' تو قیامتیں مجسم ہو جاتی ہیں۔ اس کا حسن مثالی تھا۔ گرد و غبار کا دبیز شعلہ حسن' شعلہ بدن کو چھپانے میں ناکام تھیں۔ برہنہ سر...... برہنہ پا از خود وارفتگی کے عالم میں جب وہ سرِ راہ گزرتی' یا کسی تقریب میں جاتی' تو مرد اسے دیکھ کر لمحوں تک سکتے کی سی کیفیت میں رہ جاتے' جیسے ان پر کوئی بجلی سی آ گری ہو۔ ان کی نگاہیں لمحے کے لیے بھی اس کے چہرے اور سراپا سے ہٹتی نہیں تھیں۔

ایک فلمی نجی تقریب میں اس کی سہیلی رتنا' جو بڑی مشہور و معروف ماڈل گرل تھی' جس کا پورے ہندوستان میں ڈنکا بج رہا تھا۔ وہ اسے فلم سازوں اور مشتہر کمپنیوں کے مالکان سے متعارف کرانے لے گئی تھی' تاکہ وہ شو بزنس کی دنیا میں آ جائے۔ اس کی سہیلیوں کا یہ کہنا تھا' کہ اسے ملازمت یا کسی عام آدمی سے شادی کر کے اپنا حسن، جیون اور مستقبل تباہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا بے مثال حسن و شباب اسے عزت، شہرت اور مالا مال کر دے گا۔ اس کی اصل جگہ' اصل مقام اور اصل دنیا شوبزنس ہے۔ وہ اس طرح لاکھوں کے دلوں پر حکمرانی کرے گی۔ وہ ہر مرد کے سپنوں کی رانی بن جائے گی۔

جب رتنا اس کا تعارف ہندوستان کے نامور اور چوٹی کے فلم ساز آنند ساگر سے کرا رہی تھی' کشور کمار بھی وہیں موجود تھا۔ وہ اس تقریب میں نہ صرف فلمی اداکاراؤں سے زیادہ نمایاں

تھی' بلکہ ہر کسی کے توجہ کا مرکز بھی بنی ہوئی تھی۔ نوجوان لڑکے' ہیرو' فلم ساز اور مہمان پروانوں کی طرح اس پر نثار ہو رہے تھے۔ دو ایک فلم سازوں نے اسے اپنی نئی فلموں میں ہیروئن لینے کا وعدہ بھی کیا' اور اسے دوسرے دن اسکرین ٹیسٹ کیلئے اسٹوڈیو میں اپنے دفاتر میں مدعو بھی کیا تھا۔

دوسرے دن صبح دس بجے اس کے فلیٹ کی اطلاعی گھنٹی بجی' تو وہ یہ سمجھی کہ اسے رتنا اپنے ہمراہ فلم سازوں کے پاس اسکرین ٹیسٹ کیلئے لے جانے آئی ہے۔ جب اس نے دروازہ کھولا تو اس کے سامنے کشور کمار کھڑا ہوا تھا' جو اس شہر کے بڑے بزنس مین میں سے ایک تھا۔ خوب صورت، اسمارٹ' وجیہہ' دراز قد اور چاق و چوبند۔ اس کی شخصیت سحر انگیز تھی۔ رتنا نے اس کا تعارف بھی کرایا تھا۔ وہ رتنا کے دوستوں اور پرستاروں میں سے تھا۔ رتنا اس کی کمپنی کی کئی کمرشل میں کام کر چکی تھی۔

اسے اچانک اور غیر متوقع اپنے گھر کے دروازے پر دیکھ کر تعجب نہ ہوا' کیوں کہ وہ سمجھ گئی تھی' کہ کشور کمار اس کے حسن و شباب کے طلسم کا اسیر بن کر آیا ہے۔ شاید وہ بھی کوئی فلم بنانا چاہتا ہوگا۔ دولت مندوں کو دولت کمانے کا چسکا ہوتا ہے۔ ایک فلم بھی ہٹ ہو جائے' تو وہ راتوں رات کروڑوں کما لیتا ہے۔ لیکن کشور کمار کروڑ پتی ہے' وہ کروڑوں کما کر کرے گا کیا؟

''مس شانتی!'' کشور کمار نے بڑی انکساری سے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''میں بے وقت آنے کی معافی چاہتا ہوں۔ آپ سے ایک ضروری معاملہ پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں' اس لیے سویرے آ گیا ہوں۔ پلیز! آپ کچھ خیال نہ کریں۔''

اس نے کشور کمار کو نشست گاہ میں بٹھایا پھر اپنے اور اس کے لیے کافی بنا کر لے آئی۔ پھر اس نے خوش دلی سے کہا۔

''فرمایئے! میں آپ کی کیا سیوا کر سکتی ہوں؟''

''میں یہ معلوم کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ کیا آپ نے واقعی فلم میں کام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟'' کشور کمار نے کافی سِپ کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' اس نے اثباتی انداز میں سر ہلا دیا۔ وہ کشور کمار کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

''وہ کس لیے......؟'' کشور کمار نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''آپ کیا اپنی سہیلی رتنا کے کہنے پر شوبز میں جانا چاہتی ہیں؟''

''اس لیے کہ میری سہیلیوں کا کہنا ہے کہ میں اپنا حسن و شباب اور عمر شادی کر کے اور بچوں کی ماں بن کر ضائع نہ کروں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''یہ حسن چار دن کی چاندنی کی طرح ہوتا ہے۔ یہ سنہرا موقع ہے جس سے میں فائدہ اٹھا کر عزت، شہرت اور دولت حاصل کر سکتی ہوں'

اور پھر میری بھی دلی تمنا ہے کہ میں اپنا مستقبل تابناک بناؤں۔"

"آپ میری بات ذرا غور' توجہ اور دھیان سے سنیں۔" کشور کمار کہنے لگا۔ "کوئی ضروری نہیں کہ آپ ایک کامیاب اور نامور فلمی ستارہ بن جائیں۔ کامیابی کے لیے صرف حسن و شباب ضمانت نہیں ہوتا ہے۔ اس میں قسمت کا بھی دخل ہوتا ہے۔ کتنی ساری حسین لڑکیاں اس نگری میں آئیں' لیکن قسمت نے ساتھ نہ دیا' وہ دولت اور شہرت ہی نہیں بلکہ عزت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں۔ شوبز دراصل ایک جنگل ہے۔ قدم قدم پر بھوکے بھیڑیے ہوتے ہیں' جب تک کوئی لڑکی یا عورت عزت نچھاور نہ کر دے' اسے کسی بھی فلم میں کوئی چانس نہیں ملتا۔ یہاں پانے کے لیے کھونا بھی پہلی شرط ہے۔ اس شوبز میں لڑکیاں آتی اور جاتی رہتی ہیں۔ فلم نگری کے آکاش پر کتنے ستارے چمکتے ہیں' پھر ڈوب جاتے ہیں۔ ستارے ہوتے ہی ہیں ڈوبنے کے لیے۔ عورت کی جگہ' مقام اور عزت گھر کی چار دیواری ہی ہے۔ شوبز میں ایک عورت طوائف بن جاتی ہے۔ کالی راتیں مقدر بن جاتی ہیں۔ آپ کو عزت، شہرت اور دولت چاہیے تو آپ میرا ہاتھ تھام لیں۔ میں آپ کی جھولی میں یہ سب کچھ ڈال دوں گا۔ عورت اس وقت مکمل ہوتی ہے' جب وہ ماں بنتی ہے۔"

پھر اس نے کشور کمار کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اس کی جیون ساتھی بن گئی۔ وہ دونوں ہنی مون منانے کے لیے وادیٔ کشمیر گئے۔ واپس آنے کے بعد ان دونوں نے ساحل سمندر پر ایک رات گزاری۔ چودھویں کی رات تھی۔ کشور کمار کا اپنا ایک عالی شان ہٹ تھا۔ اس رات ساحل سمندر پر ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ جس سے ان دونوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ آدھی رات تک دونوں تیرتے رہے۔ جب تھک جاتے تو ریت پر بے حجابی کی حالت میں لیٹ جاتے۔ محبت بھری باتیں کرتے' اور چاند کو تکتے۔ اس چاندنی نے اسے اور قیامت بنا دیا تھا۔

اس نے سمندر میں نہاتے، تیرتے اور ریت پر لیٹے لیٹے ایسا محسوس کیا تھا' کہ اس کے پتی کے سوا کوئی اور بھی بہت ہی قریب موجود ہے۔ نادیدہ ہستی کا وجود' اور اس کی بُو محسوس ہوتی رہی۔ اس نے کئی بار چونک کر غیر محسوس انداز سے ہر سمت دیکھا' اور اسے اپنا واہمہ سمجھ کر جھٹک دیا۔ وہ توہم پرست نہ تھی۔ لیکن اس بات کی قائل تھی' کہ بدروحوں کا وجود ہے۔ اسے اپنی ماں کی بہت ساری باتیں یاد آئی تھیں۔ اس کی ماں اسے راتوں کو خصوصاً چاندنی راتوں کو صحن میں اکیلی سونے نہیں دیتی تھی۔ وہ کہتی تھی کہ رات کے وقت بلائیں اور راکھشش گزرتے ہیں۔ اس لیے نوجوان لڑکیوں کو نہ تو سونا چاہیے' اور نہ ہی کسی حالت میں صحن میں آنا چاہیے۔ بدروحیں حسین' نوجوان لڑکیوں اور عورتوں پر مرمٹتی ہیں۔

اس نے اس وقت' جب وہ سمندر کے کنارے اپنے پتی کے ساتھ موجود تھی' وہ یہ محسوس کرتی رہی تھی کہ نادیدہ ہستی اس کے بالکل قریب اسے اس طرح دیکھ رہی ہے' جیسے وہ کتاب پڑھ رہی ہو۔ اس نے اپنا واہمہ دور کرنے کے خیال سے ایک دم سے اپنا ہاتھ اس طرف بڑھا دیا' جدھر اسے نادیدہ ہستی کا وجود محسوس ہوا تھا' لیکن وہاں کچھ نہ تھا۔ ایک خلاء سا تھا۔

جب وہ دونوں ہٹ کے اندر خِواب گاہ میں آ کر سونے کے لیے بستر پر دراز ہوئے' تو وہ بے حد نڈھال ہو رہی تھی۔ تھکن سے چُور چُور ہو رہی تھی۔ جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ وہ جلد ہی گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ ایک طرح سے اس پر مدہوشی سی طاری تھی۔ اس کا پتی بھی اس سے پہلے نیند میں ڈوب گیا تھا۔

اچانک وہ گہری نیند سے کسی وجہ سے بیدار ہوئی' تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے ایسا محسوس کیا' کہ وہ اپنے پتی کی آغوش میں ہے۔ لیکن دوسرے لمحے اسے ایک عجیب سی بو کا احساس ہوا' تو اس کے سارے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ یہ بُو اس کے پتی کے بدن کی ہرگز نہیں تھی' اور پھر یہ بدن بہت ہی سخت اور کھردرا سا محسوس ہوا۔ جب اس کے بدن نے حرکت کی تو گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے فوراً ہی ہاتھ بڑھا کر سرہانے رکھے ہوئے ٹیبل لیمپ کو آن کر دیا' جس سے کمرے میں روشنی پھیل گئی۔ اس نے دیکھا بستر پر کوئی نہیں تھا۔ اس کا پتی اس سے ہٹ کر سو رہا تھا' اور اس کا ایک بازو سینے پر رکھا ہوا تھا۔ انجانے خوف و خیال نے اسے پسینہ پسینہ کر دیا۔ اسے جو بو محسوس ہوئی تھی' وہ کسی مرد کے بدن کی نہیں' بلکہ اس کے پتی کے بدن سے آ رہی تھی۔ یہ اس لوشن کی بُو تھی' جو اس کے پتی نے اپنے جسم پر لگایا تھا۔ پھر اس نے سکون اور اطمینان کا سانس لیا۔ جلدی ہی گہری نیند میں ڈوب گئی۔

اس کے دوسرے دن اس کے پتی کو ایک ضروری کام سے بنگلور پانچ دنوں کے لیے جانا پڑ گیا۔ رات کے کھانے سے فراغت پانے کے بعد ملازمہ بھی باورچی خانے کے کام سے فراغت پانے کے بعد سونے کے لیے نیچے چلی گئی۔ دو ایک سہیلیوں سے فون پر بات کرنے کے بعد وہ ٹیلی ویژن دیکھنے بیٹھ گئی۔ اس کے پسندیدہ چینل پر ایک پراسرار اور خوف ناک قسم کی فلم دکھائی جا رہی تھی۔ اسے دہشت ناک قسم کی فلمیں پسند نہیں تھیں۔ یہ فلم ایک بدروح کی کہانی پر فلمائی ہوئی تھی۔ نادیدہ ہستی کا خیال آتے ہی اس نے ٹیلی ویژن آف کر دیا۔ پھر شب خوابی کا لباس پہن کر اس نے نائٹ بلب آن کیا۔ پھر وہ سونے کے لیے بستر پر دراز ہو گئی۔

جلد ہی نیند نے اسے دبوچ لیا تھا۔ دوسرے لمحے وہ بیدار ہو گئی' اسے صرف لمحے کے لیے نیند آئی تھی۔ نیند ٹوٹ جانے کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اس کے ذہن میں جو خیال آیا' وہ

نادیدہ ہستی کا تھا' جس کا وجود اس نے ساحل سمندر پر چاندنی رات میں محسوس کیا۔ اب جب کہ وہ اس نادیدہ ہستی کے بارے میں سوچنے لگی' تو اسے یہ احساس ہوگیا کہ وہ واہمہ نہیں تھا۔ واقعی نادیدہ ہستی موجود تھی۔ وہ شاید کوئی راکھشش ہی تھا' جو ادھر سے گزر رہا تھا۔ جب وہ نیند کی حالت میں تھی' تب نادیدہ ہستی نے اسے اپنے بازوؤں کی گرفت میں لیا ہوا تھا۔

راکھشش کا تصور انتہائی بھیانک اور دل خراش تھا۔ کیا وہ کوئی شریف قسم کا راکھشش تھا' جو نہ تو جذباتی ہوا اور نہ ہی اس نے من مانی اور دست درازیاں کی۔ وہ چاہتا تو بہت کچھ کرسکتا تھا۔

اس کے تصور میں اس نادیدہ ہستی کا جو چہرہ تھا' وہ پُراسرار، الجھا ہوا اور ناقابل فہم تھا۔

یکا یک اس نے دیکھا کہ کمرے میں نیم تاریکی ہے' دروازہ بند ہے۔ اندر اس کی چٹخنی لگی ہوئی ہے۔ اسے بڑی حیرت ہوئی' وہ دروازہ بند تو کردیتی تھی' لیکن اندر سے چٹخنی نہیں لگاتی تھی' تاکہ ملازمہ کو دروازے پر دستک دینے کی نوبت نہ آئے۔ وہ بیڈ ٹی لے آئے۔ اگر وہ سو رہی ہے' تو اسے جگا دے۔ کسی نے کھڑکیاں بھی بھینچ کر بند کردی تھیں۔ جب کہ رات کو سوتے وقت وہ کھڑکیاں کھلی رکھتی تھی' کیوں کہ تازہ ہوا آتی تھی۔ سمندر کی طرف کھڑکیاں کھلتی تھیں۔ اس لیے راتوں کو ایئر کنڈیشنر آن نہیں کیا جاتا تھا۔ دوسری حیرت کی بات یہ تھی' کہ مسہری سنگار میز کے ساتھ لگی ہوئی ہے' جب کہ وہ اس طرح سے ہوتی تھی کہ سنگار میز کے آئینے میں مسہری کا سارا منظر دکھائی دے۔

پھر اس نے دیکھا کہ مسہری کے نیچے سے ایک چھ سات فٹ لمبا اور موٹا سنہری رنگت کا ناگ رینگتا ہوا نکل آیا۔ ناگ کو دیکھتے ہی اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا۔ اس نے چیخ مارنا چاہی' لیکن اس کی آواز حلق میں کسی گولے کی طرح اٹک گئی۔ دہشت سے اس کا بدن لرزنے لگا۔ وہ اگلے لمحے غش کھا گئی۔

جب اسے ہوش آیا' تو اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ اس نے سوچا' کہیں وہ سپنا تو نہیں دیکھ رہی ہے؟

یہ سپنا نہیں تھا۔ وہ حیرت اور اسرار کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ اس پر ایسا سکتہ طاری ہوگیا' کہ وہ مورتی بن کر رہ گئی۔

ایک حقیقت سے دوسری حقیقت جنم لیتی ہے۔ اسے یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن یہ یقین نہ کرنے والی بات نہ تھی۔ اسے یقین کرنا پڑا۔ اس کی نظروں کے سامنے سات فٹ لمبا' موٹا اور سنہری رنگت کا ناگ نہیں تھا۔ ایک دراز قد' بے حد وجیہہ اور نہایت خوبصورت مرد کھڑا تھا' جو قصہ

کہانیوں اور فلموں کے ہیرو سے کہیں پُرکشش تھا۔ اس میں ایک عجیب سا سحر تھا۔ اس کی عقاب جیسی آنکھوں نے اسے ہپناٹائز کردیا تھا۔ اس کی آنکھیں جتنی خوبصورت تھیں' اتنی ہی چمکیلی بھی تھیں۔ بہت بڑی بڑی بھی نہ تھیں۔

وہ ناگ کہاں گیا؟ اس نے چونک کر دل میں اپنے آپ سے سوال کیا اور کمرے میں متلاشی نظروں سے ہر جگہ دیکھ لیا۔ اسے وہ ناگ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ پھر یہ اندر کیسے آگیا۔ دروازے اور کھڑکیاں سب تو بند ہیں۔ اوہ بھگوان! یہ سب کیا ہے؟ میں تو پاگل ہو جاؤں گی۔ یہ سپنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ سپنے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

"تم......تت......تم کون ہو......؟" اس نے اپنی طاقت اور حواس قابو کرکے پوچھ لیا۔ "وہ ناگ کہاں ہے؟ کیا تم......؟"

"ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ پُرسکون اور پُراعتماد لہجے میں بولا۔ "مجھے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں شانتی۔"

"لیکن تم پہلے یہ بتاؤ کہ تم اندر آئے کیسے؟" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "کیا پہلے سے چھپے ہوئے تھے؟"

"تمہیں خوف زدہ، ہراساں اور پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ تمہیں اپنے ہر سوال اور بات کا واضح جواب مل جائے گا۔"

اس کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ بالکل واضح اور صاف تھا۔ ٹکسال میں ڈھلنے والے نئے سکوں کی طرح' پیانو سے نکلنے والے سُروں کی طرح۔ جب وہ چار برس کی تھی' تب اس کے پتا جی نے اسے موسیقی کا پہلا سبق دیا تھا۔ وہ ایک بہت بڑا موسیقار تھا۔ کئی سازوں کے بجانے میں مہارت رکھتا تھا' لیکن اسے پیانو سے جذباتی وابستگی تھی۔ اس کے پتا جی نے اسے گود میں بٹھا کر اس کے ننھے منے گورے گورے، بہت ہی خوبصورت اور سڈول ہاتھوں کو پیانو کے سُروں پر پھیرا تھا' اور اس سے کہا تھا' کہ تمہارے ہاتھوں میں وہی جادو ہے' جو تمہاری ماں کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ پیانو بہت اچھا بجاتی تھی۔ اس پیانو نے ہم دونوں کو قریب کیا تھا۔ ہم دونوں محبت کے اٹوٹ بندھن میں بندھ گئے تھے۔ جیون کا سفر شروع ہوا۔ لیکن بے وفا کون تھا؟ وہ وقت جس پر کسی کو اختیار نہیں' یا تقدیر' جو وعدوں کے ہر زنجیر کو توڑ دیتی ہے' یا وہ ساتھی' جس نے زندگی کے سفر میں آخر دم تک شریک رہنے کا عہد کیا تھا' لیکن راستے سے تھک کر موت کی تاریک وادیوں میں نکل گیا تھا۔ تمہاری ماں نوشتہ تقدیر ایشور کی آگیا سمجھ کر قبول کرنے والی صابر و شاکر عورت تھی۔ جس نے ازدواجی زندگی کے چند برس گزارے۔ مہلک بیماری نے فرشتۂ اجل بن کر اسے

نکل لیا تھا۔ تم میری محبت اور اپنی ماں اور اس کی موسیقی کی نشانی ہو۔ تمہاری ماں جب بھی پیانو کہیں دیکھ لیتی تھی' تو اس کی انگلیاں بے قرار ہو جاتی تھیں۔ وہ پیانو کے اسٹول پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیتی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد کچھ دیر کے لیے دنیا کو بھول جاتی تھی' جس میں اسے کہیں پناہ دکھائی نہ دیتی تھی۔ پھر اس کی مخروطی انگلیاں نغمہ ساز چھیڑ دیتی تھیں' پھر وہ زمین سے بہت اوپر سات سُروں کی دنیا میں پرواز کرنے لگتی۔ جہاں ہر سُر قوس قزح کے ایک رنگ کی طرح ہوتا۔

تب وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرتی' کیوں کہ رنج وخوف' بیماری کے آسیب زدہ سائے اور مستقبل کی بے یقینی سے ڈرانے والے سراب' یہ سب نیچے رہ جاتے اور اس کی انگلیاں جادو جگا رہی ہوتیں' اور ان کے اعجاز مسیحائی سے اسے اور اس کی آتما کو طمانیت اور سکون قلب کی وہ مسرت ملتی' جس سے وہ بیماری کے باعث محروم تھی۔ جب سُر کا یہ سفر ختم ہوتا' تو وہ آنکھیں کھول کر دیکھتی۔ پھر اسے سننے والے ہر شخص کی پرستائش نظروں کا احساس ہوتا۔ لوگ دم بخود نظر آتے' جیسے انہیں کسی طلسم نے اسیر بنا لیا ہو۔ اس نے بہت کم عمری میں پیانو بجانے میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ اس شخص کی آواز میں کوئی سحر تھا کہ اس کی حیرت اور لرزا دینے والا خوف جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ وہ کہنے لگا۔

''شانتی!'' اتنا کہہ کر وہ اس کی مسہری کے اور قریب آیا۔ میں بات کو بلاوجہ گھما پھرا کے کہنے میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ میں انسان نہیں ہوں' بلکہ ایک ناگ ہوں۔ وہی ناگ جو تم نے کچھ دیر پہلے دیکھا ہے۔ میں ایک انسان کے روپ میں ہوں۔ شاید تمہیں سانپوں، ناگنوں، ناگوں اور اژدھوں کی دنیا کے متعلق معلوم ہوگا۔ لیکن میں پھر بھی تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ جس طرح انسانوں کی دنیا ہے' اس طرح ہمارا بھی ایک جہاں ہے' دنیا ہے' آبادی ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی جگہ' آبادی' جنگل' مقام اور خطہ نہیں ہے' جہاں ہم آباد نہ ہوں۔

انسانوں کی طرح ہر رنگ اور نسل میں' اور قوم کی صورت میں موجود ہیں۔ جس طرح تم لوگوں کا خدا' ایشور' بھگوان اور راجہ ہے' اسی طرح ہمارا بھی دیوتا ہے۔ ناگ دیوتا۔ جس کی ہم پرستش کرتے ہیں' اور اس کا ہر حکم بجا لاتے ہیں۔ وہ ہر اس ناگ کو' جو سو برس تک کوئی نہ کوئی ایثار، کارنامہ اور قربانی انجام دے' اسے ناگ دیوتا کا درجہ اور سند دیتا ہے۔ جو ناگ یہ سند پاتا ہے' وہ ایک غیر معمولی ناگ بن جاتا ہے۔ وہ انسان کے روپ میں آسکتا ہے۔ ان کی زبان بول سکتا ہے۔ جس عورت اور جس حسین سے حسین ناگن کو چاہے اپنا اسیر بنا لے' اور اس کے ساتھ وقت گزارے۔ کوئی ناگن ناگ دیوتا کی کسی بات سے انکار نہیں کرتی' اور نہ کرسکتی ہے۔

وہ ناگ دیوتا' جو ایک طرح سے ہمارا ایشور بھی ہے' اور اس بات کو سب سے زیادہ پسند

کرتا ہے کہ انسان کو ڈس لیا جائے' اس کا خون پی لئے' کیوں کہ ہمارے اور اس دیوتا کے آگے انسان سے بڑا خطرناک، موذی اور مہلک کوئی نہیں ہے۔ جب کوئی سانپ، ناگن اور ناگ کسی انسان کو ڈس لیتا ہے' تو ناگ دیوتا کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ جب کوئی آدمی، سانپ، ناگن اور ناگ کو ہلاک کر دیتا ہے' تو ناگ دیوتا کو بہت دکھ اور افسوس ہوتا ہے۔ لیکن وہ اسے پھر جنم دے کر ہماری دنیا میں لے آتا ہے۔

میں سو برس سے صرف انسانوں کو ڈستا آیا ہوں۔ نہ صرف ڈستا آیا ہوں' بلکہ ڈسنے کے بعد اس کا سارا خون بھی پیتا رہا ہوں۔ ایک قطرہ خون تک اس میں رہنے نہیں دیتا۔ جب کہ سانپ، ناگ اور ناگن آدمی کو صرف ڈس لیتے ہیں' خون نہیں پیتے' بلکہ اس کے بدن اور خون میں اپنا زہر سرایت کر دیتے ہیں' تاکہ وہ موت کی آغوش میں چلا جائے۔ گو کہ انسان کے پاس اس کا توڑ ہے۔ وہ متاثرہ آدمی اس وقت زندگی پاتا ہے' جب بروقت اور فوری اس کا توڑ کیا جائے۔ تھوڑی بہت دیر ہو جانے پر ہمارا کاٹا ہوا بچ نہیں پاتا۔ وہ پانی بھی نہیں مانگتا۔ کیونکہ ہمارا زہر موت کے فرشتے کی طرح بے رحم اور سفاک ہوتا ہے۔

انسانوں کا خون پینے کی ریت صرف میں نے ڈالی ہے۔ تم یہ بات جاننا چاہو گی کہ میں اس انسان کا خون کیوں پی جاتا ہوں' جسے ڈس لیتا ہوں۔ اس لیے کہ اس میں جو لذت، ذائقہ اور مزا ہے' وہ کسی اور چیز میں نہیں ہے۔ میں ساری دنیا کے تمام پھل کھا چکا ہوں۔ ان کا رس پی چکا ہوں۔ اس کے علاوہ انسانوں کے ہاتھوں کے پکے ہوئے ہر قسم کے کھانے بھی۔ ایسی بات دنیا کی کسی چیز میں پائی نہیں جاتی ہے۔ انسانی خون میں ایک اور بات ہے' جو کسی بھی جان دار کے خون میں نہیں ہے۔ نہ شیر، نہ شیر ببر، نہ ہاتھی، نہ ریچھ، تیندوا اور گینڈے میں ہے۔ یہ خوبی صرف اور صرف انسان کے خون میں ہے۔ اس میں ایک عجیب اور غیر معمولی طاقت ہے۔ اگر انسان' انسان کا خون پی لے تو وہ سدا نوجوان اور شباب آور رہے گا۔ کسی قسم کی زردی اور بڑھاپا اس کے قریب پھٹکے گا بھی نہیں۔ لڑکیاں اور عورتیں اس کی ایسی اسیر ہو جائیں گی۔''

وہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔ پھر اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ وہ دھلی ہوئی سفید چادر کی طرح پڑتا چلا گیا۔ پھر اس کا بدن خوف ودہشت سے لرزنے لگا۔ الماری میں ریوالور رکھا ہوا تھا۔ اس میں اتنی ہمت اور سکت نہیں تھی کہ اپنی جگہ سے حرکت کر سکے۔ ایک سات فٹ کا مرد اس کی راہ میں حائل تھا۔ جس کا سینہ چوڑا چکلا تھا۔ جسم اور بازو فولادی معلوم ہوتے تھے۔ وہ الماری کی طرف بڑھتی' تو یہ ناگ اسے دبوچ لیتا۔ اس ناگ کے بازوؤں میں اس کا دم نکل جاتا۔ پسلیاں اور ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔

"کیا......کیا......"

اس نے یہ دقت تمام رک رک کر کہا اور اس لمحے وہ سانس لینا بھی بھول گئی تھی۔ "کیا تم مجھے ڈسنے کے لیے آئے ہو؟ اگر ڈسنے کے لیے آئے ہو تو پھر دیر کس بات کی؟ تم مجھے ڈس کیوں نہیں لیتے ہو؟ جلدی سے ڈس لو۔ میں خوف و ہراس' دہشت کے کرب اور اذیت سے موت کا انتظار کرنا نہیں چاہتی ہوں۔ جتنا جلد ہو سکے اس عذاب سے نجات دلا دو۔"

"نہیں......نہیں۔" وہ ہنسا۔

"میں تمہیں ڈسنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ میں تمہارے حسن و شباب اور کشش سے متاثر ہو کر آیا ہوں۔"

"اب جب کہ تم نے مجھے جی بھر کے دیکھ لیا ہے' تو یہاں کیوں اور کس لیے کھڑے ہوئے ہو۔" جو جی کڑا کے بولی۔ "میں نے سنا ہے کہ ناگنیں بہت حسین ہوتی ہیں۔ ان کے حسن کی تعریف نہ سنی ہے بلکہ انہیں چڑیا گھر میں دیکھ بھی چکی ہوں۔ میرا ان سے کیا مقابلہ؟"

"یہ بجا ہے کہ ناگنیں بہت ہی حسین بھی ہیں۔"

ناگ دیوتا نے جواب دیا۔ لیکن انسان سے زیادہ دوسرا کوئی جاندار خوب صورت نہیں ہے۔ اور پھر ایشور نے عورت کو اس قدر حسین بنایا ہے' کہ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میں نے سو برسوں میں نہ جانے کتنی لڑکیاں اور عورتیں دیکھیں۔ ان میں بہت ساری بہت ہی حسین بھی تھیں۔ لیکن ان میں سے کسی کے ساتھ وقت اس لیے بھی نہیں گزار سکتا تھا' کہ میرے سو برس کا چلہ پورا نہیں ہوا تھا۔ دیوتا نے مجھے بہروپ بدلنے کا منتر اور اجازت نہیں دی تھی۔ مجھے صرف ناگنوں کے ساتھ وقت گزاری کی اجازت تھی۔ اب مجھے ہر روپ میں آنے کا ہنر اور صلاحیت سے سرفراز کر دیا گیا ہے۔ میں چودھویں کی رات سمندر کے کنارے' سمندر میں بسی ہوئی ناگن کی تلاش میں آیا تھا۔ لیکن تمہیں دیکھ کر اسے بھول گیا۔"

"اچھا تو وہ نادیدہ ہستی تم تھے؟"

وہ ایک دم سے چونک کر حیرت بھرے لہجے میں بولی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"کیا تم نے میرا وجود محسوس کر لیا تھا؟" ناگ دیوتا نے اس کے حسین چہرے پر نظریں مرکوز کر کے کہا۔ اس کے لہجے میں تعجب سا تھا۔

"ہاں۔" اس نے اپنا سر اثباتی انداز میں ہلا کر جواب دیا۔"

میں نے سمندر میں نہاتے' خشکی پر پتی کے ساتھ لیٹے اور چاندنی رات سے لطف اندوز ہوتے ہوئے محسوس کیا تھا' کہ نادیدہ ہستی بالکل پاس ہے۔ نہایت سکون اور اطمینان سے دیکھ

رہی ہے۔ میں نے اسے اپنا واہمہ سمجھا تھا۔ لیکن اس وقت میرے شک کو تقویت پہنچی تھی' پھر میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ یہ میرا واہمہ تھا۔ تم نے حد سے تجاوز کیوں نہیں کیا۔ روشنی ہوتے ہی تم غائب ہو گئے۔ کیا تم روشنی اور میرے پتی کی موجودگی سے ڈر گئے تھے؟ تم نے نامناسب حرکت کو اچھا نہیں سمجھا؟"

"روشنی اور تمہارے پتی کی موجودگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔" ناگ دیوتا نے جواب دیا۔ "میں اس رات تمہیں جی بھر کے دیکھنا چاہتا تھا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ تمہارے ساتھ شب کے وقت کمرے میں ہم دونوں کے سوا کوئی نہ ہو۔ میں چاہتا تو تمہارے پتی کو ڈس کر اس کی لاش لے جا کر سمندر کی تہ میں ڈال آتا۔ لیکن تمہیں ودھوا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ پھر میں نے فیصلہ کیا تمہارے پتی کو راستے سے ہٹانے کے بجائے' کیوں نہ ایک رات انتظار اور صبر کروں۔ جب تم گھر جاؤ گی' تمہارے پتی کو بے ہوش کر دوں اور تمہیں نیند کی حالت میں دوسرے کمرے میں لے جاؤں۔ اس کی نوبت نہیں آئی۔ تمہارا پتی اتفاق سے ایک ضروری کام سے کچھ دنوں کے لیے چلا گیا۔ اس طرح میرا راستہ آپ ہی آپ صاف ہو گیا۔"

"نہیں......نہیں۔" وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔ "تم میرے قریب مت آنا۔ مجھے چھونا نہیں۔ میں ایک شریف پتنی ہوں۔"

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم ایک نہایت حسین عورت ہو۔" وہ تعریفی انداز میں بولا۔ پھر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ میرے لیے شریف اور بدکار عورت ایک ہی بات ہے۔ میں تمہارے قریب نہ آؤں' اور تمہیں نہ چھوؤں' یہ کیسے ممکن ہے۔ پونم کی رات۔ دودھیا چاندنی کے سمندر میں تمہیں جس حالت میں دیکھا' اس نے مجھے پاگل کر دیا تھا۔ وہ رات میں نے سمندری ناگن کے ساتھ گزاری تھی۔ لیکن آج کی رات تم مجھے اپنے پاس آنے سے باز نہیں رکھ سکتی ہو۔ میں پو پھٹنے تک تمہارے ساتھ رہوں گا۔ تم کسی صورت اور کسی قیمت پر مجھ سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکتی ہو۔ تمہارا انکار' مزاحمت اور چیخ و پکار کسی کام نہیں آئے گی۔ تم اپنے پتی کو بھول جاؤ گی۔ ایسا مرد تمہاری زندگی میں کبھی آیا ہو گا' اور نہ آئے گا' تم مجھے اپنی زندگی کی آخری سانس تک یاد کر کے میری آرزو کرو گی۔ لیکن تمہاری یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہو گی۔ کیونکہ میں اور عورتوں اور لڑکیوں کا شکار کرنے دنیا کی سیر کروں گا۔ میں صرف تین راتیں تمہاری نذر کروں گا۔"

پھر وہ بستر پر آ گیا۔ اس ناگ نے اس پر کچھ ایسا سحر کیا تھا' کہ وہ اسے بہت ہی سندر اور پرکشش اور جاذب نظر لگا تھا۔ وہ اس وقت یہ بھول چکی تھی' کہ وہ دیو قامت ناگ ہے' جو انسان کے روپ میں اس کی عزت کا دشمن ہے۔ یوں وہ مسحوری ہو کر اسے ایک نظر دیکھتے ہی اس کے

سارے بدن میں نرم اور لطیف سی چنگاریاں بھر گئیں۔ وہ خاموش رہی۔ ساکت و جامد رہی۔ دیکھتی رہی کہ یہ کیا کرتا ہے۔ چپ چاپ لیٹی اسے دیکھتی رہی۔ پھر وہ اس کے قریب آ گیا۔ اس کا لمس بڑا لطیف اور انوکھا تھا۔ یہ بات اس کے پتی میں نہیں تھی۔ اسے ایسا محسوس ہوا اس کے سارے بدن میں سنسنی پھیل گئی' اور اس کے عضو عضو سے فوارے ابل پڑے' اور اس پر موت کی سی غنودگی چھا گئی۔ پھر وہ اس کے اور قریب ہوا' پھر ان کے درمیان کوئی فاصلہ اور حجاب نہیں رہا۔ اسے ذرا برابر بھی محسوس نہیں ہوا تھا کہ یہ انسان نہیں ناگ دیوتا ہے۔ اس کی حرکات و سکنات، جذباتی افراتفری، تعریفی لب ولہجہ جو شاعرانہ انداز کا تھا۔ والہانہ پن اور وارفتگی' وہ نشاط انگیز لمحات میں یہ بات بھول گئی تھی' کہ یہ ایک ناگ دیوتا ہے۔ شاید اس ناگ دیوتا نے اس کے دل و دماغ پر کوئی جادو کر دیا تھا' جس کے باعث اسے اسی لمحے بھی یہ خیال نہیں آیا تھا' اس نے اپنے آپ کو پوری خود سپردگی سے اس ناگ کے حوالے کیا ہوا ہے۔ اسے اس بات کا احساس بھی نہیں رہا تھا' کہ وہ ساری رات ایک غیر مرد کی آغوش میں رہی ہے۔ وہ اسے کھلونا بنایا ہوا ہے۔ اس بات کو بھی بھول گئی تھی' کہ وہ اپنے پتی کی امانت ہے۔

جب پو پھٹ رہی تھی' تب ناگ دیوتا بستر سے نکلا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ناگ کا روپ بھرا۔ پھر وہ کھلی کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھ کر اتر گیا تھا۔ اس میں اتنی سکت نہیں تھی' کہ وہ کھڑکی کے پاس جا کر باہر جھانک کر دیکھتی۔ یہ کھڑکی اس نے رات کو جانے کیوں اور کس لیے کھولی تھی' اسے یاد نہیں آیا۔ اس کی نس نس میں ابھی تک لطیف احساس چھایا ہوا تھا۔ خون بھی رقص کر رہا تھا۔ سارے بدن میں سنسنی سی بھری ہوئی تھی۔ اس کا جوڑ جوڑ ٹوٹنے لگا۔ بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہوئے روئیں روئیں میں بھڑکتی ہوئی چنگاریاں کب سرد ہوئیں اور اسے کب نیند آئی' کچھ پتا نہیں چلا۔ اس پر پرانی شراب کا سا خمار چھایا ہوا تھا۔

جب صبح اس کی آنکھ کھلی تو دن چڑھ آیا تھا۔ اس نے تھکے تھکے انداز سے انگڑائی لی' اور نڈھال سی سنگار میز کے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ چند لمحوں کے بعد اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ ناگ دیوتا نے اس کے دل و دماغ پر ایسا جادو کیا تھا' کہ اسے کسی بات کا خیال اور ہوش نہیں رہا تھا۔ اس ناگ دیوتا نے اپنے جادو کے زور سے ساری رات آلودہ کیا تھا۔ اسے ایسا لگا' جیسے اس کے وجود میں تعفن اٹھ رہا ہو۔ اس نے یہ کیا کیا؟ اسے اپنے آپ سے نفرت اور گھن سی محسوس ہونے لگی۔

اس نے رات اپنے کمرے میں نہ صرف ملازمہ کو سلا لیا' بلکہ کمرے میں روشنی بھی کی۔ رات بارہ بجے اس کی آنکھ لگ گئی۔ جب وہ بیدار ہوئی تو وہ ناگ دیوتا موجود تھا۔ ناگ دیوتا

نے آج بھی اس کے دل و دماغ پر جادو کر کے ہر احساس اور ہوش سے بیگانہ کر دیا تھا۔ کمرے میں ملازمہ موجود نہیں تھی۔ صبح اسے پتا چلا کہ وہ ناگ دیوتا کے ہاتھوں ساتھ تھی۔ تیسری رات اس نے جو احتیاطی تدابیر کی تھی' وہ بھی لاحاصل ثابت ہوئی تھی۔ اس نے ایک ہوٹل میں کمرا کرائے پر لیا تھا۔ لیکن وہ ناگ دیوتا اس رات بھی وہاں آ گیا تھا۔ وہ یہاں بھی بے بس اور اس کے رحم و کرم پر رہی تھی۔



ناگ دیوتا نے اس سے کہا تھا' وہ صرف تین راتیں اس کی نظروں میں اور اس کے پاس رہے گا۔ اس بات پر وہ قائم رہا تھا۔ پھر وہ اس دن کے بعد سے اس کی زندگی میں نہیں آیا تھا۔ اس نے جو زبان دی تھی' اس پر عمل کیا تھا۔ لیکن ایک بات جو ناگ دیوتا نے کہی تھی' وہ غلط نہ تھی۔ واقعی اس کے جیسا مرد اس کی زندگی میں آیا تھا' اور نہ آ سکتا تھا' اور وہ اسے کبھی بھول نہیں سکتی تھی۔

جب نو ماہ کے بعد اس نے ایک خوبصورت سے بچے کو جنم دیا تو کشور کمار کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ لیکن وہ جانتی تھی' اور ایک عورت ہی بتا سکتی تھی' کہ اس نے جس بچے کو جنم دیا ہے وہ کس کا خون ہے؟ یہ خون ناگ دیوتا کا تھا۔ اس کی نشانی تھی' اس کی ماتا آڑے نہ آتی تو وہ انوپ کمار کا خون کر دیتی۔ اس نے پورے نو ماہ اس نشانی اور غلاظت کو اپنی کوکھ میں رکھا تھا۔ اس کی کیسی مجبوری اور بے بسی تھی کہ وہ یہ بات دنیا میں کسی کو بتا نہیں سکتی تھی۔

انوپ کمار نے چھبیس برس کی عمر میں جب کاروبار سنبھالا تو وہ دولہا ہو گئی تھی۔ ایک روز اس نے ایک عجیب اور ہولناک منظر دیکھا۔ ہوا یہ تھا کہ اس کی نوجوان ملازمہ جب زینے پر سے پھسل کر گری تھی' تب وہ اپنے کمرے میں تھی۔ اس نے ایک زوردار چیخ ماری تھی۔ جب وہ کمرے سے باہر نکلی تو ایک دم سے ٹھٹک گئی۔ اس کی ملازمہ فرش پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ اس کی پیشانی پر جو زخم آیا تھا' اس میں سے جو خون نکلا تھا وہ ملازمہ کے چہرے پر بکھرا ہوا تھا۔ زخم سے ابھی بھی خون رس رہا تھا۔ انوپ نے ملازمہ کو اٹھا کر اپنی آغوش میں لے لیا' اور اس کے چہرے پر جھک گیا۔ پھر اپنی زبان باہر نکال کر ملازمہ کے چہرے کا خون اس طرح چاٹنے لگا' جیسے کوئی بچہ آئس کریم کون چاٹتا ہے۔ جب اس نے سارا خون چہرے سے چاٹ لیا' تو پھر اس نے زخم پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے' اور خون چوسنے لگا۔ مزے مزے سے اس طرح خون پی رہا تھا' جیسے کوئی مشروب پی رہا ہوں۔

وہ بھونچکی سی ہو گئی۔ چند لمحوں تک اس پر خوف اور سکتے کی سی کیفیت طاری رہی تھی۔

انوپ کمار! انسان نہیں درندہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ کریہہ منظر اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا' کہ انوپ درندہ صفت ہے۔ کوئی آدمی انسان کا خون اس طرح سے چاٹ اور پی سکتا ہے۔ انوپ کوئی جنگلی اور وحشی تو نہیں تھا۔ اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کی اچھی تربیت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی تھی۔ پھر اس کے باوجود وہ درندہ صفت کیوں اور کیسے بن گیا؟ کب سے وہ انسانی خون پی رہا ہوگا؟ اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات اور سوالوں کی بھرمار ہونے لگی تھی۔

پھر اس کے ذہن میں ایک ہی جواب آیا۔ وہ یہ کہ یہ اس ناگ دیوتا کا بیٹا ہے' جو سو برس سے انسانی لہو شراب اور پانی کی طرح پیتا رہا' خون کا اثر ہونا یقینی ہے۔ گندے خون نے ایک درندہ صفت کو جنم دیا تھا۔

اس نے ایک ہی بار انوپ کمار کو خون چاٹتے اور پیتے دیکھا تھا۔ پھر نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت محتاط ہوتا تھا شاید۔



اس کی دوہری شخصیت کے دو پہلو ایسے تھے' جس کے بارے میں اس کی ماں نہیں جانتی تھی۔ اس نے اپنا ایک پہلو جو مصور کا تھا' اس کے بارے میں اپنی ماں کو نہیں بتایا تھا۔ مصور ہونا کوئی بری بات نہیں تھی۔ چوں کہ وہ کوئی اور قسم کا مصور تھا اور کسی وجہ سے صرف ماں سے ہی نہیں ساری دنیا سے چھپا کر رکھنا چاہتا تھا۔ یہ ایک ایسا راز تھا' جس کے بارے میں اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ کوئی عام قسم کا مصور نہیں تھا۔ اسے مصوری کے فن میں جو کمال حاصل تھا' وہ ہندوستان کے کسی مصور کو حاصل نہ تھا۔ اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اس نے کبھی اپنے فن اور صلاحیت کو دنیا کے سامنے پیش کرنے اور منوانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے کبھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ اسے شہرت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ایک گم نام مصور رہنا چاہتا تھا۔ اس میں اس کی جیسے بقا تھی۔

وہ ایک طلسماتی مصور تھا۔ اس نے یہ فن کسی سے نہیں سیکھا تھا' اور نہ ہی اس کا کوئی استاد تھا۔ ایک دن ہوا یہ تھا کہ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا' اس نے ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا' جو ایک درخت کے نیچے لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے دل میں ایک نادیدہ آواز لہرائی
"انوپ کمار! تم ایک بہت بڑے مصور ہو۔ تم ہر قسم کی تصویریں بنا سکتے ہو۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آیا ہے تو ایسا کرو کہ کاغذ اور قلم اٹھاؤ۔ اس لڑکی کی تصویر بنا کر دیکھو۔"

اس نے اس نادیدہ ہستی کی آواز کو مذاق اور اپنا واہمہ سمجھا تھا۔ اسے کبھی مصوری سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس نے اسکول میں جب کبھی کوئی تصویر بنائی تو وہ ایسی بھونڈی اور بیکار قسم کی ہوتی تھی' کہ اس کا خوب مذاق اڑتا تھا۔ وہ ڈرائنگ میں کمزور تھا۔ اسے اسکول میں ڈرائنگ کرتے وقت بڑی وحشت سی ہوتی تھی۔ وہ ڈرائنگ میں اکثر فیل ہوتا رہتا تھا۔

جب اس نے تصویر بنانے کے لیے کاغذ قلم نہیں اٹھایا' تو پھر ایک نادیدہ ہستی نے اسے غیر محسوس انداز سے میز پر لے جا کر کاغذ اور قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ پھر وہ اسے کھڑکی کے پاس لے گئی۔ اس نے لڑکی کو دیکھتے ہوئے کاغذ پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچیں' تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس لڑکی کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ کیمرے سے کھینچی ہوئی جیسی تصویر۔ اسے یقین نہ آیا۔

اس نے پھر ایک اور مرتبہ آزمانے کی کوشش کی ۔ اس کا قلم اور انگلیاں ایک ماہر مصور کی طرح آپ ہی آپ حرکت کرنے لگیں۔ اسے ایسا ہی محسوس ہوا' جیسے اس کے وجود میں کسی ماہر مصور کی آتما بس گئی ہو۔ یہ ایک حقیقت تھی۔ اس دن کے بعد اس نے جس کسی کی تصویر بھی بنائی' وہ ایسی زبردست اور ہو بہو تھی کہ۔ وہ عش عش کر اٹھا تھا۔

وہ دل میں نہ صرف حیران تھا' بلکہ بہت خوش بھی۔ کیونکہ اس کے ذہن میں اچانک ایک خیال ندا بن کر لپکا تھا۔ اس خیال پر مصوری کے بہانے عمل کر سکتا تھا۔ اس طرح اس کی پیاس بجھ سکتی تھی اور تسکین بھی ہوتی۔

اس نے ارما دیوی کو بھی اس کوٹھی کے اسرار کے بارے میں اعتماد میں نہیں لیا ہوا تھا۔ وہ اس عظیم الشان اور پرشکوہ کوٹھی کے بیرونی حصے تک محدود تھی۔ وہ اس کوٹھی کی صرف واحد ملازمہ ہی نہیں تھی' بلکہ داشتہ بھی تھی۔ اسے دوسرے عقبی حصے میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ دوسرے حصے میں جانے کے لیے جو کمرا تھا اس کا دروازہ مقفل رہتا تھا۔ صرف وہی اس دروازے کو کھول کر بیرونی حصے میں آسکتا تھا۔ اس دوسرے حصے میں' جو اس کے تصرف میں تھا' اس کا ایک اسٹوڈیو تھا۔ یہ کمرہ نہایت وسیع و عریض تھا۔ اس کا رہائشی کمرہ بھی تھا' جو نہایت آراستہ و پیراستہ اور خصوصی طور پر بنا ہوا تھا۔ اس کمرے کی دیواروں پر بڑے بڑے آئینے نصب تھے' جو چھت سے فرش تک تھے' ان کے پیچھے جو دیواریں تھیں' وہ دکھائی نہ دیتی تھیں۔ پوری چھت پر بھی بہت ہی خوبصورت اور شفاف آئینہ تھا' جس میں فرش، بستر اور پورے کمرے کا عکس نظر آتا تھا۔ اسٹوڈیو کے نیچے ایک تہ خانہ تھا۔ ان سب کے بارے میں ارما دیوی کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا۔ ارما دیوی کا اندازہ یہ تھا کہ اس دوسرے بڑے حصے میں کمرے ہوں گے' اور اس نے شاید وہاں اپنی دولت چھپا کر رکھی ہوئی ہوگی کہ انکم ٹیکس والے کسی دن چھاپہ مار کر برآمد نہ کرلیں۔ جیسا کہ اس کے علم میں یہ بات تھی' کہ بڑے بڑے سرمایہ دار اور فلمی دنیا کے فنکار اپنی کالی آمدنی ٹیکس بچانے کے لیے گھروں میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ انکم ٹیکس کی ٹیم نے ان گھروں پر چھاپہ مار کر کالا دھن برآمد کیا تھا۔

انوپ کمار صرف دن میں ناشتا کرتا تھا' جو ارما دیوی تیار کرتی تھی۔ وہ ٹھیک صبح نو بجے ناشتے کی میز پر آتا۔ وہ لنچ باہر ہی کرتا تھا۔ جب کبھی اسے رات کا کھانا کھانا ہوتا' تو وہ اسے اپنی من پسند ڈش کے بارے میں بتا جاتا۔ وہ کھانا پکانے میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔ ایسے ایسے لذیذ' ذائقہ دار اور مزے دار کھانے پکاتی تھی کہ وہ اپنی انگلیاں چاٹ لیتا تھا۔

انوپ کمار کو جب کبھی اس کی ضرورت اور طلب محسوس ہوتی' تو وہ اس کے کمرے میں رات کے کسی حصے میں چلا آتا' اور اسے گہری نیند سے بیدار کرتا۔ اس نے ارما دیوی کے ساتھ

وقت گزاری کے لیے کوئی دن مقرر نہیں کیا ہوا تھا۔ وہ بستر کی ساتھی تھی۔ اس کی آرزو اور خواہش تھی' اور وہ اس پر کسی بدلی کی طرح برستی رہے۔ کیوں کہ وہ اس بات کو جانتی اور سمجھتی تھی' کہ اس کے مالک جیسا خوبصورت مرد اس سنسار میں شاید ہی کوئی ہوگا۔ اس نے کئی بار دلی زبان اور غیر محسوس انداز سے دل کی بات اپنے مالک سے کہی تھی' اور اس پر ہر رات وہ اپنے مالک کے ساتھ بسر کرے لیکن وہ اس کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔

اس کے مالک کا ہفتہ میں ایک مرتبہ بدھ کے روز یہ معمول تھا کہ ناشتے سے فراغت پانے کے بعد ایک قدرے بڑی سی سرنج میں اس کا خون بھر لیتا تھا۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ وہ ہر ہفتہ اس کا خون لیبارٹری میں ٹیسٹ کروانے اس لیے لے جاتا ہے کہ طرح طرح کی بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں۔ سب سے مہلک اور خطرناک اور ظالم بیماری شوگر اور ہیپاٹائٹس ہے۔ اسے صحت مند رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر ہفتہ خون ٹیسٹ کیا جائے' تاکہ کوئی بھی مہلک قسم کے مرض کا حملہ نہ ہو۔ کسی بیماری کے بارے میں معلوم ہونے پر اس کا علاج اور تدارک کیا جا سکے۔ وہ اپنی محبوبہ اور ملازمہ کو ایک صحت مند اور چاق و چوبند عورت کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ اس سے کہتا تھا' کہ وہ ایسی غذاؤں کا استعمال بہ کثرت کیا کرے' جس سے زیادہ سے زیادہ خون پیدا ہو۔ وہ اس کے لیے ہر ماہ دس ہزار کی رقم دیتا تھا۔ وہ دو برس سے ملازمت کر رہی تھی' اور اس کی داشتہ تھی۔ لیکن اس نے ایک بار بھی خون کی رپورٹ کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ وہ تین چار بار ابتداء میں رپورٹ کے بارے میں پوچھ چکی تھی۔ اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ اگر ایسی ویسی رپورٹ آئی تو وہ اسے بتا دیا کرے گا۔ لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ آئندہ رپورٹ کے بارے میں نہ پوچھے۔ اپنے کام سے کام رکھے ۔ مالک کے چہرے پر ناگواری اور لب و لہجے میں تلخی محسوس کر کے اس نے رپورٹ کے متعلق پوچھنا بند کر دیا تھا۔

انوپ کمار نے اسے سختی سے اس بات کی تاکید کی ہوئی تھی' کہ کسی اجنبی اور ملاقاتی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ اسے باہر سے ہی لوٹا دیا جائے۔ اگر کسی نے زبردستی اندر گھسنے کی کوشش کی تو وہ اسے بلا تامل گولی مار دے۔ وہ پولیس سے خود نمٹ لے گا۔ اس نے حفاظت کی غرض سے ایک بھرا ہوا ریوالور دے رکھا تھا۔ اس نے یہ ریوالور بیرونی دروازے کے پاس جو میز تھی' اس کی دراز میں رکھ چھوڑا تھا۔ دو برس کے اس عرصے میں اس کے مالک سے ملنے کے لیے دو ملاقاتی بھی نہیں آئے تھے۔ ٹیلی فون موجود تھا' لیکن اس کی گھنٹی بجتی نہ تھی۔ یہ ایک حویلی نما کوٹھی تھی۔ وہ جس حصے میں رہتی تھی' وہ اس کی صفائی ، اپنے لیے ایک سے ایک عمدہ کھانا پکانے اور ٹی وی کے پروگرام دیکھنے میں وقت گزارتی تھی ۔ یہ اس کی مصروفیت تھی۔ اس طرح صبح ہوتی اور شام ہوتی

تھی۔ جب کسی رات اس کا مالک اس کے کمرے میں آتا' تو وہ بے انتہا خوش ہو جاتی۔ اسے یہ رات سہاگ کی پہلی رات کی طرح لگتی تھی۔

اسے جس دوسرے حصے میں آنے کی ممانعت تھی' اس کے بارے یہ سوچتی تھی' کہ اتنے بڑے حصے کی صفائی کون کرتا ہوگا؟ اس نے ابتداء میں اس حصے کی صفائی کرنے کے لیے کہا' تو انوپ کمار نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا' اور اسے کسی بات کے متعلق سوال کرنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ ایک طرف بہت خوش تھی کہ اس کا مالک بڑا فیاض قسم کا ہے۔ وہ اسے ہر ماہ دس ہزار روپے سودا سلف کے لیے دیتا ہے' اور دس ہزار روپے کی بیگار۔ اس کے علاوہ ہر ہفتہ دو ہزار کی رقم شاپنگ کے لیے' تاکہ وہ ملبوسات اور میک اپ کی لوازمات خرید سکے۔ اس کے مالک نے کبھی اس سے حساب نہیں مانگا تھا۔ وہ سودا سلف میں سے خاصی رقم پس انداز کر لیتی تھی۔ صرف مہینے میں ایک مرتبہ وہ اپنی ماں کے لیے شاپنگ کرتی تھی۔ اس کے پاس اتنے جوڑے تھے کہ نئے ملبوسات کی ضرورت نہ تھی۔ میک اپ کی لوازمات تین چار ماہ میں ایک بار خریدتی تھی۔

ہر سنیچر کے دن صبح سے شام تک اسے چھٹی ملتی تھی' تاکہ وہ اپنی ماں سے مل کر' سیر و تفریح کر کے' کسی اچھے ہوٹل میں کھانا کھا کر اور فلم دیکھ کر رات دس بجے لوٹ آئے۔ اسے اس بات کی اجازت نہیں تھی' کہ وہ کسی لڑکے' مرد یا کسی بھی عورت سے کسی قسم کا کوئی تعلق رکھے۔ اس کی ماں کو بھی اس سے ملنے گھر آنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے اس نے اپنی ماں کو اپنی ملازمت اور مالک کے بارے میں سب کچھ بتایا تھا۔ انوپ کمار نے اسے صرف اپنی ماں کے ہاں جانے کی اجازت دی ہوئی تھی۔ اس کا سوتیلا باپ ایک موٹر میکینک تھا۔ وہ ہر سنیچر کے دن اس لیے چھٹی کرتا تھا کہ ارما دیوی اپنی ماں سے ملنے آتی ہے۔ اب وہ بہت کم اپنی ماں سے ملنے جایا کرتی تھی' یا پھر شام کے وقت ایسے سے ماں سے ملنے جاتی تھی' جب اس کا باپ گھر پر نہیں ہوتا تھا' یا پھر ماں کی موجودگی میں۔ وہ پڑوس سے معلوم کر لیتی تھی کہ اس کی ماں گھر پر موجود ہے کہ نہیں۔ کیونکہ اس کا باپ متعدد بار ماں کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا چکا تھا۔ اور سوتیلے باپ کے رحم و کرم پر تھی۔ اس کا سوتیلا باپ اسے ایک طرح سے دھمکی دیتا اور بلیک میل کرتا تھا کہ اگر اس کی کسی بات سے انکار کیا' تو وہ اس کی ماں کو طلاق دے دے گا۔ اپنی ماں کی خاطر وہ سوتیلے باپ کی ہر بات ماننے کے لیے تیار تھی۔ وہ رقم بینک میں اس لیے پس انداز کر رہی تھی' تاکہ کسی دن وہ اپنی ماں کو اس بھیڑیے صفت باپ سے نجات دلا دے۔ اسے اپنی ماں سے بڑی محبت تھی۔ اپنی ماں کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار تھی۔

دوسری طرف وہ اپنے مالک سے بے حد خوف اور سہمی ہوئی سی بھی رہتی تھی' کیونکہ اسے

اپنے مالک کی شخصیت بے حد پراسرار، عجیب اور خوف ناک سی معلوم ہوتی تھی۔ وہ اس کے لیے ایک معمہ تھا۔ اس نے جیسے اپنے اوپر خول چڑھایا ہوا تھا۔ بعض اوقات اسے اپنے مالک کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک نظر آتی تھی۔ اسے ان آنکھوں پر ایک ناگ کی سی آنکھوں کا دھوکا تھا۔ نشاط انگیز لمحات میں یہ آنکھیں اسے ہپناٹائز کر کے مسحور اور مدہوش سی کر دیتی تھیں۔ اس حالت میں اسے غیر محسوس انداز سے ایسا لگتا تھا' جیسے مالک کے دانت اس کی گردن میں گڑے ہوئے ہیں اور وہ اسے کسی سانپ کی طرح ڈس کر اس کا خون پی رہا ہو۔ چوں کہ ایسے وقت اس پر کیف و لذت کی سی کیفیت طاری ہوتی تھی' اس لیے وہ کوئی تکلیف محسوس نہیں کر پاتی تھی۔ جب متاثرہ جگہ پر ہاتھ رکھتی تھی' تو اس کی انگلیوں پر خون کا دھبا سا آ جاتا اور متاثرہ جگہ ایسی چبھن اور تکلیف سی ہوتی تھی' جیسے کسی کیڑے نے کاٹ لیا ہو۔ جب وہ حیرت اور خوف سے خون دیکھتی تھی' تو اس پر جھک جاتا۔

''میری جان......'' وہ بڑے جذباتی لہجے میں کہتا۔ ''دراصل تم اس قدر خوب صورت ہو کہ میں خود پر قابو نہیں پاتا ہوں۔ اس میں میرا نہیں تمہارے اس حسن کا قصور ہے۔'' وہ اس کی زبان سے اپنی تعریف سن کر خوش ہو جاتی۔ انوپ کمار ان انگلیوں کو چوم لیتا' جو خون آلود ہوتی تھی اور پھر متاثرہ جگہ پر اپنے ہونٹ رکھ دیتا' تو نہ صرف خون رسنا بند ہو جاتا۔ درد کا احساس بھی مٹ جاتا' اور اسے ایک عجیب سا کیف محسوس ہوتا تھا۔

انوپ کمار صبح جاتا تو شام کو آتا تھا۔ لیکن کس وقت......؟ یہ اسے پتا نہیں چلتا تھا۔ صبح جاتے وقت معلوم ہوتا تھا۔ وہ ناشتا کر کے اندرونی حصے میں چلا جاتا تھا۔ اندرونی حصے کا راستہ جس کمرے سے گزرتا تھا' وہ اس کمرے کا دروازہ مقفل کر جاتا تھا۔ اس کے پاس تین گاڑیاں تھیں۔ وہ اسے رخصت کرنے برآمدے تک آتی' جب وہ چلا جاتا تو ارما دیوی اندر آ کر دروازہ مقفل کر لیتی۔

پھر وہ اپنی خواب گاہ میں آ کر سنگار میز کے بڑے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے آپ کو پوری آزادی سے اور ہر زاویہ سے ناقدانہ نظروں سے دیکھتی' جائزہ لیتی۔ انوپ کمار اس کے بارے میں غلط نہیں کہتا تھا۔ وہ واقعی بے حد حسین عورت تھی۔ اس کی رنگت گہری سیاہ تھی۔ اس کا تعلق مرہٹہ قوم سے تھا۔ اس کا قد پانچ فٹ آٹھ انچ تھا۔ جس نے اس کے تناسب اور چھریرے بدن کو قیامت اور بے حد پرکشش بنا دیا تھا۔ سیاہ فام عورت ہونے کے باوجود اس میں جو نمک اور جاذبیت تھی' راہ چلتے لوگ اسے بار بار مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ جہاں جاتی وہ توجہ کا مرکز بن جاتی۔

انوپ کمار سے اس کی ملاقات حادثاتی تھی۔ جب اس کی ماں نے دوسری شادی کی تو چار مہینے کے بعد وہ اپنی دور کی رشتہ دار بیوہ خالہ کے ہاں آ گئی تھی۔ کیوں کہ اس کے سوتیلے باپ نے ایک رات اس کی ماں کی چائے میں بے ہوشی کی دوا ملا دی' اور صبح تک کے ساتھ رہا۔ اس لیے کہ وہ اس کی عادی تھی۔ وہ جس ہسپتال میں نرس تھی' اس کے ڈاکٹر اور مالکان اسے ہراساں کرتے تھے۔ چوں کہ اسے اچھی تنخواہ اور سہولتیں ملتی تھیں' اس لیے وہ یہ زہر پی لیتی۔ اس سنسار میں صرف وہ ایک عورت نہیں تھی۔ یہ سنسار ہی ایسا تھا۔ بے سہارا، خوب صورت اور ضرورت مند لڑکیوں کی بے بسی اور مجبوریوں سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ اور بھی ہسپتال میں کام کرنے والی نرسوں کو یہ زہر پینا پڑ رہا تھا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ ایک رات جب وہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر جا رہی تھی۔ ویران، سنسان اور نیم اندھیری گلی میں چار بدمعاشوں نے گھیر لیا۔ ایک نے اسے دبوچ کر بے بس کر دیا۔ دوسرے نے اس کے منہ پر ٹیپ چپکا دیا اور تیسرے نے اس پر چاقو تان لیا۔ چوتھا اسے بے لباس کرنے والا تھا کہ اتفاق سے انوپ کمار گاڑی میں ادھر آ نکلا تھا۔ اس نے جو یہ منظر دیکھا' تو گاڑی روک لی۔ اس کے پاس ریوالور تھا۔ جب اس نے بدمعاشوں کو للکار کر فائر کیا تو وہ چاروں بدمعاش کتوں کی طرح دم دبا کر بھاگ نکلے۔ انوپ کمار اسے اپنے گھر لے آیا۔ اسے ایک ملازمہ اور بستر کی ساتھی کی اشد ضرورت تھی۔ اسے جس قسم کی عورت کی تلاش تھی' وہ اس کے معیار اور پسند پر پوری اترتی تھی۔ وہ ہر لحاظ سے موزوں تھی۔ کالا حسن تھا۔ نقش و نگار تیکھے تیکھے اور دل میں اتر جانے والے تھے۔ اس میں ایک ہیجان خیز کشش تھی' جو دل کو برما دیتی تھی۔ ایسی پرکشش عورت خال خال ہی دکھائی دیتی تھی۔ مرہٹہ حسن کی ایک نادر نمونہ تھی۔ جب اس نے ارما دیوی کے حالات جاننے کے بعد ملازمت کی پیش کش کی' تو اس نے اس لیے قبول کر لی تھی' کہ دس آدمیوں کے ہاتھوں مشقِ ستم بننے سے ایک کے ہاتھ کھلونا بننا بہتر تھا۔ اسے ہسپتال میں صرف تین ہزار تنخواہ ملتی تھی' جب کہ یہاں دس ہزار تھی۔ اندھے کو کیا چاہیے دو آنکھیں۔

اس نے کئی مرتبہ مالک کی غیر موجودگی میں مالک کی رہائشی حصے کے بارے میں جاننے کی کوشش کی کہ آخر کیا اسرار ہے؟ کیا بھید ہے......؟ باوجود کوشش کہ وہ کچھ نہ جان سکی تھی۔ کیا وہ لڑکیاں لاتا ہوگا؟ اگر وہ لڑکیوں کو لے کر آتا ہوگا' تو اسے کون روک سکتا ہے؟ وہ اسے باز رکھ نہیں سکتی تھی۔ کیوں کہ وہ اس کی ملازمہ اور داشتہ تھی' پتنی نہیں۔



اس گوری چمڑی کی لڑکی کی شامت آ گئی تھی' جو وہ انوپ کمار کی میز پر آ گئی تھی۔ اس لڑکی کا

تعلق کسی یورپی ملک سے تھا' یہ صاف ظاہر تھا۔ وہ غالباً دنیا کی سیاحت پر نکلی ہوئی تھی۔ انوپ کمار نے اس بات کا اندازہ اس طرح لگایا کہ لڑکی کے کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے پر دنیا کے مختلف ممالک کے چھوٹے چھوٹے جھنڈے سرسری سے انداز میں سلے ہوئے تھے۔ یہ چھوٹے چھوٹے جھنڈے اس امر کی غمازی کرتے تھے' کہ یہ لڑکی ان ممالک کی سیر و سیاحت کرتی ہوئی ہندوستان کی سیر پر آئی ہے۔

انوپ کمار اس قبیل کے لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ ان کی فطرت، کمزوری اور رگ رگ سے خوب واقف تھا۔ دنیا کی سیاحت کے شوق میں یہ لوگ در در کی خاک چھانتے اور ٹھوکریں کھاتے تھے۔ وہ غیر ممالک کے ہپیوں کو بھی جانتا تھا' جو صرف پاسپورٹ لے کر چل پڑتے تھے۔ یہ ہپی دنیا کی سیاحت کے شوق میں نہیں' بلکہ نشے کی طلب میں بھٹکتے رہتے تھے۔ ہندوستان' افغانستان اور پاکستان میں نشہ ارزاں اور آسانی سے دستیاب ہوتا تھا۔ ڈالر اور پونڈ جس کی اصل قدر و قیمت ایشیائی ممالک میں ہوتی تھی۔ یہ وہ لڑکے' لڑکیاں اور عورتیں تھیں انہیں تو اپنے ملک کے تقدس کا کوئی خیال اور احساس تھا' اور نہ ہی اپنی عزت و ناموس کا۔ امریکہ اور یورپ میں انسانوں میں حیوانوں جیسی زندگی اور آزادی تھی۔

مرد ہپی اگر اکیلے ہوتے تو بھیک مانگ کر گزارہ کرتے۔ ایسے ہپی جن میں نسوانیت ہوتی اور نوجوان ہوتے وہ ایک طوائف بن جاتے تھے' تاکہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ ورنہ عام طور پر کوئی نہ کوئی خوبصورت لڑکی ان کے ساتھ ہوتی' جو اسے پھانس کر سیاحت پر نکل پڑتے۔ یہ لڑکی ایک طرح سے بیرر چیک کہلاتی تھی۔ وہ لڑکی چیک کی طرح بار بار کیش ہوتے ہوئے ان کے اخراجات پورے کرتی۔ انوپ کمار انہیں اے ٹی ایم کارڈ کہتا تھا' جو ہر جگہ کام آتا تھا۔ اس کارڈ کی ہر جگہ بڑی قدر ہوتی تھی۔

لیکن وہ لڑکی جو اس وقت انوپ کمار کی نظروں کی گرفت میں تھی' وہ ہپی نہیں تھی۔ کیوں کہ اس نے بڑے سلیقے کا صاف ستھرا لباس پہن رکھا تھا' اور اس کا حسین چہرہ ہر قسم کی پریشانی کے تاثرات سے عاری تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ کوئی نہ کوئی مرد ضرور ہوگا۔ وہ اس کی میز پر اس لیے آئی تھی' کہ تین کرسیاں خالی تھیں۔ یہ واحد میز تھی' جس کی کرسیاں خالی تھیں۔ ورنہ اس ریسٹورنٹ کے ہال میں کسی بھی میز پر صرف ایک آدھ کرسی خالی تھی۔ وہ شاید اپنے کسی ساتھی مرد کا انتظار کرنے براجمان ہوگئی تھی۔

انوپ کمار نے چند ہی لمحوں میں اندازہ کر لیا تھا' کہ لڑکی واقعی اکیلی ہے۔ وہ اس سے مراسم بڑھانے آئی تھی۔

"تم شاید اکیلی ہو؟" انوپ کمار نے اس کے چہرے اور سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی خوبصورت آنکھوں میں جھانکا۔

"ہاں۔" لڑکی نے جواب میں اثباتی انداز میں سر ہلا دیا۔ "میرا نام برشی ریمنڈ ہے۔ میں ڈنمارک کی رہنے والی ہوں۔ آج ہی میں بنکاک سے آئی ہوں' بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ایئرپورٹ سے ابھی ابھی یہاں پہنچی ہوں۔"

"کیا تم ہندوستان کی سیاحت کرنے پہلی بار آئی ہو؟ ہندوستان میں تمہارا ارادہ کہاں جانے کا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"ابھی میں نے پروگرام نہیں بنایا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "میں ایک دو دن میں سیر وسیاحت کے دفتر سے رابطہ کروں گی۔"

"کیا تم اس شہر کے کسی ایسے ہوٹل میں ٹھہرنا چاہتی ہو' جو گراں نہ ہو اور ہر لحاظ سے اچھا ہو؟" انوپ کمار نے پوچھا۔

"میں ہوٹل میں نہیں' بلکہ تمہارے ساتھ تین دن تک ٹھہرنا چاہتی ہوں۔" وہ برجستہ بولی۔ "تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"میرے ساتھ؟" انوپ نے چونک کر حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ جب کہ تم مجھے جانتی نہیں ہو' اور ہم دونوں اجنبی بھی ہیں۔"

"ہاں تمہارے ساتھ......" وہ زیر لب مسکرائی۔ "تھوڑی ہی دیر میں ہمارے درمیان کی اجنبیت ختم ہو جائے گی۔"

یہ بات صرف انوپ کمار ہی نہیں' بلکہ ساری دنیا جانتی تھی کہ ڈنمارک کے مرد اور عورتوں کو آزادی حاصل ہے' وہ دنیا کے صرف ایک دو یورپی ممالک میں ہے۔ چوں کہ یہ لڑکی ایک آزاد ملک کی ہے' اس لیے اس نے خود ہی ساتھ ٹھہرنے کی پیش کش کی ہے۔ انوپ کمار اس ریسٹورنٹ میں شکار کی تلاش میں آیا تھا۔ یہ اس کے لیے حیرت اور خوشی کی بات تھی' کہ شکار خود ہی اس کے جال میں آنے کے لیے بے تاب تھا۔ یہ غیر متوقع تھا' اور خواب وخیال میں بھی وہ سوچ نہیں سکتا تھا' کہ اتنی آسانی سے اسے شکار مل جائے گا۔ اس نے ناقدانہ نظروں سے ایک گھاگ شکاری کی طرح اپنے شکار کو دیکھا' تو اس کا رُواں رُواں خوش ہوگیا۔

یہ لڑکی بائیس برس کی اور دراز قد تھی۔ جتنی خوبصورت تھی' اتنی ہی پرکشش' اور دل کش تھی۔ اس کا بدن سڈول' اور بھرا بھرا تھا۔ اس کے چہرے کی سرخی چغلی کھا رہی تھی' کہ اس میں صاف و شفاف لہو بھرا ہوا ہے۔ رگ رگ میں لہو کی گردش ہے' جو حرارت لیے ہوئے ہے۔ اس کی آنکھیں

گہری سبز تھیں۔ بال جو نفاست سے گردن تک کٹے ہوئے تھے۔ وہ سنہرے اور ریشمی تھے۔ اس کے نقش و نگار سبک اور دل موہ لینے والے تھے۔

اس لڑکی کے ہاتھ میں ایک بڑا بریف کیس تھا' جس میں اس کا پاسپورٹ اور چند جوڑے تھے۔ انوپ کمار کے پاس بھی ایک چھوٹا بریف کیس تھا' جس میں وہ قلم اور سادے کاغذ رکھتا تھا' تاکہ تصویر بنا سکے۔ وہ شکار کی تصویر بناتا تھا۔ لیکن آج اسے شکار کی تصویر بنانے کی نوبت نہیں آئی۔ اس نے اپنے شکار کے لیے وہسکی منگوائی' اور اپنے لیے بھی۔ پھر ان کے درمیان رسمی باتوں کا دور وہسکی کا پیگ ختم ہونے تک چلتا رہا۔ جب دونوں اٹھے' تو وہ دونوں ایک دوسرے سے خوب واقف ہو چکے تھے۔

جب وہ اس لڑکی برشی کو لے کر اپنی کوٹھی پہنچا' تو رات کے دس بج رہے تھے۔ بیرونی حصہ اور ارما دیوی کا کمرہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ارما دیوی سو چکی تھی۔ آج بدھ وار تھا۔ آج صبح اس نے ناشتے کے بعد ارما دیوی کے جسم سے خون ٹسٹ کے بہانے سرنج سے نکال کر' اور اس میں خون بھر کر لے آیا تھا۔ پھر اس نے اپنے کمرے میں آ کر وہ خون حلق سے اتار لیا تھا۔ مزے لے لے کر خون پیتا رہا تھا' جس سے اس کے سارے جسم میں توانائی اور طاقت پیدا ہوگئی تھی۔ جس روز وہ ارما دیوی کے جسم سے خون نکالتا تھا' اس روز ارما دیوی دن ڈوبتے ہی سو جاتی تھی۔ پھر اس کی لہو کی پیاس اور طلب بڑھ جاتی تھی۔ پھر وہ شکار کی تلاش میں نکل جاتا۔ شکار کرنے میں دو تین مہینے کا وقفہ بھی ہوتا تھا۔ کیوں کہ وہ جو شکار تلاش کرتا تھا' تو اس بات کا خیال رکھتا تھا' کہ اس کے شکار میں صاف وشفاف اور سیروں خون ہو۔

برشی نے اسے بتایا تھا کہ وہ اپنے بوائے فرینڈ کی تلاش میں ہندوستان آئی ہے۔ وہ اس وقت نشے کی حالت میں تھی۔ انوپ کمار نے اس سے سرفراز ہونے کے بعد اس کی شراب میں نشہ آور سفوف ملا دیا تھا۔ وہ جس دوست کی تلاش میں آئی تھی' وہ اسے دھوکا دے کر ہندوستان آ گیا تھا۔ برشی اور اس کے بوائے فرینڈ نے ہالینڈ میں چھ افراد کو بے دردی سے قتل کیا تھا۔ جو ہیروں کے بزنس مین تھے۔ منصوبہ ایسی ہوشیاری سے بنایا گیا تھا' کہ پولیس انہیں پکڑ نہیں سکتی تھی۔ برشی نے چار افراد کو قتل کیا تھا' اور اس کے بوائے فرینڈ نے دو کو۔ تیس کروڑ ڈالر مالیت کے ہیرے' اور ایک لڑکی سمیت اس کا بوائے فرینڈ ہندوستان کی طرف نکل گیا تھا۔

برشی یہ سب کچھ بتانے کے بعد بیہوش ہوگئی' تو انوپ کمار نے میز کی دراز سے ایک بہت ہی تیز دھار کی خوف ناک چھری نکالی۔ بڑی صفائی سے برشی کے سینے میں دل کی جگہ جھونک دی۔ نصف سے زیادہ چھری برشی کے سینے میں اتر گئی تھی۔ جب نے اسے چھری نکالی تو زخم میں

سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اس نے فوراً ہی اپنا منہ زخم پر رکھ دیا۔ پھر وہ مزے لے لے کر رستا لہو پیتا رہا۔ اس وقت تک پیتا رہا' جب تک جسم میں ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ برشی کے جسم پر جو خون پھیل گیا تھا' وہ زبان نکال کر کسی درندے کی طرح چاٹتا رہا۔ جسم پر خون کا نام و نشان نہ رہا' تو برشی کی لاش گود میں اٹھا کر اپنے اسٹوڈیو میں آیا۔ ایک کونے میں لمبی چوڑی میز تھی' اس نے لاش کو اس پر لٹا دیا۔ اس میز کی دراز سے اس نے ایک تیز دھار والا چھرا نکالا۔ اس کی دھار اس قدر تیز تھی' کہ اس نے برشی کی دائیں ٹانگ کو کولہو سے کاٹا تو وہ بغیر دقت کے اس طرح سے کٹ گئی' جیسے وہ گاجر مولی ہو۔ پھر اس نے چھرے کی نوک سے دونوں آنکھیں پھوڑ دیں۔ پھر برشی کی لاش کو مخصوص جگہ پر دیوار کے سہارے بٹھا دیا۔ پھر کینوس پر اس کی تصویر بنانے لگا۔ صرف ایک گھنٹے میں اس نے نہ صرف تصویر مکمل کر لی' بلکہ اس میں رنگ بھی بھر دیئے۔ پورٹریٹ ایسا لگ رہا تھا جیسے کیمرے سے کھینچ کر تصویر کو انلارج کیا گیا ہو۔

اس نے پورٹریٹ کی نوک پلک درست کرنے کے بعد فریم میں لگا کر دیواروں پر آویزاں تصویروں کے ساتھ لگا دیا۔

"برشی!" اس نے لاش کے قریب پہنچ کر کہا۔ "اس وقت تمہاری آتما اس کمرے میں موجود ہوگی۔ تم نے جو قتل کیے اس کی سزا یہی تھی' کہ تمہیں کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے۔ میری زندگی میں آنے والی تم پہلی یورپی عورت ہو۔ سچ پوچھو تو اب مجھے اندازہ ہوا کہ ایک یورپی عورت' جس طرح مرد کو خوش کرنے کا فن جانتی ہے' اس سے ہندوستانی عورت نا آشنا ہے۔ تمہارے خون کی بات اور ہے۔ ہندوستانی اور یورپی خون میں بڑا فرق ہے۔ لذت، ذائقہ اور مزا تو تمہارے خون میں بھی تھا' لیکن ہندوستانی خون کی بات اور ہے۔ بہرکیف میں تمہارا خون مزے لے لے کر وہسکی کی طرح پی گیا۔ تمہارا خون بہت گرم تھا۔"

اتنا کہہ کر اس نے برشی کی لاش کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور اسٹوڈیو سے نکل کر وہ تہ خانے کے زینے پر پہنچا۔ اس نے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھا کر سوئچ آن کیا' تو روشنی ہوگئی۔ پھر وہ سیڑھیاں اترتا ہوا تہہ خانے کے دروازے پر پہنچا۔ ایک لات ماری تو دروازہ کھل گیا۔ تہ خانے میں گھپ اندھیرا تھا۔ سوئچ بورڈ باہر ہی دروازے کے ساتھ والی دیوار کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ اس نے تمام سوئچ ایک ایک کر کے آن کیے' تو تہ خانہ تیز روشنیوں سے نہا گیا۔ پھر اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بھیڑ دیا۔ پھر اس میز کی طرف بڑھا' جو دس فٹ لمبی اور سات فٹ چوڑی تھی۔ یہ بہت ہی مضبوط لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اس پر ایک طرف گوشت کاٹنے کے ہر سائز اور ہر قسم کے اوزار پڑے ہوئے تھے۔ اس نے لاش کو میز پر اس طرح ڈال دیا' جس طرح ایک قصاب ذبح

کیے ہوئے جانور کو ڈالتا ہے۔ پھر اس نے لاش کو جو اوندھی اور بے ترتیب پڑی تھی' سیدھا کیا۔ پھر بکرا اٹھا کر سب سے پہلے سر کو تن سے جدا کر دیا۔ پھر اس نے دایاں بازو کو جسم سے کاٹ کر الگ کیا۔ پھر اسے کہنی سے کاٹ کر دو ٹکڑے کیے۔ بائیں بازو کو بھی کاٹ کر اس کے دو ٹکڑے کیے۔ دائیں ٹانگ جو اس نے اسٹوڈیو میں کاٹ کر الگ کی تھی' اس کو بھی لاش کے ساتھ اٹھا لیا تھا۔ اس کے بعد دوسری ٹانگ کاٹ کر' ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سر اور بازوؤں کے ٹکڑوں کے ساتھ رکھ دیا۔ پھر اس نے ایک تیز چھرا اٹھا کر جسم کے چار بڑے بڑے ٹکڑے کیے۔ پھر اسے کچھ خیال آیا' تو وہ اوپر گیا۔ واپس آیا تو اس کے ہاتھوں میں رشی کا لباس اور بریف کیس تھا۔ اس نے رشی کے جسم کے تمام اعضا ایک ایک کر کے اس بڑے سے ٹینک میں اس کا ڈھکن کھول کر ڈال دیئے' جو تیزاب سے بھرا ہوا تھا۔ پھر لباس بھی ڈال کر ڈھکن بند کر دیا۔ پھر میز کے پاس آیا' جس پر بریف کیس رکھا تھا اس نے بریف کیس اس لیے کھولا ہوا تھا' کہ برشی نے اس میں سے نائٹی نکالی تھی۔ اپنا لباس اس نے انوپ کمار کی موجودگی ہی میں بدلا تھا۔ نائٹی پہن لی تھی۔ لباس اور زیر جامے اس نے کرسی پر ہی ڈال دیئے تھے۔ بستر پر جاتے وقت نائٹی نکال کر اس نے لباس پر ڈال دی تھی۔ بریف کیس میں اس کے دو جوڑے اور زیر جامے تھے۔ میک اپ کے لوازمات بھی تھے' اس کا پاسپورٹ، شناختی کاغذات، ڈرائیونگ لائسنس اور ایک نوٹ بک بھی تھی' جس میں اس کے دوستوں اور ملنے والوں کے فون نمبر درج تھے۔ ایک موبائل فون بھی تھا۔ ایک پھولا لفافہ تھا۔ اس نے لفافہ کھول کر دیکھا تو اس میں جو کرنسی تھی وہ یورو اور پاؤنڈ تھے' جو ہندوستان کرنسی میں ایک ڈیڑھ لاکھ مالیت کے بنتے تھے۔ چوں کہ وہ بے لباس تھا' اس لیے اس نے اس لفافے کو میز کے کنارے رکھ دیا۔

پھر اس نے بریف کیس اور اس میں سے برآمد ہونے والی تمام اشیاء کو ٹینک میں اس کا ڈھکن کھول کر جلدی سے ڈال دیا۔ کیوں کہ انسانی گوشت کی بُو تہ خانے میں پھیل گئی تھی۔ ڈھکن بند کرنے کے بعد اس نے نہ صرف کھڑکی کھول دی' بلکہ چھت کے چاورں پنکھے چلا دیئے۔ کھڑکی سے تازہ ہوا اندر آنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پنکھے اور کھڑکی بند کی۔ پھر اسپرے کی بوتل اٹھا کر اسپرے کیا' تو تہ خانہ مست کن خوشبو سے مہک اٹھا۔ اس نے لفافہ اٹھایا۔ تہ خانہ سے باہر دروازہ بند کر کے بتیاں گل کیں۔ پھر اپنے کمرے میں آیا۔ پھر ملحق واش روم میں جا کر اس نے بالوں کی وگ، مونچھیں اور فرنچ کٹ داڑھی اتاری۔ اسے اس کیبنٹ میں رکھ دیا' جو واش بیسن کے اوپر دیوار میں نصب تھا۔ شاور کے نیچے کھڑے ہو کر دیر تک نہاتا' اور ایک مقبول فلمی گیت گنگناتا رہا تھا۔

کمرے میں آنے کے بعد اس نے اپنی جیکٹ کرسی پر سے اٹھا کر الماری میں رکھ دی۔ پھر سونے کے لیے بستر پر دراز ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک وہ چشمِ تصور میں رشی کے ساتھ گزرے رنگین لمحات دیکھتا رہا۔ اس نے سوچا رشی کی خودسپردگی میں جو والہانہ پن تھا' جو شدت تھی' وہ اسے شاید بہت دنوں تک بھول نہ سکے۔ اس عورت نے اس کی کسی بات سے انکار نہیں کیا تھا۔ اس نے جس طرح چاہا' اسے اس طرح خوش کرتی رہی تھی۔



انوپ کمار! بھوپت لعل بورڈنگ اینڈ ریسٹورنٹ ہوٹل کے وسیع وعریض ہال کی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا' ان لڑکیوں، عورتوں اور جوڑوں کو دیکھ رہا تھا' جو میزوں کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ جوڑے بہت خوبصورت تھے۔ کچھ جوڑے بے جوڑ تھے۔ بے جوڑ مرد تھے' لڑکیاں یا عورتیں نہیں تھیں۔ لڑکیاں اور جو عورتیں جوان' بے حد حسین اور پرکشش تھیں' وہ بے جوڑ مردوں کے ساتھ اس لیے تھیں کہ ان کا تعلق جیب سے مشروط تھا۔ مرد وضع قطع اور چہرے مہرے سے امیر کبیر تھے۔ ایک جوڑا ایسا بھی تھا' جو عمر کے لحاظ سے بے جوڑ تھا۔ سفید ساڑھی اور کالے بلاؤز میں' جو اجلی رنگت کی عورت تھی' اس کی عمر پچاس برس سے کم نہیں تھی' وہ ایک بھرپور عورت تھی۔ اس نے جو بلاؤز پہنا ہوا تھا' وہ نہ صرف انتہائی مختصر تھا' بلکہ بغیر آستینوں اور نیچی تراش کا' اور نامناسب حد تک کھلا ہوا تھا۔ اس کی قامت دراز تھی۔ اس عمر میں بھی وہ نوجوان لڑکیوں کی طرح پرکشش دکھائی دیتی تھی۔ اس نے میک اپ سے' لباس سے اپنی عمر کو چھپایا ہوا تھا۔ سر کے بال رنگ کئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک بھی سفید بال دکھائی نہ دے رہا تھا۔ اس کے دائیں اور بائیں ہاتھ کی دو دو انگلیوں میں سونے کی جڑاؤ انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔ اس کے خوبصورت گلے میں سفید موتیوں کا ایک بیش قیمت لاکٹ تھا۔

اس کے ساتھ جو مرد تھا' وہ مرد نہیں بلکہ اٹھارہ برس کی عمر کا ایک دراز قد لڑکا تھا۔ اس لڑکے کا قد چھ فٹ سے کم نہیں تھا۔ انوپ کمار نے قیاس کرلیا تھا' کہ یہ لڑکا ہرگز اس عورت کا بیٹا نہیں ہے۔ وہ عورت اس کی ماں نہیں ہے۔ ماں اور بیٹے کی صاف پہچان ہو جاتی ہے۔ یہاں کا نظارہ اور منظر تو اور ہی تھا۔ وہ عورت اس لڑکے کو اس طرح دیکھ رہی تھی' جس طرح ایک شکاری شکار کو اپنے جال میں پھنسا دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اس کے گداز سرخ ہونٹوں پر مغرور مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی' اور آنکھوں میں انجانے تصور کی چمک تھی۔ اپنے شکار کو وہ گرسنہ نگاہوں کی گرفت میں لیے ہوئی تھی' جس سے اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

لڑکا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ بعض فقروں پر لڑکے کا چہرہ سرخ ہو جاتا' اور کبھی وہ کسی

نوجوان لڑکی کی طرح شرما جاتا۔ اس کی جھکی ہوئی نظریں کبھی اس عورت کی سڈول بانہوں کو دیکھتیں۔ کبھی اس کی نگاہیں عورت کے سراپا میں کھو جاتیں۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا' کہ یہ ناگن اس لڑکے کو آج شاید پہلی بار ڈسے گی۔

اسے اس عورت کا چہرہ بڑا مانوس سا لگا۔ تھوڑی دیر تک اسے بالکل بھی یاد نہیں آیا' کہ اس عورت کو اس نے پہلی بار کب' کہاں اور کس کے ساتھ دیکھا تھا؟ یہ کوئی نئی یا اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ جس طرح دولت مند بوڑھے مرد نوجوان لڑکیوں کو دولت کے چارہ سے پھانستی تھیں' اسی طرح یہ شکاری عورتیں' جو امیر کبیر ہوتی تھیں' ایسے نوجوان، صحت مند اور دراز قد لڑکوں کو شکار کرتی تھیں۔

وہ عورت بل ادا کر کے کھڑی ہوئی' اور اس لڑکے کو لے کر اس زینے کی طرف بڑھی' جو اوپر جاتا تھا۔ وہاں رہائشی کمرے تھے۔ اس بورڈنگ کے کمروں میں چند گھنٹوں کی وقت گزاری وہ کرتے تھے' جن کی غیر مردوں اور عورتوں سے آشنائی ہوتی تھی۔ یہاں میاں بیوی ٹھہرتے نہیں تھے۔ یہ بورڈنگ بدنام ترین تھا۔ لیکن گمراہ مرد اور عورتیں اس لیے ٹھہرنے پر مجبور تھے کہ اس کے کمرے شان دار تھے' اور پھر شراب بھی مہیا کی جاتی تھی۔ مردوں کے لیے عورتیں اور عورتوں کے لیے لڑکوں کی فراہمی بھی ہوتی تھی۔ جب وہ دونوں اس کی میز کے پاس سے گزر رہے تھے' تب وہ عورت اس لڑکے کو دلاسا دے رہی تھی۔

''میری جان! تم کسی بات کی چنتا نہ کرو۔ میرا پتی کمپنی کی طرف سے دبئی گیا ہوا ہے۔ ایک ہفتہ بعد لوٹے گا تو میں تمہارے لیے برٹش ویزا کا بندوبست کرنے کے لیے کہہ دوں گی۔''

''سروجنی؟'' بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔ وہ دونوں اس کی میز سے چند قدم جا چکے تھے' اس لیے عورت نے سنا نہیں تھا۔ اس نے اس عورت کو پہچان لیا تھا۔ عورت نے اسے اس لیے نہیں پہچانا تھا کہ اس نے بہروپ بدلا ہوا تھا۔ وہ اس بہروپ میں نہ ہوتا' تو اسے دیکھ کر چونک جاتی۔ سروجنی ایس کے مہتہ کی پتنی تھی۔ مہتہ اس کی کمپنی میں پی آر او ڈائریکٹر تھا۔ گو اس کی عمر زیادہ نہ تھی۔ ساٹھ برس کا مجبور سا شخص تھا۔ سات برس پہلے اس کی پتنی اسے چھوڑ کر اپنے دونوں بچوں کو لے کر اپنے آشنا کے ساتھ چلی گئی تھی۔ اس نے اپنے پتی کے نام جو چٹھی چھوڑی تھی' اس میں اس نے لکھا تھا کہ یہ دونوں بچے تمہارے نہیں ہیں۔ اس لیے میں انہیں ساتھ لے جارہی ہوں۔ پانچ برس قبل مہتہ نے سروجنی سے شادی کی تھی۔ سروجنی نے تین شادیاں کی تھیں' اسے کوئی شادی راس نہیں آئی تھی۔ وہ اپنے شوہروں سے اس لیے نباہ نہیں کرسکی تھی کہ وہ بوڑھے تھے۔ انہوں نے سروجنی کو بدچلنی کی وجہ سے طلاق دی تھی' لیکن یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی

مہتہ نے مکھی نگل لی تھی۔ اس نے شاید یہ سوچا ہوگا' کہ وہ عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک حسین اور جوان عورت کا قرب چاہیے۔ اور پھر وہ یہ بات کسی صورت سے ماننے کے لیے تیار نہیں تھا' کہ سروجنی ایک بدچلن عورت ہے۔ کیوں کہ وہ اس کے ساتھ محبت' گرم جوشی اور وارفتگی سے پیش آتی تھی' اس لیے اسے اپنی پتنی پر اندھا اعتماد تھا۔ وہ اس کے اس اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا رہی تھی۔ محبت اور والہانہ پن سے پیش آ کر۔ اگر سروجنی تیس برس سے کم عمر کی ہوتی' تو وہ اب تک اس کا خون پی چکا ہوتا۔

اس کے سامنے وہسکی کا پیگ تھا۔ اب تک اسے ایسی لڑکی نظر نہیں آئی' جسے وہ شکار کر سکے۔ اس نے وہسکی ختم کرنے کے بعد کسی اور ہوٹل میں جا کر قسمت آزمائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ وہسکی کا آخری گھونٹ لے رہا تھا' کہ ایک نوجوان جوڑا ہال میں داخل ہو کر اس کے سامنے والی میز پر آ بیٹھا۔ لڑکا پچیس چھبیس برس کا ہوگا۔ اس نے لڑکی کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ لڑکی کافی دیدہ زیب تھی۔ ابھی وہ بلوغت کی صحیح حدوں تک نہ پہنچی تھی۔ اس میں نسوانیت اپنے پورے جوش و خروش کے ساتھ موج زن ہو رہی تھی۔ اس کا شباب کسی ایسے مرد کے ہاتھوں کا منتظر نظر آتا تھا' جو ماہرانہ فن کارانہ انداز سے اس کے شباب کے وحشی پن کو دور کر سکتا۔ جو اسے نفاست اور ڈھنگ سے لپ اسٹک لگانے کا طریقہ سکھا سکتا۔ اسے اس کی خوش نما زلفوں کی آرائش کا انداز بتا سکتا۔ اس کے اٹھنے' بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے طور طریق میں آہنگ اور حسن پیدا کر سکتا۔ چہرے پر ہلکے ہلکے مہاسوں کو چھپانے کا ڈھنگ بتا سکتا۔ اور یوں اس میں عورت کی ساری رعنائیاں بھر کر رکھ دیتا۔ اس وقت تو وہ بالکل ایک جنگلی ہرنی کی طرح نظر آتی تھی۔ شاید اس کی ماں نے اس کی دیکھ بال چھوڑ رکھی تھی۔ اس کی سرکشی اور خود اعتمادی سے تنگ آ کر اسے زمانے کے سپرد کر دیا تھا' تا کہ زمانے کی ٹھوکریں اسے خود ہی سنوار دیں۔ حیرت کی بات اس کے لیے یہ تھی کہ یہ نوجوان لڑکی اپنے سے اس قدر بے پروا اور غافل کیوں ہے؟

انوپ کمار سوچ رہا تھا کہ ابھی تو یہ ایسا نگینہ ہے' جسے کسی جوہری نے ہاتھ نہیں لگایا' اور اس کی تراش خراش نہیں کی۔ اگر اس نگینے کی مناسب تراش خراش ممکن ہو' تو بلاشبہ یہ ایک انمول نگینہ بن سکتا ہے۔ اگر اس لڑکی کے انداز و اطوار میں سلیقہ اور شائستہ پن پیدا ہو سکے' تو بلاشبہ یہ ایک مکمل عورت بن سکتی ہے۔ وہ جس لباس میں تھی' اس میں ایک ایسی لڑکی نظر آتی تھی' جس پر دوسری نگاہ ڈالنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اگر یہی لڑکی شریفانہ ڈھنگ سے مناسب لباس پہن کر سامنے آئے' تو اسے بار بار دیکھنے کو جی چاہے گا۔ جانے یہ خود اپنی آرائش پر توجہ نہیں دیتی' یا پھر اسے اپنے حسن کا صحیح ادراک نہیں۔ اور اسے جوں ہی اپنے قیامت خیز حسن کا احساس ہوا'

یہ ایک مکمل عورت بن جائے گی...... بہت جلد۔

لڑکا اس سے سرگوشی کے انداز میں کچھ کہہ رہا تھا' اور اس کی نشیلی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ انوپ کمار نے اپنے کان لگا دیے۔

"پرسوں پھر ملاقات ہوگی نا؟" لڑکا بولا۔

لڑکی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کہنیاں میز پر رکھ کر لڑکے کی طرف جھک کر کہا۔

"اب ہم کولکتا چل کر میاں بیوی بن جائیں گے۔"

"میں صرف تین ہزار کی رقم کا بندوبست کر سکا ہوں۔" لڑکے نے جواب دیا۔ "جب تک پچاس ساٹھ ہزار کی رقم نہ ہو جائے' نہیں جا سکتا۔"

"میں نے تم سے کیا نہیں کہا کہ دیدی کی شادی کیلئے پتا جی نے اسی ہزار کی جو رقم رکھی ہوئی ہے وہ لیتی آؤں گی۔ اب کیا کہتے ہو؟" وہ بولی۔

"ویری گڈ۔" لڑکا چہکا۔ "یہ ہوئی نا بات۔ چار دن بعد چلیں گے' تا کہ میں بھی تیاری کر لوں۔ ٹکٹیں بک کر لوں۔"

"ٹھیک ہے۔" لڑکی نے سر ہلا دیا۔ "اچھا اب کیا پروگرام ہے۔ رات کے نو بج رہے ہیں۔ میرا گیارہ بجے تک گھر پہنچنا ضروری ہے۔"

"ایسا کرو تم وہسکی پی کر گھر چلی جانا۔ میں اس کا بل ادا کرتا جاؤں گا۔" اس نے اتنا کہہ کر اپنا پیگ ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ "میرے دوستوں نے فلم کے آخری شو کا ٹکٹ بک کیا ہوا ہے۔ وہ انتظار کر رہے ہوں گے۔ تم سے کل شام ملوں گا۔"

اتنا کہہ کر لڑکا اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ لڑکی وہسکی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ حلق سے اتارنے لگی' جیسے اسے گھر جانے کی جلدی نہ ہو۔ وہ جیسے وقت گزاری کر رہی ہو' یا پھر کسی کا انتظار؟ اس کے چہرے پر گزرے ہوئے لمحات کا افسانہ لکھا ہوا تھا' اور اس کی نظروں میں رنگین لمحات کے مناظر رقصاں ہو رہے تھے۔ اس کا اندازہ انوپ کمار کو اس کی دل فریب مسکراہٹ سے ہو رہا تھا۔ وہ ان مناظر کے تصورات میں کھوئی ہوئی تھی' بہت دور چلی گئی تھی' اس کا چہرہ سرخ ہوا جا رہا تھا۔

انوپ کمار کو اس بات سے بڑا دکھ ہوا تھا کہ یہ لڑکی گمراہ ہو چکی ہے' اس کے پاس اب کچھ نہیں رہا ہے۔ وہ ایک خالی برتن کی مانند ہے۔ اس نے اپنا سب کچھ اس لڑکے پر نچھاور کر دیا ہے۔ ابھی اس کی یہ عمر نہیں تھی' کہ ان جانے راستے پر آنکھیں بند کر کے اندھا دھند بھاگے۔ لیکن آج کی لڑکیوں کے نزدیک عزت کی کوئی اہمیت اور حقیقت نہیں رہی تھی۔ وہ سیانی ہوتے ہی اپنا

سب کچھ کھو دیتی ہے۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک تیس برس کا مرد آ کر اس لڑکی کی میز پر بیٹھ گیا۔ اس سے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"کیلاش بتا رہا تھا کہ تم اس کے ساتھ دو تین دن میں کولکتا جا رہی ہو' اور وہاں پہنچ کر تم دونوں شادی کر لو گے؟ کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں۔ بالکل سچ ہے۔" لڑکی نے سر ہلا کر جواب دیا۔ "میں اس لیے اس کے ساتھ جا رہی ہوں میرے پتا جی میری شادی اپنے دوست کے ایک اوباش لڑکے سے کرنا چاہتے ہیں۔ وہ مجھے بالکل پسند نہیں ہے' اور پھر وہ ایک نجی دفتر میں کلرک ہے۔"

"اوباش لڑکا؟" مرد مسکرایا۔ "تم کون سی اچھی لڑکی ہو۔ تم تین مہینے تک میرے ساتھ دل بہلاتی رہی۔ تمہاری دوستی جن جن لڑکوں سے رہی تم نے انہیں کبھی مایوس نہیں کیا۔ ان کی جیبیں صاف کرتی رہی ہو۔ میرے ساتھ کوئی ایک ہفتہ تک اسی بورڈنگ کے کمرے میں ہر شام آتی رہی ہو۔ مجھ سے بھی خوب مال بٹورا۔ اب جب کہ تمہارے پتا جی تمہارا گھر بسانا چاہتے ہیں' تو ستی ساوتری کیوں بن رہی ہو؟ تم اس لڑکے سے شادی کر لو۔ کیلاش کے ساتھ نہ جاؤ تو اچھا ہے۔"

"کیا تم یہ کہنے کے لیے آئے ہو؟" لڑکی نے چڑ کر کہا۔ "میں اپنا اچھا بھلا خوب سمجھتی ہوں۔ تمہیں میری اتنی چنتا کیوں ہو رہی ہے؟"

"نہیں۔ میں یہ کہنے کے لیے نہیں' بلکہ اس لیے آیا ہوں کہ کل کی شام تم میرے ساتھ کیوں نہ گزار لو۔" اس نے کہا۔ "تیار ہو؟"

"ہاں تیار ہوں۔" لڑکی نے سر ہلا دیا۔ "لیکن اس بات کا کیلاش کو پتا نہیں چلنا چاہیے۔ اور ہاں تین ہزار روپے لیتے آنا۔"

پھر وہ مرد چلا گیا۔ انوپ کمار نے بریف کیس سے سادہ کاغذ اور قلم نکالا۔ انسان کے لہو کو پانی سے بھی ارزاں تر سمجھنے والے' اسے کسی مشروب کی طرح پینے والے اور اپنی خون آشامی سے درندوں کو شرمندہ کر دینے والے شیطان صفت مصور کا یہ تضاد بڑا عجیب تھا۔ انسانی قتل عام کی روایات کا عادی' بربریت کی ذہنیت اور ایذا رسانی کا ماہر۔ انوپ کمار کی سوچ ناقابلِ یقین تھی۔

وہ صرف گمراہ لڑکیوں اور عورتوں کا شکار کرتا تھا۔ وہ پاک دامن اور عزت کو جان سے زیادہ عزیز رکھنے والی لڑکی اور عورت کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتا تھا۔ وہ صرف ایک ہی نظر میں تاڑ لیتا تھا' کہ یہ عورت اور لڑکی کس کردار کی ہے۔ اس نے کبھی اچھے کردار کی لڑکی کو شکار نہیں کیا تھا۔ یہ پندرہ برس کی عمر سے بھی کم لڑکی' ایک برس سے انجانے راستے پر چل رہی تھی۔ ہر مرد کو دولت سمجھ کر

اے ٹی ایم کارڈ سمجھ رہی تھی۔ اس نے خوب دولت کمائی تھی۔ اپنے بوڑھے باپ کی برسوں کی محنت' کمائی اور اپنی دیدی کی رقم لے کر جو شادی کے لیے رکھی ہوئی تھی' گھر سے بھاگ رہی تھی۔ اپنی بڑی بہن کو' اور اپنے آپ کو بھی ایک ناگن کی طرح ڈسنے والی تھی۔

انوپ کمار نے اس لڑکی کا اسکیچ بناتے ہوئے سوچا کہ یہ کس قدر سفاک' اور خود غرض ہے۔ اس میں کیسا گرم گرم' مزے دار اور لذیذ خون ہوگا؟ پینے میں کتنا مزا آئے گا۔ اسے کیسی توانائی اور طاقت بخشے گا۔ لڑکی نے جب اپنا پیگ خالی کیا' اور اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ انوپ کمار تیزی سے اٹھ کر اس کی میز پر جا بیٹھا۔ "یہاں بیٹھنے کی اجازت تو ہے نا؟"

"کیوں نہیں؟" وہ اپنا پرس اٹھاتے ہوئے شوخی سے بولی۔ "میں جا رہی ہوں۔ آپ شوق سے تشریف رکھ سکتے ہیں۔"

"کیا آپ مجھے چند لمحات عنایت کریں گی؟" انوپ کمار نے اس کے حسین چہرے کو نظروں کی گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔ "بڑی نوازش ہوگی۔"

"چند لمحے کیا۔ چند گھنٹے بھی عنایت کر سکتی ہوں۔" وہ بغیر کسی جھجک اور شرم کے مسکراتی ہوئی بولی۔ "شرط صرف تین ہزار روپے کی ہے۔"

"مجھے منظور ہے۔" انوپ کمار نے کہا "میں تین ہزار روپے کیا۔ چھ ہزار روپے دوں گا۔ صرف دو گھنٹے کے لیے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"میں آپ کے ساتھ آپ کے گھر نہیں جاؤں گی۔" لڑکی نے تڑ سے کہا "چھ ہزار کیا۔ چھ لاکھ بھی کیوں نہ دیں۔ آئی ایم سوری۔ آپ یہاں کمرا کیوں نہیں لے لیتے۔ دو گھنٹے کے سو روپے۔ تین گھنٹے کے ڈیڑھ سو روپے کرایہ ہوتا ہے۔ کمرے بھی شاندار ہیں۔"

"میرے ساتھ چلنے میں کیا حرج ہے؟" انوپ کمار نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔ "صرف دو گھنٹے گزارنے ہوں گے۔ میں آپ کو رات گیارہ بجے سے پہلے آپ کے گھر ڈراپ کر دوں گا۔ میرا کمرا اس ہوٹل کے کمرے سے لاکھ درجے بہتر ہوگا۔"

"اس لیے کہ مجھے دو ایک مرتبہ ایک دو کے گھر جانے سے انتہائی تلخ اور اذیت ناک تجربہ ہو چکا ہے۔" وہ کہنے لگی۔ "اس لیے میں نے کسی کے گھر جانے سے کان پکڑ لیے۔"

"میں آپ کو اس لیے لے جانا چاہتا ہوں کہ میں ایک مصور ہوں۔" انوپ کمار نے کہا۔

"آپ مصور ہوں' موسیقار یا فلم ساز ہوں۔" اس نے رکھائی سے کہا۔ "میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں کسی پر بھروسا نہیں کرتی ہوں۔"

"اصل بات یہ ہے کہ میں اس لیے آپ کو گھر لے جانا چاہتا ہوں' کہ وہاں میرا اسٹوڈیو

ہے۔'' وہ کہنے لگا۔

''آپ بہت حسین ہیں۔ میں حسین لڑکیوں کے پورٹریٹ بناتا ہوں۔ میں آپ کو صرف پورٹریٹ بنانے کے لیے لے جانا چاہتا ہوں۔''

''دیکھئے مسٹر!'' وہ تنک کر بولی۔ ''میں آپ کے جھانسے میں آنے والی نہیں ہوں۔ آپ کسی اور لڑکی کو تلاش کریں۔''

''آپ کو میری بات کا یقین نہیں آرہا ہے تو یہ دیکھئے۔'' انوپ کمار نے اسکیچ اس کی طرف بڑھایا۔ ''اب تو آپ کو یقین آئے گا کہ میں ایک مصور ہوں' اور آپ کا بہت ہی شان دار اور شاہکار پورٹریٹ بنا سکتا ہوں۔''

لڑکی نے اس کے ہاتھ سے کاغذ لے کر دیکھا' تو وہ حیرت سے اچھل پڑی۔ اسے جیسے یقین نہیں آیا۔ وہ عش عش کر اٹھی۔

''او بھگوان!'' لڑکی نے اسکیچ پر سے نگاہیں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''آپ نے یہ کب' کہاں اور کس وقت بنایا تھا؟''

''ابھی تھوڑی دیر پہلے سامنے والی میز پر بیٹھ کر بنایا ہے۔'' انوپ کمار نے جواب دیا۔ ''صرف چھ سات منٹ میں یہ اسکیچ بنایا ہے۔''

''آپ تو کمال کے مصور ہیں۔'' وہ اسے پرستائش نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''آپ کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔''

''اب تو آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں نا؟'' انوپ کمار نے کہا۔ ''میں صرف ایک گھنٹے میں آپ کا پورٹریٹ بنادوں گا۔''

''کیوں نہیں؟'' وہ خوش ہو کر بولی۔ ''آپ چھ ہزار روپے دیں گے نا؟ اپنی بات پر قائم ہیں نا؟''

''چھ ہزار نہیں بارہ ہزار روپے دوں گا۔'' انوپ کمار نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''لیکن پورٹریٹ ساتھ لے جانے نہیں دوں گا۔ منظور......؟''



انوپ کمار شراب خانے میں گھسا' تو اس کی نظر سب سے پہلے کانتا پر پڑی۔ وہ ایک خوبصورت اور وجیہہ جوان مرد کے ساتھ بار کے اونچے اسٹول پر بیٹھی ہوئی شیمپین پی رہی تھی۔ بڑی نزاکت سے اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہی تھی۔ ساتھی مرد وہسکی پی رہا تھا۔ مرد کے برابر والا اسٹول خالی تھا۔ اس نے بارٹینڈر کو وہسکی کے بڑے پیگ کے لیے کہا۔ پھر اس نے

عورت کی طرف دیکھا۔

اس کی عمر بائیس برس کی تھی۔ ایک بھرپور جوان عورت تھی۔ اس نے بھڑکیلا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کا بدن اس لباس میں آگ کی طرح بھڑک اٹھا تھا۔ وہ مرد کی طرف پوری طرح متوجہ تھی۔ انوپ کمار نے اس کے دمکتے ہوئے شاداب' چہرے' بڑی بڑی بھوری آنکھوں اور پرشکوہ سراپا کو دیکھا۔ مرد نے اس سے پوچھا۔ ''کانتا! تمہارا پتی کب آرہا ہے؟''

''چھ سات دن بعد۔'' پتی کا نام سنتے ہی کانتا کا منہ حقارت سے بن گیا۔ ''وہ ایک ماہ سے باہر ہے۔'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''مجھے کئی دنوں تک چین لینے نہیں دے گا۔''

''تمہارا حسن و شباب' بدن' سراپا ہی ایسے ہیں۔'' مرد ہنس پڑا۔ ''اس میں اس غریب کا کیا قصور ہے؟''

''آخر تم بھی مرد اور حسن پرست ہو۔''

''خیر ان باتوں کو چھوڑو۔'' مرد نے اس کے اور قریب ہو کر جھک کر سرگوشی کی' تو انوپ کمار نے اس کا جملہ سن لیا تھا۔ ''تم نے جو بیوہ ہونے کا منصوبہ بنایا ہے' اس میں زیادہ دیر نہیں کرنا۔ میں تمہارے حکم کے مطابق پوائزن لے آیا ہوں۔ وہ کل پہنچا دوں گا۔''

''چلو میز پر چل کر بیٹھتے ہیں۔'' کانتا نے اپنا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں اپنے منصوبے کے بارے میں بتاتی ہوں۔''

وہ دونوں اسٹول پر سے اٹھ کر کونے والی میز پر جا بیٹھے۔ انوپ کمار بھی ایک ایسی میز پر آگیا' جس کے گرد دو کرسیاں تھیں۔ یہاں سے وہ دونوں نظر آتے تھے۔ اس نے پہلے تو مارکر سے کانتا کا اسکیچ بنایا۔ پھر دوسرے کاغذ پر مرد کا۔ مرد کے اسکیچ والا کاغذ اس نے بریف کیس میں رکھ لیا۔ کانتا کا اسکیچ باہر ہی رہنے دیا۔ تھوڑی دیر بعد مرد اٹھا' اور کانتا سے ہاتھ ملا کر شراب خانے سے باہر نکل گیا۔ تب انوپ کمار ایک پل بھی ضائع کئے بغیر اس کی میز پر جا پہنچا۔ نصف گلاس میں شیمپین موجود تھی۔ وہ ختم کر کے اٹھنے والی تھی۔

''آپ کون ہیں؟'' کانتا نے اسے اوپر سے نیچے تک ناگواری سے دیکھا۔ اس کا لہجہ قدرے کرخت تھا۔

''میں ایک آرٹسٹ ہوں۔'' انوپ کمار نے اس کے لہجے کو نظرانداز کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میرا نام مہندر سنگھ ہے اور۔''

''آپ آرٹسٹ ہیں تو میں کیا کروں؟'' وہ چڑ کر بولی۔ ''اور آپ کے تعارف سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔''

"بات یہ ہے کہ میں پورٹریٹ بنانے کے لیے حسین چہروں کی تلاش میں رہتا ہوں۔" انوپ کمار نے کہا۔ "آپ چوں کہ نہایت حسین اور پرکشش ہیں' اور آپ جیسی حسین لڑکیاں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔ آپ کو دیکھا تو سوچا کہ آپ کا پورٹریٹ بناؤں۔ کیا اس کی اجازت ہے؟"

"مجھے اپنا پورٹریٹ بنوانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" وہ برہمی سے کہنے لگی۔ "آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس بہانے آپ مجھ سے راہ ورسم اور دوستی کرنا چاہتے ہیں' تو آپ غلطی پر ہیں۔ میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ ایک معزز شخص کی پتنی اور بڑے گھر کی بہو ہوں۔"

"یہ دیکھیے۔" انوپ کمار نے اس کی طرف اسکیچ بڑھا دیا۔ "اس سے آپ کو انداز ہو جائے گا کہ آپ کا کیسا شاندار پورٹریٹ بنے گا۔"

کانتا نے اپنا اسکیچ دیکھا تو وہ ششدر رہ گئی۔ اسے یقین نہیں آیا کہ اس کا اس قدر شاندار اسکیچ بن سکتا ہے۔ وہ دل میں سراہے بغیر نہیں رہ سکی۔ پھر اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ "یہ اسکیچ آپ نے کب بنایا؟ کیا میری کسی تصویر کی مدد سے؟ لیکن میری تصویر۔"

"تھوڑی دیر پہلے سامنے والی میز پر بیٹھ کر بنایا ہے۔" انوپ کمار نے بات کاٹ کر جواب دیا۔ "آپ کو یقین نہیں آ رہا ہے تو دوسرا اسکیچ بنا کر دکھاؤں۔"

"آپ نے میری اجازت کے بغیر میرا اسکیچ کس لیے بنایا؟" وہ بگڑ کر بولی۔ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوگئی۔ اسکیچ والا کاغذ پھاڑ دیا۔ پھر وہ اپنا پرس اٹھا کر کسی کڑی کمان سے نکلے تیر کی مانند سنسناتی ہوئی نکل گئی۔ وہ اسے خاموشی سے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

وہ زیر لب مسکرا دیا۔ اس کے ساتھ یہ پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ شکار کے ہاتھ سے نکل جانے پر اسے کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ تھوڑی دیر بیٹھتی تو اسے ہپناٹائز کر کے ساتھ لے جاتا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ شکار اس کے ہاتھ سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔ آج تک کوئی شکار اس کے ہاتھ سے بچا نہیں تھا' اور نہ بچ سکتا تھا۔ صرف ایک دن اور دوبارہ ملاقات پر کانتا اس کے جال میں پھنسنے والی تھی۔

اس کے پاس شکار کو پھانسنے کے لیے کئی جال تھے۔ ان میں سے ایک جال ایسا تھا' جس سے کوئی شکار بچ نہ پاتا تھا۔ اس نے کانتا کے جانے کے بعد ویٹرس کے ہاتھ پر سو روپے کا نوٹ رکھ کر کانتا کے بارے میں پوچھا' تو اس نے بتایا تھا کہ کانتا ایم ڈی برمن کی پتنی ہے۔ ایم ڈی برمن نے اپنی پتنی کو طلاق دینے کے بعد کانتا سے شادی کی تھی۔ ایم ڈی برمن ایک پارچہ جات مل کا مالک ہے۔ کروڑ پتی شخص ہے۔ کانتا کا آشنا ایم ڈی برمن کا کزن ہے۔ کانتا ہر شام اپنے پتی کے ساتھ اس بار میں آتی تھی' اور اب کوئی بیس دن سے اپنے آشنا کے ساتھ آ رہی ہے۔ وہ

صرف سنیچر کی شام ناغہ کرتی ہے۔

انوپ کمار دوسرے دن اپنے دوسرے جال کے ساتھ موجود تھا۔ کانتا ٹھیک نو بجے آئی تھی۔ وہ پونے نو بجے پہنچ گیا تھا' اور ایک گوشے میں جا بیٹھا تھا۔ کانتا نو بجے آ کر اپنی مخصوص میز پر بیٹھ گئی۔ چند لمحوں کے بعد کانتا کے آشنا کی موبائل پر کال آئی کہ وہ آج کسی وجہ سے نہیں آ سکے گا۔ اس نے کانتا اور اس کے آشنا کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی تھی۔ وہ جس میز اور کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' وہ کانتا کی پشت پر تھی۔ کانتا نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ چوں کہ ویٹرس شیمپن کا پیگ کانتا کی میز پر رکھ گئی تھی' اور وہ ہر روز آ کر صرف شیمپن ہی پیتی تھی' اس لیے ویٹرس اس کے آرڈر کا انتظار کرنے کے بجائے شیمپن کا بڑا پیگ رکھ کر چلی گئی تھی۔

جب وہ شیمپن کے دو ایک گھونٹ حلق سے اتار چکی' تو انوپ کمار اپنی میز سے اٹھ کر اس کی میز پر سامنے والی کرسی پر بڑے اطمینان سے جا بیٹھا۔ انوپ کمار کو دیکھتے ہی اس کا پارہ چڑھ گیا' اور اس کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔ "تم......؟"

انوپ کمار نے جواب دینے کے بجائے اس کا سرخ دہکتا چہرہ دیکھ کر سوچا۔ اس کا خون کیسا گرم ہوگا؟ گرم گرم خون پینے میں تو زیادہ لطف آتا ہے۔ اس کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ اس لیے وہ خون کو محفوظ نہیں رکھتا تھا۔ گرم گرم خون خوب سیر ہو کر پی جاتا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ کسی عورت میں خون کم اور کسی میں اس کی مقدار بہت زیادہ ہوتی تھی۔ صاف و شفاف خون پینے کے لیے وہ صحت مند شکاری کی تلاش کرتا تھا۔ اس لیے اسے شکار کی جلدی بھی نہیں ہوتی تھی۔

"جی ہاں۔ میں ہی ہوں۔" اس نے قدرے شوخی سے کہا۔ "آپ سے دوبارہ مل کر کتنی خوشی ہوئی اسے بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔ ساری رات میں آپ کے بارے میں سوچتا رہا تھا' کہ آپ اپنا پورٹریٹ بنانے سے کیوں اور کس لیے خائف ہیں؟ ہر حسین اور نوجوان عورت کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا پورٹریٹ بنایا جائے۔ لیکن آپ ہیں کہ تیار نہیں ہیں۔"

"کیا میں نے آپ سے کل ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ مجھے اپنی کوئی پورٹریٹ وورٹریٹ نہیں بنانی ہے۔" وہ طیش میں آ گئی۔ "لیکن آپ پھر آ گئے۔ بہتر ہے کہ آپ شرافت سے چلے جائیں۔ ورنہ......" اس نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ورنہ کیا؟" وہ مسکرا دیا۔ "آپ پورٹریٹ بنانے کے لیے تیار ہو جائیں گی؟ یہ میرے لیے ایک طرح سے سرپرائز ہوگا۔"

"سرپرائز؟" وہ استہزائیہ لہجے میں بولی۔ "ایسا سرپرائز دوں گی کہ آپ یاد کریں گے۔"

مالک اور منیجر میرے پتی کے دوست ہیں۔ ان سے کہنے کی دیر ہے۔ وہ دربان اور ملازموں سے کہہ کر دھکے دے کر آپ کو باہر نکال دیں گے۔''

''اس سرپرائز کی نوبت نہیں آئے گی۔'' انوپ کمار نے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکالا۔ وہ آج بریف کیس لے کر نہیں آیا تھا۔ اس نے لفافہ کانتا کی طرف بڑھایا۔ ''البتہ آپ کے لیے سرپرائز ہے۔ ایک انوکھا، خوبصورت اور رنگین۔ انتہائی سنسنی خیز جس کا آپ تصور بھی نہیں کرسکتیں۔ آپ کا خیال وہاں تک جا بھی نہیں سکتا ہے۔''

''اس لفافے میں کیا ہے؟'' کانتا نے اس کے ہاتھ سے لفافہ نہیں لیا۔ وہ ایک دم سے پریشان اور خائف سی ہوگئی تھی۔

''اس میں کوئی بم نہیں ہے' جو آپ خوف و ہراس میں مبتلا ہو رہی ہیں۔'' انوپ کمار نے جواب دیا۔ ''اس میں صرف چھ عدد تصویریں ہیں۔''

''تصویریں؟'' وہ بری طرح چونک پڑی۔ اس کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ ''کیا آپ نے میری اور نریش کی اس بار میں ملاقات کی تصویریں کھینچی ہیں تاکہ بلیک میل کرسکیں؟ آپ کیا بلیک میلر ہیں؟ صاف صاف بتائیں؟''

'اس لفافے میں صرف چھ عدد تصویریں ہیں۔'' انوپ کمار نے کہا۔ ''مجھے بلیک میلنگ سے نہیں' بلکہ صرف آپ کا پورٹریٹ بنانے سے دلچسپی ہے۔ چوں کہ کل آپ نے میری بات نہیں مانی تھی' اس لیے مجھے یہ نایاب تصویریں بنانی پڑیں۔''

''میں اپنے پتی سے کہہ دوں گی کہ آپ کی غیر موجودگی میں بور ہو کر بار جاتی تھی' تو وہاں نریش سے ملاقات ہو جاتی تھی۔'' وہ حواس پر قابو پا کر بولی۔ ''آپ یہ تصویریں لے جائیں اور دفع ہو جائیں میری نظروں کے سامنے سے۔ میں بلیک میل نہیں ہوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ اپنے پتی کو جس طرح سے مطمئن کرسکتی ہیں کریں۔'' انوپ کمار نے اس کی نظروں کے سامنے لفافہ لہرایا۔ ''آپ صرف ایسا کریں کہ اس لفافے میں سے ساری تصویریں نکال کر دیکھیں۔ پھر ان کے پرزے پرزے کر ڈالیں۔ آپ کا ان تصویروں کو دیکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جب آپ کے پتی ان تصویروں کے متعلق آپ کی سرزنش کریں تو آپ صفائی میں کچھ کہہ سکیں۔''

کانتا نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ہاتھ سے لفافہ لے لیا۔ جب اس نے پہلی دو تصویریں نکال کر دیکھیں' تو اس کا سر بری طرح چکرایا' اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اسے ایسا محسوس ہوا' جیسے زبردست زلزلہ آگیا ہو۔ ہر چیز کانپ رہی ہو۔ ڈول رہی ہو۔

کہیں سچ مچ تو زلزلہ نہیں آگیا۔ کرسی سے گرتے گرتے خود کو سنبھال لیا' اور میز کا کونا پکڑ لیا۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے بہ دقت تمام خود کو سنبھالا۔ اس کا جسم ہی نہیں ہونٹ اور ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔ اس نے کسی نہ کسی طرح شیمپین کا گلاس اٹھا کر ایک ہی سانس میں خالی کردیا۔ یہ ایک ایسے گوشے میں میز تھی' جس کے گرد اور آس پاس کی میزیں خالی تھیں۔ انوپ کمار نے لفافے میں سے چار تصویریں نکال کر اس کے سامنے ترتیب سے رکھ دیں' تاکہ وہ ساری تصویریں دیکھ لے۔ ابھی تو اس نے صرف دو تصویریں دیکھی تھیں۔

شیمپین نے اس کے اعصاب کو قابو میں کردیا تھا۔ اس نے اپنے حواس جمع کئے اور ان تصویروں کو دیکھا' اور پھر انہیں جلدی سے سمیٹ کر لفافے میں رکھ دیا' تاکہ ویٹرس گلاس لینے آئے تو اس کی نظر ان تصویروں پر نہ پڑ جائے۔ اس کی نظروں کو یقین نہیں آیا۔ وہ ان تصویروں میں اپنے آشنا کے ساتھ جس حالت میں تھی' وہ بڑی شرمناک اور گھناؤنی تھی۔ ان میں سے صرف ایک تصویر اس کے پتی کو متنفر اور طلاق دینے پر مجبور کرسکتی تھی۔ اس کے طلاق دینے کی صورت میں وہ دو کوڑی کی ہو کر رہ جاتی' اور اس نے جو پتی کو ختم کر کے اس کی ساری دولت اور جائیداد پر قبضہ کر کے آشنا کے ساتھ شادی کرنے کا منصوبہ بنایا تھا' وہ دھرا رہ جاتا۔

دوسری طرف وہ اس بات پر حیران تھی' کہ اس کی یہ تصویریں اس بلیک میلر نے کیسے اور کس طرح سے اتار لیں؟ جب کہ اس نے بڑی احتیاط کی تھی۔ اس نے اپنے آشنا کے ساتھ' جو راتیں گزاری تھیں' وہ ایک فائیو اسٹارز ہوٹل میں' جہاں چڑیاں پر نہیں مار سکتی تھی۔ یہ تصویر مبہم نہ تھیں' نہ کمپیوٹر پر بنائی جاسکتی تھیں۔ صاف اور واضح تھیں۔ جسم اور چہرے بھی ان دونوں کے ہی تھے۔ کوئی فوٹو گرافر جعلسازی کرتا' تو وہ جسم کسی اور کے لگا دیتا تھا۔ ان تصویروں میں کوئی جعل سازی نہیں تھی۔ بہت ہی حساس کیمرے سے اتاری ہوئی تصویریں تھیں۔ وہ اس سچائی کو جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ یہ ساری تصویریں اس کے کرتوت کا آئینہ تھیں۔

کانتا نے خاصی دیر کے بعد اس سے پوچھا۔ ''تم ان تصویروں اور ان کے نیگیٹو کی کیا قیمت چاہتے ہو؟ میں ان کا سودا کرنا چاہتی ہوں؟''

''ان تصویروں کے نیگیٹوز کی قیمت نہایت معمولی سی ہے۔'' انوپ کمار نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''آپ کو یقین نہیں آئے گا۔''

''کیا تم ان نیگیٹوز کے عوض مجھے کھلونا سمجھ کر کھیلتے رہنا چاہتے ہو؟'' کانتا نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ ''میں اس کے لیے بھی تیار ہوں' لیکن صرف دو ماہ تک میں تم سے جہاں کہو ملتی رہوں گی۔ لیکن ہفتہ میں صرف دو دن۔ روز روز نہیں۔''

"آپ ایسی حسین اور غضب کی حد تک پرکشش ہیں کہ دل تو چاہتا ہے کہ آپ کی رفاقت میں راتیں رنگین کروں۔" انوپ کمار نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر کے کہا۔ "لیکن نہیں۔ میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میری خواہش اور ہے۔ میری بہت بڑی کمزوری پورٹریٹ بنانا ہے۔ صرف آپ جیسی اور نوجوان مہ پاروں کی۔ میری جتنی بھی پورٹریٹ ہیں' وہ بے مثال اور میرے فن کی یکتا ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ آج تک کسی مصور نے ایسی پورٹریٹ نہیں بنائی' اور نہ بنا سکتا ہے' کیوں کہ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ ایسی پورٹریٹ بنانے کے لیے پتا مارنا پڑتا ہے۔ بڑی عرق ریزی کرنی ہوتی ہے۔"

"آپ نے کبھی اپنی تصویروں کی نمائش کی؟" کانتا نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کی پورٹریٹ کہیں آویزاں ہے؟"

"نہیں۔" ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ لیکن جب میں اپنی تصویروں کی نمائش کروں گا' تو نہ صرف ہندوستان' بلکہ ساری دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا۔ دنیا کی میڈیاز اس کی کوریج کریں گی۔ سبھی دنگ رہ جائیں گے۔ ہر جگہ میرے فن کا چرچا ہوگا۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ میرا پورٹریٹ بنا کر آپ مجھے ساری زندگی بلیک میل کرتے رہیں؟" کانتا نے صاف گوئی سے کہا۔

"یہ خیال آپ کے دل میں کیوں آیا؟" انوپ کمار نے متعجب لہجے میں پوچھا۔ "کیا آپ کو بلیک میل کرنے کے لیے یہ تصویریں کافی نہیں ہیں' جو میں پورٹریٹ بنا کر بلیک میل کروں۔ اتنی محنت اور وقت ضائع کروں۔"

"اس لیے کہ عام طور پر آرٹسٹ اپنے اسٹوڈیوز میں لڑکیوں اور عورتوں کی پورٹریٹ بناتے ہیں' اور اپنے ماڈل کو بے لباس کرتے ہیں؟" وہ بولی۔ "مجھے روزانہ اس پورٹریٹ کو بنوانے کے لیے کتنا وقت دینا ہوگا؟ میں روز روز وقت نہیں نکال سکوں گی۔"

"صرف آج کا دن۔ صرف دو گھنٹے دینا ہوں گے۔" وہ بولا۔ "میں آپ کو بے لباس ہونے کی زحمت نہیں دوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ انوپ کمار کی گاڑی میں جا رہی تھی۔ وہ بڑی حیران تھی کہ اس شخص نے یہ تصویریں کیسے کھینچ لیں؟ یہ سوچ سوچ کر اس کا دماغ چکراتا رہا تھا۔ وہ جتنا سوچتی اتنا ہی الجھتی جا رہی تھی' کیوں کہ کسی فائیو اسٹارز ہوٹل کے کمرے میں خفیہ کیمرا نصب کرنا ناممکن تھا۔ کیوں کہ ہوٹل کی انتظامیہ اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ اور پھر اس کا کمرہ اور ہوٹل مخصوص نہیں ہوتا۔

کانتا کی ذہنی کشمکش اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ انوپ کمار نے بھانپ لیا تھا' کہ وہ

کیا سوچ رہی ہے؟ ان چھ تصویروں کے بارے میں۔ یہ ایک ایسا راز تھا' جو اپنے شکار پر آخری وقت ظاہر کرتا تھا۔ اس نے ان دونوں کی غلاظت کے دلدل میں دھنسے ہوئے چہروں کی جو تصویریں بنائی تھیں' وہ خیالی تھیں۔ اس نے کانتا کے اور اس کے آشنا کے اسکیچز سامنے رکھ کر یہ تصویریں بنائی تھیں۔ ان پر ساری رات محنت اور عرق ریزی کی تھی۔ ایک ایک تصویر پر توجہ دی تھی۔ اس نے اپنا فن' کمال اور صلاحیت صرف کر دی تھی۔ اس لیے ان تصویروں کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ کیمرے سے کھینچی ہوئی ہیں۔ اس لیے ان کی حقیقت کچھ اور تھی۔ جو شکار سیدھی طرح اس کے جال میں پھنستا نہیں' تو وہ پھر ایسی تصویریں بناتا۔ پھر شکار کے لیے راہ فرار نہیں رہتی۔

وہ اپنی کامیابی پر مسرور تھا۔ سارا راستہ اپنے شکار کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہا تھا۔ شکار کے بدن میں دوڑتے ہوئے خون کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اور کانتا یہ سوچ رہی تھی' کہ انوپ کمار نے فریب اور دغا بازی سے کام لیا اور اس کی تصویروں کے نیگیٹوز نہیں دیئے' تو وہ اسے بلا تامل اور انجام کی پروا کئے بغیر شوٹ کر دے گی۔ اس کے پرس میں بھرا ہوا ایک آٹومیٹک پستول ہر وقت موجود رہتا تھا۔ اس وقت سے وہ یہ پستول رکھنے لگی تھی' جب سے منچلے جوانوں نے اغواء کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے اب تک پستول استعمال کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی' اور رات بھی اسے استعمال نہ کر سکی تھی۔



شانتی اخبار پڑھتے پڑھتے ایک دم سے چونک پڑی۔ اخبار میں عورتوں کی دو سربریدہ برہنہ لاشوں کے بارے میں انتہائی سنسنی خیز اور لرزہ براندام کر دینے والی خبر تفصیل سے چھپی تھی۔ ایک لڑکی جس کی قامت اور جسم کے خطوط سے اندازہ کیا گیا تھا' اس کی عمر پندرہ اور دوسری عورت ستائیس برس کی تھی۔ کچھ عرصہ سے شہر میں پراسرار طور پر لڑکیاں اور عورتیں غائب ہونے کا سلسلہ جاری ہے۔ جن کا کھوج آج تک نہیں لگ سکا۔ یہ دو سربریدہ لاشیں دس دنوں میں ملی ہیں۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق قاتل' جو جنونی معلوم ہوتا ہے' اس نے ان کے ساتھ زیادتی کی۔ سب سے حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ان دونوں لاشوں میں قطرہ خون تک نہ تھا۔ جیسے انہیں قتل کرنے کے بعد ان کا سارا خون نکال لیا گیا ہو۔

"انوپ کمار!؟" شانتی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اسے یاد آیا کہ انوپ کمار کا باپ جو ناگ تھا' وہ سو برس تک انسانوں کا خون پیتا رہا تھا۔ کیا انوپ کمار بھی اپنے باپ کی طرح خون پی رہا ہے؟ اسے وہ منظر یاد آ گیا' جب انوپ کمار نے اس کی زخمی ملازمہ کا خون چاٹا تھا۔



موہن کے پاس بھی گھر کی ایک ڈبل گیٹ چابی ہوتی تھی' اور اس کی پتنی شوبھا کے پاس بھی۔ اس لیے کہ دونوں ملازمت کرتے تھے۔ لیکن چابی ہونے کے باوجود جب موہن دفتر سے لوٹتا تھا' تو اطلاعی گھنٹی ضرور بجاتا تھا۔ اس کی پتنی شوبھا دروازہ کھولتی تھی۔ وہ اس سے پہلے گھر پہنچ جاتی تھی۔ اس سے شوبھا نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ چابی کے ہوتے ہوئے بھی اطلاعی گھنٹی کیوں بجاتے ہو؟ دروازہ کھول کر اندر کیوں نہیں آجاتے ہو؟ وہ اس لیے نہیں کہتی تھی کہ موہن گھر میں گھستے ہی' اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیتا تھا۔ شوبھا دفتر سے تھکی ماندی آنے کے باوجود کوئی تعرض نہیں کرتی تھی۔ وہ دونوں ہی بے حد جذباتی ہو جاتے' جیسے کئی مہینوں کی جدائی کے بعد ملے ہوں۔

"کیا میں کہیں بھاگی جارہی ہوں؟"

"ابھی رات ہونے میں پورے پانچ گھنٹے باقی ہیں۔" موہن کہتا۔ "کیسے صبر کروں؟"

"دل پر ہاتھ رکھ کر۔" شوبھا شوخی سے کہتی۔ "چلو منہ ہات دھو کر میز پر آؤ۔ میں تمہارے لئے کافی اور پکوڑے لاتی ہوں۔"

لیکن آج شوبھا نے خلاف معمول دروازہ قدرے کھلا رکھا ہوا تھا۔ جب کہ ایسا اتفاق اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ بے آواز بند کیا۔ اسے پہلا خیال جو آیا وہ یہ تھا' کہ کہیں شوبھا نہا تو نہیں رہی ہے؟ اس خیال سے اس کے جسم میں سنسنی بھر گئی' اس نے بے آواز قدموں سے بیڈ روم میں جا کر جھانکا۔ شوبھا نہیں تھی۔ پھر اس نے ملحق غسل خانے کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ وہ اس میں بھی نہیں تھی۔ پورے گھر میں سناٹا سا تھا۔ پھر اس نے بیڈ روم کی دہلیز پر کھڑے ہو کر پکارا۔

"شوبھا! تم کہاں ہو؟ میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں؟ کہاں تلاش کروں میری رانی!"

"ایک پتنی کچن میں ہونے کے علاوہ اور کہاں ہوسکتی ہے؟" شوبھا نے کچن میں سے بلند آواز میں جواب دیا تو اسے سکون اور اطمینان سا ہوا۔ کیوں کہ دروازہ کھلا دیکھ کر اور بیڈ روم اور

غسل خانے میں نہ پا کر اسے وسوسے اور اندیشوں نے گھیر لیا تھا۔ "یہ تم آج ایک گھنٹہ پہلے کیسے آگئے؟ خیریت تو ہے؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

موہن جواب دینے کے بجائے کچن کی طرف بڑھ گیا۔ دہلیز پر کھڑے ہو کر اس نے اپنی پتنی کی طرف دیکھا۔ شوبھا کی پشت اس کی طرف تھی۔ وہ اسے اس طرح دیکھنے لگا' جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ وہ اپنی پتنی کو بستر میں سوتے' کپڑے بدلتے' سنگار کرتے' کسی تقریب میں تیار ہو کر جاتے اور گھر میں داخل ہوتے ہوئے اسے ناقدانہ نظروں سے ضرور دیکھتا تھا۔ ہر بار اسے شوبھا ایک نئی عورت اور اس کا ہر روپ نیا اور انوکھا دکھائی دیتا تھا۔ جب کہ وہ دونوں پانچ برسوں سے جیون ساتھی تھے۔ ان میں سے کسی میں بھی رسمی پن، بے دلی یا سرد مہری نہیں آئی تھی۔ جیسے ان کی شادی کو پانچ برس نہیں' پانچ دن ہوئے ہوں۔ جب کہ شادی کے دو ایک برس میں ہی محبت میں رسمی انداز آجاتا تھا۔ ان میں جو محبت' گرم جوشی اور والہانہ پن تھا' اس میں کبھی کمی محسوس نہیں کی۔

وہ شوبھا کو زلف بنگال کہتا تھا' تو غلط نہ تھا۔ صرف اس لیے نہیں کہ اس کے سیاہ بال ریشمی، گھنے' چمکیلے اور بنگالی لڑکیوں کے سے تھے۔ بھونرا جیسی آنکھیں بہت بڑی چمکیلی تھیں۔ چہرے کی سانولی سانولی رنگت میں بڑا نمک اور نکھار تھا۔ اس کے چھریرے اور متناسب بدن میں اتنی دل فریبی اور دل کشی تھی کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ اس کی ماں بنگالی عورت دکھائی دیتی تھی۔ وہ اپنی ماں پر گئی تھی۔

شوبھا کی بلا کی کشش اور اس کے جسمانی نشیب و فراز سے موہن کو ایک انجانا سا خوف اس لیے آتا تھا' کہ وہ ملازمت کرتی تھی۔ گو اسے اپنی پتنی پر اندھا اعتماد تھا' لیکن آج جس قسم کے حالات اور دفتری ماحول تھا۔ لڑکیاں اور عورتیں جس قدر آزاد اور بے لگام ہوتی جارہی تھیں' عورت پر بھروسہ نہیں رہا تھا۔ اور پھر جب وہ لڑکیوں، عورتوں کے متعلق اخباروں میں پڑھتا اور خصوصاً ملازمت پیشہ عورتوں کے بارے میں سنتا' اور خود بھی انہیں دیکھتا رہتا تھا۔ اس لیے وہ یہ بات سوچے بغیر نہیں رہتا تھا' کہ شوبھا بھی ان عورتوں جیسی تو نہیں ہوگی؟ اس غدار شہر میں ناگ صفت مردوں کی کمی نہیں تھی' جو حسین لڑکیوں اور پُر شباب عورتوں کو ڈستے پھرتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنے آپ کو دلاسا دیتا' اور سمجھاتا کہ شوبھا بے راہ اور خواب ناک زندگی کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے والی عورتوں کی طرح ہوتی تو یہ بات کسی نہ کسی طور سے ظاہر ہو جاتی۔ آخر کب تک چھپی رہتی۔

شوبھا اس کا ہر طرح سے بڑا خیال رکھتی تھی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود ایک روایتی

اور لگی بندھی ڈگر پر چلنے والی عورت تھی۔ سگھڑ، سلیقہ مند اور گرہستن۔ وہ نہ صرف اس کے کپڑے دھوتی‘ بلکہ استری کرتی اور جوتوں پر پالش بھی کرتی۔ وہ جتنی گھر میں مستند اور خوش اخلاق تھی‘ اتنی ڈاکٹر آنند سوامی کے کلینک میں استقبالیہ پر تھی۔ ڈاکٹر آنند سوامی کا تعلق بھی مدراس صوبے سے تھا۔ ممبئی شہر میں اور بھی ان کے ہم پلہ ڈاکٹر تھے‘ لیکن ان کی طرح معروف اور قابل احترام نہ تھے۔ ان کے کلینک میں دولت مند مریض آتے تھے۔ اس لیے موہن کو کبھی کبھی کسی شک کا ناگ ڈستا تھا کہ کوئی دولت مند‘ دولت کے بل بوتے پر اس کی حسین پتنی کو اس سے چھین نہ لے۔ دولت میں جو کشش اور طاقت ہوتی ہے‘ وہ عورت کو اپنے طلسم کا اسیر بنا لیتی ہے۔

شوبھا کی آمدنی اس سے دو ہزار روپے زیادہ تھی۔ اس لیے کہ وہ اپنی ڈیوٹی کے علاوہ اضافی کام بھی انجام دیتی تھی۔ شوبھا کی اس آمدنی نے اسے احساس کم تری میں مبتلا کیا ہوا تھا۔ لیکن دوسری طرف وہ یہ بات بھی محسوس کرتا تھا‘ کہ شوبھا کی آمدنی نے روز بہ روز بڑھتی ہوئی مہنگائی کے دیو کو قابو میں کیا ہوا ہے۔ کبھی تنگ دستی اور احساس محرومی نہیں ہوئی۔ اس آمدنی کے باعث زندگی آسائش اور آسودگی سے گزر رہی ہے۔ شوبھا بڑی کفایت شعاری سے گھر چلا رہی تھی۔

موہن سٹی انشورنس کمپنی میں سیلز مین تھا۔ اس کی تنخواہ معقول تھی۔ لیکن وہ اس بات کی کوشش میں لگا رہتا تھا‘ کہ اس کی آمدنی اپنی پتنی سے زیادہ ہو جائے‘ تاکہ ایک پتی ہونے کے ناطے حاوی رہے۔ اس لیے وہ دفتر کی چھٹی کے بعد جز وقتی کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی کام کرتا رہتا تھا۔ اس لیے اس کے گھر لوٹنے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ شوبھا اس سے کہتی بھی تھی کہ تم اتنی جان ماری نہ کیا کرو۔ میں تمہارے لیے اور اس گھر کے لیے ملازمت کرتی ہوں۔ میرے دل میں جو تمہاری محبت اور عزت ہے‘ اس لیے ہے کہ تم میرے پتی اور دیوتا ہو۔ تمہاری کم آمدنی سے میرے دل میں جو محبت اور عزت ہے‘ اس میں کمی نہیں آئے گی۔ شوبھا صبح گھر سے کام پر جانے کے لیے نکلتی‘ تو شام دفتر سے سیدھا گھر آتی تھی۔ اس نے کبھی بھی بھولے سے بھی اوور ٹائم نہیں کیا تھا۔ اوور ٹائم کرنے کی صورت میں اس کی آمدنی میں تین ہزار روپے کا اضافہ ہوتا۔ لیکن اسے اوور ٹائم کی آمدنی سے گھر عزیز تھا۔ اس لیے بھی وہ دفتر سے گھر آجاتی تھی کہ صفائی کرے اور کھانا بھی پکائے۔ وہ اچھے اور لذیذ کھانے میں بڑی ماہر تھی۔

”سنو میرے پاس آنے کی ضرورت نہیں۔“ اس نے لمحے کے لیے موہن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں ایک خاص نئی ڈش تیار کر رہی ہوں۔ آج تم اتنی جلدی کیوں آگئے؟ بڑے غلط وقت آئے ہو۔ اب تم بیڈ روم میں جاؤ۔“

”یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ برسوں کے معمولات‘ جو روایت بنی ہوئی ہے اسے ختم کردوں؟“ موہن مسکرایا۔ ”کچن کو بھی تو بیڈ روم سمجھا جاسکتا ہے۔ جہاں تم ہو وہی بیڈ روم بن جاتا ہے۔ میں اس لیے آج جلدی آیا ہوں کہ تمہیں آج ڈنر پر باہر لے جاؤں۔ میں تمہیں آج ایسا ڈنر کھلانا چاہتا ہوں‘ جو نہ صرف پرتکلف ہوگا بلکہ تم نے آج تک کھایا نہیں ہوگا؟“

”اپنے جذبات قابو میں رکھو۔ بیڈ روم‘ بیڈ روم ہوتا ہے۔ اس میں انتظار کیا جاسکتا ہے۔“ شوبھا نے جواب دیا اور تمہاری یہ دعوت کسی اور دن سہی۔ اس لیے کہ مچھلی اور جھینگے کی خاص ڈش بنا رہی ہوں‘ جو آسام کی ہے۔ جو ہم نے کبھی نہیں کھائی۔ لیکن یہ آج اچانک اور غیر متوقع ڈنر کی دعوت کس خوشی میں؟ کیا کسی نے تم سے بہت بڑی بیمہ پالیسی لی ہے؟“

’ابھی بتاتا ہوں۔“ اس نے شوبھا کے پاس جا کر اس کی کمر پر ہاتھ رکھ دیئے۔ ”لیکن اتنی بڑی خوش خبری سنانے سے پہلے منہ میٹھا کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بغیر اس خوشخبری کا لطف نہیں آئے گا۔ یہ بہت بڑی خوش خبری ہے۔“

تم میں یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ تم بڑے بے صبرے ہو۔“ وہ کسمسائی اور اس کے ہاتھ کمر سے ہٹاتے ہوئے بولی۔ ”منہ میٹھا کرنے کے چکر میں یہ ڈش کڑوی کھٹی ہو جائے گی۔ جل جائے گی۔ تم ایسا کرو۔ کولڈ ڈرنک لے کر کھانے کی میز پر چلو۔ میں پانچ منٹ میں آتی ہوں۔ مجھے بڑے زور کی پیاس لگ رہی ہے۔ کولڈ ڈرنک کی طلب بھی محسوس ہو رہی ہے۔ آج گرمی بھی بہت زیادہ ہو رہی ہے۔“

”جب پیاس لگتی ہے تو صبر کہاں ہوتا ہے۔“ موہن فریج کی طرف بڑھا۔ ”تمہیں اپنی پیاس کی فکر ہے۔“

”تم سدا کے بھوکے پیاسے ہو۔“ شوبھا نے برتن میں چمچہ چلاتے ہوئے کہا۔ ”مردوں میں یہ بڑی خرابی ہے کہ عورت کے معاملے میں ان سے صبر نہیں ہوتا ہے۔ میرے دفتر میں جو مسز جوشی ہیں‘ وہ کہتی ہیں کہ مردوں اور ناگ کی فطرت ایک سی ہوتی ہے۔“

”دراصل اس میں غریب ناگ اور مردوں کا کیا قصور ہے؟“ وہ فریج کا دروازہ کھول کر کولڈ ڈرنک کی بوتلیں نکالتے ہوئے بولا۔ ”حسین ناگنوں کو دیکھ کر جذبات بے قابو ہو جاتے ہیں۔ ایشور نے عورت ہی ایسی بنائی ہے کہ اس کے من کو قرار نہیں آپاتا ہے۔“

شوبھا نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کی پوری توجہ ڈش بنانے کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔ وہ کھانے کی میز پر آکر اس کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ جس کرسی پر بیٹھا تھا‘ وہاں سے کچن اور شوبھا بھی نظر آرہی تھی۔ اس نے سوچا۔ عورت نہ صرف بستر میں‘ بلکہ کچن میں بھی کتنی اچھی

معلوم ہوتی ہے۔

شوبھا کچھ دیر کے بعد چولہا بند کر کے آئی۔ چند لمحوں کے بعد دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ شوبھا نے اپنی بوتل اٹھا کر اسے گلاس میں خالی کیا۔ پھر بولی۔ ”چلو اب منہ میٹھا ہو گیا۔ کیا خوش خبری ہے وہ؟“

”آج میری ترقی ہو گئی ہے۔“ موہن نے اپنا گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ لے کر جواب دیا۔ پھر اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

”مبارک ہو۔“ شوبھا نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر پُرجوش انداز سے مصافحہ کیا۔ ”تمہیں دیر میں ترقی ملی ہے۔ کوئی بات نہیں۔“

”میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرا باس کس قدر تند خو شخص ہے۔“ موہن کہنے لگا' ”یہ جسونت سنگھ نے مجھے اپنے دفتر میں سہ پہر کے وقت بلایا تو میرے ساتھی نے کہا کہ یار موہن! آج تمہاری شامت آگئی۔ جب وہ کسی معمولی ملازم کو طلب کرتا ہے' تو یہ سمجھو کہ اس کی شامت آگئی۔ وہ خوب جھاڑ پلاتا ہے۔ یقیناً کسی نے تمہارے خلاف شکایت کر دی ہے۔ اب تم یہ سمجھو کہ تمہاری ملازمت ہاتھ سے گئی۔ یہ بہت برا ہوگا۔ آج کل ملازمت کہاں ملتی ہے؟ اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لینا۔ اس کے پیر پکڑ کر لو تو کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ ملازمت کی تلاش میں جوتے گھسنے سے بہتر ہے کہ اس کے جوتے پکڑ لو۔ اس کی یہ بات غلط نہ تھی۔ میں دھڑکتے دل سے اس کے کمرے کی طرف بڑھا۔ اس کی خرانٹ قسم کی سیکرٹری جو کمرے کے باہر تھی۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھا' تو میں سمجھ گیا کہ میری شامت آگئی ہے۔ میں دل مضبوط کر کے اس کے کمرے گھسا۔ اس نے بڑے سپاٹ لہجے میں میری مزاج پرسی کی اور کہا کہ میوری کے علاقے میں ایک ذیلی دفتر کھولا ہے۔ کیوں کہ وہاں بزنس کے بڑے مواقع ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ میں اپنی صلاحیتیں کام میں لا کر زیادہ سے زیادہ بزنس حاصل کروں۔ اس نے وہاں کا چارج دینے کے لیے بلایا تھا۔ اس کی کسی بات سے انکار کرنا بس کی بات نہیں ہوتی ہے۔ اور پھر اس نے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے امید ہے کہ تم یہاں جو کارکردگی دکھاتے رہے ہو' وہاں بھی دکھاؤ گے۔ مجھے تم سے بہت بھاری توقعات وابستہ ہیں۔ میرے ساتھیوں نے مجھ پر بڑا رشک کیا۔ مبارک باد دی۔ اب میں میوری آفس کا انچارج ہوں۔“

”میوری؟“ شوبھا بڑے زور سے چونکی۔ اس کا چہرہ متغیر سا ہو گیا۔ ”لیکن وہ تو جرائم پیشہ لوگوں کا گڑھ ہے۔“

”وہاں صرف جرائم پیشہ ہی بستے ہیں' جو تم خائف ہو رہی ہو؟“ موہن نے جواب دیا۔

”اس علاقے میں کارخانے اور فیکٹریاں بھی ہیں' سکول اور کالج بھی ہیں۔ وہاں محنت کش طبقہ اور شریف اور عزت دار لوگ بھی رہتے ہیں۔ ممبئی شہر کا کون سا علاقہ ایسا ہے' جس میں جرائم پیشہ لوگ نہیں بستے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کہیں کم' کہیں زیادہ؟“

”لیکن وہاں کس قسم کی انشورنس کے مواقع موجود ہیں؟“ شوبھا نے دریافت کیا۔ ”اگر کارخانے اور فیکٹریاں ہیں تو وہ پہلے سے ہی بیمہ ہوں گی۔ وہاں خاک بزنس ملے گا؟ تمہارے باس نے وہاں ذیلی دفتر کھول کر کاروباری حماقت کی ہے۔“

”تم جس انشورنس کی بات کر رہی ہو' اور جس کے متعلق دریافت کر رہی ہو' وہ نہیں ہے بلکہ مختلف قسم کی ہے اور نیا آئیڈیا ہے۔“ موہن کہنے لگا۔ میرا باس جسونت سنگھ نہ صرف بوڑھا ہو گیا ہے' بلکہ بیمار بھی رہتا ہے' لیکن اس کے باوجود بڑا ذہین اور خالص کاروباری ہے۔ وہ بہت دور کی سوچتا ہے۔ اسے ہرگز احمق اور گھاٹے کا سودا کرنے والا کہا نہیں جا سکتا۔ آج جرائم میں نہ صرف روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے' بلکہ پولیس ان پر قابو پانے میں بری طرح ناکام بھی ہو چکی ہے۔ نوجوان لڑکیوں کے ماں باپ اور حسین اور پُرکشش عورتیں بہت خائف' ہراساں اور پریشان ہیں' جب سے دس بارہ لڑکیاں اور عورتیں پراسرار طور پر لاپتا ہو گئی ہیں اور ایک عورت اور نوجوان لڑکی کی سر بریدہ لاشیں ملی ہیں عدم تحفظ کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔ پورے شہر میں خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔ لہٰذا ہاتھوں ہاتھ اس پالیسی کو لیا جائے گا۔ باس کا خیال ہے کہ وہاں لڑکیوں کے والدین اور جواں سال جوڑوں سے رابطہ کیا جائے' اور لڑکیوں کے تحفظ کی پالیسیاں فروخت کی جائیں تو کامیابی چرن چومے گی۔ ہم ایک معمولی پریمیم لے کر' ہر قسم کے تحفظ کی ضمانت دے سکتے ہیں۔ باس کا اندازہ ہے کہ بیس ہزار کی پالیسیاں کہیں نہیں گئیں۔ کیوں کہ عورتوں کی اکثریت ہے۔“

”لیکن تمہارے لیے یہ کام کس قدر دشوار اور کٹھن ہے' تم نے اس بات پر غور کیا؟“ شوبھا بولی۔

”وہ کس لیے دشوار کٹھن کام ہوگا؟“ موہن نے حیرانی کا اظہار کیا۔ ”کیا میں سات برسوں سے پالیسیاں فروخت نہیں کرتا آ رہا ہوں؟“

”اس لیے کہ اب تک تمہارا سابقہ دولت مندوں سے پڑا ہے۔“ شوبھا کہنے لگی۔ ”بڑے گھرانے اور دولت مند انشورنس پالیسی کی افادیت اور اہمیت سے جس طرح واقف ہوتے ہیں' ان کے مقابلے میں متوسط طبقے کے لوگ نہیں ہوتے۔ تمہیں یہ کام اس لیے بھی پسند نہیں آئے گا کہ بڑی مغز ماری کرنی ہوگی۔ شاید تم اس بات کو برداشت نہ کر سکو گے۔ روزانہ گھروں پر دستک

دو۔"

"مجھے تمہاری بات سے اتفاق ہے' لیکن میں کیا کروں۔ اس کے سوا چارہ بھی تو نہیں ہے۔" موہن نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ایک طرح سے یہ میرے تجربے اور آزمائش کا امتحان ہوگا۔ میری کوشش ہوگی کہ میں اس پالیسی کو کامیاب کر کے دکھاؤں۔"

"یہ تو واقعی خوش خبری اور اعزاز کی بات ہے' کہ تم ذیلی دفتر کے انچارج بن گئے ہو؟" شوبھا نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ تمہیں یہ عہدہ مبارک ہو اور تم اس کے مستحق بھی تھے۔ لیکن تم نے اصل بات نہیں بتائی۔ کیا تم اسے دانستہ گول کر گئے؟"

"کون سی بات؟" موہن نے اپنی کرسی اس کے قریب کر کے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کرلیا۔

"تنخواہ کی۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "آفس انچارج صاحب کی تنخواہ میں کتنا اضافہ کیا گیا ہے؟"

"فی الحال تنخواہ تو وہی رہے گی۔" موہن کا منہ اس طرح بن گیا' جیسے اس کے منہ میں کوئی کڑوی چیز آگئی ہو۔ "لیکن کیش جو ہر پالیسی پر دیا جائے گا وہ بارہ فیصد ہوگا۔ میرے باس اور ایک بنئے میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن جیسا کہ اس کا خیال ہے کہ شہر میں عورتوں کی پراسرار گمشدگی اور دو عورتوں کے لرزہ خیز قتل کی وجہ سے پالیسی ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی۔ اس کے پیش نظر بارہ فیصد کمیشن ہر ماہ تنخواہ سے دگنا ہو جائے گا۔ اس طرح اس گھر میں ہر ماہ اتنی دولت آئے گی کہ ہم مستقبل کی منصوبہ بندی کرسکیں گے۔"

"یہ نہ صرف تمہارے بلکہ میرے لیے بھی مسرت کی بات ہے کہ تمہاری آمدنی مجھ سے بہت زیادہ ہو جائے گی' اور اس طرح تمہاری دیرینہ آرزو پوری ہو جائے گی۔" شوبھا نے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ یہ نئی ذمے داری تم کب سے سنبھالو گے؟"

"دفتر تو پہلے سے ہی تیار ہے' اور مجھے کل سے ہی اپنا عہدہ سنبھالنا ہے۔" وہ شوبھا کو اور قریب کر کے اس کے رخسار کا بوسہ لے کر بولا۔ مگر ایک بات جو مجھے سخت ناپسند ہے' اسے جبراً برداشت کرنا ہوگا۔ وہ میرے لیے بڑی کرب ناک ہوگی۔"

"وہ کیا؟" شوبھا نے متعجب نظروں سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "کیا دفتری اوقات کار مختلف ہوں گے؟"

"میرے باس کی ایک بیٹی ہے۔" موہن منہ بنا کر کہنے لگا۔ "وہ بھی اس دفتر میں میرے ساتھ کام کرے گی۔ کیوں کہ اس کے باپ کے خیال میں وہ بہت ہوشیار اور ذہین ہے۔ وہ

انشورنس پالیسی کے بارے میں اتنا ہی جانتی ہے' جتنا میں۔ مجھے اس کے ماتحت رکھا گیا ہے۔ وہ دفتری امور سنبھالے گی اور میں گھر گھر جا کر پالیسیاں خریدنے کے لیے رضامند کیا کروں گا۔"

"اس کے ساتھ کام کرنے میں آخر کیا قباحت ہے؟" شوبھا نے کہا۔ "دفتروں میں لڑکیاں تو ہوتی ہیں۔"

اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو کوئی قباحت نہ ہوتی۔" موہن نے کہا۔ "باس کی بیٹی کے ساتھ میرا کام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمہ وقت مستعد اور مشینی انداز میں کام کرتا رہوں۔ ذرا سی بے پروائی اور ذرا ذرا سی بات کی شکایت اپنے باس سے کرتی رہے گی۔"

"یہ بات تو ہے۔" شوبھا نے سر ہلا دیا۔ پھر پوچھا۔ "وہ ہے کیسی؟ تم نے اسے دیکھا ہوا تو ہوگا؟"

"معلوم نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔ "کبھی اسے دیکھنے اور ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہ کبھی دفتر نہیں آئی۔ اب اس سے کل پہلی بار ملاقات ہوگی۔ اس کے درشن ہونے کے بعد بتاؤں گا کہ شریمتی جی کیسی ہیں؟"

"میں کھانا تیار کر چکی ہوں۔ ہم کھا لیتے ہیں۔" شوبھا بولی۔ "تم کپڑے بدل آؤ۔ میں کھانا لگائے دیتی ہوں۔"

کھانے کے دوران شوبھا سے رہا نہ گیا۔ وہ دل کی بات زبان پر لے آئی۔ "میں یہ سوچ رہی ہوں کہ وہ جوان اور حسین ہوگی۔"

"چوں کہ اس کا باپ بہت خوبصورت ہے۔ بعض لڑکیاں اپنے باپ پر جاتی ہیں۔" موہن نے کہا۔ "نوجوان ہوگی تو جوانی کا خمار اسے خوبصورت بنا رہا ہوگا۔ تو جوانی بدصورت لڑکی کو بھی پرکشش بنا دیتی ہے۔ لیکن تم اس کے متعلق سنجیدہ کیوں ہو رہی ہو؟"

"اس لیے کہ میں تمہاری پتنی ہوں۔" وہ مسکرا کر بولی' ایک ایسی عورت' جس کے ساتھ تم کام کرو گے اس کے بارے میں سوچنا فطری بات ہے۔"

"مگر میں بہت فکر مند اور واقعی بے حد سنجیدہ ہوں۔" موہن کہنے لگا۔ کیوں کہ اس کی موجودگی دفتر میں ایک جاسوس سے کم نہ ہوگی۔ کیوں کہ اس کے باپ نے میری نگرانی کے لیے اسے مقرر کیا ہوگا۔ اگر کسی وجہ سے میری اس سے نہ بن سکی' یا پھر حسبِ توقع پالیسیاں فروخت نہ کر سکا' تو پھر میری ملازمت خطرے میں پڑ جائے گی۔ کیوں کہ میرا باس بڑا کمینہ خصلت اور سخت گیر شخص ہے۔ اگر اس کی بیٹی نے کسی وجہ سے میری جھوٹ موٹ شکایت کر دی' تو پھر ایک دن کیا' ایک منٹ کے لیے بھی نہیں رکھے گا۔ یہ اندیشہ پریشانی کا سبب بن رہا ہے۔"

"تم فکرمند اور پریشان نہ ہو۔" شوبھا نے اسے دلاسا دیا۔ "چوں کہ تم ہیڈ آفس میں ایک کامیاب سیلز مین رہے ہو' یہاں بھی تم اپنے باس کی توقعات پر پورے اترو گے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ یہ مچھلی کی آسامی ڈش کیسی ہے؟"

"میں نے بہت ساری مچھلی کی ڈشیں کھائی ہیں' لیکن اب تک ایسی لذیذ مچھلی کی ڈش نہیں کھائی۔" وہ بولا۔ "تمہارے ہاتھ نے اسے اور مزے دار بنا دیا۔ آخر تم جو بنگالی ماں کی بیٹی جو ٹھہریں۔ اس لیے نہ صرف تم میں بلکہ مچھلی میں بھی تمہارا ذائقہ آ گیا۔"

جب وہ دونوں کھانے سے فراغت پا کر اٹھے تو موہن نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا تو وہ کسمسا کر بولی۔

"سنو یہ بیڈ روم نہیں ڈائننگ روم ہے۔ میں برتن اٹھا لوں اور انہیں دھو کر تو رکھ دوں۔"

"کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا' کہ میرے نزدیک ہر جگہ بیڈ روم ہوتا ہے۔" وہ اس کے قریب ہو کر بولا۔ "مچھلی مجھ پر پرانی شراب کے خمار کا اثر کر رہی ہے۔ برتن صبح بھی دھل سکتے ہیں۔ لیکن جذبات قابو میں نہیں رہ سکتے۔"



ہندوستان میں ممبئی شہر کو سونے کی کان کہا جاتا تھا۔ ہندوستان کے کونے کونے سے یہاں لوگ اس کان سے سونا نکالنے آتے تھے۔ جو قسمت کا دھنی' مقدر کا سکندر ہوتا تھا' وہ لکھ پتی نہیں بلکہ کروڑ پتی اور ارب پتی بن جاتا تھا۔ اب لکھ پتی کی کوئی قدر اور اہمیت نہیں رہی تھی۔ ارب پتی اور کروڑ پتی بھی ایک نہیں بہت سارے تھے۔ یہاں صرف صنعتیں نہیں تھیں بلکہ فلمی صنعت بھی تھی۔ جس پر قسمت کی دیوی مہربان ہوتی' وہ راتوں رات کروڑ پتی' ارب پتی بن جاتا۔ وہ کسی راجہ مہاراجہ سے کم نہیں ہوتا۔

اس شہر میں صرف دولت کی قدر تھی۔ صرف اسے عزت اور مقام ملتا تھا' جس کے پاس دولت ہو۔ ممبئی شہر میں کئی زیر زمین گروہ تھے۔ ہر قسم کی مافیا تھی۔ جرائم پیشہ افراد کی سرگرمیاں تھیں۔ اجرتی قاتل بھی تھے۔ کیوں نہ ہوتے۔ دولت کی ریل پیل اور چکا چوند جو تھی۔ کلب' بار' ہوٹل' عیاشی کے اڈے' نائٹ کلب بھی تھے۔ حسین اور نوجوان لڑکیاں اور عورتیں کہاں نہیں ہوتی ہیں۔ یہ تو شہد کی سی مکھیاں تھیں' جو دولت کے شہد پر بھنبھناتی تھیں۔ فلمی دنیا کی حسین اداکارائیں تھیں' وہ راتیں کالی کر کے خوب دھن کماتی تھیں۔

میوری کا علاقہ ممبئی کے سب سے بڑے علاقوں میں سے ایک تھا۔ یہ بہت ہی قدیم تھا۔ اب یہ علاقہ قدیم اور جدید طرز کے گھروں پر مشتمل تھا۔ ایک طرف پرانی آبادی تھی' جس میں

خستہ بنگلے' معمولی قسم کے چھوٹے بڑے گھر' کھانے کے سستے ہوٹل' غیر قانونی خمار بازی کے اڈے' شراب کی بھٹیاں اور پرائیویٹ قحبہ خانے' جو پولیس کی سرپرستی میں چل رہے تھے' ان میں جرائم پیشہ افراد زیادہ تھے۔ اس کے علاوہ اسکول' کالج اور ہسپتال بھی تھے۔ یہاں ہر وقت شور شرابا رہتا تھا۔ کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا' کہ خون خرابہ نہ ہوتا ہو۔ ایک فلم اسٹوڈیو بھی تھا۔ چوں کہ بہت پرانا تھا' اس لیے کوئی اچھا فلم ساز یہاں شوٹنگ نہیں کرتا تھا۔ لیکن ممنوعہ قسم کی فلمیں بنتی تھیں۔ اس سے اسٹوڈیو کے مالک کو جو آمدنی ہوتی تھی' وہ اس شہر کے کسی اسٹوڈیو کے مالک کو نہ ہو گی۔ اس کی پانچوں انگلیاں گھی میں تھیں۔

دوسری طرف ایک بہت بڑی کالونی تھی۔ اس میں جدید طرز کے مکانات' ہوٹل' ریسٹورنٹ اور بار تھے۔ ایک کلب تھا' جو ایک طرح سے نائٹ کلب تھا۔ اس میں جو رقص آور مناظر پیش کئے جاتے تھے' وہ امریکہ اور یورپ کے نائٹ کلبوں کو بھی شرما دیتے تھے۔ اس کلب میں سیکس پارٹیاں بھی ہوتی تھیں۔ ایک طرح سے یہ کسی جنوبی ملک کی کالونی دکھائی دیتی تھیں۔

موہن میوری کے بارے میں سنتا تو تھا' لیکن اسے ادھر جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ دس برس قبل وہ یہاں ایک دن صرف ایک گھنٹے کے لیے آیا تھا۔ اس وقت یہ علاقہ بڑا پسماندہ تھا۔ اب جب وہ آیا' تو اسے یقین نہیں آیا' کہ یہ دس برس پہلے کا میوری علاقہ ہے۔ پرانے علاقے میں بھی بہت ساری نئی اور جدید طرز کی عمارتیں بن گئی تھیں۔ کمرشل علاقہ میں نئی اور جدید اور خوبصورت قسم کی دکانیں اور دفاتر بھی تھے۔ اس کا دفتر کمرشل اسٹریٹ کی ایک پرانی لیکن صاف ستھری عمارت میں واقع تھا۔ کمپنی نے اسے ایک گاڑی دی ہوئی تھی۔ یہ ایک معروف ترین سڑک تھی۔ یہاں لڑکی تو مل سکتی تھی' لیکن پارکنگ نہیں۔ اتفاق سے ایک گاڑی پارکنگ سے نکلی تو اس نے اپنی گاڑی پارک کر دی۔

اس کا خیال تھا کہ اس کے باس نے جو دفتر کھولا ہے' وہ کسی شان دار اور جدید طرز کی عمارت میں واقع ہو گا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کا باس نہ صرف خبیث بلکہ کنجوس بھی ہے' اس لیے اس نے اس عمارت میں دفتر کرایہ پر لیا ہے۔ یہ عمارت پرانی ہونے کے باوجود اچھی حالت میں ہے۔ اسے یہاں آ کر اندازہ ہوا تھا' کہ اس کا واسطہ ان غریب اور متوسط طبقے کے گھرانوں سے پڑے گا' جو حالات اور مہنگائی کی چکی میں پس رہے ہیں' اور رات دن کی محنت کی کمائی سے گزارہ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ کسی شان دار دفتر' ہوٹل اور ریسٹورنٹ میں داخل ہونے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے۔ اس نے یہ بات محسوس کی کہ وہ لوگ' جو آس پاس کھڑے ہوئے ہیں' اسے غور سے دیکھ رہے ہیں۔

اس نے اندر داخل ہو کر جیب سے چابی نکالی اور مقفل دفتر کا دروازہ کھولا۔ پھر اندر گھس گیا۔ اس کے سامنے ایک لمبا کاؤنٹر تھا' اور اس کاؤنٹر کے عقب میں ایک بڑا کمرہ تھا' جس میں میز' ٹائپ رائٹر، فون' الماریاں اور ضرورت کا دیگر سامان بھی تھا۔ یہ سارا فرنیچر سیکنڈ ہینڈ تھا۔ اس میں ایک چیز بھی نئی نہیں تھی۔ اسے ایسا لگا کہ اس کمرے میں باس کی بیٹی کام کرے گی۔ اس لیے اس کمرے کو فرنیچر سے آراستہ کیا ہوا ہے۔ یہ کمرہ اس کے لیے نہیں ہوگا۔

وہ کاؤنٹر کا تختہ اٹھا کر کمرے سے آگے' ایک دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا اور دروازے کے شیشے پر لکھا تھا۔

"موہن پرکاش...... منیجر......"

معمولی سی لکھائی' سادہ حروف۔ جبکہ ہیڈ آفس میں اس کے دفتر کے باہر خوبصورت اور سنہرے حروف میں اس کا نام اور عہدہ تحریر تھا۔ جب وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا' تو اس نے دیکھا کہ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ اور ایک پرانی سی میز' عام گدے دار کرسی، میلا اور ستا سا قالین جو گہرے بھورے رنگ کا تھا' اور معمولی سی کرسیاں' جو میز کے سامنے رکھی تھیں۔ اس کے لیے ایک پرانی گدے دار کرسی تھی۔ ایک باہر کھلنے والی چھوٹی سی کھڑکی سے کمرشل اسٹریٹ دیکھی جا سکتی تھی۔ میز پر فون، پرانا ساپورٹ ٹیبل، ٹائپ رائٹر، ایش ٹرے اور ایک رف پیڈ رکھے نظر آیا۔

اسے اپنا یہ دفتر دیکھ کر بڑی مایوسی سی ہوئی۔ اس کے باس نے کنجوسی کی حد کر دی تھی۔ وہ ہیڈ آفس میں ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھتا تھا۔ یہ کمرہ نہ صرف چھوٹا' بلکہ گرم بھی تھا۔ ہوا دار بھی نہ تھا۔ چھت پر جو پنکھا تھا' وہ بھی بہت پرانا تھا۔ اس کے لیے یہاں کام کرنا اور پالیسیاں فروخت کرنا چیلنج تھا۔ آگے چل کر اسے کس قسم کے حالات کا سامنا کرنا ہوگا' اندازہ ہو رہا تھا۔ اس نے کسی کی چاپیں سنیں' تو وہ اپنے کمرے کی دہلیز پر آیا۔ اس نے دیکھا کہ بیرونی دروازے پر قدرے دراز قد لڑکی کھڑی تھی' جس کی عمر بیس برس لگتی تھی۔ اس نے سوچا کہ یہ لڑکی شاید پالیسی لینے کے لیے آئی ہے۔ اس نے ایک سفید ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی' جو بغیر آستینوں کی تھی۔ لڑکی اسے دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی' جس سے اس کے بدن میں دورانِ خون تیز ہو گیا۔ ایسا لباس' بلکہ اس لباس سے کہیں نامناسب لباس میں لڑکیاں اور عورتیں سڑکوں، بازاروں اور بسوں میں دکھائی دیتی تھیں گو کہ اپنی طرف ساری توجہ مبذول کرا لیتی تھیں' لیکن اس نے کبھی رگوں میں ایسی حرارت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ لڑکی کچھ ایسی ہی تھی۔ اس کے نفاست سے کٹے ہوئے گہرے

سیاہ بال' جو بڑی نفاست سے ترشے ہوئے تھے' اس کے کندھوں تک آ رہے تھے۔ اس کی سیاہ آنکھیں بہت بڑی بڑی تھیں' ان میں جھیل جیسی گہرائی تھی۔ بھرے بھرے گلاب جیسے رخسار، چھوٹی سی سبک ناک، بھرے بھرے سرخ ہونٹ اور قدرے پھیلا ہوا دہانہ۔

"ہیلو۔" لڑکی کی آواز لہرائی' جو بڑی رسیلی سی تھی۔ پھر وہ کاؤنٹر کا تختہ اٹھا کر اس کی طرف آئی۔ "آپ کیا مسٹر موہن پرکاش ہیں؟"

"اوہ بھگوان!" موہن نے دل میں کہا۔ یہ ضرور باس کی بیٹی ہوگی۔ پھر اس نے کہا۔

"ہاں! کیا آپ باس کی بیٹی ہیں؟"

وہ اثباتی انداز میں سر ہلاتی ہوئی دل کش انداز سے مسکرائی۔ اس کے دانت موتیوں کی طرح خوب صورت اور آب دار تھے۔ اگر کوئی مشہور کمپنی والے اسے دیکھ لیں تو اسے ٹوتھ پیسٹ کمرشل میں لے لیں۔ اتنے خوبصورت دانت بہت کم نظر آتے تھے۔

"یہ دفتر ہے یا کوئی کباڑ خانہ؟" اس نے جائزہ لیتے ہوئے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ اس کا برا سا منہ بن گیا تھا۔ پھر اس نے میز کی طرف بڑھ کر ٹائپ رائٹر چلا کر دیکھا۔ "یہ میز کیا محکمہ آثار قدیمہ والوں سے خریدی گئی ہے؟ یا کباڑی کے ہاں سے اٹھا کر۔"

"آپ کے پتا جی ہی۔" موہن نے دانستہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ دخل در معقولات کرنا نہیں چاہتا تھا۔

لڑکی نے تیزی سے ریسیور اٹھایا اور کوئی نمبر ڈائل کیا۔ موہن اسے سکتے کی سی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ سینے میں سانس تیز ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غصے کی سرخی ابھر آئی تھی۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

رابطہ قائم ہوتے ہی وہ تیز لہجے میں بولی۔ "میں جسونت سنگھ کی بیٹی بات کر رہی ہوں۔ پتا جی سے میرا رابطہ کراؤ۔ جلدی سے۔"

جب اس کا باپ سے رابطہ قائم ہوا تو وہ تیز لہجے میں کہنے لگی۔ "پتا جی! میں دفتر میں ابھی پہنچی ہوں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کھٹارا ٹائپ رائٹر پر ٹائپ کر کے اپنے ناخن توڑ لوں گی' تو آپ کی کاروباری ذہنیت اور صلاحیت کے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم نہیں کر سکتی۔ کیا انشورنس کمپنی کا دفتر ایسا ہوتا ہے؟ میڈیا والوں نے دیکھا' تو وہ نہ صرف اس پر لکھ ماریں گے' بلکہ اس دفتر کی تصویریں بھی چھاپ دیں گے۔ شاید آپ نے یہ بات نہیں سوچی۔ میرا دل کرتا ہے سارا فرنیچر باہر پھینک دوں۔"

وہ اپنے باپ پر پھٹ پڑی تھی۔ اس نے اپنے بدمزاج، خبیث اور کنجوس باپ کو کھری کھری سنا دی تھیں۔ موہن نے جان لیا تھا' کہ وہ اپنے باپ کی بڑی لاڈلی ہے۔ ورنہ کس کی مجال تھی' جو جسونت سنگھ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دے۔"

وہ خاموش ہو کر دوسری طرف سے اپنے باپ کی بات سنتی رہی۔ کچھ دیر بعد اس نے سابقہ لہجے میں کہا۔ لیکن اب کی بار لہجہ اور سخت تھا۔

میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔ اچھی طرح سن لیں۔ مجھے ایک آئی بی ایم کمپیوٹر پرنٹر کے ساتھ چاہیے۔ پھر اس نے توقف کیا' اس کا باپ اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ جب وہ کہہ چکا' تو بولی۔

"اگر مجھے یہ کمپیوٹر نہیں ملا تو میں یہاں کام نہیں کروں گی۔ یہ بات اچھی طرح سن لیں۔"

اتنا کہہ کر اس نے غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ موہن کو یقین نہ آیا۔ اس کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ کسی کا جسونت سنگھ سے اس لب و لہجے میں بات کرنا' خواہ اس کی بیٹی ہی کیوں نہ ہو' ناقابلِ یقین تھا۔ وہ بھونچکا سا ہو کر سنتا رہا تھا۔

"آپ کا دفتر کیسا ہے؟" اس نے موہن کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔ "کیا وہ بہتر ہے؟ آپ اس سے مطمئن ہیں؟"

"ٹھیک ہی ہے۔" موہن اور کیا کہتا۔ لڑکی نے اسے ایک طرف ہٹا کر اس کے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے کو گھورتی ہو باہر آگئی۔

"یہاں کام نہیں کر سکتے؟" اس نے موہن کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"وہ کس لیے؟" موہن نے حیرت سے پوچھا۔ اسے لگا کہ وہ یہ سمجھ رہی ہے کہ میں اس کے ماتحت کام کرنے کے قابل نہیں ہوں۔

"اس لیے کہ یہ کمرہ کوئلے کے انجن کی طرح دہک رہا ہے؟" اس نے جواب دیا۔ "اس کمرے میں ایک جانور بھی نہیں رہ سکتا۔"

"کوئی بات نہیں۔" موہن نے کہا۔ "چوں کہ کام کرنا ہے' اس لیے کسی نہ کسی طرح کام چلا لوں گا۔ میں سردی گرمی کا عادی ہوں۔" لڑکی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دوبارہ ریسور اٹھا لیا۔ پھر اس نے ایک نمبر ڈائل کر کے کہا۔

"مجھے مسٹر جسونت سنگھ سے بات کرنی ہے۔ میں ان کی بیٹی بول رہی ہوں۔ لائن دے دیں۔" جب اس کا جسونت سنگھ سے رابطہ قائم ہو گیا' تو تیز لہجے میں بولی۔ "میں اس جہنم میں کام

نہیں کر سکتی۔ انسان تو کیا جانور بھی دو منٹ بھی نہیں بیٹھ سکتا۔ فوراً دو ایئر کنڈیشنز بھیجیں۔ کیا۔ میں بحث کرنا نہیں چاہتی۔ اگر ایئر کنڈیشنز نہیں پہنچے تو پھر میں واپس دہلی چلی جاؤں گی۔

اس نے ریسیور کریڈل پر رکھنے کے بعد موہن کی طرف دیکھا۔ اسے اپنی طرف حیرت سے دیکھتا پا کر' شوخی کے انداز میں آنکھ ماری۔

"اب ہمیں سب کچھ مل جائے گا۔" وہ مسکرائی۔ "جب لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے تو اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہوتی۔"

"لگتا ہے کہ آپ کے پتا جی بہت زیادہ چاہتے ہیں۔" موہن نے کہا۔ "اور آپ کی ہر بات اس لیے مان بھی لیتے ہیں؟"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" اس نے ایک قہقہہ لگایا اور ہنسنے لگی۔ اس لیے کہ جب سے میں نے آنکھیں کھولی ہیں' ان کا ہر طرح سے خیال رکھتی آ رہی ہوں۔ میں بھی انہیں اسی طرح چاہتی ہوں' جس طرح وہ۔ وہ میری ہر ضد پوری کرتے ہیں۔ لیکن میں نے دفتر دیکھ کر جن چیزوں کے بارے میں کہا' اسے ضد نہیں کہا جا سکتا۔ معلوم نہیں کیوں پتا جی اس قدر اور غیر ضروری کفایت شعاری سے کام لیتے ہیں؟"

"یہ تو آپ ہی بہتر جانتی اور بتا بھی سکتی ہیں۔" موہن نے کہا۔ "آپ کا تعارف تو ہو گیا' لیکن نام کے بغیر۔"

"میرا نام کلدیپ کور ہے۔" اس نے جواب دیا۔ بچپن میں پتا جی نے میرا اور نام رکھا تھا' جو مجھے پسند نہیں تھا۔ میں نے یہ نام رکھ لیا۔"

موہن نے یہ بات محسوس کی کہ گفتگو کے دوران کلدیپ کور اسے گہری اور ناقدانہ نظروں سے دیکھتی آ رہی ہے۔ اسے کلدیپ کور کی ٹٹولتی نظریں بے چین کیے دے رہی تھیں۔ اس کے سارے جسم میں سنسنی دوڑتی جا رہی تھی۔

"یہ کیا لباس پہن کر آپ دفتر آئے ہیں؟" کلدیپ کور نے اسے ٹوکا۔

"اس لباس میں کیا خرابی ہے؟" اس نے اپنے کپڑے دیکھ کر کلدیپ کور کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "میں یہ کپڑے پہن کر ہیڈ آفس جاتا رہا ہوں۔ کبھی کسی نے آپ کی طرح اس لباس پر اعتراض نہیں کیا۔ یہ ایک اچھا لباس ہے؟"

"ہیڈ آفس کی بات ہیڈ آفس تک رہنے دو۔" وہ بولی۔ "تم یہ کپڑے پہن کر یہاں پالیسیاں فروخت نہیں کر سکتے۔ یہ کوئی لباس ہے؟"

کلدیپ کور کا تبصرہ سن کر وہ چونک گیا۔ اس نے پہلے تو کلدیپ کور کی طرف دیکھا' اور پھر اپنے لباس کی طرف۔ اس نے ایک ہلکا پھلکا سرمئی رنگ کا سوتی کپڑے کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ قیمتی ٹائی اور چمک دار جوتے۔ گھر سے نکلتے وقت لباس تبدیل کر کے اس نے اپنے سراپا پر ایک تنقیدی نظر ڈالی تھی' اور سراپا کا جائزہ لے کر وہ مطمئن ہوگیا تھا' کہ وہ اس لباس میں ایک فرم کا اعلیٰ عہدیدار معلوم ہوتا ہے۔

"اگر اس لباس میں کسی عام شخص کے گھر پر دستک دیں گے تو شاید وہ دروازہ بھی نہیں کھولے گا۔" کلدیپ کور بولی۔ "جیسا عام سا لباس میں نے پہنا ہوا ہے تم بھی پہنو۔ بہتر ہوگا کہ تم گھر جا کر کوئی عام سے لباس اور کوٹ پہن کر آؤ۔ یہ صرف ایک مشورہ ہے' جیسا دیس ویسا بھیس۔ یہاں کے پاس تم ہو۔ لہٰذا جو مناسب سمجھو وہ کرو۔ میرے پتا جی جیسے کپڑے پہن کر آؤ گے تو تم سے کوئی پالیسی نہیں لے گا۔"

موہن نے اس کی بات سن کر غور سے کلدیپ کور کی طرف دیکھا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ جس علاقے میں اسے کام کرنا ہے' وہ عام لوگوں کا ہے۔ ان پر لباس نظر انداز ہوسکتا ہے۔ اب اسے نئے حالات اور نئے ماحول کے مطابق خود کو بدلنا تھا۔ اور پھر اسے لباس سے نہیں' بلکہ بزنس سے مطلب تھا۔

"آپ کی بات میری سمجھ میں آگئی ہے۔" موہن نے کہا۔ "میں کپڑے بدلنے گھر جا رہا ہوں۔ لوٹنے میں ایک گھنٹہ لگ جائے گا۔"

واپسی میں کلدیپ کور اس کے حواس اور ذہن پر چھائی رہی۔

پھر اس نے سوچا کہ کلدیپ کور نے جس لب و لہجے میں بات کی تھی' وہ سوچنے والی بات تھی۔ اس کے دل کے کسی کونے میں ایک نادیدہ آواز نے اسے ایک خطرے سے آگاہ کیا۔

"موہن! تم اس لڑکی سے ہوشیار رہنا۔ یہ کسی زہریلی ناگن سے کم نہیں۔ تم اس کے بارے میں سنجیدہ نہ ہو۔ تم یہ بات نہ بھولو کہ تم ایک شادی شدہ مرد ہو۔ ایک شریف اور ایک مثالی عورت کے پتی ہو۔ وہ تمہارے جذبات کا احساس کرتی ہے۔ اس کی محبت میں وہی گرم جوشی ہے' جو تم چاہتے ہو۔ اور پھر شادی کے پانچ برسوں کے بعد بھی پہلے دن کی طرح حسین' اور پرکشش ہے' اور پھر تم بھی ایک اچھے پتی' اور جیون ساتھی ثابت ہوئے ہو' تم نے کبھی بھولے سے بھی کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ کلدیپ کور ایک ایسی بھرپور' اور ہیجان خیز لڑکی ہے' کہ مردوں کو پاگل کردے۔ تمہیں اس سے ہر وقت ہوشیار رہنے کی

ضرورت اس لیے بھی ہے کہ تم ایک خوبصورت، وجیہہ اور دراز قد مرد اور لڑکیوں کے سپنوں اور قصہ کہانیوں کے راج کمار معلوم ہوتے ہو۔ لڑکیاں تمہیں دیکھ کر سرد آہیں بھرتی ہیں۔ تمہیں خواب ناک نظروں سے دیکھتی ہیں۔"

جب موہن گھر پہنچا تو شوبھا گھر پر موجود نہیں تھی۔ وہ دفتر جا چکی تھی۔ اس کی الماری میں دو تین پرانے جوڑے تھے' جو چھٹی والے دن گھر میں صفائی اور بازار جاتے وقت پہنتا تھا۔ اس نے ان جوڑوں میں سے ایک جوڑا نکال کر پہنا' اور واپس میوری کی طرف چل دیا۔ واپسی میں وہ دفتر نہیں گیا۔ اس نے مرہٹہ مندر کے پاس گاڑی کھڑی کی' اور راجہ اسٹریٹ کی طرف بڑھ گیا۔ پھر اس کے عقب میں گیا' جہاں کوارٹر نما مکان بنے ہوئے تھے' جن میں متوسط طبقے کے لوگ رہتے تھے۔ وہ دو تین گھروں کے دروازوں پر گیا۔ جب اس نے ان گھروں کی عورتوں سے ان کی لڑکیوں اور بچوں کے بارے میں بات کی' اسے یہ جان کر حیرت اور خوشی ہوئی تھی' کہ ان عورتوں نے بھی بڑی دلچسپی لی تھی۔ اسے اندر لا کر بٹھایا اور بات کی تھی۔ بچوں کو بردہ فروش اغواء کر کے لے جاتے تھے۔ لڑکیوں کے ساتھ بھی ایسا ہوتا تھا۔ عدم تحفظ کا احساس انہیں کچھ زیادہ ہی تھا۔ ان عورتوں نے کہا تھا' کہ وہ اپنے شوہروں سے مشورہ کر کے بتائیں گی۔ اس لیے دنیا میں ان کے لیے بچوں اور نوجوان لڑکیوں سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں ہے۔

تین چار ایسی عورتیں' جن کی لڑکیاں حسین اور جوان تھیں' اور مالی طور پر مستحکم بھی تھیں' انہوں نے دستخط کر کے بیمہ کرالیا' اور اسی وقت پریمیم بھی ادا کر دیا تھا۔ ان عورتوں کی دیکھا دیکھی دوسری اور دس عورتوں نے دوسرے دن پالیسی خریدنے کا وعدہ کرلیا۔ ان کا کہنا تھا' اس پالیسی سے اتنا تو ہوگا' کہ کمپنی پولیس والوں کے مقابلے میں تحفظ دے گی۔ جب کہ پولیس والے الٹا ہراساں اور پریشان کرتے ہیں۔ مختلف حیلے بہانوں سے نہ صرف رقم اینٹھتے ہیں' بلکہ ایک طرح الٹا الزام تراشی بھی کرتے ہیں۔ وہ لنچ تک مصروف رہا تھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اس پالیسی کی پذیرائی ہوگی۔ تاہم بہت مسرور تھا۔ اس پر سرشاری سی طاری تھی۔

موہن جب دفتر میں داخل ہوا' تو خنک ہوا کے جھونکوں نے اسے جیسے کسی عورت کی طرح چوم لیا تھا۔ کلدیپ کور ایک آئی بی ایم کے نئے اور شاندار کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"کیا کپڑے بدل کر آنے میں اتنی دیر لگتی ہے؟" کلدیپ کور نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

''میں کپڑے بدل کر دفتر آنے کے بجائے راجہ اسٹریٹ کے عقب میں' جو آبادی ہے وہاں پالیسی بیچنے چلا گیا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''میں نے آپ کی غیر موجودگی میں دو پالیسیاں فروخت کی ہیں۔'' کلدیپ کور بولی۔ ''تمہارا کام کیسا رہا؟ کیا تم نے پالیسیاں فروخت کیں؟''

''تین پالیسیاں اور دس عدد حتمی وعدے۔'' موہن نے جواب دیا۔ ''لیکن اس سے بڑا کمال تو آپ نے اپنے پتا جی سے اپنی بات منوا کر کیا ہے؟''

''کمال کرنے والے آدمی تو پتا جی ہیں۔'' وہ بولی۔ ''بشرطیکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان سے کس طرح بات کی جائے؟''

موہن نے وہ تینوں پالیسیاں کلدیپ کور کے حوالے کر دیں۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے موہن کے جذبات تند ہونے لگے' اور اس کے جسم میں خون کی گردش تیز ہوگئی۔ شادی کے بعد دفتر میں اور موقعوں پر اس کا واسطہ کیسی کیسی حسین' اور بھرپور جوان لڑکیوں' پُرشباب بدن کی عورتوں سے پڑا اور پڑتا رہتا تھا۔ شوبھا کا جادو ایسا تھا' کہ اس نے کبھی کسی لڑکی کو ایسا محسوس نہیں کیا' اور نہ ہی اس کے ذہن میں پراگندہ خیال بیدار ہوئے تھے۔ یہ بات اسے فکرمند اور پریشان کر رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بہک جائے۔

کلدیپ کور نے پالیسیاں دیکھ کر میز پر رکھ دیں۔ پھر اس نے کہا۔ ''مجھے بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔ آپ کا کیا حال ہے؟''

''بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔ لیکن تم کھانے چلی جاؤ۔'' موہن نے کہا۔ ''واپسی پر میرے لیے سینڈوچ یا برگر لیتی آنا۔ میں آفس بند کرنا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ پالیسی لینے کوئی بھی کسی وقت آسکتا ہے۔ یہ مثل مشہور ہے کہ موت اور گاہک کا کوئی بھروسا نہیں کب آجائے۔''

کلدیپ کور اس کی بات سن کر اٹھی۔ موہن نے اسے باہر جاتے ہوئے دیکھا' تو اس نے دل تھام لیا۔ اس کی مستانہ چال اور کمر کی لچک اس کے جذبات کو مزید ابھارنے لگی۔ وہ شعلہ سی لگ رہی تھی۔ وہ دفتر میں اپنی مہک چھوڑ کر باہر نکلی' تو دفتر خالی خالی سا لگنے لگا۔ اپنے دفتر کا دروازہ کھلا چھوڑ کر کچھ دیر کلدیپ کور کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر اسے اچانک ایک خیال آیا' تو اس نے اپنا ہاتھ فون کی طرف بڑھایا۔

اس نے شوبھا کا نمبر ڈائل کیا۔ وہ کلدیپ کور کی غیر موجودگی میں بات کرنا چاہتا تھا۔ رابطہ ہونے پر اس نے پوچھا۔ ''بات کر سکتی ہو؟''

''ہاں۔ مگر صرف دو منٹ۔'' شوبھا نے جواب دیا۔ ''تمہارا دفتر میں پہلا دن کیسا رہا؟ کیا پالیسیاں فروخت ہوئیں؟''

''اچھا ہی رہا۔'' وہ بتانے لگا۔ ''تین پالیسیاں فروخت کی ہیں۔ دس کا وعدہ ہے' جو دو ایک دن میں پورا ہوگا۔ مشکل یہ ہے کہ دن میں مرد کام پر جاتے ہیں' اور عورتیں ان سے پوچھے بغیر پالیسی پر دستخط کرنا نہیں چاہتی ہیں۔ اس لیے مجھے شام کے وقت ایک چکر لگانا ہوگا۔ اس لیے گھر آنے میں دیر ہو جائے گی۔ دس گیارہ بجے سے پہلے واپسی مشکل معلوم ہوتی ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' شوبھا نے کہا۔ ''میں تمہارے لیے کچھ کھانا فریج میں رکھ دوں گی۔ اسے گرم کر کے کھا لینا' یا پھر مجھے جگا دینا۔ اور ہاں۔'' اس نے اس طرح کہا جیسے اسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔ رک کر اس نے سوال کیا۔ ''جسونت سنگھ کی بیٹی کیسی ہے؟''

موہن کے لیے یہ سوال غیر متوقع نہ تھا۔ شوبھا کے دل میں شاید رقابت کی جلن ہونے لگی تھی۔

''یوں تو وہ ٹھیک ہی لگتی ہے۔ مگر ابھی سے کیا کہا جاسکتا ہے۔'' موہن نے جواب دیا۔ ''گھر آکر اس کے بارے میں تفصیل بتاؤں گا۔''

''کیا وہ حسین نہیں' تو پرکشش ہوگی؟'' شوبھا کا یہ دوسرا سوال تھا۔ جیسے اسے تجسس اور حسد بھی ہو رہا ہو۔

''ایسی کوئی بات نہیں' بلکہ مجھے حیرت ہوئی۔ وہ اپنے باپ پر نہیں گئی۔ شاید ماں پر گئی ہو۔'' موہن نے کہا۔ ''جس پر بھی گئی ہو میری بلا سے۔ البتہ وہ اپنے باپ کی طرح تند خو مزاج کی ہے۔ کم سے کم وہ میرے ٹائپ کی نہیں ہے۔''

یہ بات اس کی زبان سے غیر ارادی طور پر نکلی تھی۔ دوسرے لمحے احساس ہوا تو اس نے اپنے آپ کو سخت ملامت کی۔ کیوں کہ شوبھا کے ساتھ پانچ برس سے ازدواجی زندگی میں وہ یہ بات جانتا تھا' کہ شوبھا ذہین اور ایک ہوشیار عورت ہے۔ زمانہ شناس ہے۔ اسے ایسی احمقانہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔ لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

''اوہ۔ یہ تو پانچ برس میں پہلی بار مجھ پر انکشاف ہوا ہے۔'' شوبھا نے قدرے استہزائیہ لہجے میں کہا۔ ''آج مجھے معلوم ہوا کہ عورت کے معاملے میں تمہارا کوئی ٹائپ بھی ہے؟ تم نے اس سے پہلے اپنے ٹائپ کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔''

''ہاں ہے۔ تم میرے ٹائپ کی ہو۔ میں تو صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ......'' اس نے جملہ

ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہنے والا تھا۔

"میں بہت زیادہ مصروف ہوں' اس لیے زیادہ دیر بات نہیں کرسکتی۔" شوبھا نے کہا۔

"اب رات کو ملاقات ہوگی؟" اس نے ریسیور رکھ دیا۔

موہن نے ایک گہری سانس لی اور ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اسے پچھتاوا سا ہو رہا تھا' کہ اس کی زبان سے غلط بات کیوں نکل گئی تھی۔ پھر اس کا خیال بجلی کی رَو کی طرح کلدیپ کور کی طرف چلا گیا۔ وہ بڑی سنجیدگی سے سوچنے لگا' کہ اس نے یہ ترقی اور عہدہ قبول کر کے کتنی بڑی غلطی کی۔ اب کیا کیا جاسکتا ہے۔ ہیڈ آفس میں اس کے ماتحت جو پارسی عورت کام کرتی تھی' گو کہ وہ ایک موٹی بھدی عورت تھی' مگر اپنے کام میں بڑی ہوشیار تھی۔ اس وقت اس نے ہمت سے کام کیوں نہیں لیا۔ وہ جسونت سنگھ سے صاف صاف کہہ سکتا تھا' کہ اسے ترقی اور عہدے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسے ہیڈ آفس میں رہنے دیا جائے۔ اگر باس اس کی بات نہ مانتا' تو وہ اپنا استعفیٰ پیش کر دیتا۔ ظاہر ہے اس بات کا علم اس کے فرشتوں کو بھی نہیں تھا' کہ اس کا واسطہ کلدیپ کور جیسی لڑکی سے پڑنے والا ہے۔

کلدیپ کور سے اس کی شناسائی دنوں کی نہ تھی۔ صرف تھوڑی دیر کی تھی۔ اس کا قیاس کبھی غلط ثابت نہیں ہوا تھا۔ آخر وہ ایک کامیاب ترین انشورنس ایجنٹ تھا' سیلز مین تھا' جو قیافہ شناس ہوتا ہے۔ کچھ دیر ہی میں اسے اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ کلدیپ کور ان لڑکیوں میں سے ہے' جو سیکس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہیں' اور ان کا کوئی اخلاقی معیار نہیں ہوتا۔ انہیں جب بھی کبھی تشنگی محسوس ہوتی ہے۔ وہ کہیں نہ کہیں اپنی پیاس بجھا لیتی ہیں۔ اس نے کچھ اضطراب کے ساتھ سوچا کہ اب اس کا کلدیپ کور سے صبح سے شام تک سابقہ پڑتا رہے گا۔ دفتر میں وہ دونوں اکیلے ہوا کریں گے۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ وہ جسونت سنگھ سے ایک چپراسی رکھوانے کے لیے کلدیپ کور سے کہے؟ کیا کلدیپ کور اس بات کے لیے تیار ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ اسے ایک زہریلی ناگن سے ہوشیار رہنا ہوگا۔



موہن جب بیرونی دروازہ کھول کر گھر میں گھسا' تو اس وقت دیوار گیر گھڑی نے گیارہ بجائے۔ اس نے دانستہ گھنٹی نہیں بجائی' اس لیے کہ شوبھا گہری نیند سو رہی ہوگی۔ وہ اس کی نیند خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس وقت نہ صرف تھکا ماندہ تھا' بلکہ بھوک اور پیاس سے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ لیکن اسے اس کا احساس شدت سے اس لیے نہیں ہو رہا تھا' کہ جن دس عورتوں نے صبح دس پالیسیوں کے وعدے کیے تھے' ان میں سے آٹھ نے شام کے وقت خرید لی تھیں۔ باقی دو بھی نیم آمادہ تھے' مگر مزید کچھ غور کرنا چاہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے پہلے ہی دن برانچ منیجر کی حیثیت سے ایک سو پچاس روپے بطور کمیشن کما لیے تھے۔ یہ ابتدا تھی۔ اس میں روز بروز اضافہ ہوسکتا تھا۔

اس نے اپنی گاڑی فلیٹ کے احاطے میں پارک کرتے وقت سوچا تھا' کہ جسونت سنگھ کا آئیڈیا واقعی کمال کا تھا۔ یہ آئیڈیا اس لیے بھی جسونت سنگھ کے ذہن میں آیا تھا' کہ دس بارہ لڑکیاں اور عورتیں جو پراسرار طور پر لاپتا ہوگئی تھیں' اور جو دو سربریدہ لاشیں ملی تھیں' ان میں ایک لڑکی اور ایک عورت تھی۔ اس نے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ اگر یہ پراسرار اور ہولناک واقعات نہ ہوتے' کوئی بھی اس پالیسی کے بارے میں سوچتا نہیں۔ وہ دل میں جسونت سنگھ کی ذہانت پر عش عش کر اٹھا تھا۔

دوپہر کے وقت جب کلدیپ کور لنچ کرنے گئی ہوئی تھی' تب اس نے سوچا تھا' کہ جسونت سنگھ کا آئیڈیا لاجواب ثابت ہو رہا ہے۔ تب اس نے مختصر اور سادہ الفاظ میں ایک پراسپکٹس کا مضمون تیار کیا تھا' کہ سٹی انشورنس کارپوریشن نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کے تحفظ کے لیے کیا کرنا چاہتی ہے۔ اور اس میں والدین اور ان کی بچیوں کا مفاد شامل ہے۔

پھر اس نے ہیڈ آفس فون کر کے سیلز ڈائریکٹر سے اس مضمون کے موضوع پر تبادلہ خیال کیا' اور پوچھا کیا اس کی اشاعت کی اجازت ہے؟ اسے اجازت مل گئی۔ اس کے بعد کلدیپ کور

اس کے لیے جو کلب سینڈوچ لائی تھی' اسے جلدی جلدی سے حلق میں اتار لیا۔ پھر وہ سہ پہر مقامی گرلز ہائی سکول روانہ ہوگیا۔ موہن نے گرلز ہائی سکول کی پرنسپل سے بات کی' جو ایک چالیس برس کی بہت خوبصورت اور دل کش عورت تھی۔ اس نے موہن کے مشوروں کو بہت سراہا۔

"ممکن ہے یہ خواب والی بات معلوم ہو۔" موہن نے کہا۔ "یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ جو لڑکیاں اور عورتیں غائب ہوئی ہیں' اور دو سربریدہ نوجوان لاشیں ملی ہیں' اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بھی خون کی پیاسی مافیا معلوم ہوتی ہے۔ اس بات کا امکان ہے کہ جلد ہی ایسی کوئی لرزہ خیز واردات رونما ہونے والی ہے۔ اس خون آشامی بھیڑیے کو شرمندہ کردینے والے قاتل کو پکڑنا پولیس کا کام ہے' لیکن ہم نہ صرف متاثرہ خاندان کی کفالت کریں گے' بلکہ اس بات کی بھی کوشش کریں گے کہ مجرم کو پکڑ کر کیفرِ کردار تک پہنچائیں۔ ہر بیمہ کمپنی میں ایک تحقیقاتی شعبہ بھی ہوتا ہے۔ بہت سارے لوگ بیمہ پالیسی کی رقم حاصل کرنے کے لیے خون کرنے سے باز نہیں آتے ہیں۔ اور پھر ہم لڑکیوں اور عورتوں کی رہنمائی کریں گے' کہ وہ کس طرح سے اپنی حفاظت کرسکتی ہیں۔ ہمارا مقصد صرف انشورنس پالیسی سے آمدنی بڑھانا نہیں ہے' بلکہ نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کا مفاد بھی پیش نظر ہے۔"

"آپ کی کمپنی کا جذبہ قابلِ تعریف ہے۔" سکول کی پرنسپل لاجونتی نے کہا۔ پھر اس نے پوچھا۔ "آج کا شام کا اخبار دیکھا ہوگا آپ نے؟"

"جی نہیں۔" موہن نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔ "دراصل میں صبح سے اس قدر مصروف رہا ہوں کہ سر کھجانے کی بھی فرصت تک نہیں ملی ہے۔"

"حیرت کی بات ہے کہ ایسی الم ناک خبر' جس نے پورے شہر کو نہ صرف دہلا دیا' بلکہ خوف و ہراس میں مبتلا کردیا ہے۔ آپ اس سے لاعلم ہیں۔" وہ بولی۔ "شاید اس لیے بھی کہ یہ ضمیمہ تھوڑی دیر پہلے ہی شام کے اخبار کے ساتھ آیا ہے۔" اس نے توقف کرکے میز کے ایک طرف رکھے ہوئے ضمیمہ کو اٹھایا' جو تہ کیا ہوا تھا۔ اسے کھول کر موہن کے سامنے پھیلا دیا۔

موہن نے اپنے سامنے اخبار رکھ لیا۔ مقتولہ کی تصویریں بھی تھیں۔ سولہ برس کی بہت ہی حسین، نوجوان اور بھرپور لڑکی تھی۔ تصویروں میں وہ ایک شوخ، فیشن ایبل اور بھڑکیلے جسم کی دکھائی دیتی تھی۔ وہ لرزہ خیز قتل کی واردات کی تفصیل پڑھنے لگا۔ اخبار میں اس واردات کی تفصیل یہ تھی' کہ کل صبح جوہڑ پر ایک لڑکی کی سربریدہ لاش ملی' قامت جسم کے اعضا اور خطوط سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ ایک پندرہ سولہ برس کی لڑکی ہوگی۔ نہ صرف اس کا دایاں بازو بلکہ اس کی پوری بائیں ٹانگ کسی بہت ہی تیز دھار آلے سے کاٹی ہوئی تھی۔ اس کا سر بھی تن سے جدا کیا گیا تھا'

اس کے سینے پر زخم کے ان گنت نشانات تھے' جو کسی خنجر کی نوک سے لگائے گئے تھے۔ اس جنونی اور پراسرار قاتل نے بڑی بربریت، بہیمانہ اور درندگی سے نہ صرف اس معصوم لڑکی کو قتل کیا' بلکہ اس کے جسم سے سارا خون قتل کرنے سے پہلے بے ہوش کرکے سرنج سے نکال لیا تھا۔ اس کے بائیں بازو پر سوئی کے دو نشانات موجود تھے۔ ایک نشان بے ہوشی کے انجکشن کا تھا۔ دوسرا نشان جسم سے خون نکالنے والی سرنج کا تھا۔ اور قاتل نے اس لڑکی کو قتل کرنے سے پہلے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے' کہ لڑکی خوشی اور مرضی سے اس کے ساتھ گئی تھی۔ لڑکی کا باپ دوپہر کے وقت اپنی بیٹی کی گم شدگی کی رپورٹ درج کرانے تھانے پہنچا تھا۔ لڑکی کل شام سے غائب تھی۔ اس مقتولہ کے باپ نے اپنی بیٹی کی لاش کو اس تل کے نشان سے شناخت کیا تھا' جو اس کی دائیں ٹانگ کی ہڈی پر تھا۔ لڑکی کے بارے میں بتایا گیا' کہ وہ ایمرسن کالج میں فرسٹ ایئر کی طالبہ تھی۔ اس کے حلقے میں دوست لڑکے زیادہ تھے۔ وہ ایک بدچلن لڑکی تھی۔ راتوں کو دیر سے گھر آتی تھی۔ وہ مے نوشی کی بھی عادی تھی۔ والدین کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔

موہن یہ تفصیلات پڑھ کر کانپ گیا۔ پھر اس نے اخبار تہ کرکے پرنسپل کی طرف بڑھا دیا اور کہا۔

"اس قتل کی واردات کے بعد اب اتنا کام آئے گا کہ میں دفتر میں اس کام کو نمٹا نہ سکوں گا۔ اگر آپ اپنے اسکول کا ہال استعمال کرنے کی اجازت دیں' میں وہاں ایک شام والدین کی میٹنگ بلاؤں۔ کیا اس سلسلے میں آپ مجھ سے تعاون کرنا پسند کریں گی؟"

"مسٹر موہن! مجھے بڑی خوشی ہوگی' آپ سے ہر طرح کا تعاون کرکے۔" پرنسپل لاجونتی کہنے گی۔ "اس سلسلے میں' میں آپ کو ایک ناچیز مشورہ دینا چاہتی ہوں۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ والدین معقول تعداد میں میٹنگ میں شرکت کرنے آئیں' اس کے لیے شام کا وقت مناسب نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ باپ شام کے وقت اور دن ڈوبنے کے بعد گھر پہنچتے ہیں تو سارا دن کام کرکے تھکے ماندے ہوتے ہیں۔ پھر وہ کسی قیمت پر گھر سے نکلنا پسند نہیں کریں گے۔ اس لیے میرے خیال میں اتوار کے دن سہ پہر چار بجے کا ٹائم رکھ لیں۔ تب تک لوگ کھانا کھا کر تھوڑا بہت آرام بھی کرچکے ہوں گے۔ پھر بہت زیادہ لوگ شریک ہوں گے۔"

موہن پرنسپل کی بات سن کر چند لمحوں تک گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔ پرنسپل کا کہنا ہر لحاظ سے درست تھا۔ لیکن اتوار کا ایک دن جو چھٹی کا ہوتا تھا' وہ ضائع ہوجائے گا۔ پرنسپل نے بڑی معقول بات کہی تھی۔ اختلاف کی گنجائش نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے۔" موہن نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔ "ہم میٹنگ کا وقت اتوار کے دن

"سہ پہر چار بجے ہی رکھیں گے۔"

مزید تبادلہ خیالات کرنے کے بعد پرنسپل نے چار نوجوان لڑکوں کے نام و پتے اسے دیئے اور کہا کہ چند روپوں کے عوض کمپنی کا پروگرام گھر گھر تقسیم کر دیں گے۔ یہ لڑکے بڑے ذمے دار اور دیانت دار بھی ہیں۔ ان سے متعدد بار کام کرا چکی ہوں۔ یہ ضرورت مند بھی ہیں۔ پھر وہ اس کا شکریہ ادا کر کے سیدھا پرنٹر کے پاس پہنچا' جو اس علاقے میں تھا۔ پریس والے نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ تین ہزار کاپیاں بدھ کے روز سہ پہر تک دے دے گا۔ پھر وہاں سے وہ سیدھا دفتر پہنچا تھا' اور اس نے کلدیپ کور کو بتایا کہ اس کی مصروفیت کیا رہی تھی۔

"اتوار کے دن آپ مصروف تو نہیں ہیں؟" موہن نے دریافت کیا۔"اس لیے کہ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت بھی ہوگی۔ آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا ہے؟"

"کہا تو ہے مگر کوئی پروا نہیں۔ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ اس لیے کہ یہ نہایت ضروری ہے۔" کلدیپ کور نے جواب دیا۔" آپ نے جو سوچا ہے' وہ بہت ہی عمدہ خیال ہے۔ میرے پتا جی یہ سن کر بہت خوش ہوں گے۔ آپ نے اپنے آپ کو ہر طرح سے اہل ثابت کیا ہے۔"

"اس تعریف اور سراہنے کا بہت بہت شکریہ۔" موہن نے کہا۔"اب آپ چاہیں تو چھٹی کریں۔ کیوں کہ مجھے ابھی کچھ لوگوں سے ملنا ہے۔ اب آپ سے کل ملاقات ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ اب کوئی پالیسی لینے نہیں آئے گا۔"

موہن نے کلدیپ کور کو جاتے دیکھا' اور اس کی مستانہ سبک خرامی چال نے ایک مرتبہ پھر اس کے جذبات میں ہلچل مچا دی۔ اس کے جانے کے بعد دفتر ویران ویران سا لگا۔ وحشت سی ہونے لگی۔ یہ اس کے پہلے دن کی کارکردگی تھی۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا' تو شوبھا ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ لیکن اسے دیکھ کر بند کر دیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جو ابدی تھی' اگلے لمحے ایک دم سے غائب ہوگئی۔

"کیا تم یہ کپڑے پہن کر دفتر گئے تھے؟" شوبھا نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔" کیا یہ کپڑے مناسب تھے دفتر کے لیے؟"

"جی ہاں۔" موہن نے سرہلاتے ہوئے جواب دیا۔"تمہیں اس قدر حیرت کس لیے ہو رہی ہے؟ یہ کپڑے کیا برے ہیں؟"

"یہ کپڑے ہیں؟ ایسے کپڑوں میں چپراسی بھی دفتر نہیں جاتے ہیں۔" شوبھا نے منہ بنایا۔ "تمہیں آفس انچارج بنایا ہے یا؟"

"چپراسی تو نہیں پہنتے ہیں' لیکن آفس انچارج پہن سکتا ہے۔" موہن ہنس کر بولا۔" زمانہ

بدل رہا ہے۔ چوں کہ کاروبار ہے۔ کاروبار میں بھی جیسا دیس ویسا بھیس۔ اس علاقے میں اس بھیس میں کام کرنا پڑے گا' ورنہ لوگ دروازہ بھی نہیں کھولیں گے۔ ان باتوں کو رہنے دو۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ جلدی سے کھانا لا دو۔ اب بھوک برداشت نہیں ہو رہی ہے۔"

"جھوٹ کیوں بولتے ہو' تمہیں بھوک لگ رہی ہے؟" شوبھا بولی۔ آتے ہی بہکنے لگے۔ تمہارا کھانا میز پر رکھا ہوا ہے۔ تم میز پر جاؤ۔ میں تمہارے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں۔ تمہاری ساری تھکن اتر جائے گی۔

"کافی نہیں۔ کولڈ ڈرنک۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔" کافی پینے سے نیند نہیں آئے گی۔ پھر میں تمہیں بھی سونے نہیں دوں گا۔"

وہ کوٹ اور جوتے اتار کر کھانے کی میز پر بیٹھ گیا۔ جب وہ کھانا کھا رہا تھا' تب شوبھا اس کے لیے کولڈ ڈرنک لے آئی۔

"ہاں اب بتاؤ۔ آج کا پہلا دن آفس انچارج صاحب نے کیسے اور کہاں گزارا' جو اتنی دیر ہوگئی؟" شوبھا بولی۔

کھانے کے دوران موہن نے شوبھا کو دن بھر کے کام کی تفصیل بتائی' مگر وہ دانستہ کلدیپ کور کا ذکر گول کر گیا' اور نہ ہی اس نے یہ بتایا کہ آنے والی اتوار کو مصروف رہے گا۔ کیوں کہ اتوار کا دن ان دونوں کے لیے ساتھ رہنے کے لیے مخصوص تھا' جو ایک طرح سے ہنی مون کی طرح ہوتا تھا۔ اس نے سوچا تھا' کہ یہ بات وہ سب سے آخر میں بتائے گا۔

"میں نے ایک دن میں ایک سو پچانوے روپے کمیشن کمایا ہے۔" وہ فخریہ لہجے میں بولا۔ "یہ کہو۔ یہ کیسا رہا؟"

"بہت عمدہ۔ میں جانتی ہوں کہ تم اس سے بھی زیادہ یومیہ کمیشن کماؤ گے۔ تم نے وضاحت نہیں کی کہ یہ کپڑے کیوں پہنے؟"

"جب میں دفتر پہنچا تو یہ دیکھ کر نہ صرف حیرت' بلکہ مایوسی ہوئی کہ دفتر کتنا بیکار ہے۔" وہ کہنے لگا۔" یقین نہ آیا تھا کہ اتنی بڑی انشورنس کمپنی کا دفتر اس قدر گھٹیا' اور عام قسم سے بھی بدتر ہوسکتا ہے۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ وہاں کے ماحول کے مطابق لباس نہیں پہنا ہے۔ پھر کلدیپ کور آئی تو میں نے دیکھا کہ اس نے معمولی سا لباس پہن رکھا ہے۔ چنانچہ میں گھر آ کر یہ لباس پہن کر دفتر چلا گیا۔"

"لیکن یہ کلدیپ کور کون ہے؟" شوبھا نے متعجب نظروں سے دیکھا۔

"جسونت سنگھ کی بیٹی ہے۔" موہن اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے پاس والی کرسی پر آ بیٹھا

اور کہنے لگا۔ "تم نے حسبِ معمول کھانا بہت اچھا پکایا ہے۔ میرے خیال میں تھکنے کے بجائے آرام کریں۔ کیوں کہ بہت دیر ہوگئی ہے۔ کیوں کہ ہم دونوں کو کل پھر معروف دن کا سامنا کرنا ہے۔"

"تم نے اپنے باس کی بیٹی کلدیپ کور کے متعلق نہیں بتایا۔" شوبھا نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس کے بارے میں کیوں نہیں بتا رہے ہو؟"

"جانو تمہیں فون پر بتا چکا ہوں کہ وہ اپنے باپ کی طرح ہے۔" موہن بولا۔ "نہ صرف سخت مزاج، اکھڑ بلکہ چالاک لومڑی ہے۔"

"لیکن دیکھنے میں ہے کیسی؟" شوبھا کا لہجہ بڑا سرد اور سپاٹ سا تھا۔ وہ کلدیپ کور کے متعلق جاننے پر تل گئی تھی۔

"ایسی ہی جس طرح آج کل کی ماڈرن لڑکیاں ہوتی ہیں۔" موہن نے دانستہ سرسری انداز میں اور قدرے بے نیازی سے کہا۔ "جنھیں ہم عام طور پر دیکھتے ہیں۔ ویسے ہی کپڑے، چست جینز، ٹی شرٹ، بالوں سے بے پروا مگر بہت اسمارٹ ہے۔"

"کیا بہت خوبصورت اور پُرکشش بھی ہے؟" شوبھا نے پوچھا۔ "تم نے اس کے حسن و شباب کے بارے میں نہیں بتایا؟ اس کی عمر کیا ہوگی؟"

"جوانی میں تو ہر لڑکی، بلکہ گدھی بھی خوبصورت اور پُرکشش دکھائی دیتی ہے۔ لیکن وہ واجبی شکل و صورت کی سی ہے۔" موہن نے عام سے انداز میں جواب دیا۔ پھر اسے کچھ خیال آیا۔ اس نے سوچا وہ بات کہہ دینا چاہیے، جو اس نے اب تک نہیں کہی۔ "جان! تمہیں ایک بات بتانا بھول گیا۔ اسکول میں، میں نے لڑکیوں کے والدین کے ساتھ جو میٹنگ رکھی ہے، وہ اتوار کے روز رکھی ہے۔ اس کا وقت چار بجے سہ پہر ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ سے زیادہ والدین شرکت کر سکیں۔"

"کیا کہا......؟ اس اتوار کو؟" شوبھا بڑے زور سے چونکی۔ "تم ہو کس دنیا میں؟ کیا تمہیں اس بات کا خیال نہیں کہ اس اتوار کو کسی کی شادی کی سالگرہ ہے؟ میری دیدی رنجنا کی۔ اس کے بارے میں تمہیں کچھ دن پہلے بتایا تو تھا؟"

موہن کی پرنسپل سے میٹنگ کا پروگرام، اور وقت اور دن طے کرتے ہوئے ایک یوں ہی سا خیال آیا تھا، کہ اس اتوار کو کوئی اہم قسم کا پروگرام ہے۔ یوں کہ وہ اسکول کی میٹنگ کے نتائج کے بارے میں اتنا پُرامید اور پُرجوش تھا، کہ میٹنگ کے بارے میں سوچتے ہوئے شادی کی سالگرہ کا خیال اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ اس وقت وہ حیران ہو رہا تھا، کہ وہ یہ کیسے بھول گیا تھا؟

"اوہ آئی ایم سوری جان!" موہن نے قدرے ندامت سے کہا۔ "میں واقعی بھول گیا تھا۔ بالکل بھی یاد نہیں آیا۔ بہرحال مجھے افسوس ہے کہ میں سالگرہ کی تقریب میں شرکت نہ کر سکوں گا، کیوں کہ اسکول کا ہال اتوار کے علاوہ کسی اور دن خالی نہیں مل سکتا۔"

"تم میری دیدی کی دعوت کو اس طرح، اور اس بہانے سے نظر انداز نہیں کر سکتے۔" شوبھا تنک کر بولی۔

رنجنا، شوبھا کی سگی بڑی بہن تھی۔ بدمزاج اور مغرور قسم کی۔ اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھتی تھی۔ وہ ہر کسی پر حکم چلا کر خوش ہوتی تھی۔ وہ صرف اور صرف اپنی ذات کے بارے میں سوچتی تھی۔ خوشامد پسند تھی۔ موہن کو وہ ایک آنکھ نہیں بھائی۔ اسے رنجنا کی صورت تک گوارا نہ تھی۔ وہ بڑی زہر لگتی تھی۔ وہ بہت حسین نہ تھی، لیکن اس میں پندارِ حسن تھا۔ اسے اس لیے اپنی ذات پر زعم تھا، کہ اس کا پتی ایک کارپوریشن کا لیگل ایڈوائزر تھا۔ اسے اپنی زندگی میں اس سے بور اور خود پرست آدمی سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ دونوں میاں بیوی کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ اب اسے یاد آیا کہ ان کی شادی کی دسویں سالگرہ ہے۔ اسے اور شوبھا کو دوپہر اور رات کے کھانے پر مدعو کیا گیا تھا۔ رات کو ڈنر سے فارغ ہونے کے بعد سمندر پر جانے کا پروگرام بھی تھا۔ وہاں آتش بازی کا پروگرام تھا۔

"میں نے پریس میں تین ہزار کی تعداد میں پراسپکٹس چھپنے کے لیے دے دیئے ہیں۔" موہن نے کہا۔ "افسوس ہے کہ اتوار کی میٹنگ ملتوی نہیں کی جا سکتی۔ اس کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ گئی، آج شام کے اخبار میں ایک لڑکی کے لرزہ خیز قتل کی خبر چھپی ہے۔ اس کے ساتھ جنونی قاتل نے نہ صرف زیادتی کی، اور اس کے جسم کا سارا خون نکال کر اس کی لاش کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ کیا تم نے شام کا اخبار دیکھا؟"

"ہاں۔" شوبھا نے افسردگی سے سر ہلا دیا۔ اس کے بدن پر جھرجھری سی دوڑ گئی۔ "بائی دے وے۔ تم کب تک فارغ ہوگے؟"

میٹنگ کا وقت چار بجے مقرر کیا گیا ہے۔ لیکن پانچ بجے سے پہلے شروع ہونا مشکل ہے۔ کیوں کہ لوگ وقت کی پابندی نہیں کرتے۔" موہن نے جواب دیا۔ "کتنا وقت لگے گا، ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ پھر بھی امید تو ہے کہ سات بجے ختم ہو جائے۔ میں کوشش کروں گا۔"

"تب تو تم آتش بازی کا مقابلہ دیکھنے آ سکتے ہو۔" شوبھا خوش ہو کر بولی۔ "یہ پروگرام اب ڈنر سے قبل ہوگا۔ خوب مزا آئے گا۔"

موہن نے اس کی دیدی رنجنا اور اس کے خرانٹ پتی کی بور اور فضول باتوں کے بارے

میں سوچا۔ اس کے دوست اور رشتہ دار بھی اپنے تھے' شوبھا کی وجہ سے اسے رشتہ داری نبھانی تھی' اس لیے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تمہاری خاطر جہاں کہو آجاؤں گا۔" وہ شوخی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "کیا تم جاؤ گی؟"

"جاؤں گی...... کیا مطلب......؟" اس نے موہن کو گھورا۔ پارٹی نصف رات تک جاری رہے گی۔ بڑی شان دار قسم کی پارٹی ہوگی۔ تمہیں تو ہر قیمت پر آنا ہے۔ نہیں آئے تو دیدی اور اس کے پتی کو بڑی سخت شکایت ہو جائے گی۔"

"میرے آنے کا دارومدار میٹنگ کے ختم ہونے پر ہے۔" وہ بولا۔ پھر اس نے گہری سانس لی۔ "جیسے ہی میٹنگ ختم ہوگی اڑتا ہوا چلا آؤں گا۔"

"میں دیدی اور اس کے پتی کو تمہاری مصروفیت کے بارے میں بتا دوں گی۔" شوبھا نے قدرے مطمئن ہو کر کہا۔ "وہ دونوں یہ سن کر خوش ہوں گے' تم ذیلی دفتر کے انچارج ہو گئے ہو' اور تم نے پہلے ہی دن آٹھ دس پالیسیاں فروخت کر دیں۔" پھر وہ اٹھ کر برتن میز پر سے سمیٹنے لگی۔

"تم نے یہ نہیں بتایا کہ اب تم روزانہ رات کو اتنی ہی دیر سے آیا کرو گے؟"

"میں یہ بات ابھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ اس کا فیصلہ تو میٹنگ کے بعد ہی ہوگا۔" موہن نے جواب دیا۔ "اگر میٹنگ توقع کے مطابق کامیاب ہو گئی تو' ظاہر ہے مجھے دیر تک کام نہیں کرنا پڑے گا۔ میں دفتر سے سرِ شام ہی اٹھ جایا کروں گا۔"

موہن نے برتن اٹھانے میں اس کی مدد کی۔ دونوں کچن میں پہنچ گئے۔ شوبھا برتن دھونے لگی۔ وہ تولیا سے صاف کرتا گیا۔

"اگر تمہیں دفتر میں رات دس گیارہ بجے تک کام کرنا پڑا۔" شوبھا نے کہا۔ "پھر مجھے تمہارے ساتھ وقت گزارنے کا موقع نہیں ملے گا۔"

"تم بلاوجہ فکرمند اور پریشان ہو رہی ہو۔" "اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ مجھے زیادہ دیر تک کام نہ کرنا پڑے۔" پھر چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔ "میں خود بھی تمہارے پاس جلد آنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایک سنہرا موقع مل رہا ہے' اس لیے میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں' جس طرح تم سے اٹھاتا رہتا ہوں۔ اس کام کی ابتداء بہت حوصلہ افزا ہوئی ہے' جس کا اندازہ تم ایک دن کے کیش سے کر سکتی ہوں۔"

"روپیہ ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا جان!" وہ اس کی آنکھوں میں تیکھی نظروں سے جھانکنے لگی۔

"یہ تو سچ ہے۔" موہن نے سر ہلایا۔ "لیکن یہ کیوں نہیں سوچتی ہو کہ کس قدر کام آتا ہے وقت ضرورت۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" شوبھا نے سر ہلایا۔ "لیکن اس بات کی کوشش کرنا کہ دن ڈوبنے سے پہلے گھر آجایا کرو۔"

"اچھا یہ جو تین چار برتن رہ گئے ہیں' اسے جلدی صاف کر لو۔" موہن نے کہا۔ "تمہارے جسم میں خون کی حرارت مجھے جھلسا رہی ہے۔"

"بھاڑ میں گئے برتن۔" وہ بولی۔ "چلو' بیڈروم تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

بستر میں شوبھا جلد ہی سو گئی تھی۔ مگر موہن کی نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ جاگتا رہا تھا' بلکہ جاگنا چاہتا تھا۔ اس لیے کہ پالیسیوں نے اس کی نس نس میں مسرت بھر دی تھی۔ وہ یہ سوچتا رہا تھا' کہ اگر اس کا کیش یومیہ تین سو روپے یا اس سے بھی تجاوز کر گیا' تو اس کی آمدنی شوبھا سے بے پناہ بڑھ جائے گی۔ اس کی پالیسی اور زیادہ فروخت ہوگی۔ کیوں کہ لرزہ اندام قتل کی واردات والدین اور سرپرستوں کو اور متوجہ کر دے گی۔ وہ بہت کوشش کر رہا تھا کہ سو جائے۔ لیکن اب ایک اور خیال' تصور جو کلدیپ کور کا تھا۔ اس کا خوبصورت سراپا اس کے ذہن پر کسی پرانی شراب کے خمار کی طرح چھانے لگا۔ وہ تصور میں اتنی دور چلا گیا تھا' کہ واپسی ناممکن سی ہو رہی تھی۔ کلدیپ کور کو تصور سے نکالنے میں اسے کوئی کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے بستر سے نکل کر کرسی پر بیٹھ کر شوبھا کی طرف دیکھا۔ ان پانچ برسوں میں شوبھا کا نہ تو جسم ڈھلا' اور نہ ہی شباب' بلکہ اس میں دل کو برما دینے والا گداز پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کلدیپ کور سے بہت حسین تھی' لیکن کلدیپ کور میں جو کشش تھی' وہ شوبھا میں نہیں تھی۔ ہے بھگوان! آج اسے کیا ہو گیا ہے؟



موہن نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا' کہ اسکول میں میٹنگ کے انعقاد کے لیے جو اس نے پلاننگ اور محنت کی اس پر پانی پھر جائے گا۔ اسکول کی میٹنگ اس بری طرح فلاپ ہو جائے گی' اس کے وہم میں بھی نہ تھا۔ جب اس نے سہ پہر کے وقت اسکول کے ہال میں قدم رکھا' تو ہال اور کرسیاں اس کا منہ چڑا رہی تھیں۔ ہال میں کوئی دس بارہ والدین کرسیوں پر بیٹھے پہلو بدل رہے تھے۔ جب کہ اس ہال میں پانچ سو سے زائد افراد کی گنجائش تھی۔ اتنی ہی کرسیاں بھی تھیں۔ جب اس نے ڈائس پر کھڑے ہو کر حاضرین کا شمار کیا' تو کل چھتیس افراد تھے۔ اس نے حوصلہ نہیں ہارا۔ اس نے مایوسی پر قابو پاتے ہوئے تقریر شروع کی۔ اس نے والدین کو

لڑکیوں کی بیمہ پالیسی کے مفید نکات بتائے۔ یہ تقریر صرف دس منٹ لے سکی۔ جب تقریر ختم ہوئی تو اس نے والدین کو سوالات کرنے کی دعوت دی۔ اس سے جو سوالات کیے گئے' وہ بے تکے، بھونڈے اور عامیانہ قسم کے تھے۔ اسے ان لغو سوالات پر غصہ آیا۔ چوں کہ وہ ایک انشورنس ایجنٹ تھا۔ انشورنس ایجنٹ کی لغت میں غصہ نہیں ہوتا تھا۔ اس نے بڑی سمجھ داری اور نرم خوئی سے ہر سوال کا جواب دیا۔ اس نے ہر سوال کو مطمئن کیا تھا۔ کچھ دیر خاموشی قائم رہی۔ پہل ایک مرہٹہ ٹرک ڈرائیور نے کی۔ اس نے ایک پالیسی خرید لی۔ پھر دوسروں نے بھی پالیسی خریدنا شروع کی۔ ساڑھے چار بجے تک اٹھائیس پالیسیاں لی جا چکی تھیں۔ باقی چھ نے کہا کہ وہ سوچنے کے لیے وقت چاہتے ہیں اور رقم کا بندوبست بھی کرنا ہے۔ پونے پانچ بجے میٹنگ ختم ہوگئی۔

جب لوگ چلے گئے۔ ہال خالی ہوگیا' تو اسکول کی پرنسپل اپنی نشست سے اٹھ کر ڈائس پر آکر اس سے بولی۔

"مسٹر موہن! آپ کو شاید حاضرین کی تعداد سے مایوسی ہوئی ہوگی۔ مگر میرے خیال میں یہ ایک اچھی کامیابی ہے۔ میرا تو یہ خیال تھا کہ شاید دس پالیسیاں بھی فروخت نہیں ہوں گی۔ میں ان لوگوں کی سوچ، ذہنیت اور مزاجوں سے خوب واقف ہوں۔ یہ لوگ میٹنگز کو پسند نہیں کرتے ہیں' اور نہ ہی اس کی افادیت سے واقف ہیں' اس لیے دور بھاگتے ہیں' اور اس لیے حاضرین کی تعداد بھی کم تھی۔ یہ جو چھتیس افراد آئے تھے' وہ بھی بڑی کامیابی ہے۔ یہ سمجھیں کہ یہ وہ افراد ہیں' وہ آپ کے لیے سیلز مین کا کام کریں گے۔ انہوں نے جو اپنی لڑکیوں اور عورتوں کے لیے کیا ہے' وہ دوسروں کو سمجھائیں گے کہ وہ بھی اپنی لڑکیوں کے لیے ایسا ہی کریں۔ آپ کی کمپنی نے جو آئیڈیا سوچا ہے' اس میں بڑی خصوصیت اور تحفظ ہے۔ کسی بھی لڑکی کے ساتھ ایسے واقعات پیش آسکتے ہیں۔ ایشور کرے ایسا نہ ہو۔ یہاں عام قسم کے لوگ رہتے ہیں' لیکن ان میں ایک اچھی بات یہ ہے' کہ وہ سب ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ آپس میں بڑی محبت کرتے ہیں۔ پڑوسی، پڑوس کا اتنا خیال رکھتے ہیں کہ رشتہ دار بھی نہ رکھیں۔ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائے گی۔ پھر اتنی پالیسیاں فروخت ہوں گی' آپ تصور بھی نہیں کرسکتے۔"

"آپ کے اس مخلصانہ تعاون اور حوصلہ افزائی کا بہت بہت شکریہ۔" موہن نے کہا۔

"میں آپ کے جذبے کو کبھی نہیں بھولوں گا۔"

پھر وہ کلدیپ کور کے ساتھ اسکول کی عمارت سے باہر آگیا۔ کلدیپ کور نے اس سے پوچھا۔" کیا آپ پرنسپل کے خیالات سے متفق ہیں؟"

"کیوں نہیں۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ پرنسپل نے ٹھیک ہی کہا ہے؟" موہن نے جواب

دیا۔" ناکامی بڑی کامیابی کا پہلا زینہ ہوتی ہے۔" کلدیپ کور نے بھی اس خیال کی تائید کی۔

" پرنسپل کی باتیں بھی میرے دل کو لگی ہیں۔ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ کلدیپ کور نے سفید سوتی ساڑھی اور بغیر آستینوں والا بلاؤز پہنا ہوا تھا جو آگے اور پیچھے سے بے حد اور نامناسب حد تک کھلا ہوا تھا۔ موہن نے نیلے رنگ کی ہلکی سی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ اس نے یہ جیکٹ دو ایک دن پہلے خریدی تھی۔ اس میں گولف کی گیند جیسے چھوٹے چھوٹے بٹن لگے تھے۔ گزشتہ پانچ دن' جیسے پر لگا کر اڑ گئے تھے۔ وقت اتنی تیزی سے گزر جائے گا موہن سوچ کر حیران تھا۔ کیوں کہ اسے ایسا محسوس ہوا تھا' کہ یہ پانچ گھنٹے تھے۔ شیام کار سیلز ڈائریکٹر کروڑوں مرتبہ معائنے کے لیے آیا تھا۔ موہن دل ہی دل میں کلدیپ کور کے ساتھ اس کا رویہ دیکھ کر حیران بھی ہوا تھا۔ اس کی باتوں سے ایسا لگتا تھا' کہ وہ کلدیپ کور کی خوشنودی چاہتا ہے۔ اس کی خوشامد اور چاپلوسی کو کلدیپ کور خاطر میں نہیں لا رہی تھی۔ وہ بار بار پوچھ رہا تھا کہ کلدیپ کور کمپیوٹر اور ایئرکنڈیشنز سے مطمئن تو ہے۔ کلدیپ کور اس کے ساتھ ایسا سلوک کر رہی تھی' جیسے وہ اس کا زرخرید غلام ہو' اور اسے بالکل بھی اہمیت نہیں دے رہی تھی۔

اس دوران موہن کاروباری لوگوں سے مل کر انشورنس پالیسی متعارف کرا چکا تھا' مگر اسے ان لوگوں سے اچھے بزنس کی توقع نہ تھی۔ کیوں کہ ان میں سے بیشتر کسی نہ کسی نوعیت انشورنس کرا چکے تھے' اور ان کی لڑکیاں نہیں تھیں۔ بیویاں ایسی عام قسم کی تھیں کہ ان کے اغواء، زیادتی ورلرزہ خیز قتل کا امکان نہ تھا۔ انہیں ایک بار دیکھنے سے دوسری مرتبہ دیکھنے کی خواہش نہیں ہوتی تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود اس طرح اس کا ہر حلقہ میں تعارف ضرور ہو رہا تھا۔ بہت سے دکانداروں نے وعدہ بھی کیا تھا کہ جب ان کی موجودہ پالیسیاں ختم ہو جائیں گی تو وہ اس سے رجوع کریں گے۔ کیوں کہ وہ ایک وقت میں دو دو پالیسیوں کے متحمل نہیں ہوسکتے۔

کلدیپ کور کا بیشتر وقت دفتری کاموں اور ریکارڈ کی تیاری میں گزرا تھا۔ وہ وقت کی بڑی پابند تھی۔ باس کی بیٹی ہونے کے باوجود وہ دفتری اوقات کار کی ایک ملازم کی طرح پابندی کرتی تھی۔ جب کہ اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ اپنے کام پر پوری توجہ مرکوز رکھتی تھی۔ اس کی یہ اصول پسندی موہن کو بہت پسند آئی تھی۔ دفتر میں مصروفیت کے باعث ان دونوں میں زیادہ بات چیت کی نوبت نہیں آئی تھی' اور پھر ان کے کمرے بھی الگ الگ تھے۔ موہن ایک طرح سے کلدیپ کور سے اس لیے مطمئن تھا' کہ ان کے درمیان بے تکلفی نہیں ہوئی تھی' اور نہ ہی کلدیپ کور نے اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ راتوں کو کلدیپ کور کو نہ

صرف تصور میں دیکھتا' اور اس کے بارے میں سوچتا۔ جب شوبھا اس کے بازوؤں میں ہوتی تو وہ آنکھیں بند کر کے کلدیپ کور کا تصور کر لیتا۔

جمعے کے دن آفس بند ہونے سے موہن اپنے گھر کے کچھ کاموں میں مصروف رہا تھا۔ کلدیپ کور کا خیال ذہن سے جھٹکنے کے لیے وہ اپنے آپ کو مصروف کئے ہوئے تھا۔ شوبھا پانچ بجے آئی' تو دو ٹکٹ نئی فلم کے بکنگ کرا کے لائی تھی۔ وہ فلم دیکھنے چلے گئے۔ پھر ان دونوں نے رات کا کھانا ایک پائینز ریسٹورنٹ میں کھایا۔ کلدیپ کور نے دفتر بند کرتے وقت اس سے کہا تھا' کہ ہفتہ کے دن باپ کی کشتی پر گزارے گی۔ کیوں کہ اسے اپنے باپ کے دوستوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ سب خرانٹ اور بوڑھے اور بور کرنے والوں میں سے تھے۔ کسی نہ کسی بہانے اس کے جسم پر ہاتھ پھیر دیتے تھے۔ اس لیے موقع پا کر پارٹی سے کھسکنے کی کوشش کرے گی۔ ورنہ کوئی بوڑھا اسے تنہائی میں دبوچ سکتا ہے۔

شوبھا اتوار کے دن صبح کے وقت اپنی دیدی کی دعوت میں شریک ہونے چلی گئی۔ جاتے جاتے اس نے پھر موہن کو تاکید کی کہ کم از کم وہ آتش بازی کا مظاہرہ دیکھنے ضرور آئے۔ کیوں کہ اس کا بہنوئی آتش بازی پر تیس ہزار روپے خرچ کر رہا ہے' تاکہ دسویں سالگرہ بہت شاندار ہو۔ اب چوں کہ اسکول کی میٹنگ پونے پانچ بجے ختم ہو گئی تھی' تو موہن یہ سوچ کر بوریت سی محسوس کر رہا تھا کہ اب اسے باندرہ جانا ہوگا' جہاں اس کی سالی کا گھر تھا۔ وہاں جانے کا مطلب یہ تھا کہ اب اور اذیت سے وقت گزارنا ہوگا۔ اس کے لیے یہ بات سوہانِ روح تھی۔

وہ سوچ ہی رہا تھا کہ وقت کیسے اور کہاں اور کس کے ساتھ گزارے تاکہ اپنی سالی کے ہاں جانے کی نوبت نہ آئے۔ کلدیپ کور نے پوچھا۔

"مسٹر موہن! کیا آپ اپنے گھر میں چھوٹا موٹا کام یا کوئی چھوٹی موٹی مرمت وغیرہ کر لیتے ہیں؟"

"ہاں۔" موہن نے اثبات میں سر ہلایا اور چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا' یہ آپ کس لیے پوچھ رہی ہیں؟"

"بس یوں ہی۔" کلدیپ کور نے اپنے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "آپ کو شاید اس وقت کہیں جانا ہوگا؟ کیا آپ دو گھنٹے کا وقت نکال سکتے ہیں؟"

"مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔" موہن اس لباس میں اسے دیکھ کر متاثر ہو گیا تھا۔ اس لباس میں کلدیپ کور کی ہیئت بڑی غضب کی ہو گئی تھی۔ ایک ان جانے خیال سے اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا "مجھے جانا تو ہے۔ مگر میں آٹھ بجے تک جا سکتا ہوں۔ کیا آپ کو کوئی کام ہے؟"

"میں گزشتہ ہفتے اپنے ساحلی کیبن میں منتقل ہوئی ہوں۔" وہ بولی۔ "دو ایک الماریوں کے تختے لگانے ہیں۔ کیا آپ لگا سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں۔ میں تختے لگانے میں ماہر ہوں۔ گھر کے کچن میں' میں نے کیبنٹ خود تیار کر کے لگائے ہیں۔ مگر آپ کے پاس کیا کوئی ساحلی کیبن ہے؟"

"ہاں۔" کلدیپ نے سر ہلا دیا۔ "میں ہفتہ میں ایک بار یعنی سینچر کی شام سہیلیوں کے ساتھ چلی جاتی ہوں' اور اتوار کی سہ پہر لوٹتی ہوں' یا پھر چاندنی راتوں سے محظوظ ہونے کے لیے۔ کل رات پتا جی مجھے اپنے ایک دوست کے ہاں ڈنر پر لے گئے۔ دوست نے نئی کوٹھی خریدی تھی۔ کوٹھی دکھانے ان کا بوڑھا دوست بالائی منزل پر صرف مجھے لے گیا' اور میرے حسن و شباب کی تعریف میں کویتا سنانے لگا۔ میں نے اس کی آنکھوں سے تاڑ لیا تھا کہ اس کے ارادے کیا ہیں؟ اس کی نوبت آنے نہیں دی۔ وہاں سے کھسک کر میں اپنے ساحلی کیبن پر آ گئی۔ جگہ بہت اچھی اور پرسکون ہے۔ الماری میں تختے لگنے نہایت ضروری ہیں۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ کیوں نہ آج ہی اس کام کو نمٹا لیا جائے۔"

اس کے باپ کا کوئی دوست کلدیپ کور پر ریشہ خطمی ہو کر بہکتا' تو اس میں اس غریب کا کیا قصور تھا؟ سارا قصور تو کلدیپ کور کی جوانی اور حسن کا تھا۔ اور پھر وہ لباس بھی ایسا پہنتی تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ موہن کے دماغ میں خطرے کی سرخ روشنی جلنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں مستی بھری تھی۔ اس نے نگاہیں ہٹا لیں۔ اسے دفعتاً شوبھا کا خیال آیا۔ اس نے سوچا کہ کلدیپ کور سے کوئی معقول سا بہانہ کر کے پارٹی میں چلا جائے۔ کوئی بہانہ اس کے ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کچھ ایسا محسوس کر رہا تھا' جیسے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جانا چاہتا ہے۔ اس نے ایسا محسوس کیا کہ کلدیپ کور کی نظروں کی گرفت میں اس کا چہرہ ہے۔ اس نے کلدیپ کور کی طرف دیکھا سڑک سے نظریں ہٹا کر کلدیپ کور ایک عجیب تیکھی تیکھی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف ساکت پلکوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر سرخ روشنی بجھ گئی اور ہری بتی جل اٹھی۔

"میں تختے لگانے کے لیے تیار ہوں۔" موہن نے کہا۔ "کیا آپ کے پاس اس کے لیے ضروری اوزار موجود ہیں' یا انہیں لینے مجھے اپنے گھر جانا ہوگا۔"

"میرے پاس نہ صرف تمام اوزار موجود ہیں' بلکہ تختے میں لگانے کی کیلیں بھی موجود ہیں۔" وہ بولی۔ "آؤ چلیں۔ دیر نہ ہو جائے۔"

پھر وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے اور گاڑی اندر سے اور وہ کلدیپ کور کے قرب سے مہک اٹھی۔

"گزشتہ ہفتے میں تیسری مرتبہ تیز رفتاری سے گاڑی چلانے کے الزام میں دھری گئی۔" کلدیپ کور ہنس کر بولی۔ "مجھے تیز رفتار گاڑی چلانے میں جو لطف آتا ہے' وہ کسی اور چیز میں نہیں۔ اس کم بخت انسپکٹر نے ایک ماہ کے لیے میرا لائسنس ضبط کرلیا۔ میں نے اسے ہزار روپے کی پیش کش بھی کی' لیکن اس نے صاف انکار کردیا۔ اس کی وجہ سے رات مجھے کیبن تک جانے کے لیے ٹیکسی کرنی پڑی' جس سے بڑی کوفت ہوئی۔"

"بعض ٹریفک انسپکٹر بڑے سخت ہوتے ہیں۔ وہ ہزار کیا دو ہزار روپے بھی نہیں لیتے ہیں۔" موہن نے اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے کہا۔ "بعض تو سو روپے کا نوٹ دیکھ کر پٹڑی سے اتر جاتے ہیں۔ اچھا یہ بتائیں کس طرف چلنا ہے؟"

"میوری کے شمال میں جو کھنہ کریک ہے۔" وہ بولی۔ "کیا آپ کو کبھی ادھر جانے کا اتفاق ہوا ہے۔"

"وہ ہپّی کالونی کے نام سے بہت مشہور ہے۔" موہن نے متعجب لہجے میں کہا۔ "آج بھی وہاں ہپیوں کی بڑی تعداد رہتی ہے۔"

"سو فیصد وہی۔" کلدیپ کور بولی۔ "میرا کیبن وہاں سے دو کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ جب بھی میں بور ہوتی ہوں اور سہیلیوں کے ساتھ پکنک منانی ہوتی ہے' تو چلی جاتی ہوں۔" "بعض اوقات میرے بہت ہی قریب دوست بھی مجھ سے ملنے چلے آتے ہیں۔"

"لیکن وہ تو بڑا خطرناک مقام ہے۔" موہن نے اس کی طرف دیکھا۔ "پیشہ ور بدمعاشوں اور غیر قانونی سرگرمیوں کا گڑھ ہے۔"

کلدیپ کور نے اس کی بات پر تبصرہ نہیں کیا۔ موہن نے گلی کے آخر میں گاڑی روک دی' کیوں کہ قدرے فاصلے پر ٹریفک جام تھا۔ اس لیے وہ ٹریفک کے رواں ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے ذہن اور جذبات میں جیسے رسہ کشی ہو رہی تھی۔ اس کا ذہن شوبھا کی پارٹی میں جانے کو کہہ رہا تھا' وہ اس کے ذہن پر چھا گئی تھی۔ جیسے ٹریفک رینگنے لگا۔ موہن گاڑی کو مین روڈ پر لے آیا۔ کلدیپ کور بڑے اطمینان سے اور پرسکون انداز میں بیٹھی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا' کہ اگر اس نے نظر بھر کے کلدیپ کور کو دیکھنے کی کوشش کی' تو ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔ تقریباً ایک میل کی مسافت طے کرنے کے بعد کلدیپ کور نے اسے بائیں جانب مڑنے کے لیے کہا۔ یہ ایک تنگ سڑک تھی' جو ساحل سمندر تک چلی گئی تھی۔ سامنے ناریل اور آم کے درختوں کے جھنڈ تھے۔ ان کے درمیان سے گاڑی گزرنا ممکن نہیں تھا۔

"بس یہاں گاڑی روک دو۔" کلدیپ کور نے کہا۔ "باقی راستہ ہم پیدل چل کر طے کریں گے۔"

موہن نے ایک پیڑ کے نیچے گاڑی روک دی۔ پھر دونوں اترے۔ سہ پہر کے سورج میں ابھی تک تمازت تھی۔ کلدیپ کور درختوں کے جھنڈ میں آگے بڑھ گئی۔ موہن اس سے دو قدم پیچھے چلنے لگا۔ کلدیپ کور کی متوالی چال اس کے جذبات کو تند کر رہی تھی۔ یہاں ان دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ صرف ویرانی اور سناٹا تھا۔ ایک ان جانا سا خیال آیا' تو اس نے ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ کوئی ناشائستہ حرکت کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیوں کہ یہ لڑکی اس کے باس کی بیٹی تھی۔ وہ فاصلہ کم کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کس قسم کی لڑکی ہے۔ چند قدم اور طے کرنے پر ایک پتلی سے پگڈنڈی آگئی۔ اسے پار کرتے ہی دور فاصلے سے موسیقی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی ورائٹی شو ہو رہا ہو۔ کوئی ڈرم پیٹ رہا تھا' تو کوئی ساز بجا رہا تھا۔ یہ ہپّی کالونی جیسے خود اپنے وجود کا ثبوت دے رہی تھی۔ اس کے علاوہ عورتوں اور مردوں کے چیخ چیخ کر بولنے کی آوازوں سے فضا گونج رہی تھی۔ اس کالونی کا نام کھنہ کریک اس لیے رکھا گیا تھا کہ بیس برس پہلے اسے ایک کانگریس لیڈر ونود کھنہ نے آباد کیا تھا۔ ریتلے ساحل سمندر کا یہ حصہ بالکل سنسان تھا۔ یکایک موہن کو ایسا محسوس ہوا' کہ کوئی پراسرار اور نادیدہ ہستی اس کے تعاقب میں ہے۔ اس نے کسی سے سنا تھا کہ ممبئی شہر کے لوگ اس کھنہ کریک کالونی سے اس لیے دور رہتے ہیں' کہ یہ بڑی پراسرار جگہ ہے۔ یہاں بدروحوں کا بسیرا ہے۔ ہپیوں میں شعبدہ باز اور جادوگر بھی ہیں۔ یہ علاقہ جتنا خوب صورت ہے' اتنا ہی خوف ناک بھی ہے۔ موہن توہم پرست نہ تھا۔ اس نے ان تمام کہانیوں کو سن کر من گھڑت اور مفروضہ قرار دیا تھا۔ آج اسے پہلی بار یہاں آنے کا اتفاق ہوا تھا۔

درختوں اور خودرو جھاڑیوں کے اس جھنڈ میں کلدیپ کور کے پیچھے چلتے ہوئے موہن نے اپنے اندر کے آدمی کے تمام مشوروں کو جیسے روند دیا' اور پامال کردیا تھا۔ اسے اندازہ تھا' کہ وہ غلاظت کے دلدل کی طرف جا رہا ہے۔ اس دلدل میں گرنے سے وہ اپنی محبت اور حد سے زیادہ چاہنے والی پتنی سے بے وفائی کا مرتکب ہو جائے گا۔ وہ اپنے اندر کے آدمی کو سمجھا رہا تھا کہ اکثر شوہر ایسا کرتے ہیں۔ وہ شوبھا سے محبت کرتا ہے' اور آخری سانس تک کرتا رہے گا۔ کوئی دوسری عورت اس کی جگہ نہیں لے سکتی۔ وہ اپنا پیر پھسلنے ہرگز ہرگز نہیں دے گا۔ وہ تو صرف تھوڑی دیر کی تفریح کے لیے جا رہا ہے۔ تختے لگانے کے بعد کچھ دیر ساحل سمندر پر رہنے کے بعد واپس ہو جائے گا۔ وہ شوبھا کو بھولے سے بھی نہیں بتائے گا' کہ اس نے آج کی شام کلدیپ کور کے ساتھ گزاری۔

کلدیپ کور ایک کھلی جگہ پہنچی۔ اس نے تیز ہوا سے چہرے پر آئے ہوئے بالوں کو ہٹا کر سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ رہا میرا کیبن۔ آؤ چلیں۔ آج ہوا بھی کچھ تیز چل رہی ہے۔"

چند لمحوں کے بعد وہ دونوں کیبن کے برآمدے میں داخل ہوئے۔ کلدیپ کور نے پرس سے چابی نکال کر دروازہ کھولا۔ سامنے ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ایئرکنڈیشنر چل رہا تھا۔ تمام کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی، خوش گوار نیم تاریکی نے انہیں اپنی آغوش میں لے کر جیسے چومنا شروع کردیا تھا۔ جس سے اس کی نہ صرف ساری تھکن اتر گئی تھی' بلکہ نس نس میں فرحت اور تازگی دوڑ گئی تھی۔ خواب ناک ماحول کا کمرہ جیسے انہیں اس طرح سے خوش آمدید کہہ رہا تھا' جیسے وہ دلہا دلہن ہوں' اور ہنی مون منانے آئے ہوں۔ اس خوش گوار خنکی میں کلدیپ کور کے بدن کی سوندھی سوندھی خوشبو کی مہک پھوٹ پڑی تھی۔ کمرہ نہایت آرام دہ انداز سے آراستہ کیا ہوا تھا۔ اسے ایک طرح سے حجلہ عروسی کی طرح سجایا ہوا تھا۔ بڑا سا صوفہ، تین عدد آرام دہ کرسیاں۔ ٹی سیٹ۔ کاک ٹیل الماری۔ ایک میز' جس کے گرد چار کرسیاں۔ ایک گوشے میں ڈبل بیڈ سائز کا بڑا سا دیوان۔ گویا ایک طرح سے خواب ناک ماحول کا محبت بھرا آشیانہ۔

"بہت ہی خوبصورت اور نہایت شاندار کیبن ہے۔" موہن نے تنقیدی نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے سراہا۔ "اس پر کسی فائیوسٹارز ہوٹل کے سوٹ کا گمان ہوتا ہے۔ اور تمہارے ذوق کا منہ بولتا ثبوت۔" اس نے آپ کے بجائے تم سے مخاطب کیا۔

"میرا ذوق۔ ہر معاملے میں بہت ہی بلند ہوتا ہے۔ عمدہ اور نفیس ہوتا ہے۔" اس کی ہنسی فضا میں کسی سُر کی طرح کھنک گئی۔

"تمہارے ذوق کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔" موہن نے کہا۔ "تم نے اس کی آرائش وزیبائش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔"

"لیکن تم ایشور کی بھی داد دو نا کہ اس نے مجھے کیا بنایا؟" کلدیپ کور نے کہا۔ "کیا میں کسی داد اور تعریف کے قابل نہیں؟"

"ایشور کی داد تمہیں دینا زیادہ مناسب ہے۔" پھر اس نے موضوع بدلا۔ "مجھے بتاؤ کن الماریوں کے تختے لگانے ہیں؟"

"کیا بات کرتے ہو موہن۔" وہ ایک قہقہہ لگا کر بڑے زور سے ہنسی' اور اس کے قریب آگئی۔ "تم اچھی طرح جانتے ہو' اور میں بھی کہ ایسی الماریوں کا یہاں کوئی وجود نہیں ہے۔" اس

نے موہن کی بات کاٹ کر کہا۔ "آؤ ہم ایک خواب ناک سپنوں کی دنیا میں دور' بہت دور چلے جائیں۔"



موہن کی آنکھ کھلی تو وہ ایک احساسِ جرم کا شکار تھا۔ اس کے اعصاب منوں بھاری تھے۔ اس کے اندر کا آدمی اس کی آتما کو اندر سے کچوکے لگا رہا تھا۔ اوہ بھگوان۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ بیدار ہوتے ہی اسے جو خیال آیا تھا' وہ یہ تھا کہ وہ اپنے گھر میں شوبھا کے ساتھ ہے۔ پھر اگلے لمحے اسے فوراً سب کچھ یاد آگیا۔ اس نے ہاتھ سے ٹٹول کر اندازے سے سوئچ تلاش کر کے اسے آن کیا۔ ہلکی سی روشنی پھیل گئی' تو وہ بستر سے اترا۔ اپنی دستی گھڑی دیکھی آٹھ بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے' مگر ایسا لگتا تھا' رات کے دو بج رہے ہوں۔ کیوں کہ اندھیرا ہی ایسا تھا۔ اندھیرے میں وقت کا صحیح پتا نہیں چلتا تھا۔

جذبات کا تیز و تند طوفان اترنے کے بعد وہ حیرت سے سوچ رہا تھا' کہ اسے کیا ہوگیا تھا؟ اس کا پیر کیسے پھسل گیا تھا اور وہ غلاظت کے دلدل میں کیسے گر گیا تھا؟ کیا اس نے اپنے آپ کو بہکنے اور گرنے سے بچانے کی کوشش نہیں کی تھی؟

اسے یقین نہیں آیا تھا' کہ ایک بیس برس کی نوجوان لڑکی اتنی دور جا سکتی ہے۔ کلدیپ کور کے لیے اس کے دل میں تمام جذبات مُردہ ہو چکے تھے۔ اسے ایسا لگا تھا' کہ یہ عورت نہیں کوئی چڑیل ہے' جس نے اس کا سارا خون پی لیا ہو۔ کیوں کہ اس ڈائن قسم کی لڑکی نے اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ نفرت نے کلدیپ کور کو بہت ہی بدصورت بنا دیا تھا' اور وہ اسے بے حد پراسرار' خطرناک اور سچ مچ کی ڈائن کی طرح محسوس ہوئی تھی۔

"یہ تم اس قدر بدحواس کیوں ہو رہے ہو؟" کلدیپ کور نے آنکھیں کھول کر اس کا چہرہ متغیر دیکھ کر پوچھا۔ "تم ایسے بگڑ رہے ہو' جیسے تم نے انجانے میں خون کر دیا ہو؟ راہِ فرار اختیار کر رہے ہو؟"

موہن نے اس کی آواز سن کر اس کی طرف دیکھا' جو آزادی کے لبادے میں بستر میں دراز تھی۔ ایک حیوان اور اس میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ اب وہ اسے ایک آبرو باختہ لڑکی لگ رہی تھی۔

"میں اس لیے پریشان ہو رہا ہوں کہ مجھے جلدی جانا ہے۔" موہن نے جواب دیا۔

"وقت کا خیال ہی نہیں رہا؟"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اس قدر بدذوق ہوگے؟" کلدیپ کور نے اسے پیاسی نظروں

سے دیکھا۔

"میں نے کیا بدذوقی کی؟" اس نے سرد سے لہجے میں پوچھا۔

"تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو کیا یہ بدذوقی نہیں ہے۔"

"مجھے اس لیے جلدی ہو رہی ہے کہ اپنی بیوی کے پاس جانا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "اس لیے بھی کہ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔"

"بیویاں ہوتی ہی انتظار کرنے کے لیے ہیں۔" کلدیپ کور نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"دراصل اس کی بڑی بہن کے ہاں شادی کی دسویں سالگرہ ہے۔" اس نے کہا۔ "وہاں میرا انتظار ہو رہا ہوگا۔"

"جان من! تم نے مجھ پر جانے کیا جادو کر دیا ہے۔" وہ لگاوٹ سے بولی۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا' کہ تم کوئی معقول بہانہ کر کے رات رک جاؤ۔ یہ میری التجا ہے۔"

"تم میری بیوی کو نہیں جانتی ہو' وہ بہت تیز ہے۔ کوئی بہانہ چل نہیں سکتا۔ لہٰذا مجھے جانے دو' میں اب بالکل بھی رک نہیں سکتا۔"

"اگر ایسی بات ہے تو جاؤ۔" کلدیپ کور نے اکتاہٹ سے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم رن مرید قسم کے شوہر ہو۔"

موہن جلدی سے دروازے کی طرف سراسیمگی سے بڑھا کہ کہیں یہ ناگن اسے ڈس نہ لے۔

"موہن!" کلدیپ کور نے قدرے تلخی سے کہا۔ "اتنی بے رخی سے جا رہے ہو؟"

موہن جان گیا تھا' کہ وہ کسی بہانے ڈس لینا چاہتی ہے۔

"مجھے بہت افسوس ہے کہ میں بہک گیا تھا۔" موہن نے خجالت سے کہا۔ "اس تنہائی میں ہم دونوں پاگل ہو گئے تھے۔"

کلدیپ کور بستر سے نکل کر اس کے پاس آئی۔ اس کا ارادہ متزلزل ہونے لگا۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔

"بعد میں اس بات پر پچھتاوے کا احساس نہ کرو۔ افسوس نہ کرو۔" بھول تو انسان سے ہوتی ہی ہے۔ کبھی بھی موقع ملے تو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ اس لیے شادی شدہ مردوں کو ایسے مواقع کم نصیب ہوتے ہیں۔ اس پر بھولے سے بھی نہ پچھتانا۔"

"مجھے جانا ہے۔" وہ سپاٹ اور جذبات سے عاری لہجے میں بولا۔ "میں کسی قیمت پر رک نہیں سکتا۔"

"باہر گھپ اندھیرا ہے۔" کلدیپ کور نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر جھانکا اور پھر پردہ چھوڑ کر بولی۔ "کیا اپنی گاڑی تلاش کر لو گے؟"

"کر ہی لوں گا۔" موہن نے ایک گہری سانس لے کر جواب دیا۔ "جانا ٹھہرا ہے تو کرنا ہی پڑے گا۔"

"ٹھہرو۔" کلدیپ کور نے سرہانے والی میز کی دراز سے ایک طاقت ور ٹارچ نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ "اسے لے جاؤ۔ تمہیں اس کی ضرورت ہوگی۔ ویسے محبت کرنے میں تمہارا جواب نہیں۔ تمہارے محبت بھرے لہجے میرے کان میں شہد ٹپکاتے رہے۔ تم ایک شاعر مزاج اور باذوق آدمی ہو۔"

موہن نے اس کے کالموں کو نظر انداز کر دیا' اور اس کے ہاتھ سے ٹارچ لے لی۔ پھر وہ ٹارچ کو مضبوطی سے تھام کر کیبن سے باہر آیا۔ پھر وہ تیزی سے اس پگڈنڈی کی طرف لپکا' جو جھنڈ اور درختوں کے درمیان سے بل کھاتی جا رہی تھی۔ ٹارچ کی تیز روشنی اس کی رہنمائی کر رہی تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔ اس نے ابھی آدھا فاصلہ طے کیا تھا' کہ ایک دم سے ٹھٹک کر رک گیا۔

اس کی ناک میں ایک خاص قسم کی بو گھس آئی تھی۔ شاید کسی جانور کی لاش سڑ رہی ہے؟ اس نے سوچا۔ بو لحہ بہ لحہ تیز ہوتی گئی۔ اتنی کہ اس کی طبیعت مالش کرنے لگی۔ اس نے آہستہ آہستہ چلنا شروع کیا۔ چند قدم طے کرنے کے بعد اسے اچانک ٹارچ کی روشنی میں پگڈنڈیوں پر ایک جسم نظر آیا۔ یہ ایک نوجوان لڑکی کی عریاں لاش تھی۔ اس کے قدم جم گئے۔ سردی کی ایک لہر اس کے جسم میں کسی خنجر کی طرح اتر گئی۔ منظر نہ صرف انتہائی بھیانک' بلکہ لرزہ خیز تھا۔

موہن نے دل مضبوط کر کے نہ چاہتے ہوئے بھی دیکھا۔ لڑکی کا پیٹ پسلیوں تک چیر دیا گیا تھا۔ اس کی آنتیں پیٹ کے اندر سے نکل کر ایک طرف ڈھیر ہو کر پڑی تھیں۔ حیرت کی بات تھی کہ وہاں خون پھیلا ہوا نظر نہ آیا۔ جیسے لڑکی کے جسم میں خون نہ تھا۔ موہن نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ تیزی سے واپس گھوما' اس منظر نے اسے دہلا دیا تھا۔ دفعتاً اسے الٹی آئی۔ وہ کچھ دیر کھڑا اپنی طبیعت کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا سا کیبن کی طرف چل دیا۔



موہن کے قدموں میں جیسے جان نہیں رہی تھی۔ یہ مسافت اسے صدیوں کی بن گئی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے جسم میں نس نس سے جیسے لہو کی ایک ایک بوند تک نچوڑ لی گئی ہو۔ اس کے قدم منوں بھاری ہو گئے تھے۔ وہ بہ دقت تمام توازن قائم رکھ کر کیبن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اس نے لمحے کے لیے سوچا کہ اس کی واپسی کا کلدیپ کور غلط مطلب لے گی۔ وہ اس بات پر محمول کرے گی کہ وہ جانے کو تو چلا گیا' لیکن اس کا جادو اس کی طرف موہن کو کھینچ رہا ہے۔ کلدیپ کور ایک عام قسم کی لڑکی ہرگز نہیں ہے۔ اس خوف و دہشت کی کیفیت میں کلدیپ کور پل بھر کے لیے اس کے تصور میں لہرائی تھی۔ پل بھر کے ہزارویں حصے میں وہ ایک تراشیدہ مجسمہ لگی تھی۔ اس کا قد جس نے سراپا کو اجاگر کردیا تھا۔ بھرا بھرا جسم، بیضوی چہرہ اور کشش' جو پہلی ہی نظر میں مقناطیس کی طرح کھینچ لیتی ہے۔ ہر مرد کے سامنے اس کی عمر آپ ہی آپ کم ہو جاتی ہے' اور ایک جوان عورت کے بجائے ایک دوشیزہ نظر آتی ہے۔ بیوی کے خیال نے اسے جیسے خوف زدہ کردیا تھا۔ اگر وہ شادی شدہ نہ ہوتا' یا اس کی بیوی کسی اور شہر میں کسی رشتہ دار کے پاس دو ایک دن کے لیے گئی ہوتی' تو وہ شاید رک ہی جاتا۔ جبکہ اس کے دل میں نفرت کے جذبات بھی پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ اس کی سوچتی ہوئی آنکھوں کے سامنے بار بار انگڑائی لے رہی تھی۔ پھول کی طرح مسکرا رہی تھی۔ دل کی دھڑکنوں میں دھماکے کی طرح بج رہی تھی۔ جب وہ اس کیبن سے نکل کر گاڑی کی طرف جانے لگا تھا' تب کلدیپ کور کے خیال سے پیچھا چھڑا رہا تھا۔ اس نے کلدیپ کور کو ایک آبرو باختہ سمجھ کر نفرت کی۔ اس نے دشمن کی نظروں سے دیکھا تھا' اور اس حقیقت کو جھٹلایا تھا' کہ وہ حسین نہیں ہے۔ جوان نہیں ہے۔ اس نے بچاؤ کی کتنی ہی نفرت انگیز تدبیریں کیں، اس لیے وہ ایک ناگن کی طرح آ کر اب بھی اس کی سوچ میں آ کر ڈس رہی تھی' اور زہر کی طرح دماغ کی رگ رگ میں پھیلتی جا رہی تھی۔ اس کے قدم بڑے اضطراب کے عالم

میں دھماکے سے زمین پر پڑ رہے تھے' جیسے وہ منہ زور جذبوں کو قدم قدم پر کچل رہا ہے۔ اسے کلدیپ کور ایک عجیب اور پُراسراری ہستی لگی تھی۔ اس پر جذبات کی افراتفری میں ایسی دوغلی کیفیت طاری ہوگئی تھی' کہ دل کدھر جا رہا ہے۔ دماغ کدھر جا رہا ہے۔ اس کے پاؤں کہاں پھسل رہے ہیں۔ وہ کیوں کیبن جا رہا ہے؟ اس نے سوچا۔ کیا ہوا اگر ایک لڑکی کی لاش پڑی ہے؟ لرزہ خیز قتل۔ خون کی ایک بوند بھی نہ تھی' یا کسی حصے میں نہیں تھی تو اس کی بلا سے۔ کہیں وہ اس بہانے تو کلدیپ کور کے پاس تو نہیں جا رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ جس طرح اس پر مہربان ہوئی اور فیاض عورت بن گئی تھی' کبھی اس کی پتی نہیں ہوئی تھی۔ شوبھا کی وارفتگی، والہانہ پن اور خودسپردگی کو کلدیپ کور نے ماند کردیا تھا۔

موہن جیسے ہی کمرے اور کیبن سے نکل کر گیا تو کلدیپ کور مسکرا دی تھی۔ وہ چند لمحوں تک بستر پر بے سدھ پڑی رہی۔ پھر وہ بستر سے نکل کر سنگار میز کے پاس گئی۔ اس نے آئینے میں اپنا چہرہ اور سراپا تنقیدی نظروں سے دیکھا اور خود کلامی کرنے لگی۔

"موہن! میں جانتی ہوں تم آؤ گے۔ میں تمہاری پتنی کے مقابلے میں حسین نہ سہی' لیکن کم عمر ہوں۔ پانچ برسوں سے تم اس کے ساتھ رہ رہے ہو۔ یکسانیت سے مرد کا دل بھر جاتا ہے۔ میں جوانی کے خمار سے بے حد پرکشش ہوں۔ تم فطری تقاضوں سے لڑ نہیں سکتے ہو۔ کوئی مرد اس سے انکار نہیں کرسکتا' کہ میں ایک زہریلی ناگن کی طرح حسین ہوں۔ تم اپنے آپ سے لڑ رہے ہوگے۔ دل کو سمجھا رہے ہوگے کہ ایک رات کسی نوجوان لڑکی کے ساتھ گزار لی جائے' تو کون سی قیامت آجائے گی۔ دنیا کے سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اس کی جھولی میں کوئی عورت کسی پکے پھل کی طرح گر جائے' تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔ تم میری ضرورت محسوس کر رہے ہوگے۔ تم میری تپش اس طرح محسوس کر رہے ہوگے' جس طرح سورج کی تپش محسوس ہوتی ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے' تم فطرت سے بغاوت نہیں کرسکتے۔

مرد کی مثال کلنذیر کے درخت کی مانند ہوتی ہے۔ زمین عورت ہوتی ہے۔ یہ زمین کی تہ میں جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ یہ آندھی اور طوفان کا سہارا لے کر خود کو زمین کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ہوا کی زد میں ادھر ادھر مچلتا ہے۔ اس کی شاخیں تڑپتی ہیں۔ پتیاں شور مچاتی ہیں۔ یہ جتنی جدوجہد کرتا ہے' اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔ پھیلتا جاتا ہے۔ اس طرح تمہارے دل میں جو چور جذبات جکڑے ہوئے ہیں' اگر تم آندھی طوفان بن کر انہیں مٹانے کی کوشش کرسکتے ہو' تو کر کے دیکھ لو۔ لیکن وہ پھر بھی بڑھتے جائیں گے۔ پھیلتے اور پھولتے جائیں گے۔ تم فطرت سے بغاوت نہیں کرسکتے۔ تم تھوڑی ہی دیر بعد اس حقیقت کے سامنے جھک جاؤ

گے۔

کلدیپ کور نے دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ اس لیے کہ وہ جانتی تھی کہ موہن واپس آئے گا۔ اس نے رات کے سناٹے میں اس کی چاپیں سن لی تھیں۔ موہن دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا' تو وہ قدموں کی آہٹ سن کر گھومی۔ موہن ٹھٹک گیا۔ وہ اسے جس حالت میں چھوڑ کر گیا تھا' اسی حالت میں تھی۔ اس کا جسم شعلے کی طرح آنچ دے رہا تھا۔ کلدیپ مسکرادی۔

''تم واپس آگئے؟ میں جانتی تھی تم آؤ گے؟'' اس نے موہن کو دیکھا۔ وہ چونک سی گئی۔ موہن اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ خوف و دہشت نے اس کا چہرہ سفید دھلی چادر کی طرح کردیا تھا۔ اس کی حالت بڑی غیر ہورہی تھی۔

''کیا بات ہے موہن؟'' کلدیپ کور نے پوچھا۔ ''یہ تمہاری کیا حالت ہوگئی ہے؟ کیا تم نے کوئی بدروح دیکھ لی ہے؟''

''وہاں باہر۔ قدرے فاصلے پر ایک لڑکی کی لاش پڑی ہے۔'' وہ کرسی پر ڈھیر ہو کر بولا۔ اس کی سانس آواز کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہورہی تھی۔ ''اسے کسی جنونی قاتل نے وحشیانہ طور پر قتل کردیا ہے۔ اف کیسا لرزہ خیز قتل؟ میں اس لیے یہاں لوٹ آیا ہوں۔ میرا حلق کانٹا ہورہا ہے۔''

کلدیپ کور نے قتل کی خبر سن کر کوئی اثر نہیں لیا۔ اسے اندیشہ سا تھا' کہ موہن نہیں آیا تو یہ رات اور تنہائی کیسے کٹے گی؟ وہ یہ سمجھی کہ موہن نے جھوٹ بولا ہے۔ خوف و دہشت کی اداکاری کررہا ہے۔ وہاں کوئی لاش واش نہیں ہے۔

کلدیپ کور نے اس کے سفید چہرے اور آنکھوں میں خوف و دہشت کے سائے دیکھ کر اندازہ کرلیا کہ موہن کی حالت اندر سے بڑی غیر ہورہی ہے۔ وہ کسی حیلے بہانے سے نہیں' بلکہ واقعی ایک لڑکی کی لاش دیکھ کر اس کے پاس آیا ہے۔ اپنے آپ کو سنبھال نہیں پارہا ہے۔ اس شہر میں قتل کی وارداتیں کوئی نئی بات نہیں تھیں۔ موہن کو اس قدر خوف زدہ اور جذباتی ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اور پھر وہ ایک مرد ذات ہے اور وہ عورت۔ اس نے اس واردات کا کوئی اثر نہیں لیا۔

کلدیپ کور اس بات سے خوش ہوئی تھی' کہ موہن لاش دیکھ کر آگیا۔ اب اس رات کی تنہائی میں وہ دونوں ہوں گے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے' کہ وہ موہن کو کسی صورت سے جانے نہ دے۔ صبح تک روک لے۔ اس کے جذبات میں ہل چل مچا دے۔ یہ کام شراب کر دے گی' اور پھر وہ جو ابھی تک جوں کی توں حالت میں ہے' وہ جلتی پر تیل گرا دے گی۔ شباب اور

شراب ایک آگ لگا دے گی۔ موہن اپنے آپ کو اس آگ سے بچا نہ سکے گا۔ وہ اسے حسین زہریلی ناگن کی طرح ڈس لے گی۔

اس نے دیوار میں نصب کیبنٹ کھولا اس میں اسکاچ وسکی نکالی۔ پھر ایک بڑا سا پیگ بنا کر موہن کی طرف بڑھا دیا۔ موہن بہت کم شراب پیتا تھا۔ خاص خاص تقریبات میں۔ اس وقت اسے بڑی سخت پیاس لگ رہی تھی۔ حلق خشک ہورہا تھا اور گلے میں کانٹے چبھتے محسوس ہورہے تھے۔ موہن نے بے تابانہ اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر ایک ہی سانس میں اسے خالی کردیا۔

''موہن!'' کلدیپ کور اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی' تاکہ وہ موہن کی نظروں کے سامنے رہے۔ شراب اور شباب اس کا ذہن بحال کردے' اور وہ اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہوجائے۔ پھر وہ کہنے لگی۔ ''باہر ایک مردہ لڑکی پڑی ہے۔ مگر اس کا تعلق مجھ سے ہے' اور نہ تم سے' جو تم اس طرح پریشان اور دہشت زدہ ہورہے ہو' جیسے تم نے اسے کسی وجہ سے قتل کردیا ہو؟''

''مجھے ایک اور گلاس دے دو۔'' موہن نے اس کی طرف خالی گلاس بڑھاتے ہوئے کہا' تو اسے اپنی آواز بڑی کھوکھلی سی محسوس ہوئی۔

کلدیپ کور بہت خوش ہوگئی۔ پھر اس نے جلدی سے گلاس بھرا' اور اس کی طرف بڑھ کر کرسی اور قریب کر کے بیٹھ گئی۔

''تم اس قتل کی ذرہ برابر بھی پروا مت کرو۔'' کلدیپ کور نے کہا۔ ''اس شہر میں روزانہ قتل معمول ہے۔ تم اتنا اثر کیوں لے رہے ہو۔''

''اُف بھگوان۔'' موہن نے گلاس خالی کر کے اس کی طرف لوٹانے کے بعد اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ''کیسا لرزہ خیز قتل تھا؟ لڑکی کی لاش کیسی بھیانک تھی؟ شہر میں گزشتہ دنوں جو نوجوان لڑکیوں کی بہیمانہ قتل کی وارداتیں ہوئی ہیں' یہ بھی اس کی کڑی معلوم ہوتی ہے۔ یہ کوئی جنونی قاتل معلوم ہوتا ہے۔ اذیت پسند' جو پراسرار قتل کی وارداتیں کررہا ہے۔''

''تمہارا ذہن ماؤف ہورہا ہے' تو رات رک جاؤ۔'' میں پوری کوشش کروں گی' کہ تم نارمل اور سابقہ حالت میں آجاؤ۔''

''نہیں۔'' موہن نے اس کے چہرے اور سراپا پر نظر بھر کے ڈالی۔ اسے لگا جیسے یہ بھی ایک ایسی لاش ہے' جس میں سے تعفن اٹھ رہا ہو۔ یہاں رکنا ایسا ہی تھا' جیسے ایک لاش کے ساتھ رات بسر کرنا۔ اس کے جذبات سرد رہے۔ ''میری بیوی انتظار کررہی ہوگی۔''

''تو جاؤ۔'' وہ اندر ہی اندر تپ کر بولی۔ میں تمہیں روک تو نہیں رہی ہوں جانے سے۔

میں نے تو نہیں بلایا۔"

"میں اپنی گاڑی تک نہیں جا سکتا۔" موہن کا لہجہ ابھی بھی خوف سے بھرا ہوا تھا۔ "کیوں کہ راستے میں اس لڑکی کی لاش پڑی ہوئی ہے۔"

"پھر ایسا کرو کہ ساحل کی طرف سے چلے جاؤ۔" کلدیپ کور بولی۔ "لیکن یہ راستہ کچھ لمبا ہے۔ تمہیں گھوم پھر کے جانا ہوگا۔ کچھ وقت لگے گا۔"

"لیکن میں اس راستے سے ناواقف ہوں' اور پھر رات ہے۔" موہن نے کہا۔ "اور پھر میں یہاں پہلی بار آیا ہوں۔ اس لیے جا نہیں سکتا۔"

"فکر مند اور پریشان نہ ہو۔" کلدیپ کور نے اسے دلاسا دیا۔ "میں تمہیں اس طرف سے لے چلوں گی۔ پھر زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

موہن نے اپنی گھڑی دیکھی' اور ایک دم سے چونک پڑا۔ کیوں کہ نو بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ تیزی سے بہت وقت گزر گیا تھا۔

"بہت دیر ہوگئی ہے۔" موہن نے پریشانی کے عالم میں کہا۔ "اب میں وقت پر پارٹی میں نہیں پہنچ سکتا۔ بیوی بھی انتظار میں سوکھ رہی ہوگی۔"

"تم اپنی بیوی سے بہت ڈرتے ہو۔" کلدیپ کور ہنس کر بولی۔ ایسا کرو کہ اپنی پتنی کو فون کر کے بتاؤ کہ میری گاڑی خراب ہوگئی ہے۔ معلوم نہیں اسے ٹھیک ہونے میں کتنی دیر لگے گی؟ پھر تم اپنے گھر چلے جانا۔ پھر تمہاری بات رہ جائے گی۔"

موہن نے اپنی سالی کے ہاں فون کیا۔ چند لمحوں تک مسلسل گھنٹی بجتی رہی۔ وہ ریسیور رکھنے والا تھا کہ ایک مردانہ بھاری آواز گونجی "کون ہے؟"

"میں موہن بول رہا ہوں۔" موہن نے جواب دیا۔ یہ رنجنا کا پتی تھا۔ موہن کی حالت وسکی کے پیگ پینے کے بعد سنبھل گئی تھی۔

"او کون مسٹر موہن؟" اس کی آواز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ نشے کی حالت میں ہے۔

"کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے؟ تم ابھی تک نہیں پہنچے۔ ہم سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں؟ تم نے فون کیوں کیا؟ کب تک پہنچ رہے ہو؟"

"میری گاڑی اچانک خراب ہوگئی ہے اور میں اسے گیراج لے کر پہنچا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ میکینک اسے ٹھیک کر رہا ہے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا اسے ٹھیک ہونے میں کتنی دیر لگے گی؟ جیسے ہی ٹھیک ہوگئی میں فون کر کے بتا دوں گا' اور چل پڑوں گا۔"

"آخر کیا خرابی ہوگئی؟" دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔ یہ میکینک لوگ بھی پیسے بٹورنے

کے لیے ٹھیک کرنے میں زیادہ دیر کر دیتے ہیں۔"

"معلوم نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ انجن سٹارٹ نہیں ہوتا۔ بار بار بند ہو جاتا ہے۔ مجھے پارٹی میں نہ آنے کا بہت افسوس ہے۔"

"یہ تم نے اچھی خبر نہیں سنائی۔" وہ قدرے تیز لہجے میں بولا۔ "کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ ہماری شادی کی دسویں سالگرہ ہے۔ اگر یہاں سب لوگ نشے میں نہ ہوتے تو میں تمہیں لینے کسی کو بھیج دیتا۔ تم کس جگہ ہو؟ کیا وہاں کوئی ٹیکسی نہیں مل سکتی؟"

"میں سپر ہائی وے پر کسی جگہ ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "یہاں کوئی ٹیکسی نہیں گزر رہی ہے۔ رات کا وقت ہے۔ لہٰذا لفٹ بھی نہیں مل سکتی۔ جیسے ہی گاڑی ٹھیک ہوئی میں فوراً روانہ ہو جاؤں گا۔ ممکن ہے زیادہ دیر نہ لگے۔ شوبھا کو بتا دینا۔"

"ہاں۔ ضرور بتا دوں گا۔" دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔ "آتش بازی کا مظاہرہ بس اب شروع ہونے والا ہے۔ جلدی آنے کی کوشش کرو۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا' تو اس نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ پھر اس نے کلدیپ کور کی طرف دیکھا۔ وہ اس کے پاس آئی' اس کے گلے میں جھول گئی اور چہرے پر جھک گئی۔ موہن کو ایسا لگا' جیسے کوئی تعفن زدہ لاش یا چڑیل اس سے چمٹ گئی ہو۔ اس نے غیر محسوس انداز سے اسے الگ کیا' تو کلدیپ کور نے کہا۔ "اب جب کہ تم نے بڑا معقول بہانہ کر دیا ہے تو رک کیوں نہیں جاتے ہو۔"

"اب وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔" موہن نے کہا۔ "معاملہ بہت سنگین ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ہمیں پولیس کو اطلاع دے دینا چاہیے۔"

"کیا تمہاری مت ماری گئی ہے؟" کلدیپ کور نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

"یہ ایسی غلط بات کیا ہے؟" موہن نے جواب دیا۔ "ایک فرض شناس شہری ہونے کے ناطے کیا قانون کی مدد کرنا فرض نہیں بنتا؟"

"فرض۔" کلدیپ کور استہزائیہ لہجے میں کہنے لگی' کہ تمہیں اپنی پتنی کے ساتھ پارٹی میں ہونا چاہیے تھا۔ تم یہاں کیا کر رہے تھے؟ کیا پولیس تمہاری اس بات کا یقین کر لے گی کہ تم الماریوں میں تختے لگانے آئے تھے؟ جبکہ یہاں ایک الماری کا بھی وجود نہیں ہے۔ تم نے میرے باپ کے بارے میں سوچا؟ کیا تم جانتے ہو یا اندازہ کر سکتے ہو کہ میرے باپ کا ردعمل کیا ہوگا؟ جب یہ بات اس کے علم میں آئے گی کہ تم نے کچھ وقت میرے ساتھ گزارا ہے۔ وہ احمق تو ہے

لیکن ایک مرد اور باپ ہونے کے ناطے اتنا تو سمجھتا ہے کہ میں اب تک کنواری ہوں۔ کیوں کہ میں نے اسے کبھی ایسا کوئی شک نہیں ہونے دیا کہ میں کسی دوست لڑکے کے ساتھ دل بہلاؤں گی یا بہلاتی ہوں۔ لیکن وہ اتنا بے وقوف اور سیدھا سادا بھی نہیں ہے' کہ یہ اندازہ نہ کر سکے کہ رات، تنہائی اور ساحلی کیبن میں ایک مرد اور جوان لڑکی یک جان ہوں تو کیا ہوا ہوگا؟ جذبات کا طوفان بہالے گیا ہوگا۔ وہ اپنی اور میری عزت کی خاطر کوئی کارروائی کرنے سے رہا۔ اس طرح مجھ پر کلنک کا ٹیکہ لگ سکتا ہے۔ وہ تمہارے خلاف سخت قدم اٹھائے گا' اور تمہیں ملازمت سے کھڑے کھڑے نکال دے گا۔ اور پھر وہ مجھے بھی بخشنے گا نہیں۔ وہ یہ کیبن چھین لے گا۔ اس لیے پولیس کو اطلاع دینا' پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ اس لیے میں کہہ رہی ہوں کہ رک جاؤ۔"

"نہیں۔" موہن نے سر ہلا دیا۔ "مجھے یہاں ایک عجیب طرح کی وحشت اور انجانا سا خوف محسوس ہو رہا ہے۔ یہاں سے چل نکلو۔"

کلدیپ کور تیار ہونے لگی۔ وہ جس حالت میں تھی' اسے موہن پر حیرت بھی تھی' اور غصہ بھی آرہا تھا کہ۔ عجیب احمق شخص ہے۔ اس کی زندگی میں آج تک ایسا مرد نہیں آیا تھا' جس نے فائدہ نہ اٹھایا ہو۔ یہ برف کا تودہ کیوں بن گیا۔ اس شخص پر اس کے حسن کا جادو کیوں نہیں چل رہا ہے۔ بیوی کے پاس جانے کے لیے اس قدر بے چین اور بے تاب ہے۔ اس کی مہربانی سے فیض اٹھانا نہیں چاہتا ہے۔ بیوی سے وہی ڈرتے ہیں' جو اسے خوش نہیں رکھ سکتے۔ لیکن برسر روزگار اور بیوی کا بڑا خیال رکھتا ہے۔

کلدیپ کور جس وقت تیار ہو رہی تھی۔ تب موہن نے سوچا کہ کلدیپ کور سچ کہہ رہی ہے۔ پولیس کو اس واردات کی اطلاع دینا پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ کلدیپ کور کی یہ بات اس کی سمجھ میں آئی تھی' کہ اس قتل کی واردات میں ان دونوں سے کسی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لاش کسی کو بھی نظر آ سکتی ہے؟ وہ یقیناً پولیس کو اطلاع دے گا' کیوں کہ لاش میں سے بو اٹھ رہی ہے اور کل اس میں سے تعفن اٹھ کر آبادی کی طرف پھیلے گا۔ ادھر سے کوئی نہ کوئی یقیناً گزرتا تو ہوگا؟

دوسری بات' جو تھی' وہ یہ تھی کہ کلدیپ کور کے خرانٹ اور خبیث باپ کے علم میں جب یہ بات آئے گی کہ اس نے بیٹی کی آبرو خاک میں ملا دی ہے' اور اسے کیا معلوم کہ اس کی بیٹی کی زندگی میں کتنے مرد آئے ہیں۔ لیکن کلدیپ کور کا باپ اس کی اس بات پر یقین نہیں کرے گا۔ وہ اسے بخشے گا نہیں۔ اسے نوکری سے نہ صرف برخاست کر دے گا' بلکہ اس کی زندگی اجیرن کر دے

گا۔ اسے کہیں بھی ملازمت نہیں کرنے دے گا۔ کیوں کہ دولت مند ہونے کے ناطے وہ طاقتور اور اس شہر کی بااثر شخصیت بھی ہے۔

اور اسے یک لخت شوبھا کا خیال آیا۔ وہ بھی کیا سوچے گی؟ اس نے کلدیپ کور کے متعلق غیر محسوس انداز سے بہت سارے سوالات کیے تھے۔ وہ اس بات کو جانتا تھا' کہ ایک نہ ایک دن طوفان آکر رہے گا۔ کیوں کہ کلدیپ کور اچھی لڑکی نہیں معلوم ہوتی۔ آخر طوفان آ گیا۔ جس نے تہس نہس کر دیا۔ اس کا جسم ہی نہیں اس کی آتما بھی آلودہ ہو گئی تھی۔ اے بھگوان! وہ جذبات کی رو میں کیسی پستی اور غلاظت کے دلدل میں گر پڑا۔ اس نے اپنے آپ کو کیسی مصیبت میں پھنسا لیا۔

کلدیپ تیار ہو گئی' تو وہ اس کے پیچھے کیبن سے باہر نکل آیا۔ اس نے یہ بات محسوس کی کہ کلدیپ کور کوئی ڈر اور خوف محسوس نہیں کر رہی' اور نہ ہی اسے کوئی وحشت سی ہو رہی ہے۔ اگر کلدیپ کور کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی' تو قتل کی واردات کا سن کر کیبن سے باہر قدم نہ نکالتی۔ وہ اس طرح چل رہی تھی' جیسے چہل قدمی کرنے نکلی ہو۔ اس وقت آسمان پر ابتدائی دنوں کا چاند تھا۔ ملگجی چاندنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اسے ساتھ لے کر ساحل کی طرف جا رہی تھی۔ درختوں کے جھنڈ سے دوسری طرف چکر کاٹتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہے تھے' کہ اچانک ایک شخص سامنے آ گیا۔ چاندنی میں وہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک دراز قد اور دبلے پتلے جسم کا تھا' اور اس کی فرنچ کٹ قسم کی داڑھی تھی۔ جس نے پیوند لگی جینز پہن رکھی تھی' اور اس کے کندھے سے تھیلا لٹک رہا تھا' اور اس کے بال کندھوں تک آ رہے تھے' جو بے ترتیب اور الجھے ہوئے سے تھے۔ وہ انہیں دیکھ کر رک گیا۔ موہن نے محسوس کیا کہ وہ دونوں کو گھور رہا ہے۔ اس کی عمر بیس بائیس برس کے لگ بھگ تھی۔

"ہیلو!" کلدیپ کور نے بڑے رسمی انداز میں مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ کلدیپ کور کو مسکراتے دیکھ کر موہن بھی بے دلی سے مسکرا دی۔

"ہیلو۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کھنہ کریک کہاں اور یہاں سے اندازاً کتنی دور ہوگا؟"

"بالکل ناک کی سیدھ میں چلے جاؤ۔" کلدیپ کور نے مخالف سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تین فرلانگ پر ہے۔ تم سیدھا وہیں پہنچ جاؤ گے؟" پھر کلدیپ کور نے اس کا ہاتھ تھاما' پھر وہ دونوں اس شخص کے سامنے سے گزر کر آگے بڑھ گئے۔

"یہ بہت ہی برا ہوا اس شخص سے سامنا ہو گیا؟" موہن نے چند قدم جانے کے بعد سرگوشی

میں کہا۔

''اس میں برائی کی کیا بات ہوئی؟'' کلدیپ کور نے کہا۔ ''اجنبی تھا' راستہ معلوم کر رہا تھا۔ بھوت تو نہیں تھا۔''

''اس لیے کہ آئندہ کبھی دیکھے گا' تو پہچان لے گا۔'' موہن نے خوف وخدشہ ظاہر کیا۔

''ارے وہ پپی؟'' کلدیپ کور ہنس پڑی۔ پھر وہ بے پروائی سے بولی۔ ''آئینے میں خود اپنی صورت نہیں پہچان سکے گا۔ ہمیں کیا پہچانے گا۔ اس مدھم چاندنی میں ہمارے چہرے اسے تھوڑی صاف دکھائی دیئے ہوں گے۔''

موہن نے غیر اختیاری پلٹ کر دیکھا' وہ آدمی ابھی تک اپنی جگہ پر اجمان تھا۔ موہن نے ہاتھ ہلایا' تو وہ مخالف سمت بڑھ گیا۔

''ان درختوں کے دوسری طرف تمہاری گاڑی موجود ہے۔'' کلدیپ کور نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔ پھر وہ اس کے قریب اس کے گلے میں اپنی مرمریں سڈول باہیں حائل کر کے بولی۔ ''یہ محبت کے لمحات کیسے تھے؟ تم پسند کرو تو پھر آسکتے ہیں۔''

''ایسا اب دوبارہ نہیں ہونا چاہیے۔'' موہن نے کہا۔ ''میں ایک شادی شدہ شخص ہوں۔ بیوی سے ہرجائی کا مرتکب ہونا نہیں چاہتا۔''

''تمام شادی شدہ مرد ایسا ہی کہتے ہیں۔'' کلدیپ کور نے اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے کہا۔ ''جب بھی موقع ملتا ہے باز نہیں آتے۔''



شانتی نے سیاسی خبریں پڑھنے کے بعد اخبار کا صفحہ الٹا' تو سٹی پیج پر ایک لرزہ خیز قتل کی واردات کی خبر چھپی ہوئی تھی۔ ایک سولہ برس کی بہت ہی حسین اور پرکشش لڑکی کی لاش ایروکلب کے عقبی حصے میں پائی گئی تھی۔ لڑکی کا نام جولی تھا۔ یہ کرسچن لڑکی تھی۔ اس کا باپ ایک شراب خانے کا مالک تھا۔ اس کی بیٹی بد چلن تھی۔ وہ آوارہ لڑکوں کے ساتھ جو امیر کبیر گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے' ان کے ساتھ اس کی دوستی تھی۔ وہ اپنی حرکتوں اور بدچلنی سے باز نہیں آتی تھی۔ اس نے اپنے فن اور جوانی کو ذریعہ معاش بنایا ہوا تھا۔ ساحل سمندر پر ایسی بے شرمی اور بے حجابی سے دوست لڑکوں کے ساتھ وقت گزارا کرتی تھی' جیسے یہ ساحل سمندر امریکہ کے کسی شہر میں واقع ہو۔

جولی کو جس قاتل نے قتل کیا تھا' پولیس کے خیال میں وہ کوئی جنسی جنونی قاتل تھا۔ نفسیاتی مریض تھا۔ یہ واردات پہلی مرتبہ نہیں ہوئی تھی۔ کچھ لڑکیوں کی قتل کی پراسرار اور بہیمانہ وارداتیں ہوئی تھیں' ان میں اور اس واردات میں ایک بات مشترک تھیں۔ قاتل نے جتنی حسین اور نوجوان لڑکیوں کو قتل کیا تھا' وہ سب بدچلن اور آبرو باختہ تھیں۔ ان میں کسی کا بازو غائب' تو کسی کا ایک پیر۔ ایک دوسر بریدہ لاشیں۔ لیکن ایک عجیب سی بات یہ تھی کہ ان لاشوں میں ایک بوند لہو کی بھی نہ تھا' جیسے ان لڑکیوں کو قتل کرنے سے پہلے قاتل نے زیادتی کا نشانہ بنایا۔ پھر اسے بے ہوش کر کے اس کے جسم سے سارا خون کسی سرنج سے نکال لیا گیا۔ پھر موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد جسم کے اعضاء اور خطوط کاٹ کر لاش پھینک دی گئی۔

پولیس کا کہنا ہے کہ قاتل نفسیاتی اور جنونی ہے۔ اذیت پسند ہے۔ وہ شاید انسانی خون پی جاتا ہے' یا پھر کسی اور کام میں لاتا ہے۔ لیکن پنڈتوں اور پجاریوں کا کہنا ہے کہ یہ حرکت کسی راکھشش کی ہے۔ وہ بدچلنی اور آبرو باختہ لڑکیوں کو بے حجابی کی حالت میں دیکھ کر انہیں زیادتی کا نشانہ بناتا ہے' اور خون پی جاتا ہے۔ کیوں کہ راکھششوں کو انسانی خون بہت مرغوب ہوتا

ہے۔

شانتی کو پہلے تو اپنا بیٹا انوپ یاد آیا۔ یہ تو سچی بات تھی' کہ وہ انسانی خون پیتا ہے۔ اس نے خود ایک مرتبہ خون پیتے اور چاٹتے دیکھا تھا۔ لیکن وہ اتنا ظالم، سفاک اور خون آشام نہیں تھا کہ کسی حسین اور نوجوان اور آبرو باختہ لڑکیوں کو زیادتی کا نشانہ بنانے کے بعد ان کا خون پی جائے' اور پھر انہیں انتہائی بربریت اور درندگی سے قتل کردے۔ اس کے پاس بے پناہ دولت تھی۔ اس کے لیے لڑکیوں کی کیا کمی تھی' اور پھر اس کے ہاں ایک نوجوان ملازمہ جو موجود تھی۔ زندہ سلامت تھی۔

پھر اسے ناگ دیوتا یاد آگیا' جو انوپ کا باپ تھا۔ انوپ کو جو خون پینے کا چسکا، شوق یا جنون تھا' وہ ناگ باپ سے ورثہ میں ملا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ لڑکیوں کے ساتھ زیادتی کر کے خون پی کر انہیں جو قتل کردیا جاتا ہے' وہ ناگ دیوتا کا کام ہے۔ یہ ایک عجیب سی بات تھی کہ ناگ دیوتا صرف اور صرف آبرو باختہ عورتوں کو نشانہ بناتا تھا۔ وہ اس شہر میں موجود تھا۔ اگر وہ کسی دن، کسی رات اس کے پاس آگیا تو؟ وہ تو انوپ کمار کے ساتھ اس لیے نہیں رہتی تھی' کہ وہ اس ناگ دیوتا کا بیٹا تھا۔ اس کی رگوں میں ناگ کا خون تھا۔ لیکن اس نے کبھی کسی طور پر انوپ کمار پر یہ ظاہر نہیں کیا تھا' کہ وہ کس کا خون ہے؟ وہ کبھی کبھی سوچتی تھی کہ کاش اس نے انسان کو جنم دینے کے بجائے سپنولی کو جنم دیا ہوتا' تاکہ اسے اسی وقت ختم کردیا جاتا۔ انوپ بھی سپنولی تھا' لیکن انسانی شکل میں۔ اس کی مجبوری یہ تھی' کہ وہ اس وقت بتا نہیں سکتی تھی کہ یہ سپنولی ہے۔ ناگ دیوتا کیوں اور کس لیے آبرو باختہ عورتوں کو زیادتی کا نشانہ بنا کر۔ ان کا خون پی کر انہیں قتل کردیتا ہے؟ یہ معمہ اس سے حل نہیں ہو پایا تھا۔ اور پھر اسے یہ بھی یاد آئی کہ ناگ دیوتا نے اس سے کہا تھا کہ وہ سو برس سے انسانی خون پیتا آرہا ہے۔

شانتی نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ اس بات کو اٹھائیس برس کا عرصہ بیت گیا تھا۔ ایک بھیانک خواب کی طرح۔ وہ اپنی زندگی کی تین راتوں کو نہیں بھول سکتی تھی' اور نہ بھولی تھی' جب ناگ دیوتا نے ایک بہت خوبصورت، غیر معمولی دراز قد، وجیہہ اور طاقت سے بھرپور مرد کے روپ میں آیا تھا' اس وقت ایک طرف ناگ سے نفرت تھی' سخت تنفر تھی اور وحشت بھی تھی۔ لیکن دوسری طرف جب بھی ناگ دیوتا اس کے ساتھ رہا' اس پر ایسا جادو کیا تھا' جو انسان کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ کیف و سرور آج بھی اسے محسوس ہوتا تھا' جب کہ اس کا پتی اس کی گرد بھی نہیں تھا۔

اسے کبھی کبھی ایک انجانا سا خوف یہ سوچ سوچ کر ہوتا تھا' کہ کبھی پھر سے وہ ناگ نہ

آجائے۔ وہ جانتی تھی کہ اب کبھی نہیں آئے گا۔ اس لیے اس نے پچاس برس کی عمر کی حدود میں قدم رکھ دیا ہے۔ ناگ تو حسین اور نوجوان اور پرکشش عورتوں کا رسیا ہے۔ وہ تو اسے بھول بھی چکا ہوگا۔ کچھ عرصہ سے' جو لڑکیاں پراسرار طور پر غائب ہوئیں' قتل ہوئیں۔ یہ سب کچھ ناگ کا کیا دھرا ہے۔ وہ کم سن لڑکیوں کی طرف راغب اور متوجہ ہے۔ اب اس کے لیے ایک پچاس عمر کی صورت میں کیا کشش ہو سکتی ہے۔

لیکن کتنی عجیب و حیران کن اور ناقابلِ فہم سی بات تھی' کہ پچاس برس کی عمر میں بھی اس کے سر کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا' اور چہرے پر ایک شکن تک نہیں پڑی تھی۔ اس کے بال آج بھی لانبے، چمکیلے، گھنے اور سیاہ تھے۔ چہرے پر وہی شادابی، تازگی اور دل کشی تھی' جو نوجوانی میں تھی۔ خدوخال میں اچھوتا اور دل میں اتر جانے والا انیکھا پن۔ ہونٹ رس بھرے۔ آنکھیں بھی بہت خوب صورت، بڑی بڑی اور سیاہ' بدن چھریرا، متناسب اور پرکشش کے خزانوں سے بھرا ہوا۔

قد قامت، جسامت اور شادابی کے باعث بیس برس کی دوشیزہ کا دھوکا ہوتا تھا۔ کوئی اس بات کو تسلیم نہیں کرتا تھا' کہ وہ پچاس برس کی عمر کی عورت ہے۔ اسے ایک نوجوان لڑکی سمجھ کر بہت سارے جوان مرد شادی کے خواہش مند ہوتے تھے۔ جب وہ نہاتے وقت اپنا سراپا واش روم کے قد آدم آئینے میں دیکھتی' تو حیران ہوتی تھی۔ نہ جوانی ڈھلی تھی' نہ شباب اور نہ ہی بدن۔

اس کی سہیلیاں اور ہم عمر عورتیں اس پر رشک کرتی تھیں۔ اس سے پوچھتی تھیں کہ یہ جو تم سدا بہار دوشیزہ نظر آتی ہو اس کا راز کیا ہے؟" یہ آنکھوں کو خیرہ کردینے والا حسن کہاں سے اور کیسے ملا؟ کیا تم ساحرہ ہو؟" ان کی باتیں سن کر وہ دل فریب انداز سے مسکرا دیتی تھی۔ اسے یاد تھا کہ شادی سے پہلے وہ ایک دھان پان اور نازک سی گڑیا کے مانند تھی۔ اس کے وجود میں ریشم کی نرمی تھی۔ اور اس کی باتوں میں شہد کی مٹھاس ہوتی تھی۔ شادی کے بعد وہ خواب آفریں ہوگئی تھی۔ نوخیزی کی ترشی اور کچے پن کی جگہ پکے پھل کا سا رسیلا پن آگیا تھا۔ خال و خد میں جو ادھورا پن تھا' وہ مکمل ہوگیا تھا۔ وہ آج بھی شاداب بدن کی عورت معلوم ہوتی تھی۔ اس کا چہرہ پہلے ہی تلگجے اندھیرے میں چاند کی طرح دمکتا تھا۔ آج بھی اس کے عارض لب سے چھلک سے گئے تھے اور اس کے شباب کی دوشیزگی نکھر نکھر سی آتی تھی۔

ایک دولت مند عورت ہونے اور آج اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود' اسے کبھی سلمنگ پارلر اور بیوٹی سیلون جانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ ودھوا ہونے کے بعد بھی' اس لیے نہیں گئی تھی کہ اسے کون سی دوسری شادی کرنی تھی۔ اس نے شادی کے بارے میں اس لیے نہیں

سوچا تھا' کہ اسے اپنے پتی سے بہت محبت تھی۔ وہ جانتی تھی' کہ کوئی دوسرا مرد اسے پتی جیسی محبت کبھی نہیں دے سکتا۔ ایک صدی جیسی مدت گزر جانے کے باوجود حسن و شاداب کی ایک مثال تھی۔ کسی سے حسن کی بھیک مانگنے کیا جاتی' بڑی بڑی فتنے جگانے والی لڑکیاں اور قیامتیں برپا کر دینے والی عورتیں اسے دیکھ دیکھ کر اپنے آپ کو سنوارتی تھیں' اور اس جیسی بننے کی آرزو میں جانے کیا کیا جتن کرتی تھیں۔ اس کے پتی کے وہ دوست' جنھوں نے کسی وجہ سے شادی نہیں کی تھی' وہ اس کے ساتھ گھر بسانا چاہتے تھے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا تھا۔

لیکن یہ بات حیرت کی تھی' کہ ان کی جوانی، شباب اور جذبات کبھی کبھی آگ کی طرح بھڑک اٹھتے تھے، پھر انہیں اپنے پتی کی یاد آجاتی تھی۔ ان کا لمس کتنا انوکھا اور پیارا ہوتا تھا۔ کبھی کبھی ان کے دل کے کسی کونے میں ایک دبی دبی سی خواہش جنم لیتی تھی کہ کاش! وہ ناگ آجائے اور یہ خواہش بار بار مچل رہی تھی' تو وہ اپنی کوٹھی کے برآمدے سے نکل کر لان کی گھاس پر بیٹھ گئیں۔ پھر وہ جنگل میں چھپی ہوئی ہرنی کی طرح چاروں طرف پھیلی ہوئی جھاڑیوں میں گھومتی رہی۔ تاریکی بڑھتی گئی۔ تنہا ہونے کے باوجود انہیں چڑیل کی خاموش ہنسی، بھوت کے وجود اور ناگ کا خیال نہیں آیا۔ کیا ناگ دیوتا نہیں آسکتا؟ ان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ آجائے تو تمام کرب تمام جلن دھو پونچھ کر ختم کر دے۔ جس طرح کسی اچانک طوفان سے شبنم میں بھیگا ہوا پھول ڈالی سے ٹوٹ کر گھاس پر بکھر جاتا ہے۔

8 نومبر کی شام نرملا چودھری سے سمندر ساحل پر مڈبھیڑ نہ ہوتی' تو وہ اس سنسار میں زندہ نہیں رہتی۔ ان کی موت بڑے دردناک انداز میں واقع ہوجاتی۔ وہ آٹھ نومبر کی شام کا دھندلکا آخری بار دیکھتیں' اور اس سرمئی شام کو ان کی پراسرار موت ایک معمہ بن جاتی۔ وہ پراسرار انداز سے سمندر کی آغوش میں سما جاتیں۔ ان کی پھولی ہوئی لاش نہ جانے سمندر کے کس حصے میں ملتی۔ پھر اخبارات میں طرح طرح کی خبریں چھپتیں' کہ انوپ کمار کی ماتا جی کی مسخ شدہ لاش سمندر سے برآمد ہوئی۔ کسی درندہ صفت نے ان کی بے حرمتی کر کے ان کی لاش سمندر میں پھینک دی۔ ان کی لاش کو بیٹے نے گردن پر تل کے نشان سے شناخت کیا۔ ایک خیال ہے کہ انوپ کمار کی ماتا جی نے زیادتی کی وجہ سے خودکشی کرلی۔ ابھی تک کوئی بات واضح نہیں ہوئی۔ پولیس تحقیقات کر رہی ہے۔

ان کی موت کو خودکشی کا نام نہیں دیا جاتا۔ لیکن وہ کیا کر سکتی تھیں۔ وہ مجبور ہوگئی تھیں' اپنے آپ کو سمندر کے حوالے کر دیں۔ ان کا خودکشی کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ کیوں کہ ان کے حالات اتنے دگرگوں نہ تھے' کہ وہ اس فعل کی مرتکب ہوتیں۔ ویسے اگر انہیں خودکشی کرنی ہی ہوتی' تو اس کے

راستے بہت تھے۔ طریقے بھی تھے۔ وہ کمرہ بند کر کے نیند کی بہت ساری گولیاں کھا لیتیں' یا پستول کنپٹی پر رکھ کر فائر کر دیتیں۔ اس طرح ان کی موت بہت آسان ہوجاتی۔ اس کے علاوہ اور بھی صورتیں تھی۔ وہ اپنی گاڑی کسی کھمبے سے ٹکرا دیتیں' یا چلتی گاڑی یا ٹرین کے نیچے آجاتیں۔ اور وہ کسی باقاعدہ منصوبے کے تحت خودکشی کے لوازمات پورے کرتیں۔ اور پھر وہ اپنے بیٹے کے نام ایک دکھ بھری تحریر چھوڑ کر سنسار سے سدھار جاتیں۔ ان کا بیٹا حیران ہوجاتا۔

لیکن اس شام تو انہیں سمندر کی لہروں میں ہی پناہ لے کر اپنی مسرتیں تلاش کرنی تھیں۔ انہیں سمندر کی سرکشی اور بے چین لہریں اپنی آغوش میں لے کر تڑپ رہی تھیں' اور یہ بدمست لہریں انہیں مستی اور پیار کا خزانہ معلوم دے رہی تھیں۔ لیکن انہیں سمندر کی لہروں سے تو کوئی سروکار نہ تھا۔ البتہ ان لہروں پر وہ سپنوں کے راج کمار کی تصویر کو دیکھے جا رہی تھیں' جو انہیں پیار' والہانہ انداز سے اپنے پاس بلا رہی تھی۔ دل کش اشارے کر رہی تھی۔ اس سپنوں جیسے راج کمار کا نام اجیت تھا۔

اجیت انہیں کسی یونانی دیوتا کی طرح لگ رہا تھا۔ ان کے ارمانوں اور آرزوؤں کا پیکر۔ اس کا خوبصورت اور مضبوط جسم اور چوڑا چکلا سینہ اور بلند قامت' انہیں اپنی طرف مائل کر رہا تھا' اور اس کی وجاہت مقناطیس کی طرح انہیں اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ انہیں دعوت نظارہ دینے کے ساتھ ساتھ قرب اور سینے میں جذب ہونے کی دعوت بھی دے رہا تھا۔

اجیت سے ان کی پہلی ملاقات ایک ماہ قبل ساحل سمندر کے اس شمالی حصے پر ہوئی تھی' جو ہر وقت ویران اور سنسان پڑا رہتا تھا۔ اس طرف کوئی بھولے بھٹکے بھی نہیں آتا تھا۔ شاید اس لیے یہاں ایک عجیب سی پراسراریت ہر وقت چھائی رہتی تھی۔ ساحل سمندر پر آنے والوں کو ایک عجیب سا خوف محسوس ہوتا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہاں بدروحیں ہوتی ہیں۔ بھوت اور چڑیلیں ہوتی ہیں۔

لیکن انہیں کبھی کسی بدروح اور بھوت سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ وہ یہاں صرف اور صرف سکون کی تلاش میں آتی تھیں۔ بہت دیر اکیلی ہی ریت پر بیٹھی رہتیں۔ پھر وہ بڑے سکون سے دیر تک نہاتی رہتی تھیں' کیوں کہ یہاں مرد تو کیا عورت بھی نہیں آتی تھی۔

ان کی آتما کو یہاں ایک عجیب سا سکون ملتا تھا۔ ایسا سکون انہوں نے شہر میں کہیں بھی نہیں پایا تھا۔ سکون خریدا نہیں جاتا تھا۔ آپ ہی آپ ملتا ہے۔ یہاں کی تنہائی میں، یہاں نہانے سے انہیں بڑا سکون میسر آتا تھا۔ لیکن کچھ دنوں سے ایک ساتھی کی خواہش ہو رہی تھی۔ جو ان سے یہاں ملے، بیٹھے، باتیں کرے، ایک انجانی سی خواہش۔ انہیں اس ناگ کا بھی خیال آتا'

جس کی نشانی کو انہوں نے جنم دیا تھا۔ وہ سہ پہر یہاں آتی تھیں' اور ڈوبتے سورج کا نظارہ کر کے واپس چلی جاتی تھیں۔

سہانی شام اندھیرے سے جا ملی تھیں۔ وہ اکیلی بیٹھی ہوئی ناگ دیوتا کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔ نہ جانے کیوں انہیں بہت دنوں سے اس ناگ دیوتا کا خیال آنے لگا تھا۔ وہ خود سے اس بات کو سمجھنے سے قاصر تھیں۔ رات کو جب وہ سونے کے لیے بستر پر دراز ہوتی تھیں' ان کی نظروں کے سامنے ناگ دیوتا کے ساتھ گزرے لمحات کسی فلم کے مناظر کی طرح گھومنے لگتے۔ وہ اس روز شام کے وقت تصورات کی انجانی دنیا میں گم تھی۔ انہیں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا تھا۔ انہیں اچانک پشت پر کسی کے چلنے کی آہٹ سنائی دی۔ پہلے تو انہوں نے اسے واہمہ سمجھا۔ لیکن جب قدموں کی ہلکی ہلکی آہٹ ان کے قریب آ کر رک گئی' تو انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ ایک بہت ہی خوبصورت وجیہہ مرد کو' جو کسی یونانی شہزادے کی طرح نظروں کے سامنے کھڑا پایا۔ اس کا سرخ و سفید چہرہ اس نیم تاریکی میں دمک رہا تھا۔ وہ دراز قد بھی تھا۔ کسی راج کمار کے انداز میں وقار کے ساتھ کھڑا تھا۔

"شریمتی جی! آپ یہاں سمندر کے کنارے اکیلی بیٹھی کیا کر رہی ہیں؟ دن ڈوبتا جا رہا ہے۔ کیا گھر نہیں جانا ہے؟"

"میں یہاں آتما کے سکون کے لیے بیٹھی ہوں۔" انہوں نے جواب دیا۔ "میں روزانہ ہی یہاں آ کر بیٹھتی ہوں' مجھے بڑا سکون ملتا ہے۔"

"سکون......؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "دنیا میں سکون سے بڑی دولت کوئی نہیں ہے؟ ساری دنیا سکون کی متلاشی ہے۔"

"آپ سچ کہتے ہیں؟" انہوں نے تائیدی لہجے میں کہا۔ "لیکن آپ ہیں کون؟ میں پہلی بار آپ کو دیکھ رہی ہوں۔ میں یہاں بہت دنوں سے آ رہی ہوں۔ اس جگہ یہاں آنے کی کوئی ہمت نہیں کرتا۔ اس لیے کہ یہ پراسرار اور آسیب زدہ جگہ ہے۔"

اگر آپ اس بات کا وچن دیں کہ کسی کو میرے بارے میں نہیں بتائیں گی' تو میں پھر بتاؤں گا کہ میں کون ہوں؟" وہ مسکرا کر بولا۔

"ہاں۔ میں وچن دیتی ہوں۔ ایشور کی سوگند کھا کر۔" انہوں نے جواب دیا۔ وہ دل میں یہ محسوس کر رہی تھیں کہ وہ اس سے مسحور ہو گئی ہیں۔

یہ پہلا آدمی تھا' جس نے ان کا دل موہ لیا تھا۔

"تو پھر سنیں۔ میں اس سمندر میں رہتا ہوں۔" وہ بتانے لگا۔ "میں سمندر کی مچھلیوں کا

راج کمار ہوں۔"

"سمندر کی مچھلیوں کا راج کمار۔" وہ حیرت سے اچھل پڑیں۔ "کہیں تم مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟ سچ سچ بتاؤ۔ تم کون ہو؟"

"آپ کو میری بات کا یقین کس لیے نہیں آ رہا ہے؟" وہ دل کش انداز سے مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولا۔ "میں سچ بول رہا ہوں۔"

"اس لیے کہ تم انسان کے روپ میں جو میرے سامنے کھڑے ہو؟" انہوں نے کہا۔ "تمہیں مچھلی کے روپ میں ہونا چاہیے تھا۔ انسان کی صورت میں دیکھ کر یقین نہیں آ رہا ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟"

انہوں نے یہ بات کہنے کو تو کہہ دی' لیکن انہیں فوراً ہی ناگ دیوتا کا خیال آیا' جس نے انسان کے بہروپ میں آ کر ان کے ساتھ تین راتیں گزاری تھیں' اور رخصت ہوتے وقت انہیں اپنی نشانی دے گیا تھا۔ اس کا خون ان کی کوکھ میں پرورش پا کر آج ایک مرد کی صورت میں تھا۔

"اس سنسار میں کیا ممکن نہیں ہے؟" اس نے جواب دیا۔ یہاں ایک دنیا آباد ہے سمندر میں۔ ہمیں کالی ماتا کی آشیرباد حاصل ہے۔ میں نے چوں کہ کالی ماتا کی چالیس برس تک پوجا کی اس لیے کالی ماتا نے مجھے یہ صلاحیت دی ہے کہ میں مچھلی سے انسان کے روپ میں آ سکوں۔"

"لیکن جب تم انسان کا بہروپ بھر سکتے ہو' تو انسانوں کی دنیا میں جا کر کیوں نہیں رہتے؟" شانتی نے دریافت کیا۔ "جب کہ انسانوں کی دنیا بہت حسین اور رنگین ہے۔ انسانوں کے سنسار میں' جو خوبصورتی ہے' کسی اور کے سنسار میں کہاں؟"

"دراصل ہماری دنیا کے مہاراج کی آ گیا نہیں ہے۔ وہ بھی کسی وجہ سے۔ میں تمہیں پھر کبھی بتاؤں گا۔" اجیت نے جواب دیا۔

"کیا تم نے مجھے آج پہلی بار دیکھا ہے؟" انہوں نے سوال کیا۔ "تم کس لیے مجھ سے ملنے اور بات کرنے آئے ہو؟"

"میں تمہیں کئی دنوں سے یہاں دیکھتا آ رہا ہوں۔" وہ بھی انہیں تم سے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "تمہیں کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ کوئی تمہیں بڑے پریم سے تکا کرتا ہے۔ میں تمہیں نہاتے اور تیرتے ہوئے بھی دیکھتا رہا ہوں۔ تمہاری سندرتا مجھے پاگل کرتی رہی ہے۔"

"کیا......" وہ ایک لمحے کے لیے سرخ ہو گئی۔ "کیا یہ بری بات نہیں کہ ایک عورت کو نہاتے دیکھو۔"

"ہمارے ہاں یہ کوئی معیوب بات نہیں ہے۔

وہ بولا۔ "ہم نے جو دنیا بسائی ہوئی ہے' وہ انسان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ اس شہر میں کوئی سو برس پہلے ایک مندر تھا۔ ہماری آبادی میں نر اور مادہ مچھلیاں انسانوں کے روپ میں رہتی ہیں۔ ہماری آبادی میں ایک مندر بھی ہے۔ لیکن ہماری بستی اور مندر میں داسیوں کی حکومت ہے، ہر داسی بے انتہا حسین اور پُرکشش۔ تمہاری دنیا کی کوئی عورت شاید ہی اتنی حسین ہو۔ میں اس مندر کا پجاری ہوں۔ داسی کی حکمرانی ہے۔ جب میں نوجوان تھا' تب ایک داسی' جس کا نام کامنی تھا' وہ مہارانی تھی' جتنے نر تھے وہ راج کمار۔ میں ان سب میں خوبصورت اور وجیہہ تھا۔ کامنی نے میری سیوا کی۔ اس کے من میں اٹھتی ہوئی انا بھری آگ سے میں ہمیشہ دور ہی رہا۔ دراصل مہاراجا کی بیٹی مجھے بہت چاہتی تھی۔ کامنی یہ چاہتی تھی' کہ وہ میری جوانی اور سندرتا سے کھیل کر اپنے من اور جسم کی تپش کو سرد کرے۔ مہاراجا کی بیٹی سرسوتی سے زیادہ مہاراجا کامنی کو چاہتا تھا۔ جب میں نے بجائے اس کے سرسوتی سے محبت کی' وہ نفرت اور حسد کی آگ میں جل گئی۔ اس کارن اس نے مجھے بڑے کشٹ دیئے۔ پرنتو میں نے کبھی اس کی کوئی بات نہیں مانی' اور نہ ہی اس کی آگ بجھائی۔ اس نے شراپ دینے کی ٹھانی۔ میں اب تک اس کے شراپ میں پھنسا ہوا ہوں۔ وہ مندر کب کا بھسم ہو چکا، مہاراجا مر گیا۔ لیکن میں دکھ جھیلنے کے لیے زندہ ہوں۔"

"لیکن تم نے کہا تھا کہ یہ سو برس پہلے کی بات ہے۔ لیکن تم اب تک زندہ ہو۔" انہوں نے کہا۔ "یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ تم بیس برس کے نوجوان دکھائی دیتے ہو اور پھر اتنی عمر ہونے کے باوجود بوڑھے نہیں ہوئے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ میری عمر بھی اس وقت بیس برس کی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "سو برس پہلے بھی میں بیس برس کا ہی تھا۔ اس حساب سے اگر میں ساگر کی اس دنیا سے باہر کی دنیا میں ہوتا' تو ایک سو بیس برس کا بوڑھا ہوتا۔ میرا دکھ تو یہی ہے کہ میری عمر ایک مرکز پر آ کر ٹھہر گئی۔ میں اپنا جیون بیس برس کی عمر میں گزار رہا ہوں۔ یہی کامنی کا شراپ ہے' اور ہمارے دیوتاؤں کا دکھ ہے' جو میں جھیل رہا ہوں۔ میں سدا جوان ہوں۔ مگر اپنی جوانی کے کسی ارمان کو آج تک پورا نہ کر سکا۔ میری یہ جوانی اور سندرتا میرے کسی کام کی نہیں ہے۔ اگر کامنی مجھے اس حال کو نہ پہنچاتی تو میں اپنی جوانیوں کی رنگینیوں سے دوبھر اٹھاتا۔ میں بھی ہنستی مسکراتی جوانیوں اور اس کی بہاروں کے خزانوں کو لوٹتا۔"

"کیا تم کبھی اس شراپ سے نکل نہیں سکو گے۔" انہوں نے سوال کیا تھا۔ "تم ہم انسانوں کی دنیا میں کیوں نہیں آ جاتے ہو؟"

یہ محبت بھرے اور جذباتی مناظر دیکھ کر میرے دل میں ایک حسرت اور خواہش انگڑائی لیتی کہ کاش! میں اس شراپ سے نکل کر انسانوں کی دنیا میں جا سکتا۔ کسی لڑکی سے میں پریم کرتا۔ وہ میرے من میں بس جاتی۔ بیاہ کے بعد اپنی محبت اور اپنا سب کچھ میرے حوالے کر کے زندگی گزارتی۔ میرے بچے ہوتے۔ ساگر کی دنیا سے سدا کے لیے نجات مل جاتی' اور تمہاری دنیا میں اپنا جیون بڑے آنند سے گزارتا۔"

"کیا کامنی حسین نہیں تھی' جو تم نے اس کا کوئی ارمان اور خواہش پوری نہیں کی؟" شانتی نے سوال کیا۔ "کیا سرسوتی اس سے بہت حسین؟"

"کامنی بہت حسین اور پُرشباب ہے۔" اجیت نے جواب دیا۔ "وہ بھی بیس برس کی ہے۔ نہ جانے کیوں وہ مجھ پر بری طرح بچھ گئی' اور میرے حصول کے لیے پاگل ہے' اور بھی راج کمار اتنے خوبصورت ہیں کہ ایک عورت انہیں من میں بسا سکتی ہے۔ سرسوتی بھی بہت حسین ہے۔ ان دونوں میں ایک فرق ہے۔ کامنی مجھ سے بیاہ کر کے اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتی ہے۔ کھلونا، کٹھ پتلی۔ لیکن میں اس کے زیر اثر رہنا نہیں چاہتا۔ وہ محبت کے زیر رکھنا چاہے' تو میں اس کی ہر بات مان لوں۔ اس میں اتنی نخوت ہے کہ وہ مجھے ایک غلام سمجھتی ہے۔ وہ مجھ سے محبت نہیں' بلکہ نفرت سے پیش آنا چاہتی ہے۔ جب کہ سرسوتی مہاراجا کی بیٹی ہوتے ہوئے بھی مجھ سے داسی کی طرح پیش آتی ہے۔ کامنی نے میرے ساتھ دغا کیا۔ مجھے فریب دیا۔ اس نے پہلے میری بہت سیوا کی۔ اس میں اس کی ایک غرض تھی۔ اس نے اس سیوا کی آڑ میں مجھے آلودہ کیا۔ جب اس کا اصل روپ سامنے آیا' تو مجھے اس سے نفرت ہو گئی۔ وہ مجھ سے آج بھی انتقام لے رہی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں اس کے چرنوں میں ایک کتے کی طرح گر پڑوں۔ اس کی پیاس بجھاتا رہوں۔ میں نے بھی سوگند کھائی ہوئی ہے کہ اس کی کوئی بات نہیں مانوں گا۔"

"ہماری دنیا میں انسانوں جیسی کچھ باتیں مشترک ہیں۔" اجیت جواب میں بتانے لگا۔

"مہاراجا کامنی کی ماں سے محبت کرتا تھا۔ لیکن اس کے باپ نے اس کی شادی کسی اور سے کر دی۔ ہمارے ہاں اس بات کی اجازت ہے' کہ اگر پتنی کو پتی' پتی کو پتنی ناپسند ہو تو پتنی کسی بھی مرد سے تعلقات رکھ سکتی ہے۔ اس طرح پتی بھی کسی دوسرے عورت سے تعلقات رکھ سکتا ہے۔ مہاراجا کو کامنی کی ماں سے محبت تھی' اور سرسوتی کی ماں کے کامنی کے باپ سے۔ کامنی کی ماں سے وہ بہت محبت کرتا تھا۔ ایک روز سرسوتی کی ماں نے کامنی کی ماں کو مار دیا۔ پھر سرسوتی کے باپ نے اپنی پتی کو۔ اس کی کامنی سے محبت بڑی شدید ہو گئی اور اپنی بیٹی سے نفرت۔ کامنی یوں تو اور راج کماروں سے دل بہلاتی رہی تھی۔ لیکن اس نے مجھ میں جو بات پائی تھی' وہ

کسی اور راج کمار میں نہ تھی۔ ایک روز کامنی' سرسوتی کا روپ بھر کر آئی' تو میں نے اسے پہچان لیا۔ میں نے اس کی شناخت ایک تل سے کی تھی۔ تل کامنی کے گلے کے نیچے تھا۔ جب متعدد بار اس نے سرسوتی کا بہروپ بھر کر آلودہ کیا تھا' تب میں نے خیال نہیں کیا تھا۔ میں نے اس روز اسے بری طرح جھڑک دیا' اور سرسوتی کے پاس چلا گیا۔ وہ اپنی تذلیل برداشت نہ کرسکی۔ مہاراجا کے پاس جا کر اس نے میری شکایت کی' تو اس نے آپے سے باہر ہو کر مجھے طلب کیا اور لال پیلا ہو کر بولا۔

''میں تجھے ایک موقع دیتا ہوں۔ تو اتنا مورکھ نہ بن اور کامنی کا بن جا۔ تو نے اس کی خواہش اور ارمان پورا نہ کر کے جو اس کی بے عزتی اور تذلیل کی ہے' اس سے نہ صرف معافی مانگ' بلکہ ابھی اور اسی وقت اس کے پاس جا کر اسے اس طرح سے خوش کر' جس طرح وہ چاہتی ہے' اور جس طرح تُو سرسوتی کو خوش کرتا رہتا ہے۔ تو نے اس کے جذبات کو روند کر بڑا پاپ کیا ہے۔ میں کسی شُبھ گھڑی اس سے تیرا بیاہ کروں گا۔ اگر تو نے میرا حکم نہیں مانا' تو میں اور کامنی تجھے ایسی سزا دیں گے' تو ہمیشہ یاد رکھے گا۔ ابھی تو نے میری شکتی کہاں دیکھی ہے؟''

میں چوں کہ کامنی اور مہاراجا سے بھی شدید نفرت کرتا تھا۔ اس لیے اس کی بات سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں نے بھی غصے سے کہا۔

''جاؤ جو مرضی میں آئے کرلو۔ میں تمہاری کوئی آگیا ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ مر جاؤں گا۔ پرنتو تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔ اگر تم اتنے غصے والے ہو تو میں بھی تم سے کم نہیں ہوں۔ میں کامنی کی کوئی خواہش کسی قیمت پر پوری نہیں کروں گا۔''

میں اس کے پاس سے چلا آیا' اور وقت گزاری کے لیے سرسوتی کے پاس چلا گیا' تاکہ غصہ سرد ہو۔ سرسوتی نے مجھے سمجھایا کہ اتنا غصہ کرنے اور جذباتی ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لیے کہ مہاراجا' آخر مہاراجا ہے۔ اسے تم نے ناراض کر کے اچھا نہیں کیا۔ تم ایسا کرو کہ کامنی سے شادی کرلو۔ پھر تمہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ پتنی ناپسند ہونے کی صورت میں' مجھ سے تعلقات قائم رکھو۔ جیسا کہ یہاں حق حاصل ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ شادی کے بعد وہ مجھے تم سے تعلقات قائم رکھنے نہیں دے گی۔ کیوں کہ وہ ہماری راہ میں رکاوٹ بن جائے گی اور شاید تمہیں کسی انسانی شکاری کے ہاتھوں' مچھلی کی صورت میں شکار کرا دے گی۔ اس کے لیے چال چلتی رہے گی۔ تم فکرمند اور پریشان نہ ہو۔

ان دونوں کو وہاں بیٹھے کافی دیر ہو چکی تھی۔ رات کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ اس عجیب و غریب اور پراسرار شخص کی باتوں میں شانتی کو وقت کا احساس ہی نہیں رہا تھا۔ اور پھر شانتی کو ایک

انجانے خوف کا سا میٹھا میٹھا احساس کسی ناگ کی طرح ڈس رہا تھا۔ اس پُراسرار شخص نے اس کے جذبات میں ایک ہل چل سی مچا دی تھی۔ اس خیال سے اس کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی تھی کہ اگر اس پُراسرار شخص نے اس کی طرف پیش قدمی کی' اور وہ بہک گیا تو کیا وہ دفاع اور مزاحمت کر سکے گی۔ اسے ناگ دیوتا یاد آ گیا۔ اس میں اور ناگ دیوتا میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ وہی قامت' وہ جسامت' وہی کشش اور مردانہ وجاہت۔ فرق صرف خوبصورتی کا تھا۔ یہ پراسرار شخص ناگ دیوتا سے کہیں خوبصورت تھا۔ اس کی طرح طاقت ور دکھائی دیتا تھا۔ بیس برس کا نوجوان اسے دبوچ کر قابو میں کر کے آسانی سے بے بس کرسکتا تھا۔ اس پراسرار شخص کے بہکنے کا خوف و اندیشہ اس لیے بھی تھا' کہ وہ آج بھی ایک دوشیزہ کی طرح تھی' حسین اور نوجوان۔ وہ اسے متعدد بار یہاں آزادی سے نہاتے اور تیرتے دیکھ چکا تھا۔ اس کے بہکنے کی صورت میں وہ کیا کرے۔

لیکن دوسری طرف اسے اس بات کی امید تھی' کہ یہ پراسرار شخص اور دنیا کا باسی ہے۔ شریف ہے اور پھر سرسوتی کا اسیر ہے۔ مرد اور شریف۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی' کہ مرد اور ناگ کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا ہے۔ یہ دونوں شریف نہیں ہوسکتے۔ اور پھر یہاں رات، تاریکی' سناٹا اور ویرانی بھی ہے۔ وہ ایک کمزور سی عورت ہے۔ وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ چوں کہ اس پراسرار شخص نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی' اس لیے وہ پُراعتماد تھی' کہ یہ پراسرار شخص اس کی عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔

شانتی کے دل کے کسی کونے میں تجسس سا پیدا ہو رہا تھا۔ وہ یہ چاہتی تھی' کہ اپنی پوری داستان سنائے۔ اس پراسرار شخص کو وقت گزرنے کا احساس ہوا' تو اپنی داستان کو درمیان میں چھوڑتے ہوئے بولا۔

''میں جانتا ہوں کہ تمہیں بہت دیر ہوگئی ہے۔ تم عورت ہو۔ میری خاطر تھوڑی دیر اور ٹھہر جاؤ۔ مجھ بدنصیب کی پوری کتھا سن لو۔ تم پہلی انسانی ہستی ہو' جس کو میں اپنی کتھا سنا رہا ہوں۔ اور میں ایک بات اور بتا دوں کہ ہم اپنی آبادی میں انسانی بہروپ میں رہتے ہیں۔''

شانتی نے اس کی داستان میں اپنے تجسس اور مکمل دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ تم اپنی پوری کتھا مجھے سنا دو۔ آج میں دیر سے گھر جاؤں گی' تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ نہ میرا پتی ہے اور نہ بچے۔''

''ویسے تمہاری عمر ہے کیا؟'' اس پراسرار شخص نے دریافت کیا۔ ''میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں

کہ میرا خیال اور اندازہ کتنا درست ہے؟"

"ویسے تمہارے اندازے اور خیال کے مطابق میری عمر کیا ہوسکتی ہے؟" شانتی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تم سولہ برس کی ناری معلوم ہوتی ہو۔" اس پراسرار شخص نے جواب دیا۔ "کیا میں ٹھیک بتا رہا ہوں؟"

"یہ تم کس اندازے سے کہہ رہے ہو؟" شانتی کے گداز ہونٹوں پر ابھری ہوئی مسکراہٹ اور گہری ہوگئی۔

"میں نے ساحل سمندروں پر جو پندرہ سولہ برس کی لڑکیوں کو دیکھا ہے' ان میں اور تم میں کوئی فرق نہیں۔" وہ کہنے لگا۔ "میں نے جب بھی تمہیں نہاتے دیکھا' ان سے موازنہ کیا۔ تم ایک نوجوان دوشیزہ معلوم ہوئی ہو۔ کیوں تم سولہ برس کی دوشیزہ ہونا۔"

"تم جو سمجھ لو۔" شانتی اس کی زبان سے اپنی تعریف سن کر ہنس پڑی۔ "تم شاید یہ بات نہیں جانتے کہ ہمارے ہاں لڑکیاں اور عورتیں کبھی اپنی صحیح عمر اور مرد اپنی صحیح آمدنی نہیں بتاتے ہیں' اور عورتوں سے ان کی عمر پوچھنا معیوب سی بات ہے۔ تم بیس برس کے کڑیل نوجوان ہو۔ جب کہ بقول تمہارے تم ایک سو بیس برس کی عمر کے نوجوان ہو۔ ہمارے ہاں تم جیسے دراز قد سینکڑوں' ہزاروں' لاکھوں میں بھی نہیں ہوتے ہیں۔ تم کسی جادونگری کے دیوتا معلوم ہوتے ہو۔ کیا تمہاری عورتیں بھی اتنی ہی قامت کی ہوتی ہیں' جتنی قامت تمہاری ہے۔"

"لڑکیاں اور عورتیں تمہاری قامت کی ہوتی ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "اچھا اب تم میری کتھا سنو۔ میں کہہ رہا تھا کہ سوال ضد اور انا کا تھا۔ مہاراجا چوں کہ مندر کا پجاری بھی تھا' اس نے ضد میں آکر ایک خاص تپسیا کا پربندھ کیا۔ یہ تپسیا مندر کے باہر کھنڈروں اور ویرانوں میں تیس دنوں تک ہوتی ہے۔ اس نے کامنی کو بتایا' سکھایا اور سمجھایا کہ تپسیا کیسے کی جاتی ہے۔ کون سے اشوک پڑھے جاتے ہیں۔ جو تپسیا کرتا ہے' وہ دیوتاؤں سے بھینٹ کر کے ان سے کسی شراپ کے لیے کہتا ہے' اور جس کے بارے میں جو چاہتا ہے' وہ پورا ہو جاتا ہے۔ کامنی آدھی رات کے وقت مندر جا کر دیوی کی پوجا کر کے باہر جاتی اور اس تپسیا کو پورا کرتی۔ میں جانتا تھا کہ وہ یہ سب کچھ مجھے نقصان پہنچانے کے لیے کر رہی ہے۔ مگر میں خاموش تھا' اور یہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ چوں کہ میں سچائی پر ہوں اس لیے بھگوان اپنا کوئی چمتکار دکھا کر ضرور میری رکھشا کرے گا۔ مگر بھگوان کی اِچھا چمتکار دکھانے کی نہ تھی۔ میں ہار گیا' اور کامنی جیت گئی۔ اس تپسیا کی تیسویں اور آخری رات کو مہاراجا میرے پاس آیا۔ اس وقت میں گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے

مجھے جھنجھوڑ کر جگایا' اور پورے زور سے چلا کر کہا۔

"اٹھ اور کان کھول کر سن لے۔ اب تو ایک حقیر کیڑے کی طرح ہے۔ اب تو راج کمار نہیں رہا۔ کامنی نے کٹھن تپسیا کر کے اپنے لیے دیوتاؤں کی آشیرباد حاصل کر لی ہے' اور تیرے لیے شراپ پراپت کر لی ہے۔ اب وہی ہوگا' جو کامنی چاہے گی۔ اب سرستی بھی تجھ سے نفرت کرے گی۔ ہر ناری اور مندر کی داسیاں بھی۔" مہاراجا غصے میں چلاتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ جب اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں' تو مجھے ایسا لگا کہ کسی نے میری آنکھوں میں آگ بھر دی ہو۔ اس نے مجھے گھور کر کھڑے ہونے کا حکم دیا' تو میں فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ اس کی انگارہ بھری آنکھوں میں نہ دیکھوں۔ پرنتو اس نے نہ جانے مجھ پر کیا جادو کر دیا تھا' کہ میں اس کی سرخ آنکھوں پر سے نظریں نہ ہٹا سکا۔ وہ میرے بستر کے پاس کھڑا تھا۔ دوسرے لمحے اس نے مجھے بستر پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں فوراً ہی اس کے چرنوں میں اکڑوں بیٹھ گیا۔ بیٹھنے کے بعد بھی میں اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا تھا۔ پھر اس نے کچھ دیر منتر پڑھا۔ پھر اس نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "تجھے اپنی جوانی اور سندرتا اور اپنی مردانگی کا بہت گھمنڈ ہے۔ یہ جو سرستی اور مندر کی داسیاں جو تیری دیوانی ہیں' اب وہ کسی کام کی نہیں۔ اب تیرے پاس کوئی نہیں آئے گی۔ اب تُو انسان کے روپ میں رہ یا مچھلی کے روپ میں۔ اب تُو دنیا کے جس ساگر میں چاہے جا سکتا ہے۔ گھوم پھر سکتا ہے۔ اب تیرے لیے موت اور نہ جیون کا کوئی بھی مزا ہے۔ جب تیری مرضی ہو مچھلی سے منش کے روپ میں آ سکتا ہے۔ تو ایسا ہی سندر اور بھرپور نوجوان رہے گا۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود تجھ پر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔ لیکن تو ساگر سے باہر کی دنیا میں جا کر کسی روپ میں زندگی نہیں گزار سکتا۔ تو سدا ساگر میں رہے گا۔ تو نے مچھلی سے انسان کے روپ میں انسانوں کی دنیا میں جا کر رہنے کی کوشش کی' تو دیوتا پھر تجھے ساگر میں پھینک دے گا۔ تو اپنے آپ کو کسی بھی روپ میں رکھے' پرنتو جب تو اپنے آپ کو دیکھے گا تو افسوس کرے گا۔ پھر تو کامنی کو یاد کرے گا' کہ تو نے اس کی بات نہ مان کر کتنا برا کیا؟ پچھتائے گا۔ کامنی تیری بے بسی اور لاچاری کا خوب مذاق اڑائے گی۔ ایک راستہ ابھی بھی ہے شراپ سے بچنے کا؟"

"وہ کیا......؟" میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی سوال کیا۔ اس امید پر کہ شاید اس طرح مہاراجا کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی۔

"وہ یہ کہ تو ابھی اور اسی وقت جا کر کامنی کے چرنوں میں گر جا۔" مہاراجا کہنے لگا۔ "اس سے کہہ کہ کامنی تو شما کر دے۔ میں نے تیرا دل دُکھا کر بڑا پاپ کیا ہے۔ تجھے ابھی اور اسی وقت

اس طرح خوش کروں گا' جس طرح تو چاہے گی۔ اور تیس دنوں تک تجھے اس کی رات کی آگ بجھانا ہوگا۔ ایک کتے کی طرح اس کا ہر حکم ماننا ہوگا۔ تو کبھی بھولے سے سرسوتی کی طرف دیکھے گا نہیں۔"

"نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔" میں نے بے خوفی سے کہا۔ "میں اس کے پاس کسی قیمت پر نہیں جاؤں گا۔"

میری یہ بات جلتی پر تیل کی دھار بن کر گری۔ اس کا چہرہ لال ہوگیا' اور اس کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔ وہ گرج کر بولا۔

"کامنی میری محبوبہ کی بیٹی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ غضب ناک ہوکر منتر پڑھنے لگا۔ میری آنکھوں میں چنگاریاں بھر گئیں۔ اس کے منتر پڑھتے پڑھتے ہی میرے پورے شریر میں ایک آگ سی لگ گئی۔ میں اس آگ میں جل کر تڑپنے اور چلانے لگا۔ کوئی میری مدد کرنے والا نہیں تھا۔ میں نے کمرے سے باہر بھاگنے کی بڑی کوشش کی' مگر ایسا معلوم ہوتا تھا' کہ میں کسی غیبی شکتی کے کارن وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہوگیا ہوں۔ میرے شریر کی آگ بڑھتی رہی' اور وہ زور زور سے قہقہے لگاتا رہا۔ پھر چند لمحوں کے بعد کامنی میری بربادی کا تماشا دیکھنے آگئی۔ وہ بھی مہاراجا کے ساتھ قہقہے لگانے لگی۔ ان دونوں کے منحوس قہقہوں کے آگے میری چیخ و پکار اکارت گئی۔ میں گرمی اور جلن کے مارے بدن پر سے کپڑے اور بال نوچنے لگا۔ یہاں تک میرے بدن پر کپڑے کی ایک دھجی تک نہ رہی۔ کامنی نے مجھ سے کہا کہ تم مجھے اپنی آغوش میں لے لو تو یہ آگ بجھ جائے گی۔ وہ میرے پاس آئی۔ اس حالت میں تھی کہ میرے جذبات بہک جائیں۔ میں نے اپنی آغوش میں لینے کے بجائے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ میں ان دیکھی آگ میں جلا جا رہا تھا۔ کامنی نفرت اور غصے کی حالت میں مجھ پر جھپٹنا چاہتی تھی' لیکن اسے مہاراجا اپنی گود میں اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اکیلا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پانی سے بھرا ایک کٹورا تھا۔ میں پورے کمرے میں چلاتا پھر رہا تھا۔ مہاراجا نے آتے ہی پھر شیطانی قہقہوں کا طوفان کھڑا کردیا۔ پھر اس نے کہا۔ "کیوں آگ میں جل رہا ہے۔ ٹھہر ابھی ٹھنڈا کرتا ہوں تیری آگ کو۔"

میں نے اس کے ہاتھ میں کٹورہ دیکھ کر پانی مانگا۔ کیوں کہ میرے حلق سے آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔ میں یہ چاہتا تھا کہ پانی پی کر ہی اپنی پیاس بجھاؤں۔ مگر اس شیطان نے مجھے پینے کے لیے پانی نہیں دیا۔ اس نے پانی کا کٹورا اپنے بائیں ہاتھ میں لیا اور دائیں ہاتھ سے کٹورے کا پانی تھوڑا تھوڑا کر کے میرے بدن پر پھینکنا شروع کردیا۔ وہ منتر پڑھتا رہا اور پانی کے

چھینٹے میرے بدن پر ڈالتا رہا۔ پانی کے چھینٹے پڑتے ہی میرے بدن میں سلگتی ہوئی آگ میں ٹھنڈک محسوس ہوئی اور جب کٹورا خالی ہوگیا' تو میں نے اپنے پورے بدن میں ٹھنڈ محسوس کی۔ پھر میں بالکل شانت ہوگیا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھتے دیکھتے ہی ہوگیا۔ میں کچھ نہ کہہ سکا۔ مجھے ہلکی ہلکی نیند آنے لگی۔ میں فرش پر بیٹھ گیا۔ میرا جی چاہنے لگا کہ میں سو جاؤں۔ میری پلکیں منوں بھاری ہونے لگیں اور پھر میں سو گیا۔

میں ایک بات بتا دوں کہ جہاں ہماری آبادی تھی' وہ ایک طرح سے انسانوں کی آبادی تھی۔ انسانوں کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ جو چاہیں روپ اختیار کرلیں۔ جن انسانوں کو سزا دی جاتی تھی' انہیں ساگر میں مچھلی بنا کر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ پھر ایسا ہونے لگا تھا' کہ ہم سمندر میں جا کر مچھلی بن جاتے۔ پر صدیوں پہلے یہ مچھلیوں کی بستی نہیں تھی۔ اس وقت بھی نہیں' جب میں نے کامنی کو ٹھکرا دیا تھا۔ اس لیے جب میں نے آنکھ کھلنے پر اپنے آپ کو ساگر میں مچھلی کے روپ میں پایا' تو تیر رہا تھا' اور اپنا یہ روپ دیکھ کر میں بہت گھبرایا تھا۔ بعد میں کالی ماتا نے اس بستی پر یہ دیا کیا کہ ہمیں یہ شکتی دے دی کہ مچھلی' انسان یا جو روپ چاہیں وہ بہروپ بھر لیں۔ میں نے دل میں کالی ماتا سے پراتھنا کی کہ اپنی اصلی حالت میں آجاؤں۔ یہ سوچتے ہی میں پھر انسان بن گیا۔ مہاراجا اور کامنی بھی بہت حیران اور سخت پریشان ہوئے۔ اس روز سے یہ سمجھو کہ بستی کا جو فرد جس بہروپ کے بارے میں سوچتا ہے' وہ ہو جاتا ہے۔

"لیکن مجھے پھر سمندر میں جانا پڑا تھا۔ اس لیے کہ جب میں تیرتا ہوا ساگر کے کنارے تک آیا' تو میرے ساتھ ایک عجیب سی صورت حال پیش آئی۔ مہاراجا نے مجھ پر کوئی منتر پڑھ کر پھونکا' تو میں نے بھاگنا ہی بہتر جانا۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے میرے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی ہوں۔ میں ساگر کے کنارے آکر دیر تک ٹہلتا رہا۔ پھر میں آبادی میں نہ جا سکا۔ بہت دیر تک ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا' تو بیٹھ گیا۔ جب مجھے سمندر کے باہر کچھ گھڑیاں بیت گئیں' تو میں مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ ایسا معلوم ہوا کہ میرا دم ہی نکل جائے گا' اور میں جل جاؤں گا۔ میں نے فوراً پانی میں غوطہ لگایا' تو مجھے چین ملا۔ یہ بپتا پچاس برسوں پہلے کی ہے۔"

"کیا ان پچاس برسوں میں کامنی اور سرسوتی سے کبھی مڈبھیڑ نہیں ہوئی؟" شانتی نے کہا۔

"کیا وہ تم سے ملنے آتی ہے؟"

"کامنی کی صورت دیکھنا مجھے کبھی گوارا نہیں رہا۔" اس نے جواب دیا۔ "شراپ کی وجہ سے سرسوتی سے میری ملاقات نہ ہو پائی۔"

"پچاس برسوں سے تم کیا کرتے چلے آرہے ہو؟" شانتی بولی۔ "تمہاری زندگی کیسی

گزرتی رہی؟ کیا سدا مچھلی بنے رہو گے؟''

''میں پچاس برسوں سے دنیا کے سمندروں میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔'' اجیت نے جواب دیا۔ ''یہ میری زندگی ہے، جو گزار رہا ہوں۔ میں یہاں بہت دیر سے بیٹھا ہوں۔ میں خشکی پر تین گھنٹے سے زیادہ بیٹھ نہیں سکتا۔ جب مجھے اپنا دم نکلتا محسوس ہوتا ہے، تو میں کچھ دیر کے لیے سمندر میں چلا جاتا ہوں۔ پھر نکل آتا ہوں، تو پھر سے تین گھنٹے سے زیادہ بیٹھ سکتا ہوں۔''

شانتی بڑے غور سے اس کی بپتا سنتی رہی تھی۔ جب وہ خاموش ہوا تو اس نے سوال کیا۔

''جب تم سمندر سے زیادہ دیر تک باہر نہیں رہ سکتے ہو، تو کیا یہ تمہارے لیے یہ بہتر نہیں تھا کہ سمندر سے دور رہ کر خودکشی کر لو۔ پھر اس طرح تم نے پچاس برس کیوں گزار دیے؟ اس طرح کی اذیت ناک زندگی سے تمہارا چھٹکارا پانا تو تمہارے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ اس طرح تم اپنی کرب ناک زندگی ختم کر کے سدھار چکے ہوتے۔ بے کیف اور بے لطف کی زندگی کا مزا کیا؟''

''دکھ تو یہی ہے کہ میں اپنا جیون نشٹ بھی نہیں کر سکتا۔'' وہ بولا۔ ''میں نے ہزاروں بار اپنے آپ کو پانی سے دور رکھ کر بھی دیکھا ہے۔ گھنٹوں پانی سے باہر رہا ہوں۔ مگر جب پانی کے بغیر تڑپنے لگتا ہوں، تو پھر کوئی نادیدہ طاقت ایکا ایکی سمندر میں دھکیل دیتی ہے۔ نہ جانے وہ کون سی طاقت ہے۔ جو مجھے نہ تو سمندر کے کنارے سے کہیں دور بھاگنے دیتی ہے، اور نہ ہی مجھے مرنے دیتی ہے۔ مجھے مہاراجا کے الفاظ یاد آتے ہیں۔ اس کی گونج اب بھی سنائی دیتی ہے، کہ تو تڑپے گا۔ اور سدا اس جوان اور سندرتا کو لیے پھرے گا۔ سمندروں میں مارا مارا پھرتا رہے گا۔ مرنے کی کوشش کرے گا، تو کبھی مر نہ سکے گا۔''

''آخر کیا وجہ تھی کہ کامنی تم پر اس قدر مرمٹی تھی؟'' شانتی نے پوچھا۔ ''کیا وہاں جو مرد تھے، کیا وہ خوبصورت اور جوان نہیں تھے؟''

''اس لیے کہ مجھ میں جو جوانی اور وجاہت تھی، وہ کسی جوان میں موجود نہیں تھی۔'' اس نے جواب دیا۔ ''جس لڑکی کی زندگی میں، میں گیا اسے میرے سوا کوئی اور پسند نہیں آتا تھا۔ اس لیے اس بستی کی لڑکیاں میری دیوانی تھیں، اور کامنی میرے حصول کے لیے پاگل تھی۔ لیکن ادھر تین برسوں سے میں نے دنیا کے ساحل سمندروں پر جو نظارے دیکھے، مجھے بے کیف زندگی میں مزا آنے لگا۔ لیکن میں نے تم جیسی سندر دوشیزہ کہیں نہیں دیکھی۔''

''تمہاری کہانی تو نہایت عجیب و غریب ہے۔'' شانتی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ''ایک طرح سے دکھ بھری بھی۔ آخر تم کب تک اس طرح کی زندگی گزارتے رہو گے؟ کیا کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ تم ناکردہ پاپ کی سزا بھگتنے سے بچ جاؤ۔''

اجیت کی رنج و الم کی کہانی سن کر شانتی کا دل بھر سا آیا تھا۔ اس کے جذبات ہمدردانہ سے ہوگئے تھے۔ اس نے سوچا اجیت کی کس طرح سے مدد کی جاسکتی ہے۔ اجیت نے اس کی بات پوری توجہ سے سنی، پھر اس نے کہا۔

''اس سنسار میں ہر بات، ہر چیز اور ہر قسم کے جادو کا توڑ موجود ہے۔ دکھوں اور کٹھنائیوں کے گھور اندھیارے کے بعد سکھ اور چین کا سویرا بھی آتا ہے۔ میرے دکھ کا علاج بھی ہے، اور جس منتر کے جال میں، میں پھنسا ہوں، اس کا توڑ بھی ضرور ہے۔ پرنتو اس سے تمہیں اپنے گھر جانے میں دیر ہو رہی ہے، اور پھر میں پانی سے بہت دیر تک باہر رہنے کے کارن بے کل ہو رہا ہوں۔ اس لیے اب تم اپنے گھر جاؤ۔ اگر سچ مچ اس بدنصیب کی مدد کرنا چاہتی ہو، تو کل شام پھر یہیں آنا۔ پھر میں تمہیں اور باتیں بتاؤں گا، اور طریقے بھی بتلاؤں گا، جن سے تم میرے دکھوں اور زخموں کا علاج کر سکتی ہو۔'' ''کیا تم میری مدد کرو گی؟''

اس نے اجیت کو بے ساختہ جواب دیا۔ ''کیوں نہیں؟ میں تمہاری ضرور مدد کروں گی۔ میں عورت ہوئی تو کیا ہوا۔ اس مصیبت سے ہر قیمت پر نجات دلا کر رہوں گی۔ میں کل شام ضرور آؤں گی۔ تمہارا انتظار کروں گی۔ تم مجھ سے یہیں ملنا۔''

''ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ۔ میں کل تمہارا انتظار کروں گا۔ پرنتو میں تم سے ایک بار یہ بنتی کروں گا کہ میرے بارے میں کسی سے بھی کچھ نہ کہنا۔ کیوں کہ تم ایک حسین اور نوجوان دوشیزہ ہو اور میں ایک مرد۔ تمہاری بدنامی اور رسوائی ہوگی۔'' یہ کہہ کر اجیت ایک دم سے کھڑا ہوگیا۔ پھر اس نے ایکا ایکی سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

وہ شانتی کو کچھ دور تک تیرتا ہوا دکھائی دیا، اور پھر رات کی تاریکی اور سمندر کی گہرائیوں میں غائب ہوگیا۔ وہ ایک جھرجھری لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اجیت کی طرف سے جو خوف اندیشہ تھا، کہ کہیں اسے دبوچ کر اس کی عزت کو پامال نہ کر دے، کیوں کہ وہ اسے آزادی کی حالت میں دیکھ چکا تھا۔ لیکن اجیت نے اسے میلی نظروں سے دیکھا تک نہیں تھا۔ اجیت کے دل میں کوئی کھوٹ اور میلا پن ہوتا، تو وہ اپنی عزت بچا نہیں سکتی تھی۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ وہ کار پارکنگ کی طرف جاتی ہوئی خوف زدہ تھی۔ کہیں اس سے ایک اکیلی عورت کو دیکھ کر کوئی اسے دبوچ نہ لے۔ اس نے ایک ہٹس کے برآمدے میں دو سائے جذباتی حالت میں دیکھے۔ پھر وہ تیزی سے کار پارکنگ لاٹ پر پہنچی۔ پھر اپنی گاڑی میں گھر پہنچی، تو فون کی گھنٹی بجی۔ انوپ کا فون تھا۔ وہ اس کی خیریت دریافت کر رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی اسے ٹیلی فون کر لیتا تھا، اور تھوڑی دیر کے لیے ملنے بھی آجاتا تھا۔

جب وہ سونے کے لیے بستر پر دراز ہوئی' تو چشم تصور میں اجیت کو دیکھ رہی تھی۔ آج وہ ایک مرد کے بارے میں انتہائی جذباتی ہو کر سوچ رہی تھی۔ اس نے کبھی کسی غیر مرد کے بارے میں سوچا نہیں تھا۔ خواب نہیں دیکھا تھا۔ صرف ایک ناگ دیوتا تھا۔ کبھی کبھی اس کا خیال آجاتا' تو وہ اپنے آپ کو اس کے بازوؤں کی گرفت میں محسوس کرتی تھی۔ کچھ دنوں سے اس کا خیال آرہا تھا۔ اس کی طلب اور خواہش ہو رہی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ٹی وی' فلموں اور کیبل میں غیر ملکی چینلز میں جو فلمیں دکھائی جاتی تھیں' ان کے نامناسب مناظر اور پھر نہ صرف ہارر اور پراسرار فلمیں' جن میں تشدد اور عورتوں کے ساتھ زیادتی اور جذباتی کے مناظر ہوتے تھے۔ وقت گزاری کے لیے ٹی وی اور فلمیں بھی دیکھتی تھی۔ اور پھر ان کی سہیلیاں جو شوہروں کی والہانہ اور وارفتگی اور گرم جوش محبت اور ازدواجی تعلقات کے بارے میں بتاتی تھیں' وہ ایسی باتیں ہوتی تھیں کہ ان کا احساس محرومی بڑھ جاتا تھا۔ پھر بھی انہوں نے جذبات پر پہرے بٹھا رکھے تھے۔ کسی مرد کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ لیکن اس عمر میں کچھ دنوں سے انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا' جیسے انہوں نے نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھ دیا ہو۔ آغاز شباب ہے۔ ناگ دیوتا انہیں یاد آتا تھا' کہ کاش! وہ پھر سے مرد کے روپ میں آجائے۔

آج ان کی زندگی میں ایک پراسرار شخص' پراسرار انداز سے آیا تھا۔ اس میں اور ناگ دیوتا میں کتنا فرق تھا۔ جب ناگ دیوتا اس کے سامنے انسان کے روپ میں۔ ایک آدمی کی نگاہوں کی زبان میں کچھ کہتا ہوا آیا تھا۔ لیکن اس وقت ان پر ایک دہشت سی طاری تھی' کہ یہ آدمی جو انہیں سرشار اور آلودہ کر رہا ہے ایک موذی جانور ہے۔ جس نے انسان کا روپ دھارا ہوا ہے۔ انہوں نے اسے دل سے کہاں قبول اور حوالے کیا تھا۔ اگر اس وقت ان کی سمجھ میں یہ بات آجاتی کہ ناگ دیوتا کو جب تک ان کے ساتھ ہے' مرد سمجھ کر قبول کر لیں' تو پھر آرزو باقی نہ رہتی۔ ناگ دیوتا کے ساتھ تین راتیں گزری تھیں۔ نشاط انگیز لمحات میں انہیں یہ احساس ہی نہیں رہا تھا' کہ یہ موذی جانور ہے۔ ناگ دیوتا نے ان سے کہا تھا' کہ وہ صرف تین دن ان کے ساتھ رہے گا۔ اس نے اپنی بات کی نفی نہیں کی تھی۔ لیکن اس کے جانے کے بعد وہ بہت زیادہ خوفزدہ اور پریشان رہی تھی۔ اس لیے نہیں کہ ناگ دیوتا پھر آکر رات ان کے ساتھ نہ رہے۔ بلکہ اس لیے کہ اس نے کہا تھا' کہ وہ سو برس سے انسانوں کا خون پیتا آرہا ہے۔ وہ گھبرا گئی تھیں' لیکن اس سے بھی زیادہ جس بات نے انہیں خوف زدہ کیا تھا' وہ موت کا خیال تھا۔ وہ رات گزاری کے بہانے ان کا سارا خون نہ پی جائے۔ یہ خیال سیاہ اور خوف ناک بھالو کی طرح انہیں ہر وقت ڈراتا تھا۔ وہ ناگ دیوتا کے ہاتھوں موت سے اتنی زیادہ خائف تھی' کہ اکثر سوتے ہی میں نہیں

بلکہ اپنے پتی کے بازوؤں میں ہوتے ہوئے بھی ڈر جاتی تھیں۔ انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا' کہ بستر میں ان کے ساتھ لیٹا ہوا پتی نہیں بلکہ ناگ ہے۔ وہ سوتے میں بھی ڈر جاتی تھیں' اور چونک کر جاگ پڑتی تھیں۔ انہیں محسوس ہوتا تھا' جیسے ایک تیز اور چمک دار چھرا لیے ناگ دیوتا ان کا پیٹ چاک کرتے چلا آرہا ہے۔ وہ جیسے کہہ رہا ہو۔ تمہارے رس بھرے بدن میں جو گرم گرم خون بھرا ہوا ہے میں اسے پینا چاہتا ہوں۔ پھر سوتے میں وہ خواب دیکھتیں کہ ناگ دیوتا ان کا گلا دبا کر اپنے ہونٹ گردن میں پیوست کر کے ان کا خون پانی کی طرح پی رہا ہے۔ جیسے بہت پیاسا ہو۔ ناگ دیوتا ان کے اعصاب پر اس وقت تک چھایا رہا تھا' جب تک انوپ پیدا نہ ہوا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے شریر میں ناگ دیوتا کی روح آگئی ہے۔

لیکن یہ پراسرار شخص کوئی موذی جانور نہ تھا۔ ناگ نہ تھا۔ ایک انسان تھا۔ اس کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی' لیکن وہ بیس برس کے نوجوان کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ بہت ہی خوبصورت تھا۔ یہ پہلا مرد تھا' جس پر پتی کے بعد ان کا دل آیا تھا۔ وہ ایک سو بیس برس کا ہرگز نہ لگتا تھا۔ صرف بیس برس کا' اور ان سے تیس برس چھوٹا تھا۔ وہ اس کے بارے میں جذباتی ہو کر سوچ رہی تھی۔

اس وقت ساری دنیا میٹھی نیند کی آغوش میں تھی۔ دور پولیس آؤٹ پوسٹ میں دو کا گھنٹہ بجا۔ اس کی گونج فضا میں لہرا گئی۔ انہیں نیند کی جھپکی آئی۔ اس ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں انہوں نے دیکھا کہ وہ پراسرار شخص اجیت ان کے چہرے پر جھکا ہوا ہے۔ پھر ان کا سپنا بکھر گیا۔ پھر وہ غیر ارادی طور پر اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ شدت کی پیاس لگی تھی۔ پھر وہ بستر سے اتریں۔ فریج سے پانی کی بوتل نکال کر گلاس بھرا' اور ایک ہی سانس میں حلق سے اتار لیا۔ کتنی شدت کی پیاس تھی۔ پھر بھی انہیں سکون نہیں ملا۔ موسم سرد نہ تھا' لیکن کمرے میں جو ایئر کنڈیشنڈ کی خنکی سردی کی سی تیز کاٹ بن کر ان کے جسم میں اترتی جارہی تھی۔ انہیں ایسا لگا' جیسے ان کا بدن جگہ جگہ سے سوکھ کر شق ہو گیا ہو۔

پھر ان کے دل کے کسی کونے میں اجیت کی یاد آئی۔ دل نے پوچھا۔ تمہیں آخر اس پراسرار شخص کی اتنی فکر اور ہمدردی کیوں ہو رہی ہے؟ اتنی یاد کیوں آرہی ہے......؟ اس لیے کہ وہ ایک دکھی شخص ہے۔ محبت کا مارا ہوا ہے۔ لیکن یہ ہمدردی ہے یا محبت؟ محبت وہ اس کا اعتراف کیے بغیر نہ رہی۔ لیکن وہ تو صرف سرسوتی سے محبت کرتا تھا۔ جب کامنی اس کا دل جیت نہ سکی' تو کیا تم جیت جاؤ گی......؟ کیوں نہیں......؟ کیوں نہیں......؟ میں جب اس سے کہوں گی' تم میری محبت ہو دیوتا ہو۔

◊◊◊

دن جوں توں کر کے انہوں نے کس طرح کاٹا' یہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔ اجیت نے ان پر جو جادو کیا تھا' اس نے ایسا اسیر بنا لیا تھا کہ لمحہ لمحہ صدی بن گیا تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ اجیت نے ملنے کے لیے شام کا وقت طے کیا تھا' وہ دوپہر کے وقت وہاں کچھ دیر ہو کر آئی تھی۔ پھر سہ پہر کے ڈھلتے ہی اپنے دل میں بے چینی' اور بے تابی کا طوفان سمیٹے سمندر کی جانب چل پڑیں۔ جہاں اجیت نے انہیں ملنے کے لیے کہا تھا۔

انہوں نے ڈوبتے سورج کا نظارہ کرنے کے بعد بے مقصد گھوم کر' اور پھر ایک قریبی ریسٹورنٹ میں جا کر خاصا وقت صرف کیا۔ اجیت آٹھ بجے کل ملا تھا۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر وہ ناگ دیوتا اور اجیت کا موزانہ کرتی رہی تھیں۔ ایک عجیب بات' جو انہوں نے ناگ دیوتا اور اجیت میں محسوس کی تھی' وہ یہ تھی کہ ان کی قامت ایک سی تھی۔ ساڑھے چھ فٹ سے زیادہ۔ کیا مشترکہ قامت ماضی میں انسانوں کی ہوتی تھی؟ ناگ دیوتا چالیس برس کے مرد کے بہروپ میں آ گیا تھا۔ اجیت بیس برس کی عمر کے جوان لڑکے میں۔ اس نے اجیت اور ناگ دیوتا کے سامنے کوتاہ قامت محسوس کی تھی۔ وہ جیسے بونوں کی دنیا کی کوئی عورت ہو۔

وہ ٹھیک آٹھ بجے سمندر کے کنارے دھڑکتے دل کے ساتھ پہنچی۔ اسے وہاں اجیت کا زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد کنارے کے قریب سمندر کے ٹھہرے ہوئے پانی میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی۔ اجیت کا خوب صورت چہرہ' اور مضبوط جسم کا سراپا ابھرا۔ وہ اس کے قریب بے تکلفی سے اس طرح بیٹھ گیا' جیسے اس کی کمر میں بانہیں ڈال کر سمیٹ لے گا۔ لیکن اجیت نے ایسی کوئی نازیبا حرکت نہیں کی' جب کہ وہ اسے پیاسی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ اجیت نے پل بھر کے توقف کے بعد کہا۔

''تم آ گئیں......؟ مجھے آشا تھی کہ تم ضرور آؤ گی؟ پرنتو یہ عجیب سی بات ہے' کہ میں تمہیں اپنی پوری جیون کتھا سنا چکا ہوں' اور تم سے کوئی بات نہیں چھپائی' اور تمہیں میرے بارے میں

سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔ مگر تم نے مجھے اپنا نام نہیں بتایا؟ کیا نام ہے تمہارا؟''

''عورت کا نام عورت ہوتا ہے۔'' وہ ہنس کر بولی۔ ''نام میں کیا رکھا ہے؟ میں تمہیں اپنا نام بتاتی ہوں۔ میرا نام شانتی ہے۔''

''شانتی! میری پیاری شانتی! جب سے تم نے یہاں آتما کی شانتی کے لیے آنا شروع کیا ہے' تب سے میں بھی آ رہا ہوں۔ تم یہاں پہلی بار جس روز آئی تھیں' اس روز تم نے کھلے سمندر میں بڑی دیر تک اور سکون و اطمینان سے نہایا تھا' اور ایک مچھلی کی طرح اندر اور سطح پر تیرتی رہی تھیں۔ اتفاق سے میں ادھر آ نکلا تھا۔ میں تمہیں پہلی نظر میں دیکھ کر اپنا سب کچھ مان بیٹھا' اور پھر اس روز کے بعد سے میں ساگر کی گہرائی سے نکل کر تمہیں روز ہی دیکھتا آ رہا ہوں۔ پتا نہیں تم نے مجھ پر کیا جادو کر دیا۔ مجھے تمہارے بارے میں کچھ بھی پتا نہیں ہے۔ مگر میں کیول اتنا جانتا ہوں' کہ میں تم سے پریم کرتا ہوں۔ سچا اور امر پریم۔ اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ پریم کے پھول اپنی جھولی میں ڈالو یا انہیں اپنے چرنوں تلے روند ڈالو۔ تم یہ نہ کہنا کہ مجھے تمہاری نوجوانی اور حسن وشباب' اور جسم کے تناسب اور خطوط نے محبت کرنے پر اکسایا ہے۔ محبت تو اندھی ہوتی ہے نا؟''

اجیت نے اس خوبصورت انداز سے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا' کہ وہ بے خودسی ہو گئی۔ اس کے پیار بھرے الفاظ میں جادو تھا۔ اس کے رس بھرے لہجے میں جیسے سات سُر بول رہے تھے۔ ہر سُر میں محبت بھرا نغمہ رچا ہوا تھا۔ شانتی کو اندازہ نہ تھا' کہ اجیت کے دل میں محبت کی آگ جل رہی ہے۔ اجیت اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ دل کی بات زبان پر لے آیا۔

اور پھر سب سے بڑی بات یہ تھی' کہ اجیت کا پانی میں بھیگا ہوا خوبصورت اور مضبوط بدن' اس کی قامت اور محبت بھری نظریں اسے مدہوش کرنے کے لیے کافی تھیں۔ اس نے دیوانہ وار اجیت کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر اسے دلاسا دیا' اور اس کے ہونٹوں پر اپنے ہونٹوں سے مہر محبت ثبت کر دی۔ محبت کا یہ انداز بڑا بھرپور اور جذباتی تھا۔ شانتی نے اس جذباتیت میں پہل کی تھی۔ پھر اس نے پوچھا۔

''ہم کس طرح ایک دوسرے کے ہو سکتے ہیں اجیت۔'' کیا ایسی کوئی تدبیر یا ذریعہ ہے جس سے تم اس منتر کے جال سے باہر نکل سکتے ہو؟''

اجیت اپنی محبت کا جواب والہانہ انداز سے پا کر بہت خوش ہوا تھا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے مہر محبت ثبت کرنے کے بعد کہا۔

''شانتی! تم چاہو تو میں اپنے اس دکھی جیون سے چھٹکارا پا سکتا ہوں۔ چھٹکارا پانے کی صورت میں ساگر سے باہر آ کر میں تمہارا ہو کر رہ سکتا ہوں۔ اس طرح میرے جیون کے سو برس

کم ہو جائیں گے اور میں اپنی بیس برس کی عمر سے اپنا اصل جیون شروع کرسکتا ہوں اور میں تمہارا بن سکتا ہوں۔ تم سولہ برس کی ناری کی طرح ہو جاؤ گی۔ تمہارا کنوار پن لوٹ آئے گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ تمہاری عمر اصل میں کیا ہے۔ لیکن مجھے عمر سے کیا لینا دینا ہے۔ میں زندگی کی آخری سانس تک تمہاری چرنوں میں رہ کر سیوا کرتا رہوں گا۔"

"یہ تم نے کیسے اندازہ کیا کہ میں ایک کنواری لڑکی نہیں ہوں؟" شانتی نے حیران ہو کر سوچا۔ جب کہ اس نے اپنی عمر اور بیٹے کے بارے میں اسے نہیں بتایا تھا۔ اجیت نے نہ تو پوچھا تھا' اور نہ ہی اس کی نوبت آئی تھی۔ کیا جادو کے زور......؟"

"میں نے دنیا کے ساگروں کے کنارے تیرہ برس سے بیس برس کی لڑکیوں کو دیکھا۔" اس نے جواب دیا۔ "تمہاری دنیا میں سنا ہے کہ بہت کم لڑکیاں کنواری ہیں۔ آزادی نے انہیں بے لگام کر دیا ہے۔"

"یہ بات تم نے کس سے سنی؟" شانتی حیران ہو کر بولی۔ "جبکہ تم پچاس برسوں سے ساگروں میں مارے مارے پھرتے رہے ہو۔"

"میں نے ایک ساحل سمندر پر ایک مرد اور چودہ برس کی لڑکی کو باتیں کرتے سنا تھا۔" اجیت نے کہا۔ "مرد نے اپنی محبوبہ سے کہا تھا' کہ تم ہندوستانی لڑکیاں بڑی ستی ساوتری بنتی ہیں۔ اب وہ ہندوستان نہیں رہا' جو تیس چالیس برس پہلے ہوتا تھا' اور نہ ہی وہ لڑکیاں اور عورتیں رہی۔ مغرب کے رنگ میں آج نوجوان لڑکیاں رنگ کر عزت کھوتی پھر رہی ہیں۔ میں نے جو سارے ہندوستان میں سروے کیا ہے' اس سے یہ معلوم ہوا کہ دس میں سے صرف دو لڑکیاں باعزت ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اس نے بتایا کہ وہ بارہ برس کی عمر سے مردوں کو خوش کرتی پھر رہی ہے۔ شاید تم بھی کنواری نہیں ہو؟"

"تم نے کہا کہ میرا کنوار پن لوٹ آئے گا؟ وہ کیسے......؟" شانتی نے تجسس سے پوچھا۔ "کیا میں کنواری لڑکی جیسی ہو جاؤں گی؟"

"میں نے غلط نہیں کہا۔" اجیت نے کہا۔ "ہماری نگری کی لڑکیاں جب اپنا کنوار پن نچھاور کر دیتی تھیں' اس کے دوسرے دن ہی ان کا کنوار پن لوٹ آتا تھا۔ وہ پھر سے کنواری بن جاتی تھیں۔ ہماری آبادی جو اب اجڑ چکی ہے' وہاں ایک کالا درخت ہے۔ لیکن اس درخت کے پھول سفید ہوتے ہیں۔ ایک پھول کھانے سے لڑکی، عورت سے نہ صرف پھر سے کنواری بن جاتی تھی' بلکہ اس کا حسن اور نکھر جاتا تھا۔ وہ اتنی حسین بن جاتی تھی' کہ اسے یقین نہیں آتا تھا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا تم واقعی کنواری لڑکی ہو؟"

"ہاں" شانتی کے منہ سے غیر اختیاری طور پر نکل گیا۔ اسے اس بات پر افسوس ہوا کہ اس نے جھوٹ کیوں بولا۔ پھر وہ بولی۔ "یقین نہیں آتا کہ ایک عورت، لڑکی اپنا سب کچھ کھونے کے بعد اسے پھر سے پالے۔ یہ ناممکن سی بات ہے۔"

"میں تمہیں اس کا ثبوت دوں گا۔ تم آزما کر دیکھ سکتی ہو؟ کیا تم آزمانے کے لیے تیار ہو؟" اجیت نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ "تم ایک بار آزما کر دیکھو۔ میری بات کی سچائی کا یقین آ جائے گا۔"

"ہاں...... ہاں...... نہیں...... نہیں......" وہ گڑبڑا سی گئی۔ پھر قدرے تذبذب سے بولی۔ "تم اس شراپ سے نجات پانے کی بات کر رہے تھے۔ یہ تم کیا بات لے بیٹھے؟ مجھے آزمانا نہیں ہے۔"

"اس میں گھبرانے اور پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟" اجیت نے ہنس کر کہا۔ "آخر ایک نہ ایک دن عورت کو اپنے کنوار پن سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ سفید فام اور سات سمندر کی عورتیں، لڑکیاں بڑی خوشی، مرضی اور فخر سے اپنا کنوار پن لٹاتی ہیں۔ ان کے نزدیک کنواری ہونا بے عزتی کی بات ہے۔ گو ہندوستان میں بھی بہت کم لڑکیاں کنواری ہوتی ہیں۔ میں نے دو تین ایسی لڑکیاں دیکھیں' جنہوں نے اپنا کنوار پن بچانے کے لیے سمندر میں کود کر اپنی جان دے دی۔ آخر یہ کنوار پن کیا بلا ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں کی کسی لڑکی نے اسے بچانے کے لیے اپنی جان قربان نہیں کی۔ نہ کنوار پن کے بارے میں کچھ سوچتی ہیں۔"

"جب کبھی ضرورت محسوس ہوئی تو میں تمہاری بات کی سچائی کا یقین کرنے کے لیے آزما کر دیکھوں گی۔ اچھا اب تم اپنی آزادی کی بات کرو۔" شانتی نے موضوع بدلا۔ "تم کس طرح سے آزادی حاصل کر سکتے ہو؟"

"لیکن تم یہ بتاؤ کہ کیا تم مجھ سے سچی محبت کرتی ہو؟" اجیت نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"میں نے اپنی سچی محبت کے اظہار میں جو پیش قدمی کی' اور تم نے بھی اس کا جواب دیا۔ ہم دونوں نے مہر محبت ثبت کی کیا یہ کافی نہیں؟"

"نہیں......" اجیت نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "محبت بلیدان کو مانتی ہے۔ کیا تم بلیدان دے سکو گی؟"

"کیوں نہیں۔" شانتی نے سر ہلایا۔ "تم جس بلیدان کے بارے میں کہو گے' میں تمہاری خاطر دینے کے لیے تیار ہوں۔ میں سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"کہنا بہت آسان ہے' لیکن بلیدان آسان نہیں ہے۔" اجیت نے کہا۔ "دنیا میں سب

سے مشکل کام بلیدان دینا ہوتا ہے۔"

"میں تمہارے لیے بلیدان کیا' اپنی جان تک دے سکتی ہوں۔" شانتی جذباتی ہو کر بولی۔

"بتاؤ وہ کیا بلیدان ہے؟ دیکھو۔ میں وہ بلیدان دے سکتی ہوں جو تم چاہتے ہو۔ میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔" شانتی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اب مجھے تمہاری بات اور بے غرض محبت کا یقین آگیا۔" اجیت نے اس کے ہاتھ کی پشت پر بوسہ ثبت کر کے کہا۔ "تم نے یہ شبدھ کہہ کر نہ صرف میرا بلکہ محبت کا مان رکھ لیا۔ میں یہ جانتا تھا کہ تم میرے وشواش کو ٹھیس نہیں پہنچاؤ گے۔ میں جو تم سے اس شراپ کے توڑ کے لیے جس بلیدان کے لیے کہہ رہا ہوں' وہ کوئی بہت بڑا بلیدان نہیں ہے۔ تمہیں صرف سات دن بلیدان دینا ہے۔ چھوٹا سا بلیدان۔"

"کیسا بلیدان......؟" شانتی نے اس کی سحر زدہ آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے پوچھا۔ "تم بلا خوف و جھجک بتا دو۔ میں پوری طرح تیار ہوں۔"

"کچھ دیر صبر کرو میں بتاتا ہوں۔" اجیت نے کہا۔ "ان سات دنوں میں جو کچھ بھی کہوں گا وہ تم کرو گی۔ کسی بھی بات سے انکار نہیں کرو گی۔ سات دنوں تک چھوٹا بلیدان دینے کے بعد میں شراپ سے نکل جاؤں گا۔ پھر میں ساگر سے سدا کے لیے نجات پا کر تمہارا ہو جاؤں گا۔"

"مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے' اور مجھے تمہاری کسی بات سے انکار نہ ہوگا۔" شانتی نے اس کی تفصیل پوچھے بغیر ہی اسے جواب دیا۔

"ایسی بات ہے تو یہ سمجھو کہ ہم دونوں جیون کے بندھن میں ایک ہو گئے۔" اجیت نے کہا۔ "آج ہماری محبت کی رات ہوگی۔ بلیدان دینے سے پہلے ہم سات دنوں تک محبت بھری راتیں منائیں گے۔ یہ محبت کا پہلا ٹھوس ثبوت ہوگا۔"

اجیت میں ایسا سحر تھا کہ وہ اس کی محبت کی اسیر بن گئی۔ وہ اس پر مہربان ہو گئی' کسی بدلی کی طرح بن کر چھا گئی۔ اپنے آپ کو پوری طرح اس کے حوالے کر دیا۔ اپنی آتما' محبت اور تمام جذبات سونپ دیئے۔ یہ پہلا مرد تھا' جو اس کی زندگی میں آیا تھا۔ ایسی محبت اس کی زندگی میں نہیں آئی تھی۔ اجیت نے اس پر جیسے جادو کر دیا تھا۔

اجیت نے کہا۔ "میں یہ چاہتا ہوں کہ آج کی رات سے ہی ہم بلیدان کا آغاز کر دیتے ہیں۔ اس شبھ کام میں دیر نہیں کرنا ہے۔ کیوں کہ ایک ایک دن کی دیری صدی کی طرح بھاری ہوگی۔ جو ہم دونوں کے لیے اذیت ناک ہوگی۔"

اتنا کہہ کر اجیت اٹھ کھڑا ہوا۔ شانتی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ شانتی کی طرف اس نے اپنا ہاتھ

بڑھایا تو شانتی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر وہ دونوں سمندر کے کنارے پتھروں پر چلنے لگے۔ رات کی تاریکی میں وہ شانتی کو لئے راجہ گھاٹ پر پہنچا۔ راجہ گھاٹ کے دروازے پر پہنچ کر اجیت رک گیا۔ ایک لمحے کے لیے شانتی کے سارے جسم میں خوف کی ایک لہر اٹھی۔ راجہ گھاٹ کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور تھیں۔ اسے بدروحوں کا مسکن کہا جاتا تھا۔ یہاں کئی قتل ہوئے تھے۔ مقتولوں کی روحیں گھومتی تھیں۔ اس لیے اس طرف کوئی نہیں آتا تھا۔ چوں کہ اجیت پراسرار ہستی تھی' اور وہ جادو منتر جانتا تھا' اس لیے شانتی کا خوف دور ہو گیا۔

"راجہ گھاٹ۔ دو سو برس قبل ایک راجہ نے بنایا تھا۔ وہ اپنی مہارانی کے ساتھ چاندنی راتوں میں آیا کرتا تھا۔ گھاٹ کا بڑا چوبی نقش و نگار والا دروازہ بند تھا۔ اجیت نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا۔ وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ گھاٹ میں گھرا اندھیرا اور سکوت تھا۔ اس نے اجیت کا ہاتھ تھام رکھا تھا' اور اجیت کا ایک ہاتھ اس کی کمر کو حلقے میں لیا ہوا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بے انتہا قریب تھے۔ شانتی اس کے کندھے پر سر رکھے ہوئے تھی۔ اجیت اسے گھاٹ کی سیڑھیوں تک لے گیا۔ پھر وہ دونوں گھاٹ پر بنی ہوئی پتھر کی لمبی لمبی سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اترتے رہے اور آخری سیڑھی پر پہنچ کر رک گئے۔ اس آخری سیڑھی کے بعد سمندر کی حد شروع ہو جاتی تھی۔

اس سیڑھی سے سمندر کا پانی ٹکرا ٹکرا کر اسے تقریباً پانی میں ڈبوئے ہوئے تھا۔ اجیت میری بات غور سے سنو۔

"میں تمہیں آج سے پہلے کئی بار سمندر میں تیرتے دیکھ چکا ہوں۔ اب ہم دونوں پریمی ہیں۔"

اس کا مضبوط اور کسرتی بدن بے انتہا پرکشش دکھائی دیتا تھا۔ مضبوط اور چوڑا چکلا سینہ' غیر معمولی بلند قامت جس نے اسے دیو مالائی کہانیوں کا راج کمار بنا دیا تھا۔ اور پھر شانتی نے محسوس کیا کہ اندھیرے میں اس کا گورا بدن منجمد دودھیا چاندنی لگ رہا ہے۔

"اب یہاں اس آخری سیڑھی پر بیٹھ کر اشنان کرو۔" اجیت نے کہا۔ "اشنان بہت ضروری ہے تاکہ ہم پوتر ہو جائیں۔"

شانتی آخری سیڑھی پر بیٹھ کر اشنان کرنے لگی' تو اجیت بھی اس کے پاس بیٹھ کر اشنان کرنے لگا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو اشنان کرانے لگے۔ جب وہ دونوں اشنان کر چکے' تو اجیت نے اس سے کہا۔

"اب تم میرے ساتھ تیرتی ہوئی اس چٹان تک پہنچو۔ وہاں ابھی اور اسی وقت جانا ہے۔"

"میں سمندر میں نہاتی رہی ہوں اور نہا سکتی ہوں۔ تیرنا معمولی سا آتا ہے۔ کبھی زیادہ دور اور تیز لہروں میں تیرتی نہیں ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" اجیت نے بے پروائی کے انداز سے کہا۔ "تم سمندر میں چھلانگ لگاؤ۔ باقی میں دیکھ لوں گا۔"

شانتی نے نہ جانے کس جادوئی اثر کے تحت بڑی سرعت کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگائی' اور ایسا ہی اجیت نے بھی کیا۔ سمندر میں کودتے ہی شانتی نے ہاتھ پیر مارنے شروع کیے۔ شانتی اجیت کے بہت قریب تھی' اور وہ شانتی کو سہارا دے کر سمندر کی لہروں میں دھکیلے جا رہا تھا۔ وہ اسے تیرنے میں مدد دے رہا تھا۔ مگر اس وقت شانتی کو ایسا محسوس ہوا تھا' کہ وہ بہت اچھا تیرنا جانتی ہے۔ ایک پیراکی کی سی مہارت رکھتی ہے۔ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ پانی میں غوطے لگاتی اور بڑے آرام سے تیر رہی تھی۔ کبھی اسے ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

گھاٹ سے تقریباً دو ایک فرلانگ تک وہ دونوں اسی طرح تیرتے ہوئے سمندر میں ابھری ہوئی ایک بڑی چٹان تک پہنچے۔ شانتی جہاں بیٹھ کر سمندر کا نظارہ کرتی تھی' اسے یہ پراسرار اور سرسبز و شاداب چٹان نظر آتی تھی۔ اس میں کچھ ایسی خوبصورتی تھی' کہ اسے کشاں کشاں اپنی طرف کھینچتی تھی۔ وہ اس بات پر حیران ہوتی تھی' کہ ساحل سمندر پر جو لوگ اور جوڑے سیر و تفریح کرنے آتے ہیں۔ اس چٹان پر تفریح کرنے کیوں نہیں جاتے ہیں۔ جب کہ موٹر بوٹس بھی موجود ہیں۔ دور سے دیکھنے پر یہ چٹان چاروں طرف سے سمندر میں گھرا ہوا چھوٹا سا جزیرہ دکھائی دیتی ہے۔ یہاں پہنچنے کے بعد اسے پتا چلا کہ لوگ جزیرے پر کیوں نہیں آتے۔ اس چٹان پر اُگی ہوئی خاردار جھاڑیاں' اور طرح طرح کے جنگلی پودے دیکھ کر اسے ایک عجیب طرح سی وحشت ہونے لگی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس حالت میں چٹان پر پہنچنا تھا۔

اجیت اور شانتی چٹان پر پہنچے اور پھر جھاڑیوں کو روندتے ہوئے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے چلے جا رہے تھے۔ شانتی کے جوان اور گداز بدن کا قرب اجیت کو دیوانہ بنائے دے رہا تھا۔ پھر وہ ایک خوبصورت اور سرسبز و شاداب' بہت بڑے قطعہ پر پہنچے' جس کا ماحول بڑا خواب ناک تھا' اور فضا رومان پرور معلوم ہوتی تھی۔ ہوا بھی بڑی فرحت بخش تھی۔ زمین پر جو لمبی لمبی گھاس تھی' وہ ریشم جیسا گداز لیے ہوئی تھی۔ اجیت نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔

ان دونوں کا سانس پھولا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد جب ان کی سانسیں بحال ہوئیں' تو اجیت اس کے بالکل قریب آ کر بولا۔

"میں اب بتاتا ہوں کہ تمہیں کیا بلیدان کرنا ہے۔ تم کو بالکل بھی نہیں گھبرانا ہے۔ میں

تمہارا اس طرح سے تھوڑا سا خون پیوں گا کہ تمہیں بالکل بھی خبر اور احساس نہیں ہو گا۔ یہ سلسلہ صرف سات دن تک رہے گا۔ آخری رات ساتویں دن کی ہو گی۔ مجھے مندر کے ایک پجاری نے اس شراپ کا توڑ بتایا تھا' کہ میں کسی نوجوان کنواری دوشیزہ یا وہ عورت جو بیس برس سے مرد کے بغیر زندگی گزار رہی ہو' سات دن تک رات کے سمے خون پیئوں۔ آخری رات یہ منتر پڑھوں۔ اس نے جو منتر بتایا' وہ میرے ذہن میں ہے۔ میں اس شراپ سے نکل جاؤں گا' اور بیس برس کا نوجوان رہوں گا۔ پھر میں سدا کے لیے تمہارا ہو جاؤں گا۔ پھر ہم دونوں جوان اور ایک نئی حسین اور خواب ناک اور رنگین زندگی کا بھرپور لطف اٹھائیں گے۔ دیوتاؤں کا آشیرواد ہمارے ساتھ رہے گا۔ اب نہ تو وہ مہاراجا ہے اور نہ کامنی' نہ ہی سرسوتی۔ لیکن صرف شراپ رہ گیا ہے۔"

شانتی نے اس کی باتیں سن کر ایسا محسوس کیا' جیسے وہ مسحور سی ہو رہی ہو۔ ساحل سمندر پر جوانیوں نے محبت اور جذبات کی کیفیت کی حالت میں وقت گزارا تھا' جسے اجیت نے دیوانہ بنا دیا تھا۔ اس پر کسی پرانی شراب کا سا نشہ چھایا ہوا تھا۔ انگ انگ میں ابھی بھی مستی بھری ہوئی لگ رہی تھی۔ شانتی کو اس وقت اپنے خون پلانے کا تصور کچھ تعجب خیز معلوم نہ ہوا۔ وہ بے خوف سی تھی۔ مستی اور سرور کے عالم میں ڈوبی جا رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اسے اپنا بیٹا انوپ کمار یاد آ گیا' جو اس کی ملازمہ کا لہو پی چکا تھا۔ لیکن یہ انوپ کمار نہ تھا۔ پھر اس نے اجیت کمار کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔

"کیا تمہیں ان پچاس برسوں میں ایک دوشیزہ' اور ایسی عورت نہیں ملی' جس نے خون کا بلیدان نہیں دیا؟"

"بہت ساری دوشیزائیں اور عورتیں' جن سے میرا واسطہ پڑا وہ محبت کی بھوکی نہیں تھیں' بلکہ انہیں دولت کی ہوس تھی۔" اجیت نے جواب دیا۔ "جب بھی میں نے ان سے بات کی' ان کا یہ کہنا تھا کہ دریا اور سمندر کی تہ سے موتی لا کر دو۔ ہزار سے کم موتی نہ ہوں۔ اصل میں مجھے صرف عورت اور جسم کی طلب نہیں اس کی محبت چاہیے۔ وہ سب خود غرض اور مطلبی تھیں اور پھر آبرو باختہ بھی۔"

"مجھے بلیدان دینا منظور ہے۔ منظور ہے۔" شانتی ایک دم سے اس کے گلے میں جھول کر بولی۔ "اجیت! تم نے اور تمہاری محبت نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔ تم جتنا چاہو۔ میرا خون پی لو۔ تم میرے ہو۔ میں تمہیں حاصل کر کے رہوں گی۔"

شانتی نے بے خودی کی سی حالت میں کہا تھا۔ یہ الفاظ اس کی زبان سے غیر اختیاری طور پر نکلے تھے۔ جسے سمجھنے سے وہ خود قاصر تھی۔ اجیت یہ الفاظ سن کر خوش ہو گیا تھا۔ اس کے لیے یہ

جواب جیسے غیر متوقع تھا۔

"شانتی! شانتی!" اجیت نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں قید کرلیا۔"اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے تم سے جدا نہیں کرسکتی۔ تم کتنی اچھی اور پیاری ہو۔ میری جان! میری محبت! میرے دل کی رانی!"

اجیت نے اس کی گردن پر اپنے ہونٹ پیوست کردیئے' تو وہ بے خود اور بے تاب سی ہونے لگی۔ اس نے ایسا محسوس کیا کہ اس کی گردن میں انجکشن کی سوئی داخل ہوگئی ہو۔ لیکن اسے ذرا برابر بھی تکلیف نہیں ہوئی۔ اجیت کے دانت سوئی بن گئے تھے۔ وہ اس کی گردن سے خون چوستا رہا۔ شانتی نے اتنا محسوس کیا کہ اس کے بدن سے صرف لہو کی ایک بوند اجیت کے منہ میں گئی ہے۔ مگر اجیت تو غٹا غٹ اس کا خون پی رہا تھا۔ پھر اس نے ایک دم سے اپنا منہ شانتی کی گردن سے ہٹایا تا کہ شانتی کو احساس نہ ہوجائے۔ وہ مدہوشی کے باعث کچھ محسوس نہیں کر رہی تھی۔

شانتی تھوڑی دیر تک بے ہوشی کی سی حالت میں رہی تھی۔ اس نے اپنے پورے جسم میں نقاہت سی محسوس کی۔ اس کا سارا بدن ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر اجیت کی طرف دیکھا' جو اس کے رخساروں کو تھپتھپا رہا تھا۔ اس نے اجیت سے کہا۔

"یہ مجھے کیا ہوگیا؟ کیا میں بے ہوش ہوگئی تھی؟ یہ مجھ پر نڈھال پن کیوں طاری ہے؟ بڑی نقاہت محسوس ہورہی ہے۔"

"اجیت اس کے خون سے اپنی پیاس بجھانے پر بے انتہا خوش تھا۔ وہ اپنی اس کامیابی پر فاتحانہ انداز سے مسکرا رہا تھا۔ شانتی اندھیرے میں اس کے بشاش چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے پر جھک گیا۔ چند لمحوں کے بعد سر اٹھا کر بولا۔

"تم بے ہوش نہیں' بلکہ مدہوش ہوگئی تھیں۔ یہ تھکن نہیں' بلکہ سرشاری کی کیفیت تھی۔ نشہ سا تم پر چھایا ہوا ہے۔"

"کہیں تم نے میرے جسم کا سارا لہو تو نہیں پی لیا؟" شانتی نے مشکوک ہوکر پوچھا۔"مجھ میں اٹھنے کی سکت نہیں ہے۔"

"نہیں۔" اجیت نے اس کا رخسار تھپتھپاتے ہوئے جواب دیا۔"انسانی لہو کوئی پینے کی چیز ہے۔ یہ کوئی شراب یا مشروب ہے۔ میں نے صرف دو تین قطرے پیئے۔ ویسے میں نے تمہارے خون میں ایک عجیب سی بات محسوس کی۔"

"وہ کیا......؟" شانتی نے حیرت اور تجسس بھرے لہجے میں دریافت کیا۔"کہیں کوئی

پریشانی کی بات تو نہیں تھی؟"

"تمہارے خون کا ذائقہ اور اس جیسی لذت میں نے دنیا کی کسی چیز میں محسوس نہیں کی۔" اجیت نے کہا۔"دل یہ چاہ رہا تھا کہ تمہارا سارا خون پی جاؤں۔ انسانی خون میں اتنی لذت ہوگی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس پجاری نے مجھ سے کہا تھا کہ دو تین قطرے سے زیادہ نہیں پینا۔ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ میں ابھی تمہاری کمزوری دور کیئے دیتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر اجیت جھاڑیوں کے پاس گیا۔ وہاں ایک کالا درخت تھا' جس کی ٹہنیوں پر سفید پھول جگنو کی طرح چمک رہے تھے۔ اجیت نے ایک بڑا سا پھول توڑا۔ پھر اس نے شانتی کے پاس آکر منہ کھولنے کے لیے کہا۔ پھر اس نے پھول کو شانتی کے منہ میں ڈال کر کہا۔

"اسے خوب اچھی طرح چبا کر اس کا رس پی جاؤ اور اسے نگل لو۔ نہ صرف تمہاری ساری کمزوری دور ہوجائے گی' بلکہ تم اپنے آپ کو ایک کنواری دوشیزہ کی طرح محسوس کروگی' اور پھر تم میں ایسی توانائی لوٹ آئے گی' جو تم نے کبھی محسوس نہیں کی ہوگی۔"

اجیت نے یہ بات غلط نہیں کہی تھی۔ اس پھول کے رس اور اس کی پتیوں میں ایسی تاثیر تھی' کہ اس کے حلق میں سے پھول اور پھول کا رس اترتے ہی اس نے اپنے آپ کو ایک دوشیزہ کی طرح محسوس کیا۔ کمزوری اور نقاہت کا دور دور تک پتا نہیں تھا' اور اس کے سارے بدن میں ایک نیا خون رقص کرنے لگا۔ پھر وہ مستی بھری توبہ شکن انگڑائی لے کر اٹھی اور اجیت سے بولی۔

"میرے پیارے! یہ کون سا اور کیسا پھول ہے؟ پھول تو خوشبودار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ پھول تو بڑا عجیب اور خوشبودار ہے۔ اس کا رس میرے منہ میں لذیذ ترین ذائقے کی طرح بس گیا ہے۔ اس نے دنیا بھر کی توانائی میرے منہ میں گھول دی ہے۔ کیا میں ایک اور پھول کھا سکتی ہوں؟ اس کا رس پی سکتی ہوں۔ اس نے میری پیاس اور طلب بڑھا دی ہے۔"

"کیوں نہیں۔" اجیت تین چار پھول اور توڑ کر لایا۔ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اس پھول میں دنیا کا سب سے انوکھا اور لطیف سا انمول امرت ہے۔ جو انسان کو نہ صرف ایک نئی شکتی، نیا جیون دیتا ہے بلکہ کسی بھی عمر کی عورت کو دوشیزہ بناتا' اسے نوجوان اور شباب کے کیف سرور سے ہم کنار کرتا ہے۔"

وہ پھول کھاتے ہی' ان کا رس پیتے ہی شانتی نے ذائقہ کی شدت سرور سے آنکھیں موند لیں۔ پھر اس نے اپنا سر اجیت کے سینے پر رکھ دیا۔ اجیت میٹھی میٹھی پیار بھری باتیں کرتا رہا۔



کچھ دیر بعد وہ دونوں خواب شیریں سے جاگے۔ شانتی نے اس بھول کے کارن اپنے آپ میں ایک دوشیزہ کی سی کیفیت محسوس کی تھی۔ اجیت میں بھی ایک نوجوان لڑکے کی سی بات تھی۔ اس نے ناگ دیوتا کے تاثر اور یاد کو دھندلا دیا تھا۔ ماند کر دیا تھا۔ ناگ دیوتا کے ساتھ گزرے لمحات آج تک بھول نہ سکی تھی۔ جو اس نے انسان کے روپ میں ایک غیر معمولی جوان مرد بن کر گزارے تھے۔ شانتی کا دل اس کے جادو کے زیر اثر گھر جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ پو پھٹنے تک رہنا چاہتی تھی۔ ابھی اس کا دل بھرا نہیں تھا۔ اس پر تھکن اور نقاہت طاری نہیں تھی۔ کیوں کہ جذبات کی رو میں اجیت نے اس کا لہو نہیں پیا تھا۔

"اب تم گھر جاؤ شانتی۔" اجیت نے اس کے بکھرے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں بہت دیر ہو جائے گی۔ رات خاصی ڈھل چکی ہے۔"

"میں ابھی گھر نہیں جانا چاہتی۔" شانتی نے اسے پیاسی نظروں سے دیکھا۔ "میں چاہتی ہوں صبح کا اجالا ہونے تک رہوں۔"

"کاش! ایسا ممکن ہوتا؟" اجیت نے کہا۔ "دل تو میرا بھی نہیں چاہ رہا ہے، کیوں کہ تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔ تمہارا حسن و شباب اور محبت کا والہانہ انداز، وارفتگی نے مجھے پاگل کر دیا۔ کامنی اور سرسوتی میں بھی یہ بات نہیں تھی۔ اب میں زیادہ دیر تک پانی سے باہر نہیں رہ سکتا۔ آؤ واپس چلیں۔ تم اپنے گھر جاؤ اور میں سمندر میں جاؤں۔"

پھر وہ دونوں تیر کر واپس راجہ گھاٹ آئے۔ پھر دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے راجہ گھاٹ کے صدر دروازے پر آئے اور پھر باہر نکل گئے۔ رات زیادہ بیت چکی تھی۔ اجیت نے اسے بڑے جذباتی انداز سے رخصت کیا۔ پھر کل ملنے کا وعدہ کر کے سمندر میں چھلانگ لگانے کے لیے بڑھا۔ شانتی نے چند قدم طے کیے تھے کہ اجیت نے اسے آواز دی۔ شانتی نے رک کر اس کی طرف دیکھا، تو وہ اس کے پاس آ کر بولا۔

"جان من! میں تمہیں ایک بہت ہی ضروری بات بتانا بھول گیا۔ اب جبکہ تم نے مجھے نیا جیون دینے کے لیے بلیدان کا بیڑہ اٹھایا ہی ہے، یہ خیال رہے کہ تمہیں ابھی چھ راتیں اور لگاتار صرف چھ راتیں اور آنا ہوگا۔ میرے پاس۔ آندھی، طوفان آئے اور بارش ہی کیوں نہ ہو۔ یعنی تم کسی رات بھی ناغہ نہیں کرو گی۔ حالات کیسے بھی کیوں نہ ہوں۔ تمہیں ہر قیمت پر بلیدان کے لیے میرے پاس آنا ہے۔ کیوں کہ جس رات تم نہیں آؤ گی، ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری آخری رات ہو۔ مجھے نیا جیون دینے کے بجائے تم اپنے ہی جیون سے ہاتھ دھو بیٹھو۔ دراصل یہ بات تمہارے بلیدان دینے سے پہلے مجھے بتانا تھا، لیکن تمہارے حسن و شباب کے سحر نے ایسا گرفتار کیا، کہ میں بتا نہ سکا۔ مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ شما کر دو۔ اس شراپ کا یہ اصول ہے۔"

"تم کسی بات کی چنتا نہ کرو اجیت!" شانتی نے اسے دلاسا دیا۔ "صرف چھ راتوں کی بات ہے۔ اگر چھ ہفتوں کی بھی بات ہوتی، تو میں ایک دن بھی ناغہ نہیں کرتی۔ جب میں نے تم سے وعدہ کیا، اور وچن دیا ہے، تو اسے ضرور نبھاؤں گی۔ تم میرا پیار ہو، میری جان۔ آج تم نے مجھے جس محبت، والہانہ پن اور جذبوں سے آشنا کیا ہے، میں ان سے یکسر محروم رہی تھی۔ تمہاری سرفرازی نے میرا دل جیت لیا ہے۔"

جب شانتی گھر آ کر بستر پر دراز ہوئی، تو اس کی نس نس میں ایک عجیب سی مستی اور خون رقص کر رہا تھا۔ اجیت ایک بیس برس کے نوجوان لڑکے کے روپ میں اس کی زندگی میں آیا تھا، اور اسے سولہ برس کی کنواری دوشیزہ سمجھا تھا۔ وہ اس کی عمر کے فریب میں آ گیا تھا۔ اجیت کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہو سکا تھا، کہ وہ ایک پچاس برس کی عورت اور تیس برس کی عمر کے بیٹے کی ماں ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ بھانڈا پھوٹ جائے۔ اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی کہ جب اجیت انسان کے روپ میں آ جائے گا، وہ اسے کچھ دنوں تک اپنی کوٹھی میں چھپا کر رکھے گی۔ پھر اس کا پاسپورٹ بنوا کر اسے اپنے ساتھ دبئی یا ہانگ کانگ لے جائے گی۔ پھر اس کے سنگ سارا جیون بتا دے گی۔ انوپ کو اجیت کے بارے میں ہوا بھی لگنے نہیں دے گی۔ نہ ہی کسی سہیلی کو اعتماد میں لے گی۔ اف اجیت بھی کیسا انمول ہیرا ہے؟

ویسے تو اسے اجیت نے چھ رات لگاتار آنے کی تاکید کی۔ وہ بھی شام ہونے کے بعد۔ اس سے دن کٹتا ہی نہیں تھا۔ دن کا ایک ایک لمحہ اس پر صدی کی طرح بھاری ہو کر گزرتا۔ وہ شام ہونے اور راجہ گھاٹ تک جانے کے لیے ماہی بے آب کی طرح تڑپتی رہتی تھی۔

اب یہ اس کا معمول بن گیا۔ وہ دن تو کسی نہ کسی طرح کاٹ لیتی تھی۔ دل پر جذبات اور احساسات پر صبر اور جبر کی سل رکھ لیتی تھی۔ جب وہ شام کے بعد راجہ گھاٹ پر پہنچی، تو تھوڑی ہی

دیر بعد اجیت ایک بڑی مچھلی کی صورت میں سمندر سے نکل کر خشکی پر آتا' تو وہ اس کی طرف دیوانہ وار لپکتی۔ پھر وہ گھاٹ کی سیڑھیوں پر نہاتے' اور اس غیر آباد جزیرے جاتے۔ جب اس پر سے مدہوشی اتر جاتی' تو وہ اپنے آپ کو بے جان سی محسوس کرتی۔ اجیت اسے پھول لا کر دیتا۔ پھر وہ اپنی سابقہ حالت میں واپس آ جاتی۔

شانتی اس بات سے خوش تھی' کہ ایک بیس برس کا بھرپور نوجوان لڑکا' جس کا دراز قد۔ جوان اور پیار غیر معمولی ہے۔ وہ اس بات سے بھی سرشار تھی' کہ اس بلیدان کے بعد مردانہ وجاہت اور مستی کے مجسمے کو وہ ہمیشہ کے لیے اپنا لے گی۔ اگر کسی وقت اس کی عمر ہوگئی تو بلا سے۔ وہ اجیت کو ایسا اسیر بنا کر رکھے گی کہ وہ کبھی اس کا ساتھ نہ چھوڑ سکے گا۔ وہ اجیت کی عورت کی کمزوری سے واقف ہو چکی تھی۔ اب اس نے جوان بہاروں میں قدم رکھ دیا تھا۔ لیکن وہ کبھی کبھی بڑی کمزوری سی محسوس کرتی تھی۔ جب کہ اجیت اس کا خون چوسنے کے بعد اسے امرت رس کا پھول کھلاتا تھا۔ ایک روز اس کی ملازمہ نے اسے ٹوکا کہ اس کے چہرے کی سرخی زردی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی قریبی سہیلی نرملا چودھری جو ایک رسالے کی مدیرہ بھی تھی' اس نے ایک دن اسے ٹوکا بھی کہ وہ اس قدر کمزور اور پیلی کیوں ہوتی جا رہی ہے۔ جو کوئی بھی اسے دیکھتا متعجب اور پریشان ہوتا۔ وہ کیا بتاتی۔ خوب صورتی سے ٹال دیتی۔

اس کے برخلاف اس نے محسوس کیا کہ اجیت بہت زیادہ تر و تازہ نظر آنے لگا' وہ بیس برس کے بجائے سولہ برس کی عمر کا لڑکا بن گیا۔ چار برس اس کی عمر کم ہوگئی ہے۔ اس کے چہرے پر شگفتگی اور شادابی کے سائے لہرانے لگے' اور گالوں پر خون کی سرخی اور جسم میں حرارت پہلے سے کہیں کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ وہ محبت اور جذبات کے اظہار میں بہت پرجوش ہو گیا ہے۔ اس کی محبت بھری اور رس بھری باتوں میں اور بھی شیرینی پیدا ہوگئی' وہ روز بروز خوشیوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہوتا' اس سے اور قریب ہو کر اپنی نوجوانی کے طلسم کے بندھن میں کسی شکنجے کی طرح جکڑتا جا رہا ہے۔

وہ اپنے دل کی بے تاب دھڑکنوں کے ساتھ بلیدان کے اس عمل سے گزر رہی تھی۔ وہ آنے والے سنہرے دنوں کے رنگین سپنوں میں کھوئی رہتی تھی۔ اس نے اب تک کسی کو اپنا راز نہیں بتایا تھا۔ آخر کار بلیدان کی ساتویں اور آخری رات بھی آ پہنچی۔ اس رات بھی اجیت نے اپنا وہی عمل دہرایا۔ ان چھ راتوں میں وہ بات نہ تھی' جو ساتویں اور آخری رات میں تھی۔ اجیت نے چھ دنوں کے مقابلے میں اس کا خون زیادہ ہی پی لیا تھا۔

جب اجیت نے شانتی کا خون چوس کر اس کے منہ میں شیریں اور لذیذ پھولوں کا رس

نچوڑا' شانتی کے حواس بحال ہوئے' تو اجیت نے سر کے بالوں کو سہلاتے ہوئے' اور اس کے گالوں پر بوسے ثبت کرنے کے بعد اس کی آنکھوں میں جھانکا تو شانتی نے پوچھا۔

''میرے من کے دیوتا! میرے پیارے اجیت! آج میرے بلیدان کی آخری رات ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ کب اپنے منتر سے، شراپ سے نکل کر صرف میرے ہو جاؤ گے؟ تم میری وفاداری، ایثار اور میرے پیار کا امتحان لے چکے۔ ان سات دنوں میں' میں تمہیں خون پلاتی رہی' اب تم کب میری دنیا میں آ کر مجھے رنگینیوں سے کھیلنے کا موقع دو گے۔ تم نے مجھ سے کہا تھا' کہ اس بلیدان کے بعد تم صرف اور صرف میرے ہو گے۔ اب بولو۔ میرے من کے دیوتا! اس شبھ کام میں کس بات کی دیر ہے؟''

اجیت نے نہایت گرم جوشی اور مستی کے انداز میں اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مستی میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''شانتی تم مہان ہو۔ تم نے یہ بلیدان دے کر مجھے نیا جیون دے دیا ہے۔ اب میں سدا کے لیے صرف تمہارا ہوں۔ اور آنے والی کل مجھے ساگر کی اس دنیا سے دور تمہاری دنیا میں پہنچا دے گی۔ بس کل رات تم یہاں آؤ گی تو میں تمہیں راجہ گھاٹ کے صدر دروازے پر ملوں گا۔ اور تم جہاں چلنے کے لیے کہو گی میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ صرف آج کی رات مجھے ساگر میں گزار کر وہ جاپ کرنا ہے' جو پجاری نے بتایا تھا۔ تمہارے بلیدان نے میری مشکل حل کر دی۔''

شانتی، اجیت کے ان میٹھے پیار بھرے جملوں سے سحر زدہ سی ہوگئی۔ پھر اس نے اجیت کے دل موہ لینے والے بھرے بھرے ہونٹوں پر اپنے یاقوتی ہونٹوں سے مہر محبت ثبت کر دی' اور اس نے اپنے آپ کو جذبات کی رو میں بہنے سے اس لیے روکا' کہ یہ یونانی دیوتا آخر کل کی رات کے بعد سے اس کے گھر اور کمرے میں ہونا ہے۔ یہ اب جو سولہ برس کا نوجوان بن گیا ہے' صرف اس لیے کہ اس کے بلیدان سے اور اس کا خون پینے سے۔ اس کا دل بہت چاہ رہا تھا' کہ بہک جائے اور اجیت کی جھولی میں پھر سے گر جائے۔ کیوں نہ تھوڑے صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا جائے۔ اور پھر اسے کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ بدن کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ وہ صبر و جبر کے گھونٹ پی کر اور اپنے دل میں مچلتے ہوئے ارمانوں کو دبائے اٹھ کھڑی ہوئی' اور اجیت کے ساتھ تیرتی ہوئی راجہ گھاٹ کی سیڑھیوں تک آئی۔ رات تاریک تھی۔ وہ دونوں راجہ گھاٹ کے صدر دروازے کے پاس ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے۔

''شانتی جان! اب تم جاؤ اور کل مجھے اس وقت یہیں گھاٹ کے بڑے دروازے کے پاس ملنا۔ مجھے آج کی رات اور اس ساگر کی قید میں گزارنی ہے۔ کل رات جب تم میرے پاس آؤ گی

تو میں اس جیون کو چھوڑ کر تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

شانتی اس کے محبت بھرے جملوں کو سن کر کیف و مستی میں ڈوبی جارہی تھی۔ سہانے سپنوں نے اس کی سانسوں کو برما دیا۔ ایک سولہ برس کے بے حد دراز قد نوجوان لڑکے کے ساتھ جیون گزارنے کا تصور بے حد سنسنی خیز تھا۔ اس نے اجیت کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اس کی سحرزدہ آواز میں گم اور انجانے تصورات لیے وہاں سے رخصت ہو کر چل پڑی۔

شانتی نے چند قدم چلنے کے بعد مڑ کر دیکھا' تو اجیت وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ ساگر میں کود گیا تھا۔ گاڑی چلاتے وقت بھی اجیت کی سحرزدہ شیریں آواز اس کے کانوں میں نقرئی گھنٹیاں بجارہی تھی' اور وہ اجیت کے تصورات میں کھوئی گھر کی جانب جارہی تھی۔

دوسرے روز وہ بے انتہا خوش تھی' جیسے اسے کوئی انمول اور نایاب ہیرا مل گیا ہو۔ اجیت تو ایک پچاس برس کی عورت کے لیے انمول اور نایاب ہیرے سے بڑھ کر کہیں قیمتی تھا۔ اس لیے بھی کہ اس کے بلیدان دیتے ہی' وہ بیس برس کی عمر سے کم ہو کر سولہ برس کی عمر کا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی ملازمہ سے کہا کہ اس کی سہیلی کا بیٹا دبئی جانے کے لیے اس کے ہاں پاسپورٹ بننے تک ٹھہرے گا۔ اس کے لیے بالائی منزل پر اس کے برابر والا بیڈ روم ٹھیک کر دے۔ اس نے یہ سوچا تھا' کہ وہ دونوں پتی اور پتنی کی طرح رہیں گے۔ اشنان بھی ساتھ کریں گے۔ وہ صبح ہونے سے پہلے اجیت کو اس کے بیڈ روم میں بھیج دیا کرے گی۔ پہلے تو اس نے یہ سوچا تھا' کہ وہ کیوں نہ اجیت کو نرملا چودھری کے ہاں ٹھہرا دے۔ لیکن اسے یہ خوف و اندیشہ تھا' کہ کہیں وہ اجیت کی اسیر نہ بن جائے' یا اجیت اسے اپنا اسیر کر لے۔ اجیت ایسا تھا' کہ اسے دیکھ کر کسی بھی عورت کا پیر پھسل سکتا تھا۔ اس کی ملازمہ یا کوئی اور اس پر شک نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ اجیت سولہ برس کی عمر کا تھا' اور پھر اس کی ساری زندگی مردوں کے بغیر گزری تھی۔ ودھوا ہونے کے بعد نوجوان اور ایک بچے کی ماں تھی۔ پھر بھی اس نے شادی نہیں کی تھی۔ اس کی پارسائی پر لوگوں کو اعتماد تھا۔

اب وہ اجیت کے بغیر ایک دن کیا' ایک رات اور ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتی تھی۔

دن ڈوبنے کے بعد شام ہوئی۔ رات کے آغاز کے ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی گئیں۔ پھر وہ اپنی گاڑی لیے اپنے دل میں ارمان سجائے اور خوابیدہ سپنے دیکھتی' اپنی منزل کی جانب تیزی سے جارہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی' کہ آج کی رات اجیت اپنے جادوئی روپ کے بجائے ایک زندہ حقیقت کی شکل میں اس کے پہلو میں ہوگا۔ وہ سولہ سے بیس برس کا بھی ہو جائے' تو کیا فرق پڑے گا؟ وہ اس سے سچا پریم کرے گی اور دل میں انگڑائیاں لیتے ہوئے تمام ارمان اس پر نچھاور کر دے گی۔ وہ اس کی نوجوانی کے سحر میں کھو جائے گی' وہ صرف اس کا ہوگا۔

وہ دو ایک دن میں پاسپورٹ بنوا کر اسے دبئی لے جائے گی۔ پھر دونوں جیون کے مقدس بندھن میں بندھ جائیں گے۔ پھر وہ دونوں سدا کے لیے ایک ہو جائیں گے۔ ایک اور خیال اسے کسی سانپ کی طرح ڈسنے لگا۔ یہ تمہارا حسن و شباب' نوجوان اور جسم کی قیامتیں کب تک؟ وہ اپنے سفید بالوں' ڈھلتے جسم' سرد پڑتے جذبات اور بڑھاپے کی آمد کو کیسے اور کب تک روک سکے گی؟ چہرے کی شکنیں جو عمر کا پتا دیں گی۔ ساٹھ برس اور ستر برس تک کیا وہ اپنے آپ کو جوان رکھ سکے گی؟ پھر اسے اچانک کالے درخت کے سفید پھولوں کا خیال آیا' جو امرت رس تھے۔ نیا خون پیدا کرتے ہیں' کمزوری دور کر کے شکتی دیتے ہیں۔ کنواری دوشیزہ بنا دیتے ہیں۔ وہ کسی دن اجیت کے ساتھ جزیرے پر جا کر تمام پھول توڑ کر لے آئے گی' اور اس کا رس محفوظ کر کے رکھ لے گی۔ پھر اس پر سو برس تک بڑھاپا نہیں آئے گا۔ وہ سدا جوان اور کنواری کی طرح رہے گی۔ اجیت کو اپنا خون بھی کبھی کبھی پلاتی رہے گی' کیوں کہ اجیت نے اس سے دو ایک بار کہا تھا' کہ اس کے خون میں نہ صرف ایک عجیب سا لذت بخش ذائقہ ہے' بلکہ اس میں ایک خوبی یہ ہے' کہ وہ مرد کی نوجوانی اور طاقت کو برقرار رکھتا ہے۔ جس سے جسم میں داخل ہو کر اس کے خون سے مل کر دو آتشہ بن جاتا ہے۔ اس کالا درخت میں سینکڑوں' ہزاروں پھول تھے۔ اجیت نے بتایا تھا' کہ یہ بوڑھا درخت صدیوں سے آج بھی اسی طرح ہے۔

شانتی انہی حسین تصورات اور خیالات سے ہٹ کر سمندر کے کنارے اس جگہ پہنچی' جہاں وہ اجیت سے پہلے ہر شام دل و جذبات کے سکون کے لیے آ کر سمندر کی موجوں اور ڈوبتے سورج کا نظارہ کرتی تھی۔ وہاں ابھی اجیت کا پتا نہ تھا۔ وہ کچھ دیر تک کنارے ٹہلتی رہی۔ رات کے تاریک ماحول میں سمندر کی لہروں کو تکتی رہی۔ اسے امید تھی کہ اجیت جلد ہی لہروں سے نمودار ہو کر اس کے پاس آئے گا۔ پھر خوشی سے دیوانہ ہو کر اسے اپنی آغوش میں لے لے گا۔ کافی دیر تک انتظار کرنے کے بعد بھی وہ نہ آیا۔ پھر وہ کنارے سے گھاٹ تک اور گھاٹ سے دائیں ہاتھ پر پل تک بھی گئی۔ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے اجیت کو تلاش کرتی رہی۔ جب بہت دیر ہو گئی' تو وہ تذبذب میں مبتلا اور سمندر کی جانب منہ کر کے آہستہ آہستہ اجیت کو آوازیں دینے لگی۔ لیکن اسے اپنی آواز کا کوئی جواب نہیں ملا۔ اجیت کو نہ ہی اس وقت اس کی بے کلی کا کوئی احساس ہوا' جو وہ نہیں آیا۔ شانتی نے سوچا۔ پھر وہ کئی گھنٹے دیوانہ وار اجیت کے انتظار میں بیٹھ کر وہاں سے نامراد اور ناشاد واپس چلی آئی۔

وہ گھر آ کر بڑی دیر تک یہی سوچتی رہی تھی' کہ اجیت وعدے کے مطابق اس سے ملنے کیوں نہیں آیا؟ جب کہ سات دنوں تک اس نے ایک دن بھی ناغہ نہیں کیا' اور نہ ہی ایک گھنٹے کی

بھی دیر کی۔ وہ بستر پر کروٹیں بدلتی رہی' نیند اس سے کوسوں دور تھی۔ وسوسے اور اندیشے اسے زہریلے پھنکارتے ناگوں کی طرح ڈستے رہے۔ اسے بوجھل کئے دے رہے تھے۔ اسے یہ فکر بھی دامن گیر تھی' کہ اجیت کو کچھ ہو نہ گیا ہو۔ وہ بے چارا معصوم ہے' اور خود دکھوں کا مارا ہے۔ کہیں اس کے دیوتاؤں نے یا اس منحوس مہاراجا کی بدروح نے اس کی کامیابی کو ناکامی میں بدل تو نہیں دیا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ وہ کل پھر اس کی تلاش میں جائے گی۔

پھر اسے یک لخت یاد آیا' کہ کہیں ناگ دیوتا نے اجیت کو ختم تو نہیں کر دیا۔ ناگ دیوتا ان دونوں کو گھاٹ کی سیڑھیوں پر نہاتے اور پھر جزیرے پر جذبات کے عالم میں اور اجیت کو اس کا خون چوستا دیکھ کر رقابت سے جل گیا ہو۔ شاید وہ پرانی یادیں تازہ کرنے آ سکتا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے بستر سے نکل کر کمرے میں روشنی کی۔ مسہری کے نیچے، صوفے کے پیچھے اور ملحق غسل خانے میں بھی جھانک کر دیکھا۔ ناگ دیوتا کا وجود تھا' اور نہ ہی اس کی بو۔ اگر وہ کہیں بھی چھپا ہوتا' تو اس کی بو وہ ضرور محسوس کر لیتی۔ تین راتیں اس کے ساتھ گزاری تھیں' وہ اس کی بو سے مانوس تھی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اجیت کو موت کی نیند سلانے کے بعد کسی اور جواں سال عورت کی جانب متوجہ ہو گیا ہو؟

شانتی دوسرے دن بھی گئی تو یہی ہوا۔ وہ رات کے اندھیرے میں اجیت کو بے تابی سے تلاش کرتی رہی۔ مگر اجیت نہ ملا' پھر وہ بے چین و بے قرار اور غمزدہ سی واپس آ گئی۔ اس کا دماغ ماؤف سا تھا۔

آخر اجیت کو تلاش کرتے کرتے چھ دن گزر گئے۔ وہ پہلے تو رومان پرور تخیلات کی دنیا میں گم رہ کر اپنے آپ کو حسن و عشق کی وادیوں میں گم پاتی تھی۔ لیکن جب اجیت کے اس طرح اچانک غائب ہو جانے سے اس کی محبت کے دیوان مسمار ہونے لگے' تو اس کی جدائی جنون کی حدوں کو چھونے لگی۔ اس کا دل ہر بات سے اچاٹ ہو گیا۔ چند ہی دنوں میں اس کی حالت لیلیٰ جیسی ہو گئی۔ اس کے مجنوں کا اس کے سامنے وجود تھا۔ مجنوں اس کے ساتھ سات راتیں خون پلانے کے بعد ان دیکھے اور انجانے راستے کے پیچھے اندھا دھند دوڑ رہی تھی۔ اجیت اس کے لیے دیوتاؤں کی شراپ کی جادوئی زندگی چھوڑ کر حقیقت کی دنیا میں کیا آتا' وہ خود سراپا خواب بن کر اس کی آتما کو نرگ میں جھونک رہا تھا۔ اس کی یہ جنونی کیفیت اس کی دیرینہ ملازمہ کے لیے تشویش کا باعث بن گئی تھی۔

شانتی نے اجیت سے آٹھ دنوں کی ملاقات کو ایک سپنا جانا اور اس کی میٹھی میٹھی باتوں کو مکر و فریب کا ایک جال سمجھ کر اپنے ذہن کے پردوں سے نوچ ڈالنے کی کوشش بھی کی۔ مگر وہ کیا

کرتی؟ ایک طرح سے بے بس اور مجبور تھی۔ وہ ایک عجیب سے دوراہے پر اپنے آپ کو کھڑا محسوس کر رہی تھی۔ ایک طرف تو وہ کم بخت دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اجیت کے خیال سے غافل نہ ہو سکی۔ اجیت نے اس کے اندر جذبات' امنگوں اور خواہشات کی جو آگ بھڑکا دی تھی' اس نے ماہی بے آب بنا دیا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا' کہ اب وہ اس مرد کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اگر اسے اجیت نہ ملا تو کیا اسے کسی نوجوان لڑکے سے شادی کر لینی چاہیے؟ اس کے پاس دولت کی کوئی کمی نہ تھی۔ اس شہر میں ایسے خوبصورت، توانا اور صحت مند لڑکوں اور مردوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ وہ ہر عمر کے لڑکے کو خرید سکتی تھی لیکن وہ اجیت کا بدل نہیں ہو سکتا تھا۔

دوسری طرف اس کی مشکل یہ تھی' کہ وہ کسی کو راز دار بنانا نہیں چاہتی تھی جب کہ اس کی سہیلیوں میں صرف ایک نرملا چودھری ایسی تھی' جس پر وہ بھروسہ کر سکتی تھی۔ اس نے ناگ دیوتا اور انوپ کمار کی پیدائش کو بھی اسے ہمراز نہیں بنایا تھا۔ نرملا کو اعتماد میں لینا بھی لاحاصل تھا۔ کیوں کہ اجیت کی تلاش اور جستجو میں اسے کوئی مدد نہ تھی۔ ملازمہ نے جس لڑکے کے لیے کمرہ ٹھیک کیا تھا' اس نے دو ایک مرتبہ اس کے متعلق دریافت بھی کیا تھا۔ اس نے ملازمہ کو جواب دیا کہ وہ اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں رک گیا ہے۔ اس نے یہ سوچا کہ حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے' کہ وہ اس بات کو جان لے کہ اس کا عشق ناکام ہو گیا ہے۔ شاید اجیت کو مسلسل سات راتیں اس کے ساتھ رہنے سے یہ اندازہ ہو گیا ہو کہ وہ کوئی دوشیزہ اور سولہ برس کی نہیں' بلکہ پچاس برس کی عورت ہے۔ شاید اس کی عمر کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو گئی ہے۔ اس لیے اس کا عشق ناکام ہو گیا ہے۔ اس لیے اجیت نہیں آیا۔ چوں کہ وہ خود اس کے خون کے بلیدان سے سولہ برس کا ہو گیا ہے' شاید کسی سولہ پندرہ برس کی دوشیزہ کی تلاش میں ہو۔

یہ سب کچھ سوچ کر بھی وہ راجہ گھاٹ پر اجیت کو تلاش کرتی پھرتی رہی۔ فرق صرف یہ ہوا کہ اب اس کی تلاش رات تک محدود نہ رہی تھی' بلکہ شب و روز کے کسی بھی حصے میں سمندر کے کنارے جا پہنچتی' اور اجیت کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتی۔ ایک روز تو وہ مچھلیاں پکڑنے کا سامان لے کر پہنچ گئی۔ اسے ایک خیال آیا تھا کہ اجیت شاید مچھلی بن کر ہی اس کے کانٹے میں پھنس جائے۔ غرض کوئی نادیدہ طاقت تھی' جو اسے اجیت کی جانب کھینچے لیے جا رہی تھی۔ وہ اپنے اس جنونی انجام سے بے خبر تھی۔ اور اس تلخ حقیقت سے واقف تھی' کہ اجیت کے ساتھ گزرے ہوئے حسین اور رنگین لمحات جو اس کی زندگی کا اثاثہ ہیں' اس نے اس کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔

وہ جیسے پاگل ہو گئی تھی۔ کیوں کہ اس عجیب و غریب عشق کی آگ نے اسے جیسے جلا کر رکھ

دیا تھا۔ اس کی ملازمہ سے رہا نہیں گیا' اس نے نرملا چودھری کو فون کر کے بلا لیا۔ شانتی کی یہ حالت دیکھ کر اس پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ اسے یقین نہ آیا۔ وہ اسے ایک ماہر نفسیاتی ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ نرملا چودھری نے اس سے منت سماجت کر کے یہ پوچھنے کی کوشش کی کہ اس کی اس حالت کا کیا راز ہے؟ مگر وہ کسی کو کیا بتاتی؟ وہ اجیت کی تلاش کے کرب سے دوچار ہے' جس نے اس کی زندگی کو اس حال تک پہنچا دیا۔

وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ کم از کم ایک مرتبہ اجیت اسے مل جائے' تاکہ اس سے اس طرح اچانک غائب ہو جانے کی وجہ پوچھ سکے۔ آخر اس سے کیا قصور ہوا' جو اسے اتنے دنوں سے جدائی کی آگ میں تڑپا رہا ہے۔

شانتی کی زندگی میں دس نومبر کا واقعہ' جسے وہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی' جو سرمئی شام سمندر کے کنارے پیش آیا۔

شانتی پل پر کھڑی اس خواہش کی شدت سے شکار تھی' کہ وہ پل سے چھلانگ لگا کر سمندر کی آغوش میں سما جائے۔ اس شام کو بھی وہ دیوانہ وار اجیت کی تلاش میں ہی راجہ گھاٹ کے پاس آوارہ بادلوں کی طرح گھوم رہی تھی۔ پہلے تو وہ راجہ گھاٹ کے بند دروازے کو دیکھتی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا' کہ ابھی ابھی اجیت راجہ گھاٹ کے اس دروازے سے باہر اپنی دل کش مسکراہٹ کے پھول بکھیرتا آئے گا' اور اسے بازوؤں میں لے کر بے تابانہ اس کے چہرے پر جھک جائے گا' اور پھر وہ دونوں طوفان کی زد میں آ جائیں گے۔ وہ بڑی شدت سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ گھاٹ کو تکتے تکتے اس کی آنکھوں میں پانی سا آ گیا تھا۔ وہ کھڑی کھڑی تھک گئی' تو زمین پر بیٹھ گئی۔ وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔ دیوانگی کی سی کیفیت اس پر طاری تھی۔ وہ گھاٹ کے در و دیوار سے باتیں کرتی ہوئی' ان سے بار بار اجیت کا پتا پوچھ رہی تھی۔ پھر اس نے گھاٹ کی بلند عمارت پر چار برجیوں میں بیٹھے ہوئے بت سے اجیت کے بارے میں معلوم کیا۔ کیا تم نے میرے پیارے اجیت۔ میرے من کے دیوتا کو دیکھا؟ تم جانتے ہو وہ کہاں ہوگا؟"

لیکن پتھر کے بت خاموش تھے۔ اسے اس اجیت کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔ وہ شدت جذبات سے وہیں بیٹھے بیٹھے نیم بے ہوش ہو گئی۔ اور اس پر غنودگی طاری ہو گئی' اور پھر اسے پوری عمارت گردش کرتی دکھائی دی۔

راجہ گھاٹ کے صدر دروازے کے اوپر لگے پتھر پر لکھے ہوئے الفاظ' راجہ گھاٹ' اسے دھندلے دھندلے دکھائی دینے لگے۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اس کے تصور میں صرف اجیت تھا اور بس۔ دیوانگی اور جنونی کیفیت میں بہت دیر تک مبتلا رہنے کے بعد اسے خود بخود ہی تھوڑی دیر

بعد ہوش آ گیا۔ اور جب کسی حد تک اس کے حواس بحال ہوئے' تو وہ وہاں سے اٹھی' اور اٹھ کر آہستہ آہستہ ایک جانب چل دی۔ پھر اس کے قدم آپ ہی آپ پل کی طرف اٹھ گئے۔ وہ پل پر کھڑی ہو گئی۔ وہ پل کے نیچے پھیلے ہوئے سمندر کو گھورتی رہی۔ وہ کچھ دیر یوں ہی ریلنگ تھامے کھڑی رہی تھی' کہ اچانک اسے ایسا لگا' جیسے اس کے بدن میں برقی رو دوڑ گئی ہو۔ پھر اس نے دیکھا کہ اس کی نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے سمندر کی لہروں میں اجیت تیر رہا ہے' اور تیزی سے اس کی سمت تیرتا ہوا چلا آ رہا ہے۔

شانتی بے تاب ہو کر اسے آوازیں دینے لگی۔ وہ شاید اس کی آواز سن نہ سکا' مگر اس نے صاف طور پر یہ ضرور دیکھا کہ اجیت ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنی طرف بلا رہا ہے۔ کبھی کبھی اس کا جسم لہروں سے اوپر ابھرتا دکھائی دیتا' اور کبھی وہ لہروں میں روپوش ہو جاتا۔ اس کا سر ایک بار پھر چکرانے لگا' اور پیر اکھڑتے محسوس ہونے لگے۔ ریلنگ پر ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی۔ وہ جھوم رہی تھی' اور اسے ایسا معلوم دے رہا تھا' کہ جیسے اس وقت چلنے والی ہوا ہلکی اور خوشگوار ہے' لیکن کسی آندھی اور طوفان سے کم نہیں تھی۔

وہ اپنا توازن قائم رکھنے میں بہت دقت محسوس کر رہی تھی' اور اس کا جی سمندر میں کودنے کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ کیوں کہ اس کا اجیت اسے اپنے پاس بلا رہا تھا۔ وہ یہ قدم اٹھانے کے متعلق سوچ ہی رہی تھی' کہ اچانک کسی نے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اور پھر اسے سہارا دے کر ریلنگ سے دور ہٹا دیا۔

"یہ کیا کر رہی ہو شانتی! کیا مرنے کا ارادہ ہے؟"

ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ بری طرح چونکی' بلکہ کافی حد تک ہوش میں آ گئی' اور اس نے اس آواز کو بھی پہچان لیا' جو اس کی سہیلی نرملا چودھری کی تھی۔ نرملا چودھری ایک ہارر اور ایڈوینچر میگزین کی رپورٹر اور رائٹر تھی۔ وہ اس عمر میں ہر وقت نہایت سرگرم رہتی تھی۔ بے خوف اور نڈر تھی۔ اسے ہر قسم کے فیچر اور سنسنی خیز خبروں اور واقعات کی تلاش ہر وقت رہتی تھی۔ اس نے اخباروں کو بھی بے شمار دلچسپ اور حیرت انگیز فیچر دیئے تھے۔ ایک طرح سے فری لانسنگ بھی تھی۔ وہ ہر وقت تھرل اور سسپنس کی تلاش میں رہتی تھی۔ وہ گو پچاس برس کی عمر کی عورت تھی۔ حسین اور پرکشش بھی تھی۔ مرد مار قسم کی عورت تھی۔ وہ آدھی رات کے وقت بھی اپنی گاڑی میں پہنچ جاتی تھی۔ دو ایک مرتبہ بدمعاشوں نے اسے اغواء کرنے کی کوشش کی۔ چوں کہ وہ جوڈو کراٹے کی ماہر بھی تھی' اس لیے اس نے ان بدمعاشوں کا ایسا حشر نشر کیا' کہ وہ ہفتوں ہسپتالوں میں زیر علاج رہے۔

وہ نرملا چودھری کو دیکھ کر حیرت سے بولی۔ "تم اس وقت یہاں کیسے پہنچی؟"

"یہ تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی کہ میں یہاں کیسے اور کیوں آئی؟ فی الحال تم ہوش میں آجاؤ' اور اس قابل ہو جاؤ کے میرے ساتھ گاڑی پر بیٹھ سکو۔ تمہاری گاڑی صبح منگوا لی جائے گی۔ پھر میں تمہیں سارے حالات بتاؤں گی۔" نرملا چودھری اسے بری طرح جھنجھوڑتی ہوئی بولی۔ "میرا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو جاؤ اور میرے سہارے چلو۔"

وہ بڑی حد تک اپنے حواس درست کر چکی تھی' اس لیے اس نے نرملا چودھری سے کہا۔

"تم مجھے یہاں سے جتنا جلد ہو سکے لے چلو۔ مجھے ایک بھیانک قسم کی وحشت اور انجانا سا خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

شانتی نے اس کی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے صرف ایک مرتبہ سمندر کی طرف مڑ کے دیکھا' اور راجہ گھاٹ پر ایک الوداعی نظر ڈالی' اور اجیت کا خیال ذہن سے جھٹک کر نرملا چودھری سے باتیں کرنے لگی۔

نرملا چودھری اسے اپنے فلیٹ پر لے آئی' جس میں وہ اکیلی رہتی تھی۔ اس نے دو کپ کافی بنائی' اور ایک کپ اس کی طرف بڑھائی اور بولی۔ "شانتی! اب وہ تمام واقعات اور حالات صحیح صحیح بتا دو جن کی بناء پر تم خودکشی کرنے والی تھیں۔"

"خودکشی......؟" شانتی نے اسے تعجب بھری نظروں سے دیکھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"ہاں۔ تمہارا پل کی ریلنگ پر کھڑے ہو کر سمندر میں چھلانگ لگانا یقینی ہو چلا تھا۔ اگر مجھے پہنچنے میں تھوڑی دیر ہو جاتی تو تم سمندر میں یقیناً چھلانگ لگا چکی ہوتیں۔"

"یہ غلط ہے نرملا۔" میرا ارادہ خودکشی کا نہ تھا۔ میں تو......" شانتی نے اتنا کہہ کر کافی سِپ کی۔

"ہاں......تم بتاؤ......کیا کرنا چاہتی تھیں؟" نرملا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"شانتی! یہ عجیب اتفاق ہے کہ مجھے جس عورت کی تلاش تھی' وہ تم ہی نکلیں۔"

"آخر بات کیا ہے؟" شانتی حیران ہو کر بولی۔

"سنو شانتی! چار برسوں سے یہ ہو رہا ہے' کہ دس نومبر کی شام کو کوئی نوجوان اور حسین لڑکی سمندر میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لیتی ہے۔ اس کی لاش سمندر سے ملتی ہے۔ اور اس خودکشی کے راز سے اب تک پردہ اٹھ نہیں پا رہا ہے۔ کسی نوجوان لڑکی کے ورثہ کا پتا چل بھی گیا' تو اس کی خودکشی کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ میرے خیال میں اس سال تم اس قسم کی موت کا شکار ہونے والی تھیں۔ میرے بروقت پہنچنے سے تم مرنے سے بال بال بچ گئیں۔ پچھلے کئی برسوں کے اخبارات

اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ خودکشی کا واقعہ دس نومبر کو ہی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ شہر خونیں بنتا جا رہا ہے۔ چار برسوں سے ہی بہت ساری حسین اور نوجوان لڑکیاں پراسرار طور پر لاپتا ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ بھیانک اور لرزہ خیز قتل کی وارداتیں بھی ہو رہی ہیں۔ سربریدہ لاشیں ملی ہیں' مل رہی ہیں' اور ایسی لاشیں بھی ملی ہیں کہ قاتل نے ان کے بازو، اعضا اور پیر کاٹ دیئے۔ آنکھیں پھوڑ دیں۔ چہرے مسخ کر دیئے۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ لڑکیاں اور عورتیں جو قتل ہوئی ہیں۔ وہ مشکوک اور بدچلن تھیں۔ دوسری عجیب بات یہ ہے کہ ان لاشوں کے جسموں میں ایک بوند لہو کی بھی نہیں۔ جیسے قاتل نے پہلے ان کی آبروریزی کی۔ پھر بے ہوش کر کے سارے جسم سے خون نکال لیا۔ پھر بہیمانہ انداز سے انہیں قتل کر کے کسی ویرانے میں پھینک دیا۔ یہ ایک معمہ بنا ہوا ہے۔ تمہاری داستان سننے کے بعد ہی کچھ کہہ سکوں گی۔"

شانتی نے اسے شروع سے لے کر آخر تک بڑی سچائی سے رام کہانی سنا دی۔ اسے سن کر

نرملا چودھری بولی۔

یہ قتل و غارت گری شاید اس مچھلی کی ہے۔ وہ کچھ لڑکیوں سے زیادتی کر کے ان کا خون پی کر کسی وجہ سے انہیں انتہائی سفاکی اور بربریت سے قتل کر دیتا ہے۔ وہ مچھلی شاید کوئی بدروح ہے۔ لیکن پولیس اس بات کو نہیں مانتی ہے کہ کوئی بدروح ایسا کر سکتی ہے۔ لیکن میں کسی دن اس معمے کو حل کروں گی۔ اب تم کبھی سمندر پر نہیں جانا۔ اب تم ایسا کرو کہ کچھ دنوں کے لیے بنگلور چلی جاؤ' تاکہ تمہاری صحت بحال ہو جائے۔ سنا تم نے۔ کل کھنہ کالونی میں ایک لڑکی کی بوسیدہ لاش ملی ہے۔ کھنہ کالونی بھی تو سمندر کے پاس ہے۔"

◈◊◈

پولیس ہیڈ کوارٹر میں شام ہوتے ہی تقریباً سناٹا سا ہو جاتا تھا۔ کیوں کہ بہت سے ملازمین دفتری اوقات کے بعد اپنے اپنے گھروں کو سدھارتے تھے۔ سراغ رساں سب انسپکٹر رنجیت بنگالی زبان کے محاورے یاد کر رہا تھا۔ اس کی کوشش تھی' کہ اتنی بنگالی زبان تو ضرور سیکھ لے کہ جب بھی اسے اپنی چھٹیوں میں بنگال جانے کا موقع مل سکے' تو وہ حسین بنگالی لڑکیوں سے خود ان کی زبان میں خوش گپیاں کر سکے۔ وہ زلفِ بنگال کا اسیر تھا۔ گو کہ بنگال میں ہندی، اردو اور انگریزی زبان بھی بولی جاتی تھی۔ لیکن وہاں کی لڑکیوں سے ان کی زبان میں بات کرنے سے قربت بڑھ جاتی تھی۔ لڑکیاں بھی کسی غیر بنگالی کو بنگالی زبان بولتے دیکھ کر خوش ہو جاتی تھیں۔

اس کی میز کے مقابل ایک دوسری میز پر انسپکٹر رام داس ایک معمہ بھرنے میں لگا ہوا تھا۔ اسے حال ہی میں ترقی ملی تھی۔ یہ ترقی اسے بڑے پاپڑ بیلنے کے بعد ملی تھی۔ اور اسے اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ چوں کہ وہ ترقی کی راہ پر چل پڑا ہے' اس لیے اسے مزید محنت اور کارکردگی دکھا کر اعلیٰ عہدہ حاصل کرنا ہے۔ اس کی آنکھوں میں اونچے خواب لہراتے تھے۔ اس کے آنجہانی باپ کی خواہش تھی کہ وہ پولیس کمشنر بنے۔ اس کا باپ پولیس محکمے میں کانسٹیبل تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بیٹے میں اتنی صلاحیتیں اور قابلیت ہے' کہ وہ باپ کا نام روشن کرے گا۔ ایک معمولی آدمی کا بیٹا بڑا افسر بن کر دکھائے گا۔ اس نے اپنے باپ کی آتما کو شرمندہ نہیں کیا تھا۔ آج اس کا باپ زندہ ہوتا تو شاید خوشی سے مر جاتا۔

اس کی میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی' تو اس نے بڑی ناگواری سے ریسور اٹھا لیا۔

"انسپکٹر رام داس اسپیکنگ۔" اس نے پولیس والے خشک لہجے میں کہا۔

"تمہیں رعب جھاڑنے کی ضرورت نہیں۔" دوسری طرف اس کی پتنی ریما تھی۔ اس نے تیز لہجے میں کہا تھا۔

"ارے تم جانِ تمنا!" رام داس نے قدرے شوخی سے کہا۔ "خیریت تو ہے اس وقت تم نے فون کیسے کیا؟"

"میری گاڑی کی چابیاں کہاں ہیں؟" ریما نے تنک کر پوچھا۔

اس کی بیوی نہایت حسین تھی۔ جتنی حسین تھی' اتنی ہی دل کش اور پرکشش بھی تھی۔ اس نے لو میرج کی تھی' محبت کی شادی کے بعد سنا تھا کہ ایک برس کے بعد ہی گرم جوشی سرد پڑ جاتی ہے۔ محبت جھاگ کی طرح بیٹھ جاتی ہے۔ لیکن یہ بات غلط ثابت ہوئی تھی۔ وہ آج بھی اپنی حسین بیوی سے بے انتہا محبت کرتا تھا۔ مگر ایسے لمحے بھی آئے تھے' کہ وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ اس کی خودسر پتنی اس کا اتنا پیچھا کیوں کرتی ہے۔ اس نے جواب دینے سے قبل گہری سانس لے کر آنکھیں بچائیں۔

"گاڑی کی چابیاں۔" اس نے پتنی کا جملہ دہرایا۔ "کیا کہہ رہی ہو؟ میں کچھ سمجھا نہیں۔"

"تم میری گاڑی کی چابیاں اپنے ساتھ لے گئے ہو۔" اس کی آواز قدرے تیز تھی۔ "میں نے پرساد سے آنے کو کہا تھا۔ چوں کہ چابیاں نہیں ہیں کیسے جاؤں؟ تمہیں کیا ضرورت تھی چابیاں لے جانے کی؟"

اس نے معمہ کا کاغذ ایک طرف رکھا' اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کیوں کہ گفتگو میں جو تلخی تھی' وہ جھگڑے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"میں تمہاری چابیاں کیوں لاتا؟" رام داس نے بڑے سخت لہجے میں جواب دیا۔

"تم مجھ سے پولیس والوں کے لہجے میں بات مت کرو۔" وہ بگڑ کر برہمی سے بولی۔ "میں تمہاری پتنی ہوں کوئی ملزم نہیں۔ میری گاڑی کی چابیاں وہاں نہیں ہیں' جہاں میں رکھتی ہوں۔ انہیں تمہارے سوا کون لے جا سکتا ہے؟"

"میں نے تمہاری منحوس چابیاں دیکھی تک نہیں ہیں۔" رام داس نے بھی تیز لہجے میں کہا۔

"بھگوان نہ کرے ان کا سایہ بھی مجھ پر پڑے۔" اتنا کہہ کر وہ میز پر انگلیاں بجانے لگا۔

"تمہیں کیا زیب دیتا ہے کہ پتنی سے اس طرح بات کرو۔" وہ برافروختہ ہو گئی۔ "پتنی سے بات کرتے سے تمہیں افسرانہ شان دکھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں شرم آنی چاہیے۔ میری چابیاں کہیں نہیں مل رہی ہیں۔ ظاہر ہے تمہیں لے کر گئے ہو۔"

رام داس نے جواب نہیں دیا۔ وہ اس طرح سے غرایا' جیسے کوئی گاڑی بیک فائر کر رہی ہو۔

"تم مجھے اس طرح کی بے ہودہ آوازیں مت دو۔" وہ پھر تیزی سے بولی۔ "تمہارا ہاضمہ

خراب ہے، تم کسی ڈاکٹر کے پاس جا کر چیک اپ کراؤ اور تمہیں احساس ہونا چاہیے کہ میں تم سے کیا کہہ رہی ہوں، اور کس لہجے میں بات کر رہی ہوں۔

"سوری ڈیئر!" وہ قدرے نرمی سے بولا تاکہ بات بڑھ نہ جائے۔ کیوں کہ اس کے ناراض ہونے کی صورت میں وہ اسے رات کو قریب آنے نہیں دے گی۔ "تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کر رہی ہو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں کہ تمہاری گاڑی کی چابیاں نہیں دیکھی ہیں۔ البتہ تمہاری موہنی صورت ضرور دیکھی ہے۔ کیا تم نے انہیں تلاش کیا؟"

"کیا میں نے تلاش نہیں کیا؟" اس کی پتنی کی آواز اور تیز ہوگئی۔ "میں اندھی نہیں ہوں، جو مجھے چابیاں نظر نہیں آئیں۔"

رنجیت نے محاوروں کی کتاب ایک طرف رکھ دی۔ وہ میاں بیوی کے ڈرامے سے لطف اندوز ہونے لگا۔ اس نے اکثر رام داس اور ریما کی فون پر نوک جھوک، اور ایک دوسرے پر برستے، گرجتے سنا تھا۔ سنتا ہی رہتا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ سوچتا تھا کہ میاں بیوی کو مشورہ دے کر وہ اپنی اس نوک جھوک کو ٹی وی پر پیش کرے۔ اس سے اچھا مزاحیہ کھیل کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا۔ لوگ چوں کہ بڑے دکھی، اور اداس محرومیوں کا شکار ہوتے تھے، اس لیے وہ مزاحیہ کھیل بہت پسند کرتے تھے۔ اور کچھ دیر کے لیے اپنے غموں کو بھول جاتے تھے۔ فلمیں اور ڈرامے وہی زیادہ پسند کئے جاتے ہیں، جس میں ہنسانے والے اداکار ہوتے تھے۔

"ہاں۔ میں نے یہی کہا اور کہہ بھی رہا ہوں۔" رام داس کا لہجہ کچھ زیادہ سخت ہوگیا۔ وہ اس وقت بہت سنجیدہ سا ہو رہا تھا۔ "کیا تم نے اپنے چھ عدد پرس۔ ہینڈ بیگ۔ بستر کے گدے اور تکئے کے نیچے اور جہاں جہاں کشن ہیں ان کے نیچے بھی دیکھ لیا، اور سنگار میز جس کے سامنے تم تین گھنٹے کھڑی رہتی ہو اس کی تینوں درازیں بھی دیکھ لیں؟"

"ان سب کو تاک جھانک کر تو میں نے تمہیں فون کھڑکایا ہے۔" ریما اس سے کیوں دبتی۔ "چابیاں تمہیں لے گئے ہو۔"

رام داس نے ایک ایسا قہقہہ لگایا کہ جس پر لکڑ بھگو کو بھی شک آجاتا۔

"میں تم سے کتنی بار کہوں کہ میں نے لعنتی اور منحوس چابیوں کا سایہ تک نہیں دیکھا۔ کیا مجھے کسی کتے نے کاٹا، جو میں تمہاری چابیاں لیتا؟ میں ایسا گیا گزرا بھی نہیں ہوں۔ تمہارے وہم کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔ تم ایسا کرو۔ کسی نفسیاتی کلینک میں جا کر اپنا دماغ دکھا آؤ۔" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔

اصل بات یہ ہے کہ تم اکثر چیزیں لیتے اور گم کردیتے ہو۔" وہ بولی۔ "اس لیے میں کہہ

رہی ہوں میری چابیاں تمہارے پاس ہیں۔" رام داس نے افسردگی سے سر ہلایا۔ اس کی پتنی کتنی جلدی کوئی غلط نتیجہ اخذ کرلیتی ہے۔ اس پر اسے بہت غصہ آتا تھا۔

"دیکھو میری جان تمنا! پھر سے ایک بار تلاش کرو۔ تمہیں کہیں نہ کہیں ضرور مل جائیں گی۔ بس کسی ہوشیار جاسوس کی طرح عمل کرو۔ جیسا کہ میں کرتا ہوں۔ جیسا کہ شرلاک ہومز کیا کرتا تھا۔" اس نے توقف کر کے سگریٹ نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی انگلیاں کسی دھات سے ٹکرائیں۔ وہ اس طرح سے اچھلا، جیسے اس کا ہاتھ بجلی کی ننگی تار پر پڑ گیا ہو، چھو گیا ہو۔

رنجیت نے اس کا چونکنا تاڑ لیا تھا۔

"میں نے ایک ایک جگہ دو دو، تین تین مرتبہ دیکھ لی، وہاں ان کا نام و نشان تک نہیں ہے۔"

ریما اتنے زور سے چیخی تھی کہ رنجیت کو بھی اس کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

رام داس نے جیب سے اپنی بیوی کی گاڑی کی چابیاں نکالیں، اور انہیں حیرت سے اس طرح گھورتا رہا، جیسے وہ چابیاں نہ ہو، بلکہ خطرناک قسم کے خنجر ہوں۔ پھر آہستہ سے کراہتے ہوئے انہیں دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔

"سنو جانِ من!" اس نے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "تم یقیناً اپنی گاڑی کی چابیاں کہیں رکھ کر بھول گئی، جیسا کہ تم شادی کی سالگرہ بھول جاتی ہو۔ بھول تو کسی سے بھی ہوسکتی ہے۔ تم پریشان نہ ہو۔ ایسا کرو کہ ٹیکسی بلا لو۔ کرایہ میں دے دوں گا۔ واپسی میں بھی ٹیکسی کرلینا۔ جب گھر آؤں گا تو چابیاں تلاش کردوں گا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"گاڑی کے ہوتے ہوئے بھی میں ٹیکسی کراؤں؟" ریما کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔ "شاباش ہے پتی صاحب!"

"ٹیکسی بھی گاڑی ہی ہوتی ہے، بیل گاڑی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "آج بھی ہندوستان کے قصبوں میں بیل گاڑی میں سفر کرتے ہیں۔ جب کہ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ ٹیکسی کرا لو۔ کرایہ میں دوں گا، تو تمہیں اعتبار کیوں نہیں آرہا ہے؟ کیا میں نے تم سے شادی کرنے کا وعدہ پورا نہیں کیا۔ جب کہ محبت کرنے والے مرد شادی کا وعدہ پورا نہیں کرتے۔"

"جتنا ایک پتنی اپنے پتی کو جانتی، اور سمجھتی ہے، اتنا اس کی ماں بھی نہیں جانتی ہوگی۔" وہ تنک کر بولی۔ "چوں کہ تمہیں اپنی جیب میں چابیاں مل گئی ہیں، اس لیے تم لن ترانیاں کر رہے ہو۔ گھر آؤ گے تو تمہیں سمجھاؤں گی۔" ریما نے کہا اور غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ آخری

جملے پر رام داس مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

کمرے میں دیر تک سناٹے کا راج رہا۔ ناٹک ختم ہوگیا تھا۔ رنجیت نے پھر محاوروں کی کتاب اٹھالی۔ ایک بنگالی لڑکی سے اس کی دوستی ہوگئی تھی۔ جو دو ایک مہینے کے لیے اپنی شادی شدہ بہن سے ملنے آئی ہوئی تھی۔ اس نے کولکتا آنے کی دعوت دی تھی۔ اس لیے اس نے فیصلہ کیا ہوا تھا' وہ اپنی چھٹیاں کولکتا میں گزارے گا۔ اسے یہ بنگالی لڑکی بہت پسند آئی تھی۔ یہ مچھلی کی طرح کانٹے میں پھنس گئی تھی۔ لیکن اس نے ابھی اظہار محبت نہیں کیا تھا۔ وہ محبت بھرے محاورے یاد کر رہا تھا۔

چند لمحوں کے بعد فون کی گھنٹی بجی لیکن یہ فون رنجیت کی میز پر رکھا تھا۔ اس نے کتاب ایک طرف رکھ کر ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے کسی نے پراسراری سرگوشی کے انداز میں آہستہ سے کہا۔ لیکن اس کی آواز میں افسردگی تھی۔

"میں اپنی بات دہرانے کا عادی نہیں ہوں' یہ تم بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر تمہاری کھوپڑی میں جو عقل سو رہی ہے تو اسے لات مار کر یا جھنجوڑ کر جگاؤ۔ میری بات غور سے سنو۔" اس کا لہجہ بڑا تحکمانہ تھا۔

"کون بول رہا ہے؟" رنجیت نے پوچھا۔ اسے یہ تحکمانہ لہجہ بڑا ناگوار لگا تھا۔

"میں نے کہا ہے سنو۔ تمہیں ایک لاش اٹھانی ہے۔ کھنہ کریک کالونی کے علاقے سے۔ پکی سڑک پر جو پہلا درختوں اور جھاڑیوں کا جھنڈ ہے وہاں سے۔ لڑکی کی لاش ہے' جو بہت بری حالت میں ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ مزید تفصیلات پوچھتا لائن منقطع ہوگئی۔

رنجیت نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر رام داس کو فون اور لاش کے بارے میں بتایا' تو رام داس نے کہا۔

"لڑکیوں کے قتل کی وارداتیں بہیمانہ ہو رہی ہیں۔ یہ شہر لڑکیوں کے لیے خون کا دریا بنتا جا رہا ہے۔ اب تک قاتل بہت چالاک' ہوشیار اور محتاط ہے۔" رنجیت نے کہا۔ لیکن کب تک قانون کے شکنجے سے بچتا رہے گا۔"

"جب تک وہ گرفتار نہیں ہو جاتا' میڈیا ناک میں دم کرتی رہے گی۔" رام داس نے گہری سانس لی۔ "ہمیں ہر قیمت پر قاتل کو دھرنا ہے' ورنہ ہماری نیندیں حرام ہوتی رہیں گی۔ لوگوں کا ہم پر سے اعتماد اٹھتا جا رہا ہے۔"

شاید اس واردات سے قاتل کا سراغ مل جائے؟" رنجیت نے خیال ظاہر کیا۔ "میں ناامید نہیں ہوں' نہ ہی حوصلہ ہارا ہوں۔"

"ہر واردات سے ہم یہ سوچتے ہیں کہ شاید ہمیں کامیابی ہوگی۔" رام داس نے کہا۔ "لیکن ہمیں کوئی سراغ نہیں مل پاتا ہے۔"

"ایک عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ اس وحشی قاتل نے اب تک جتنی لڑکیوں کو قتل کیا ہے' وہ بدچلن اور آبرو باختہ تھیں۔" رنجیت بولا۔ "لیکن وہ قتل کرنے سے پہلے ان کا خون جسم سے نکال لیتا ہے۔ شاید وہ خون فروخت کرتا ہے؟"

رام داس نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے فوراً کمیونی کیشن روم سے رابطہ کیا۔

"کھنہ کریک کالونی کے علاقے میں گشت پر کون کون ہے؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

موبائل وین میں نمبر بارہ امرناتھ اور سیواس موجود ہے۔" رام داس کو جواب دیا گیا۔

"انہیں ہدایت دو کہ وہ ابھی اور اسی وقت پکی سڑک پر پہلے جھنڈ میں جا کر دیکھیں' اور رپورٹ فوراً کریں؟" رام داس بولا۔

"انہیں وہاں جا کر کیا تلاش کرنا ہے؟ کیا وہاں منشیات یا اسلحہ وغیرہ چھپایا گیا ہے؟"

"ایک سڑی گلی لاش۔ ابھی ابھی فون آیا ہے۔" رام داس نے کہا۔ "ہوسکتا ہے کہ کسی نے ہمیں پریشان کرنے کے لیے فون کیا۔ ایسے مذاق ہوتے رہتے ہیں۔ مگر دیکھ بھال ہماری ذمہ داری اور فرض بھی ہے۔"

رام داس نے ریسیور رکھ کر گہری سانس لی۔ پھر اس نے رنجیت کی طرف دیکھا' جو اس کی طرف متوجہ تھا' تاکہ ہدایت سن سکے۔

"تم رپورٹ لکھ لو۔" اس نے سگریٹ سلگا کر ایک لمبا سا کش لیا۔ "امرناتھ کالونی آنے کے بعد میں ایس پی صاحب کو بتاؤں گا۔"

رنجیت رپورٹ ٹائپ کرنے لگا۔ اس کے تصور میں بنگالی دوست لڑکی کا ڈول گھوش کا چہرہ اور سراپا لہرانے لگا' جو نہ صرف نہایت حسین اور پرکشش بھی تھی' آزاد خیال تھی۔ اس کے لباس میں اس کا جسم کچھ زیادہ ہی آزاد ہو جاتا تھا' اور پھر وہ ایسی لڑکی جو راتوں کو دیر تک بار اور کلبوں میں دوستوں کے ساتھ دکھائی دیتی تھی۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا' کہ اس کا کردار مشکوک ہے۔

پھر اس جنونی قاتل نے اسے اپنا اسیر بنا کر اس کا خون نکال کر اسے بہیمانہ طور پر قتل کر دیا تو۔ اس خیال سے ہی اس کے سارے جسم میں سرد لہر دوڑ گئی۔ بنگالی لڑکی کے بھرے بھرے جسم سے

اندازہ ہوتا تھا کہ اس کی نس نس میں بڑا صاف و شفاف خون چمکتا خون ہو گا۔ اس قاتل کو نہ صرف حسین، بدچلن اور پُرکشش لڑکی بلکہ اس کے خون کی بھی ضرورت ہوتی تھی۔ اس لیے وہ ایسی حسین اور نوجوان لڑکیوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ یہ پُراسرار قاتل اس کے خیال میں کوئی آسمانی بلا تھی' جو آوارہ لڑکیوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا تھا۔ جو بہت ساری لڑکیاں اور عورتیں لاپتا ہو گئی تھیں' وہ اس پُراسرار بلا کی حرکت معلوم ہوتی تھی۔

رام داس سگریٹ کے کش پر کش لیتے ہوئے اس طرح کمرے میں ٹہلنے لگا' جیسے کوئی خونخوار شکاری کتا رسی چھڑانے کے لیے بے قرار ہو رہا ہو۔ اس کے تیور ایسے تھے' کہ کوئی ملزم دیکھ لے تو کانپ جائے۔ اس پُراسرار قاتل نے ناک میں دم کیا ہوا تھا۔ اسے ایک خیال کئی بار آیا تھا' کہ کہیں یہ پُراسرار بلا اس کی حسین پتنی کو اغواء کر کے نشانہ نہ بنا دے لیکن اسے اس لیے اطمینان تھا کہ اب تک کوئی شریف لڑکی یا عورت اس قاتل کی زد میں نہیں آئی تھی' گویا وہ صرف بدچلن لڑکیوں اور عورتوں کا بدترین دشمن تھا۔

کوئی بیس منٹ کے بعد کمرے کی خاموشی میں فون کی گھنٹی بجی' تو رام داس نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف امرناتھ تھا۔

"سر! ہمیں یہاں ایک نوجوان لڑکی کی لاش ملی ہے۔ اس کے پیروں سے پیٹ تک جسم کو چیر دیا گیا ہے۔ یہ وحشیانہ قتل کی واردات ہے۔"

رام داس کا منہ اس طرح سے بن گیا' جیسے اس کے منہ میں کڑوی دوا بھر گئی۔ حالانکہ اس علاقے میں جرائم پیشہ افراد ہوتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہاں بڑی مدت کے بعد قتل کی کوئی واردات ہوئی تھی۔

"تم وہیں انتظار کرو۔" رام داس نے سرد لہجے میں کہا۔ "میں ضروری کارروائی کروں گا۔"



سوا نو بجے چار پولیس گاڑیاں جائے واردات پر پہنچیں۔ ان میں ایس پی مرلی مکر جی' حوالدار نارائن اور اس علاقے کا سب انسپکٹر فرنانڈس اور رام داس۔ اس کے علاوہ تین خفیہ پولیس کے سراغ رساں۔ اس کے بعد ڈاکٹر پرکاش، پولیس میڈیکل آفیسر اور دو سپاہیوں کے ساتھ ایمبولینس بھی آ گئی۔ ایک پولیس فوٹو گرافر نے فوراً بڑی مشکل سے لاش کی تصویریں اتاریں اور ایک طرف جا کر قے کر دی۔ اس کی طبیعت مالش کر رہی تھی۔ ضروری کارروائی کے بعد لاش مردہ خانہ بھیج دی گئی۔

مرلی مکر جی ڈاکٹر پرکاش کے پاس گیا' جو پاکٹ سائز نوٹ بک میں تیزی سے کچھ نوٹ

کر رہا تھا۔

"تم کیا کہتے ہو ڈاکٹر؟" مرلی مکر جی نے سوال کیا۔

"پہلے تو اس کی آبرو ریزی کی گئی' پھر اس کے سر پر آہنی ضرب لگا کر بے ہوش کیا۔ پھر اس کے جسم سے خون سرنج سے نکالا گیا۔ پھر اسے پیٹ تک چیر دیا گیا۔ اس لیے اس کے جسم میں ایک بوند لہو بھی نہیں ہے کہ اس کا سارا خون جسم چیرنے سے قبل نکال لیا گیا۔ مزید اور حتمی رپورٹ میں پوسٹ مارٹم کے بعد ہی دے سکوں گا۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ کوشش کر کے تم جتنی جلد پوسٹ مارٹم کر سکتے ہو کر لینا۔" مرلی مکر جی نے کہا۔ وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ پھر وہ رک کر رام داس کی طرف بڑھا۔ "آپ فرنانڈس کو ہپی کالونی ساتھ لے جاؤ۔ معلوم کرو کہ یہ کون ہے؟ میں ہیڈ کوارٹر واپس جا رہا ہوں۔ شاید مقتولہ کا تعلق ہپی کالونی سے ہو۔ اور اس کی ایک تصویر بھی ساتھ لے جانا تاکہ اس کی شناخت میں آسانی ہو۔"

پولیس فوٹو گرافر اور راجن ایک طرف سر پکڑے بیٹھا تھا۔ اسے پولیس کی ملازمت کرتے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ رام داس نے اس سے ایک کے بجائے تین تصویریں لیں۔ لڑکی اتنی حسین نہیں تھی' لیکن پُرکشش اور ہیجان خیز بدن کی تھی۔ پتلا چہرہ' چھوٹا سخت مگر خوب صورت سادہانہ۔ اس کا قد نکلتا ہوا تھا' جس نے اس کے تناسب جسم کو نمایاں کر دیا تھا۔

رام داس کے خیال میں لڑکی تجربہ کار اور سخت زندگی گزارنے کی عادی نظر آتی تھی۔ جب وہ گاڑی کی طرف بڑھا' تو خفیہ پولیس کا سب انسپکٹر شرما بھی آ گیا۔ وہ تیس برس کا اور مضبوط جسم کا مالک تھا' اور لوگ اسے باکسر کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔ کیوں کہ پولیس ٹیم میں اسے بہترین باکسر خیال کیا جاتا تھا۔ وہ' فرنانڈس اور رام داس گاڑی میں بیٹھ گئے۔ پھر گاڑی ہپی کالونی کی طرف چل پڑی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد انہیں ہپی کالونی کے کیبن اور جھونپڑیاں نظر آنے لگیں۔ جن کے درمیان آگ کا الاؤ بھڑک رہا تھا۔ رام داس نے گاڑی کو ایک طرف لے جا کر روک دیا۔

فضا میں موسیقی گونج رہی تھی۔ ایک آدمی گا رہا تھا۔ یہ ایک پرانا مقبول فلمی گانا تھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ میئر راگھوناتھ نے اب تک یہ جگہ ہپیوں سے خالی کیوں نہیں کرائی۔" رام داس نے ناگواری سے کہا۔ "جب کہ یہ جگہ سر کا درد ہے۔ میں میئر ہوتا تو انہیں اب تک بے دخل کر کے سرکاری ملازمین کے لیے مکانات بنوا دیتا۔ میں کسی دن میئر سے بات کروں گا۔ اُف کتنی بدبو آ رہی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ یہاں جانور رہتے ہیں۔"

"انہیں کہیں نہ کہیں تو رہنا ہے۔" فرنانڈس نے کہا۔ "شہر کے اندر رہنے کے بجائے شہر سے باہر ان کا رہنا بہتر ہے۔ ایک طرح سے شہر والوں کے لیے اچھا ہی ہے' اور شہر میں ان کے لیے جگہ کہاں ہوگی۔ اس لیے جو میئر بھی آ.. وہ انہیں ہٹاتا نہیں ہے۔"

"مجھے آپ کی بات سے اتفاق ہے۔" رام داس نے اترتے ہوئے کہا۔ "یہاں سے ہم پیدل جائیں گے۔"

رام داس ایک ایسی جگہ پہنچا' جہاں تقریباً پچاس افراد کا ایک گروہ آگ کے گرد بیٹھا تھا۔ رام داس نے ان کا سرسری انداز سے جائزہ لیا۔ ان میں سولہ برس سے لے کر پچیس برس کی عمر کے نوجوان بھی شامل تھے۔ بیشتر مردوں کی فرنچ قسم کی داڑھیاں تھیں۔ گھنی اور الجھی ہوئی اور ناتراشیدہ۔ کچھ کے بال کندھوں تک آرہے تھے۔ اگر ان کی داڑھیاں نہ ہوتی اور وہ کلین شیو ہوتے تو بالوں کی وجہ سے ان پر لڑکیوں اور عورتوں کا دھوکا ہوتا۔

لڑکیوں نے بھی ایک خاص انداز کا ڈھنگ اپنایا ہوا تھا۔ کوئی گھاگرا، چنری اور بلاؤز میں تھی۔ کچھ جینز، ٹی شرٹ اور گندے تراشیدہ بال۔ پندرہ برس کی دو ایک لڑکیوں نے صرف پٹی کوٹ اور چولی پہنی ہوئی تھی۔

جو شخص گا رہا تھا' وہ ان سب میں سب سے زیادہ لمبا، جسیم اور طویل قامت تھا۔ اس کا چہرہ اور گردن گھنے سیاہ بالوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ اس حد تک یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ خوبصورت ہے یا بدصورت۔ لیکن وہ بے حد وجیہہ دکھائی دیتا تھا۔

جیسے اس نے انہیں اپنی سمت آتے دیکھا' اس نے گانا بند کردیا۔ وہ ایک پٹی پر بیٹھا تھا۔ جیسے ہی وہ اٹھا ساری نگاہیں آنے والوں پر جم گئی تھیں' اور وہ سب منجمد آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگے۔

"پولیس۔" کسی نے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔

گانے والا طویل قامت شخص رام داس کے سامنے آکر رک گیا' تو رام داس نے سوال کیا۔ "تم کون ہو؟"

"میں اس کیمپ کو چلاتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "یہ میری زیر نگرانی ہے اور میرا نام بھوپت لعل ہے۔"

"میں انسپکٹر رام داس ہوں۔ آپ ایس ایچ او نارائن اور آپ مسٹر شرما خفیہ پولیس کے افسر ہیں۔" رام داس نے تعارف کرایا۔ "میں پولیس ہیڈ کوارٹر سے آیا ہوں' بلکہ میرے ساتھی بھی۔"

"بات کیا ہے سر!؟" اس نے مؤدبانہ لہجے میں پوچھا۔ "آپ لوگوں نے یہاں کیسے زحمت کی؟"

"کیا تم اسے جانتے ہو؟" رام داس نے جیب سے مقتول لڑکی کی تینوں تصویریں نکال کر اس کی طرف بڑھادیں۔

بھوپت لعل نے تصویروں کو لے کر الاؤ کی روشنی میں انہیں بڑے غور سے دیکھا۔ شعلوں سے تیز روشنی تھی۔

"ہاں۔" بھوپت لعل نے اثباتی انداز میں سر ہلا دیا۔ "اس کا نام روشی ہے۔ لگتا ہے کہ یہ مرگئی ہے؟" گروہ کے تمام افراد کے منہ سے گہری سانس نکلی۔ وہ سب کے سب کھڑے ہوگئے' اور ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ بھوپت لعل نے تصویریں واپس کردیں۔ پھر اس نے دریافت کیا۔ "اس کی موت کیسے اور کیوں کر واقع ہوئی ہے؟"

"اسے وحشیانہ طور پر قتل کر کے اس کا پیٹ چیر دیا گیا ہے۔" رام داس نے کہا۔ "تم اس کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہو؟"

"یہ کل سہ پہر کے بعد آئی تھی۔" بھوپت لعل بتانے لگا۔ "اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ کچھ دن یہاں رہنا چاہتی ہے۔ وہ پُونا سے آئی تھی۔ اس کو ممبئی میں کوئی ملازمت ملنے والی تھی۔ کہاں؟ کیسی اور کس جگہ' اس نے یہ تو نہیں بتایا تھا' اور نہ ہی میں نے دریافت کیا تھا' کہ یہ میری عادت نہیں ہے۔ مجھے اس کے قتل کی اطلاع سن کر بہت افسوس ہوا۔"

"وہ لڑکی کیسی تھی؟" رام داس نے پوچھا۔ "میری مراد اس کے چال چلن سے ہے۔ وہ مشکوک کردار کی تو نہیں تھی۔؟"

"میں کسی لڑکی یا لڑکے کے کردار کے بارے میں کیا بتا سکتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے وہ لڑکی ٹھیک ٹھاک ہی معلوم ہوتی تھی۔ اگر وہ غلط قسم کی لڑکی ہوتی' تو وہ اپنے کسی دوست یار کے ساتھ رہ جاتی۔ ادھر کا رخ نہ کرتی۔"

پورے گروپ میں ایک ہلچل سی ہوئی' اور ان کے چہروں پر ایک تناؤ سا پیدا ہوا تھا' اور فضا ایک دم بدل سی گئی تھی۔

رام داس ریت پر بیٹھ گیا' تو اس کے ساتھیوں نے بھی تقلید کی۔ یہ ایک اچھا قدم تھا۔ گروپ کو توقع نہیں تھی' کہ ایک پولیس افسر میں اس قدر سادگی ہے۔ اس میں رعونت بالکل بھی نہیں ہے۔ جب کہ پولیس والے بڑے اکھڑ اور بدمزاج ہوتے تھے۔ گروپ کے تمام افراد ایک لمحے کے لیے ہچکچائے۔ وہ مرغی کو بھون رہے تھے۔ اس کی بو اور ہپیوں کے جسموں کی بو مل کر رام

داس اور اس کے ساتھیوں کو پریشان کر رہی تھی۔ سمندر کے قریب ہوتے ہوئے بھی کئی کئی دن یہ نہاتے نہیں تھے' اور نہ ہی کپڑے بدلتے تھے۔ جیسے نہانا ان کے لیے بڑا اذیت ناک ہوتا تھا۔ وہ اس گندی حالت میں مست رہتے ہیں۔

"کچھ کھانا پسند کریں گے؟" بھوپت لعل نے دریافت کیا۔ "ہم لوگ کھانا شروع کرنے والے تھے۔ چکن تکے اور بروسٹ بنا رہے تھے۔ ہماری یہ ڈش بہت پسند کی جاتی ہے' اور مرغوب بھی ہوتی ہے۔"

رام داس نے آمادگی ظاہر کردی۔ چکن تکے اور بروسٹ کی بُو نے اشتہا پیدا کردی تھی۔ اسے بھوک بھی لگ رہی تھی۔ بھوپت لعل نے ایک موٹی اور نوجوان لڑکی کو اشارہ کیا۔ اس لڑکی نے ایک کاغذ میں پلیٹ کر ان کی طرف بڑھایا۔ رام داس نے لے لیا۔ لیکن اس نے شرما کو منع کردیا تھا۔ کیوں کہ شرما کو نوٹس لینے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا' کہ اس کی نوٹ میں چکنائی اور مسالہ لگ جائے۔ فرنانڈس نے اپنے حصے میں سے اپنے ہاتھ سے شرما کو کھلایا۔ یہ چکن تکے ہوٹلوں اور بار بی کیو سے کہیں لذیذ اور ذائقہ دار تھے۔ اسے کھا کر مزا آگیا۔ پھر اس نے بڑی فراخ دلی سے تعریف کی۔ کھانے کے دوران اس نے دل میں سوچا' کہ وہ کسی دن اپنی پتنی ریما سے چکن تکے بنانے کے لیے کہے گا۔ ریما طرح طرح کے کھانے پکانے کی کوشش تو کرتی ہے' اور ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر ذہن نشین کرتی ہے' روزانہ ہی کھانے پکانے کے بارے میں بتایا جاتا تھا لیکن اس کی ہر کوشش ناکام ہوجاتی تھی۔

"اسے کسی نے قتل کیا ہے؟" بھوپت لعل نے دریافت کیا۔ "آپ نے اس کے قاتل کا سراغ لگایا؟"

"ہم یہی جاننا چاہتے ہیں۔" رام داس نے جواب دیا۔ "قاتل کا کوئی سراغ نہیں لگا۔ ہم تحقیقات کررہے ہیں۔ تم نے کہا کہ وہ کل شام یہاں آئی تھی۔ ممبئی شہر میں اس کی کوئی ملازمت منتظر ہے۔"

"ہاں اس نے مجھ سے تو یہی کہا تھا۔" بھوپت لعل نے کہا۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کی طرف گردن گھما کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "تم لوگوں میں سے کسی سے اس نے کچھ کہا تھا؟ اس نے رات کس کے ساتھ بسر کی تھی؟"

"میرے ساتھ' ہم دونوں ایک ہی کیبن میں سوئے تھے۔" موٹی لڑکی بتانے لگی۔ "اس نے بتایا تھا کہ ممبئی کے ایک نائٹ کلب میں اسے ویٹرس کا کام ملا ہے۔ مگر مجھے اس کی اس بات کا یقین نہیں آیا۔"

"تمھیں اس کی بات کا یقین کیوں نہیں آیا؟" رام داس نے کہا۔ "کیا اس لیے کہ وہ بہت زیادہ حسین نہیں تھی؟"

"اس لیے کہ وہ کوئی حرافہ معلوم ہورہی تھی۔" موٹی لڑکی کہنے لگی۔ "کیوں کہ وہ کہہ رہی تھی کہ مردوں کو میں ایک پل میں پھانس لیتی ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم بہت حسین ہو؟ اس نے جواب دیا تھا کہ میں بے حد سیکسی بھی ہوں۔ اس کلب کی ملازمت میں میرے دو فائدے ہیں۔ ایک تو بخشش اور دوسرا یہ کہ وہیں پر کسی گاہک کو آسانی سے پھانس لوں گی۔"

اس موٹی لڑکی کی بات رام داس کو حقیقت سے قریب محسوس ہوئی۔ اس نے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"گیتی راج ہے۔" موٹی لڑکی نے جواب دیا۔

"تم کیا کرتی ہو؟" رام داس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "ملازمت کرتی ہو یا بھیک مانگتی ہو؟"

"گیتی یہیں رہتی ہے۔" بھوپت لعل نے کہا۔ "کھانا پکانا اس کے ذمے ہے۔ وہ اس میں بڑی ماہر ہے۔ اس کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے۔"

"کیا وہ لڑکی یہاں آئی تھی' تو اس کے پاس کوئی سامان وغیرہ بھی تھا؟" رام داس نے کہا۔ "یا وہ خالی ہاتھ آئی تھی؟"

"وہ خالی ہاتھ نہیں آئی تھی' اس کے پاس ایک دستی بیگ تھا۔" موٹی لڑکی بولی۔ "وہ کیبن میں رکھا ہوا ہے۔"

"مجھے اس کے دستی بیگ کی ضرورت ہے۔ وہ لے آؤ۔" رام داس نے کہا۔ پھر اس نے قدرے توقف کے بعد پوچھا' یہ گزشتہ رات میں کیا ہوا تھا؟ مجھے اس کے بارے میں کھل کر بتاؤ۔"

"اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ٹہلنے جارہی ہوں۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ سمندر پر چلتے ہیں' اور ہم وہاں نہائیں گے۔ میرے ساتھ نہانے میں بڑا لطف آئے گا۔ تم روزانہ نہایا کرو۔ نہانے سے اچھی ورزش کوئی نہیں ہے۔ گو تم موٹی ہو۔ وزن کم کرلو تو لڑکے تمہارے پیچھے گھومیں گے۔ تم بہت زیادہ پُرکشش ہوجاؤ گی۔ میں نے چوں کہ اسے پسند نہیں کیا' اس لیے وہ اکیلی چلی گئی۔ اس نے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا تھا' ساتھ چلنے کے لیے۔"

"تم اسے کس لیے پسند نہیں کرتی تھیں؟" رام داس بولا۔

"اس لیے کہ وہ مجھے بڑی مشکوک قسم کی لگی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ رات کی سیر کا لطف

لباس کے بغیر آتا ہے۔“ موٹی لڑکی بولی۔ ”وہ شاید رات کے وقت اس لیے نکلی تھی‘ کہ کوئی مرد پھانس لے۔ وہ اکیلی ہی ٹہلنے چلی گئی۔ دراصل اس نے مجھ سے رسمی طور پر ساتھ چلنے کے لیے کہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ میں کباب میں ہڈی بنوں۔ وہ ایک طرح سے سخت بدمزاج بھی تھی۔“

”وہ کس وقت ٹہلنے گئی تھی؟ تمہیں صحیح وقت کا اندازہ ہے؟“

”آٹھ بجے کے قریب۔“

”تم میں سے کسی اور نے اس مقتولہ لڑکی کو ٹہلنے کے لیے جاتے ہوئے دیکھا؟“ رام داس نے لوگوں کی طرف منہ کر کے بلند آواز سے پوچھا۔

”نہیں...... نہیں...... نہیں۔“ لوگوں میں سے بہت ساری آوازوں نے فوراً ہی جواب دیا۔ مردوں اور لڑکیوں کی ملی جلی آوازیں فضا میں گونج اٹھیں۔ ایک لڑکی کی آواز نے کہا۔ ”ہم نے اس کی شکل تک نہیں دیکھی۔“

”وہ ٹہلنے گئی اور کسی مصیبت میں پھنس گئی۔“ رام داس نے پھر ان سب کی طرف دیکھا۔ ”تم سب کو خصوصاً لڑکیوں اور عورتوں کو میرا مشورہ ہے کہ وہ بھولے سے بھی اکیلی رات کے وقت ٹہلنے نہ جائیں۔ یہ کوئی پراسرار دیوانہ قاتل ہے‘ جو آزادانہ راتوں کو گھومتا ہے۔ کسی نوجوان لڑکی کو قابو کر کے نہ صرف اس کی بے حرمتی کرتا ہے‘ بلکہ اس کا خون بھی پی جاتا ہے۔ پھر اس کے جسم کو چاک کر دیتا ہے۔ کسی کا سر کاٹ دیتا ہے‘ تو کسی کے بازو، پیر یا پستان۔ وہ ایسی کئی وارداتیں کر چکا ہے۔ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔“

رام داس کی بات سن کر سب پر دہشت اور خاموشی طاری ہو گئی۔ ان کے دلوں پر ہیبت بیٹھ گئی۔ چند لمحے سناٹا رہا۔ پھر اس نے پوچھا۔

”یہاں کوئی اجنبی شخص تو نہیں آیا ہے۔“ بھوپت لعل نے جواب دیا۔ ”خاص طور سے پچھلے چار گھنٹوں کے اندر؟“

”دو گھنٹے پہلے ایک اجنبی شخص تو آیا ہے۔“ بھوپت لعل نے جواب دیا۔ ”اس نے اپنا نام گنگولی بتایا ہے۔“

”اس وقت وہ کہاں ہے؟“ رام داس نے لوگوں پر نظریں ڈالتے ہوئے پوچھا۔ ان میں تو موجود نہیں ہے؟“

”وہ یہاں نہیں ہے‘ بلکہ سو رہا ہے۔“ بھوپت لعل نے جواب دیا۔ ”اس کا کہنا ہے کہ وہ سرلیش سے لفٹ لیتا ہوا‘ یہاں تک آیا ہے۔“

”میں اس سے ابھی اور اسی وقت ملنا چاہتا ہوں۔“ رام داس نے چکن تکہ ختم کر کے جیب

سے رومال نکال کر ہاتھ صاف کیے۔

”آئیے میں آپ کو اس کے پاس لیے چلتا ہوں۔“ بھوپت لعل نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

بھوپت لعل اسے اپنی رہنمائی میں لے کر بڑھا۔ اس کے دونوں ساتھی چند قدم پیچھے تھے۔ وہ ایک جگہ رک گیا۔ وہاں لکڑی کے دس چھوٹے چھوٹے کیبن بنے ہوئے تھے۔ رام داس نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”وہ ان میں سے کس کیبن میں سو رہا ہے؟“ رام داس نے دھیمے لہجے میں دریافت کیا۔

”انسپکٹر! میں یہاں کسی قسم کا ہنگامہ اور جھگڑا نہیں چاہتا۔“ بھوپت لعل نے کہا۔ ”میں دو برس سے یہ کیمپ چلا رہا ہوں۔ یہ بڑی پرسکون آبادی ہے۔ اب تک کسی قسم کا کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ مسٹر رگھوناتھ نے ہمیں یہاں رہنے کی جگہ دی ہے۔ ہم نے قبضہ نہیں کیا ہے۔ میں آپ کو اجازت نامہ دکھا سکتا ہوں۔

”تمہاری بات درست ہے۔ مگر کسی فریب اور غلط فہمی میں نہیں رہنا۔“ رام داس نے انتباہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ تمہاری اس آبادی میں ایک بہت بڑی مصیبت کسی بلا کی طرح گھس آئی ہے۔ ہم اس بلا پر قابو پانا چاہتے ہیں۔ کیا تم اس بات کو پسند کرو گے‘ کہ کوئی اور لڑکی نشانہ بن جائے؟ اسے وحشیانہ طور پر قتل کر دیا جائے۔“

بھوپت لعل نے قطار کے آخری کیبن کی طرف اشارہ کیا۔ ”وہ اس کیبن میں سو رہا ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں یہاں ٹھہروں؟“

”کیبن میں جا کر اسے جگاؤ۔“ رام داس نے کہا۔ ”اس سے کہو کہ پولیس ایک کیس کے سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہتی ہے۔ جب وہ جاگ جائے گا‘ تو ہمیں اشارہ کر دینا، ہم آجائیں گے۔“

”حیرت کی بات ہے کہ آپ پولیس والے کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے؟“ بھوپت لعل مسکرا دیا۔ ”یہ آپ کا معاملہ ہے‘ جو آپ کو نمٹانا ہے۔ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ اور پھر میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا ہے۔ بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔“

یہ کہہ کر وہ تیزی سے مڑا اور واپس لوٹ گیا۔ رام داس اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

”اگر وہ جا کر اسے جگا دیتا‘ تو اس پر کون سی قیامت ٹوٹ پڑتی؟“ رام داس نے کہا۔

”جب کہ ہم ساتھ ہی تھے؟“

"فرق تو نہیں پڑتا۔" شرما نے کہا۔ "اس کے خیال میں یہ حماقت تھی۔ وہ بہت ہوشیار اور محتاط شخص ہے۔"

رام داس نے ہولڈر سے اپنا ریوالور نکال لیا۔ ایک گہری سانس لی اور آگے بڑھ کر کیبن کا دروازہ ایک دھکے سے کھول دیا۔ حاصل کی ہوئی تربیت کے مطابق شرما ایک گھٹنے پر گر گیا' اور اپنے ریوالور سے رام داس کو کور کرلیا۔ رام داس نے کیبن کے اندر پھیلی ہوئی تاریکی میں جھانکا۔ اندر سے بدبو کا ایک جھونکا آیا' اور ساتھ ہی ایک شعلہ سا چمکا۔ رام داس برقی سرعت سے ایک طرف ہٹ گیا۔ ایک باریش نوجوان کمر تک برہنہ بستر پر بیٹھا تھا۔

"پولیس۔" رام داس نے کرخت لہجے میں کہا۔ "اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی حماقت نہیں کرنا۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" نوجوان نے حیرت اور خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ "میں نے کیا کیا؟"

رام داس آگے بڑھا۔ شرما اس کے پیچھے تھا۔ اطمینان کرنے کے بعد وہ مسلح نہیں ہے' رام داس نے ریوالور کی نالی نیچے کرلی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" رام داس نے اس کے سامنے کھڑے ہوکر پوچھا۔

"گنگولی۔" اس نے جواب دیا۔ "پولیس والے رات کے وقت سونے نہیں دیتے ہیں۔ بلا بن کر نازل ہو جاتے ہیں۔"

رام داس کیبن کی اکلوتی کرسی پر براجمان ہوگیا۔ پھر اس نے ریوالور ہولڈر میں رکھ لیا۔

"تم کیا ابھی آئے ہو؟" رام داس بولا۔ میں نے جو سنا ہے کیا وہ ٹھیک ہے؟"

"آپ کو صحیح معلوم کرنا ہے تو ٹھیک ٹھیک بتاتا ہوں۔" وہ بولا۔ "میں ٹھیک نو بج کر پانچ منٹ پر پہنچا ہوں۔"

"یہاں کس طرح سے آئے ہو؟" رام داس نے ایک اور سوال جڑ دیا۔

"میں کوئی چوپایا نہیں ہوں۔" گنگولی نے جز بز ہو کر جواب دیا۔ "اپنے ان منحوس پیروں پر چل کر آیا ہوں۔"

"زیادہ گرمی دکھانے کی ضرورت نہیں۔" رام داس نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ کس راستے سے یہاں آئے ہو؟"

"ساحل کی طرف سے۔" اس نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔ "خوش نصیبی سے لفٹ مل گئی تھی۔ وہاں سے پیدل آیا ہوں۔"

"بے وقت آنے اور تمہاری نیند خراب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک قتل کی تحقیقات ہے۔" رام داس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "کیا تم نے راستے میں کسی کو دیکھا؟ کوئی آواز سنی؟ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ سڑک کے پاس پیلے جھنڈ میں ایک نوجوان لڑکی کی لاش ملی ہے' جسے بڑی درندگی سے قتل کیا گیا۔ کہیں تم اس طرف سے نہیں آئے تھے؟"

"کیا......؟" گنگولی چونک گیا۔ "نہیں۔ میں اس طرف سے تو نہیں آیا' اور مجھے کسی کے قتل کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔"

لڑکی کو تقریباً اسی وقت قتل کیا گیا تھا' جب تم اس سڑک سے آرہے تھے۔" رام داس نے کہا۔ "تم نے کسی کو دیکھا یا کوئی آواز سنی؟"

گنگولی اپنا سر کھجانے لگا۔ اس نے نظریں چرانے کی کوشش بھی کی۔ وہ ایک طرح سے بری طرح سٹپٹا سا گیا تھا۔

"میں نے تو کسی کو دیکھا اور نہ ہی کوئی آواز سنی۔" گنگولی نے سراسیمگی سے جواب دیا۔

رام داس نے اندازہ کرلیا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے' اور چھپا رہا ہے۔ رام داس نے کہا۔ "تمہیں ہم سے تعاون کرنا چاہیے۔ دوبارہ غور کرو۔ سوچ کر بتاؤ' کیا تم نے اس سڑک پر کسی کو دیکھا تھا؟"

"مجھے دوبارہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔" گنگولی نے تیزی سے جواب دیا۔ "میرا جواب اب بھی نفی میں ہے۔"

"لڑکی کو بڑی بربریت' درندگی اور سفاکی سے قتل کیا گیا ہے۔" رام داس کہنے لگا۔ "اس کے پیروں سے پیٹ تک چیر دیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کے کپڑوں پر یقیناً خون کے دھبے ہوں گے۔ اس لیے میں تمہارے کپڑے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تم ایسا ہرگز نہیں کرسکتے۔" گنگولی نے غصے سے کہا۔ "میں کوئی عام آدمی نہیں ہوں۔ ایک وکیل کے پاس ملازمت کرچکا ہوں۔ میں ایک شہری ہونے کے ناطے جانتا ہوں کہ میرے حقوق کیا ہیں۔ کیا تمہارے پاس سرچ وارنٹ ہیں؟"

اس کی بکواس پر کان نہ دھرو اپنا کام کرو' کیبن کی تلاشی لو۔" رام داس نے شرما کو حکم دیا۔

شرما الماری کی طرف بڑھا تو گنگولی بستر سے کود کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر خشونت ابھر آئی تھی۔ پھر وہ رام داس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر اپنی جگہ جامد و ساکت ہوگیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

"عقل سے کام لو۔" رام داس نے کہا۔ "جب تم قاتل نہیں ہو تو تلاشی دینے میں کس

بات کا ڈر اور خوف ہے؟"

"میں آپ کو کسی دن سمجھ لوں گا۔" وہ درہم سے بستر پر گر کر ہذیانی لہجے میں بولا۔ "یہ بتا دوں کہ میرا باپ جج تھا۔"

شرما کو گنگولی کے کپڑے دیکھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ پھر اس نے الماری کا دروازہ بند کر کے رام داس کی طرف دیکھا۔

"اس کے کپڑوں پر خون کا دھبہ وغیرہ نہیں ہے۔" شرما نے جواب دیا۔ "یہ بلاوجہ خائف ہو رہا تھا۔"

"میں میئر اور پولیس کمشنر سے آپ کی شکایت کروں گا۔" گنگولی چراغ پا ہو کر بولا' تو رام داس بے اختیار طنزیہ انداز سے مسکرا دیا۔

"اگر تمہیں منشیات رکھنے اور بیچنے کے الزام میں دھر لیا جائے تو کیسا رہے گا؟" رام داس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"میرے پاس ایک ماشہ منشیات بھی نہیں ہے۔" گنگولی بولا۔ "تلاشی لے کر دیکھ لو۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

"میرے پاس تو ہے۔" رام داس نے جواب دیا اور جیب سے چھوٹا پیکٹ نکال کر دکھایا۔ "میں کہہ سکتا ہوں کہ مجھے یہ ہیروئن تمہارے سامان سے ملی ہے۔ عینی گواہ میرا یہ ماتحت اور دوسرا جو باہر موجود ہے۔ یہ آئیڈیا کیسا ہے؟"

گنگولی نے حیرت سے اس پیکٹ کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت اس چوہے کی سی ہو گئی تھی' جو چوہے دان میں پھنس گیا ہو۔ اس نے بڑی بے بسی سے شانے اچکائے' اور اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔

"اچھی بات ہے۔" وہ بے جان سے لہجے میں بولا۔ "میں یہ بات بھول گیا تھا' کہ پولیس سے کوئی جیت نہیں سکتا۔"

"سچ کہا ہے۔ جھوٹ بولنے اور فریب دینے کی ضرورت نہیں۔ اب کچھ اپنے بارے میں بتاؤ کیا کرتے ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اور یہاں سے کب جا رہے ہو؟" رام داس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

اس نے کہنا شروع کیا تو شرما اپنی نوٹ بک میں تیزی سے لکھتا گیا۔ فرنانڈس اندر آ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔



موہن اپنے گھر میں داخل ہوا تو اس نے سب سے پہلے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ساڑھے نو بج چکے تھے۔ گھر واپس لوٹتے سے اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ آخر وہ ایک انشورنس ایجنٹ تھا' جسے ہر وقت اپنا دماغ حاضر رکھنا پڑتا ہے۔ اس نے راستے میں دو ایک مرتبہ اپنا ماتھا پیٹ لیا تھا کہ او بھگوان یہ کیا ہو گیا؟ اس نے خود کو بڑی مصیبت میں پھنسا لیا تھا۔ ایک ایسی مصیبت' جس سے چھٹکارا پانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ کاش وہ کلدیپ کور سے کہہ دیتا کہ اسے تختے لگانا نہیں آتے ہیں۔ وہ کلدیپ کور کی بات کی تہ میں اب پہنچ گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ کلدیپ کور اسے اس بہانے سے لے جا رہی ہے' کہ اسے ساتھ لے کر غلاظت کے دلدل میں گر جائے۔ سب کچھ لٹانے کے بعد اسے ہوش آیا تھا۔ اب کیا ہو سکتا تھا۔ کڑی کمان سے نکلا تیر واپس نہیں آ سکتا تھا۔

لاش دیکھے جانے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ کوئی نہ کوئی دیکھ لے گا' اور پولیس کو اطلاع دے دے گا۔ اگر یہ لرزہ خیز واردات نہ ہوتی' وہ اپنی سالی کی شادی کی دسویں سالگرہ کی تقریب میں شریک ہو جاتا' تو اس طرح خیریت رہتی۔ کلدیپ کور کے ساتھ گزرے لحات کا نشہ بھی ذہن پر چھایا رہا۔ لیکن اس لڑکی کی بھیانک لاش نے نہ صرف کلدیپ کور کا نشہ ہرن کر دیا' بلکہ کلدیپ کور کے تراشیدہ پیکر کا تصور بھی زائل کر دیا' اور اس کے اعصاب کو ناکارہ کر دیا تھا۔ اس کے لیے گاڑی چلانا مشکل ہو گیا تھا۔ دو ایک جگہ حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ آج اتوار کی رات تھی۔ اس کے بہت سے ہمسائے گھروں سے باہر ہوں گے۔ وہ ہیڈ لائٹس بجھا کر گاڑی پارکنگ لاٹ پر لایا تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی کی نظر میں نہ آ سکے۔ شوبھا اور پولیس سے کہہ سکے کہ وہ تو بہت پہلے گھر آ گیا تھا' اور واردات کے وقت جھنڈ میں نہیں ہو سکتا تھا' اس وقت اتفاق سے چوکی دار بھی موجود نہ تھا۔ پھر وہ گھر میں داخل ہوا۔ اس نے کھڑکی کے پردے درست کر کے روشنی کی۔ ابھی تک سب ٹھیک تھا۔ اسے اس بات سے اطمینان ہو گیا تھا' کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔

عمارت میں کوئی چہل پہل نہ تھی، جیسا کہ عام دنوں میں ہوتی تھی۔

اس نے فریج میں سے یخ پانی کی بوتل نکالی، اور نشست گاہ میں آکر صوفے پر بیٹھ گیا۔
اسے سب سے پہلے اپنی پتنی کو مطمئن کرنا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر تک غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ اسے ایک حد تک ایسا سچ بولنا چاہیے، جس پر اس کی پتنی کو یقین آجائے۔ اس کی پتنی کوئی عام قسم کی اور بے وقوف عورت نہ تھی۔ پھر اس نے خاصی دیر تک سوچ بچار کے بعد ایک معقول کہانی گھڑی، جس پر اسے حیرت ہوئی۔ جیسے وہ کوئی کہانی کار ہو، اور اس میں کہانی لکھنے کی صلاحیت موجود ہو۔ پھر اس کے اعصاب قدرے ہلکے ہوئے تو وہ کلدیپ کور کے بارے میں سوچنے لگا۔

اس نے خواب وخیال میں بھی نہیں سوچا تھا، کہ اس سے ایک احمقانہ غلطی بھی ہوسکتی ہے۔
جب کہ وہ ایک محتاط اور سمجھ دار قسم کا شخص بھی تھا۔ وہ اس خیال سے فکر مند اور پریشان ہوگیا تھا، کہ اب کل دفتر میں اس کا سامنا پھر کلدیپ کور سے ہوگا۔ اب چوں کہ ان کے درمیان کوئی حجاب اور فاصلہ نہیں رہا تھا، اور دفتر میں چوں کہ ان دونوں کے سوا کوئی نہ ہوگا، وہ اس تنہائی سے فائدہ اٹھانے اور اس سے وابستگی کی کوشش نہ کرے۔ اب کلدیپ کور کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد اس سے کوئی دلچسپی رہی تھی، اور نہ ہی کوئی کشش محسوس ہوئی تھی۔ اس کے جذبات سرد پڑ چکے تھے، اور کم سے کم اس وقت اسے یہ آبرو باختہ کلدیپ کور اپنی ملازمت اور ازدواجی زندگی کے لیے خطرہ محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس خطرے سے اپنے آپ کو کیسے محفوظ رکھ سکتا ہے؟

اچانک اس کے ذہن میں داڑھی والے نوجوان کا خیال آیا، جس نے اسے اور کلدیپ کور کو دیکھا تھا۔ اگر پولیس اس نوجوان تک پہنچ گئی تو، اور اس نے پولیس کو بتا دیا، کہ اس نے کلدیپ کور اور خود اسے دیکھا تھا تو؟ اس کی پیشانی، جو عرق آلود ہوگئی تھی، اسے پونچھا۔ وہ ابھی یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ اس نے شوبھا کی گاڑی کی آواز سنی۔ اس نے ہارن کسی وجہ سے بجایا تھا۔ وہ ایک گہری سانس لے کر کھڑا ہوگیا۔ چند لمحوں کے بعد شوبھا مہکتی ہوئی اندر آئی۔

"کیا ہوگیا تھا؟" شوبھا نے تیز لہجے میں پوچھا۔ "تم پارٹی میں کیوں نہیں آئے؟ یہاں گھر پر کب سے ہو؟"

موہن نے بہت کم اپنی پتنی کو غصے میں دیکھا تھا۔ وہ اسے غصہ ہونے کا موقع نہیں دیتا تھا، مگر اس وقت تمام علامتیں ظاہر تھیں۔

"میں نے تو فون کر کے تمہارے بہنوئی صاحب کو بتا دیا تھا، کہ میری گاڑی خراب ہوگئی ہے۔" اسے پیار بھری نظروں کی گرفت میں لے کر جواب دیا۔ "کیا غضب ڈھا رہی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ پارٹی کیسی رہی؟"

"ہر کوئی صرف تمہارے بارے میں طرح طرح کے سوال کرتا رہا اور پوچھتا رہا تھا۔ دیدی تمہارے نہ آنے سے بہت اپ سیٹ تھی۔"

اس کی دیدی اپ سیٹ کیوں تھی، یہ راز اس نے اپنے سینے میں آج بھی دفن کیا ہوا تھا۔ یہ ایسا راز تھا، جس پر سے پردہ نہ اٹھایا جاسکتا تھا۔ اس کی دیدی اس پر مرمٹی ہوئی تھی۔ شادی کے سات مہینوں کے بعد ایک روز اس کی دیدی آئی، تو وہ گھر پر اکیلا تھا۔ شوبھا اپنی ایک سہیلی کی دعوت میں گئی ہوئی تھی۔ اس کی دیدی خوبصورت اور پُرکشش تھی۔ لیکن اس کا پتی، اس کا کوئی جوڑ نہ تھا۔ وہ اپنے پتی سے اس لیے متنفر تھی، کہ وہ اسے ایسا پیار نہ دے سکا تھا، جو ایک عورت چاہتی ہے۔ اس سے محبت بھری باتیں بھی نہیں کرتا تھا۔ اسے صرف بستر کی زینت سمجھا ہوا تھا۔ ایک بھنورے کی طرح تھا۔ غرض ہوتی تو پاس آتا تھا۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو ایک طوائف زادی کی طرح سمجھتی تھی۔ مرد صرف پیاس بجھانے آتے تھے۔ اس کے سوا کوئی غرض نہیں ہوتی تھی۔ کھلونے کی طرح کھیل کر چلے جاتے تھے۔ محبت اور تعریف کا ایک لفظ نہیں کہتے تھے۔ اس کی دیدی نے اسے آلودہ کرنے کی بہت کوشش کی۔ بہت دور تک بھی گئی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنا پیر پھسلنے سے بچایا، اور اسے سمجھایا۔ البتہ تھوڑی دیر تک من مانی کی تھی۔ جب کبھی تنہائی میں دونوں یک جا ہوتے تو وہ من مانی کرنے سے باز نہیں آتی تھی۔ لیکن یہ بات اس کے علم میں تھی، کہ اس کے تعلقات دفتر کے ایک لڑکے سے تھے۔ جب کبھی وہ اسے فون کرتی، تو کہتی موہن! میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ اس معاشرے میں بے جوڑ شادیاں عام تھیں۔ کچھ مرد اور عورتیں اس پر صابر شاکر ہو جاتی تھیں، اور حالات سے سمجھوتا کر لیتی تھیں۔ بعض غلط راہ پر چل پڑتے تھے۔ اس میں دونوں ہی قصوروار ہوتے تھے۔

"جان من! مجھے افسوس ہے کہ گاڑی خراب ہوگئی تھی۔" وہ افسوس بھرے لہجے میں بولا۔ "تمہی بتاؤ ایسی صورت میں میں کیا کرتا؟"

"مگر تم ٹیکسی کر کے تو آسکتے تھے۔" شوبھا نے کہا۔ "کیا ٹیکسیوں کی کوئی کمی ہے؟"

"ایک تو گاڑی سپر ہائی وے پر خراب ہوئی، جہاں کسی ٹیکسی کا ملنا ناممکن ہوتا ہے۔" موہن نے جواب دیا۔

"لفٹ لے سکتے تھے، اور ہر دس پانچ منٹ بعد ایک مسافر بس گزرتی ہے۔" شوبھا بولی۔ "تم جانتے ہو کہ دیدی تمہیں کتنا پسند کرتی ہیں۔"

"ہاں میں نے یہ سوچا تھا۔ لیکن میرا موڈ خراب ہوگیا تھا۔" وہ پھر بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ تمہاری دیدی کو شکایت کا موقع ملا۔ میں خود ان سے مل کر معذرت کر لوں گا۔ مجھے امید ہے

کہ وہ شما کر دیں گی۔"

"تمہارا موڈ خراب کیوں ہوگیا تھا؟" شوبھا نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہوا یہ تھا کہ اسکول میٹنگ فلاپ ہونے کے بعد جب گاڑی بھی خراب ہوگئی، تو میرا موڈ بھی آف ہوگیا تھا۔"

"کیا کہا میٹنگ فلاپ ہوگئی؟" شوبھا نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔ "یقین نہیں آرہا ہے۔"

"مجھے بھی یقین نہیں تھا کہ ایسا ہوگا؟" موہن نے ایک گہری سانس لی۔ "اس میٹنگ کی کامیابی کے لیے میں نے جتنی محنت اور کوشش کی تھی غالباً وہ سب اکارت گئی۔ پانچ سو کے قریب کرسیاں بچھائی گئی تھیں، مگر صرف چونتیس افراد نے شرکت کی۔ اس کے بعد پارٹی میں شرکت کے ارادے سے چلا تو گاڑی کا انجن ٹھپ ہوگیا۔ طبیعت اتنی بور ہوئی کہ پارٹی میں شرکت کا موڈ ہی نہیں رہا۔"

"تو کیا ایک پالیسی بھی فروخت نہیں ہوئی؟" شوبھا نے افسوس بھرے لہجے میں دریافت کیا۔

"کچھ ضرور فروخت ہوئیں، مگر جتنی امید تھی اتنی نہیں ہوئیں۔" موہن نے افسردگی سے کہا۔ "بڑی مایوسی ہوئی۔"

شوبھا نے آگے بڑھ کر اس کے گلے میں اپنی باہیں حائل کر دیں، تو وہ اس کے چہرے پر جھک گیا تھا، کہ اپنی بھرپور اور گرم جوشی محبت کا ثبوت دے۔ اس نے مہر محبت ثبت کر کے گویا پہلی رکاوٹ دور کر لی تھی۔ شوبھا کا غصہ اب محبت میں بدل گیا تھا۔

"مجھے واقعی بہت افسوس ہے۔" موہن نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ مجھے دعوت میں جانا چاہیے تھا۔ مگر کیا بتاؤں؟ میٹنگ کی ناکامی سے دل بجھ گیا تھا۔ میٹنگ میں آتا تو دل بہل جاتا۔ ہے نا۔"

"کوئی بات نہیں۔" شوبھا نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "میں تو تمہارے خیال سے اصرار کر رہی تھی کہ کچھ تفریح کر لو گے؟"

"تم سے اچھی تفریح کیا ہو سکتی ہے؟" موہن نے شوخی سے کہا۔ "تم اس بھوری ساڑھی اور سفید بلاؤز میں کیا غضب ڈھا رہی ہو؟"

"سنو آج سنیچر نہیں، اتوار ہے۔ وقت دیکھو کیا ہو رہا ہے۔" وہ اس کے بازوؤں سے نکل کر بولی۔ "کل پیر ہے اور ہم دونوں کو ڈیوٹی پر جانا ہے اور پھر میں بے حد تھکی ہوئی بھی ہوں۔ نیند

بھی آرہی ہے۔"

جب وہ دونوں خواب گاہ میں لباس تبدیل کر رہے تھے، تب اچانک شوبھا نے اس سے پوچھا۔

"میٹنگ ختم ہونے کے بعد مس کلدیپ کور کا کیا پروگرام تھا؟ کیا وہ تمہارے ساتھ تھی؟"

موہن کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس کی پشت شوبھا کی طرف تھی۔ اگر وہ اس کا چہرہ دیکھ لیتی تو بہت کچھ جان لیتی۔

"اس نے اپنے کسی دوست کو وقت دیا ہوا تھا۔" موہن نے جواب دیا۔ "اس لیے وہ کچھ پہلے ہی چلی گئی تھی۔"

شوبھا الماری سے نائٹی نکال کر نہانے کے لیے واش روم میں چلی گئی۔ وہ رات سونے سے قبل گردن سے نیچے نہاتی ضرور تھی۔

موہن سکون و اطمینان کی سانس لے کر بستر پر دراز ہوگیا، پھر اس نے بیڈ لیمپ آن کر کے کمرے کی دوسری روشنیاں گل کر دیں۔

"او بھگوان۔ تیرا شکر ہے کہ بات بن گئی۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد شوبھا آئی تو اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، تاکہ وہ کہیں کلدیپ کور کے متعلق سوالات نہ کرنے لگے۔



صبح وہ بیدار ہوا تو سات بج رہے تھے۔ شوبھا گہری نیند سو رہی تھی۔ وہ ساڑھے آٹھ بجے بیدار ہوتی تھی۔ کیوں کہ اسے دفتر دس بجے پہنچنا ہوتا تھا۔ اس کے دل میں آیا کہ وہ شوبھا کی نیند خراب کر دے۔ پھر کچھ سوچ کر اسے سوتا چھوڑ دیا۔ اٹھ کر شیو کی، نہانے کے بعد اس نے آملیٹ بنایا۔ سلائس ٹوسٹر میں سینکے اور کافی تیار کی۔ پھر دفتر کے لیے نکل گیا۔ شوبھا ابھی گہری نیند میں تھی۔ دفتر پہنچ کر اس کا تالا کھولا۔ دونوں اے سی آن کر کے وہ کام میں مصروف ہوگیا۔ میٹنگ کے بعد جو پالیسیاں خریدی گئی تھیں، ان کی فوری تکمیل کرنی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد کلدیپ کور آگئی۔

"ہیلو۔" کلدیپ نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔ "خیریت تو ہے نا؟ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں؟"

"نہیں۔" اس نے رسمی انداز سے جواب دیا۔ "دن خیریت سے گزر گیا۔"

"تم بہت تھکے تھکے اور نڈھال سے نظر آرہے ہو؟" کلدیپ کور چہکی۔ "کہیں یہ کل رات

کی ملاقات کا اثر تو نہیں؟"

"یہ کل تیرہ عدد پالیسیاں ہیں۔" موہن نے اس کا معنی خیز اشارہ نظر انداز کر دیا۔ "انہیں رجسٹر میں درج کرلو۔"

"ضرور۔" کلدیپ کور نے میز کے پاس آکر پالیسیاں اٹھالیں۔ "کیا آج بزنس کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوگی؟" پھر وہ دونوں ہاتھ میز پر رکھ کر جھک گئی' تو ساڑھی کا پلو پھیل کر میز پر آرہا۔

موہن نے ایک نظر دیکھا اور فائل اٹھالی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"چنتا مت کریں۔ پتنی سے بددیانتی ہوتی ہے' تو ضمیر ملامت کرتا ہے۔" کلدیپ کور نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور ہنس کر بولی۔ "یہ تھکن اور نڈھال پن جلد ہی دور ہو جائے گا۔ پھر تم تازہ دم ہو جاؤ گے۔"

پھر وہ پلو اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کا بلاؤز آگے اور پیچھے سے نامناسب حد تک کھلا ہوا تھا۔ جو جذبات بھڑکانے والا تھا۔ وہ خوشبو میں جیسے نہا کر آئی تھی۔ پورا دفتر اس خوشبو سے مہک اٹھا تھا۔

موہن سوچنے لگا کہ اسے پہلی فرصت میں کلدیپ کور سے جان چھڑا لینی چاہیے۔ اس کے سائے سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔ وہ ایک زہریلی ناگن سے کم نہیں ہے۔ اسے کسی نہ کسی بہانے سے ڈستی رہے گی۔ اس کا سارا خون چوس لے گی۔ اس پراسرار قاتل کی طرح' جو لڑکیوں کی عزت تباہ کر کے ان کا خون چوس چوس کر پی جاتا ہے۔ وہ ایسی حالت میں آتی رہے گی' تو اس کا پیر پھسلتا رہے گا۔ آخر کو وہ ایک مرد ہے۔ برف کا تودہ نہیں۔ یہ صورت حال جاری نہیں رہ سکتی۔ وہ اپنی ازدواجی زندگی کو تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اس کے باپ سے مل کر بات کرے گا لیکن وہ معقول عذر کیا ہوسکتا ہے کہ اس کا باپ کلدیپ کور کو دفتر میں بلا لے۔ اس کے باپ کو آمادہ کرنے کے لیے سوچنے لگا۔ اس کے سامنے دو صورتیں ایسی تھیں' جس پر غور کیا جاسکتا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے آہٹیں سنیں۔ اسکول کے پرنسپل کی پیشین گوئی نے سچ ثابت ہونا شروع کر دیا تھا۔ آفس کے بیرونی حصے میں کئی ملی جلی آوازیں سن کر موہن باہر نکلا۔ تقریباً بارہ افراد کاؤنٹر کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ یہ سب جاننا چاہتے تھے کہ ان کی انشورنس کمپنی ان کے بچوں اور لڑکیوں کے لیے کیا کرسکتی ہے؟ اس کے بعد کلدیپ کور اور موہن بہت مصروف ہوگئے۔ دونوں لنچ کے لیے بھی وقت نہیں نکال سکے۔ تھوڑا سا وقت ملا تو دونوں باہر آئے۔ دفتر کی عمارت کے باہر ایک کولڈ ڈرنک کارنر تھا' اس کے برابر اسنیک بار۔ دونوں نے چکن سینڈوچز

سے پیٹ بھرا تھا۔ پھر انہیں چار بجے سہ پہر سانس لینے کی فرصت ملی تھی۔

"آج تو بہت ہی رش رہا۔" کلدیپ کور خوش ہو کر بولی۔ "پتا جی سنیں گے' تو بہت خوش ہوں گے۔ بڑی کامیابی ہوگی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نے میٹنگ کے لیے جو محنت اور منصوبہ بندی کی تھی' وہ کامیاب رہی۔" موہن نے کہا۔ "یہ بات تم ضرور اپنے پتا جی کو بتانا۔ تاکہ انہیں اندازہ ہو کہ اسی محنت کا یہ پھل ہے۔"

"ہر کام اور محنت کا کوئی نہ کوئی پھل ضرور ملتا ہے۔" کلدیپ کور نے اسے تیکھی نظروں سے دیکھا اور کمرے سے نکل گئی۔

"لیکن اسے کلدیپ کور کی صورت میں جو پھل ملا وہ زہریلا ہے۔" اس نے سوچا۔ کاش وہ کلدیپ کور سے کہہ سکتا۔

موہن اپنے کمرے میں بیٹھا فروخت شدہ پالیسیاں چیک کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد فون کرنے کے ارادے سے ہاتھ بڑھایا ہی تھا' کہ اس نے بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ کیا کوئی اور گاہک آگیا ہے؟ اس نے سوچا اور اٹھ کر بیرونی آفس میں جھانکا۔

ایک دبلا مگر مضبوط جسم کا ایک دراز قد شخص کاؤنٹر کے پاس کھڑا تھا۔ موہن کے جسم میں ایک سرد سی لہر بجلی کی رو کی طرح پھیل گئی۔

"پولیس......؟ اس نے فوراً ہی انسپکٹر رام داس کو پہچان لیا۔ اگرچہ آج تک وہ اس سے کبھی نہیں ملا تھا۔ مگر گاہے گاہے اسے اس شہر کی سڑکوں پر گاڑی میں جاتے یا پیدل چلتے ضرور دیکھا تھا۔ دو ایک مرتبہ اس کے ایک دوست نے اسے بتایا تھا۔

"اس آدمی کو دیکھ رہے ہو۔ جب دو تین برس کے بعد پولیس کمشنر ریٹائر ہوگا' تو یہ اس کی جگہ لے گا۔ کیوں کہ جس تیزی اور کامیابی سے اپنی کارکردگی دکھا رہا ہے' اور ترقی کر رہا ہے' اسے اس عہدے تک پہنچا دے گی۔ اکثر سادے لباس میں رہتا ہے' نہ صرف بہت ذہین اور باصلاحیت ہے' بلکہ ہوشیار ہے۔ ایک صحرائی لومڑی کی مانند۔"

موہن جلدی سے آکر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے جیب سے رومال نکال کر چہرے سے پسینہ خشک کیا۔ فوراً اسے داڑھی والے ہپی کا خیال آیا۔ شاید اس نے پولیس کو اس کا اور کلدیپ کور کا حلیہ بتا دیا ہے۔

رام داس نے کاؤنٹر پر جھکتے ہوئے کلدیپ کور کے چہرے اور سراپا کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"مس کلدیپ کور۔"

کلدیپ کور بھی اسے اچھی طرح سے جانتی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ "آپ نے یہ سوچا کہ میں وہ نہیں ہوں۔" وہ بولی۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی اور نے میرے کپڑے پہن لیے ہوں۔ کیا صرف لباس سے ہی شناخت ہوتی ہے؟"

رام داس اس کی بات سن کر مسکرانے لگا۔ اس نے کلدیپ کور کی بات کا جواب نہیں دیا۔

"آپ ایک پولیس افسر ہیں۔" کلدیپ کور نے اپنی بات جاری رکھی۔ "میرے خیال میں آپ کے بچے ہیں انسپکٹر!"

"بچے؟" کلدیپ کور کے اس سوال نے اسے حیران کردیا۔ "نہیں تو۔ خیریت تو ہے۔ یہ سوال کس لیے کیا گیا؟"

"آپ یقیناً شادی شدہ ہوں گے۔" کلدیپ کور نے کہا۔ "اس لیے کہ آپ جیسا خوبصورت آدمی اب تک کنوارہ نہیں رہ سکتا۔"

رام داس کے منہ سے حیرت زدہ آواز نکلی۔ اسے ایسا لگا کوئی بلی اپنی پسندیدہ مچھلیوں کو کھا کر بیٹھی ہو۔

رام داس نے خود کو فوراً ہی سنبھالا۔ اپنی پتنی ریما کے ساتھ بچوں سے بھی نمٹنے کا تصور ایک خوف ناک سپنے سے کم نہیں تھا۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ کلدیپ کور شہر کے بہت دولت مند اور با اثر آدمی کی اکلوتی بیٹی ہے۔ خفیہ پولیس کے آدمی موقع واردات کے آس پاس کی تحقیقات کرتے ہوئے کلدیپ کور کے کیبن تک پہنچ گئے تھے' جو لاش ملنے کی جگہ سے صرف سو گز کے فاصلے پر واقع تھا۔ شرما شہر کے دولت مندوں کے بارے میں وسیع معلومات رکھتا تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو کیبن کے پاس جانے سے منع کردیا تھا۔ پھر اس نے ایس پی کو اطلاع دی تھی۔ ایس پی نے رام داس کو کلدیپ کور سے بات کرنے بھیج دیا۔ جس کے بارے میں معلوم ہوا کہ انشورنس کارپوریشن کمپنی کے ذیلی دفتر میوری میں کام کرتی ہے۔ اس نے رام داس کو تاکید کی تھی کہ کلدیپ کور سے بڑی احتیاط سے بات کرنا۔ کیوں کہ ہم اس کے باپ کو ناراض کرنا نہیں چاہتے۔ اگرچہ اس کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ بہت اونچے درجے کی چڑیل ہے۔

چڑیل......؟ رام داس نے قصہ کہانیوں میں پڑھا تھا کہ چڑیل آدمیوں کا خون پی جاتی ہے۔ یہ جوان لڑکیوں کا' جو وحشیانہ اور لرزہ خیز قتل ہو رہا تھا' کہیں کوئی چڑیل تو ان کا خون تو نہیں پی رہی ہے؟ چڑیل عورت ہوتی ہے۔ یہ ایک آبرو باختہ چڑیل تھی۔ یہ جو مردوں کا خون پینے والی لگتی تھی۔

"مس کلدیپ کور! میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ ایک قتل کی تحقیقات کر رہا ہوں۔" رام داس نے اپنی آمد کا مقصد بتایا۔

"کیا سچ مچ؟" کلدیپ کور کی آنکھیں معصومانہ انداز سے پھیل گئیں۔ "سردست آپ بچے پیدا کرنے کے لیے سنجیدہ نہیں ہیں۔ کوئی بات نہیں۔ ہندوستان کی آبادی میں اضافہ کے بارے میں سوچیں تب آجانا۔"

رام داس کو اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ اگر یہ بڑے باپ کی بیٹی نہ ہوتی تو اس کا دماغ درست کردیتا۔ اس نے کالر میں انگلی ڈال کر اسے ڈھیلا کرنے کی کوشش کی۔

"کل رات مس کلدیپ کور۔" رام داس نے کہا۔ "آپ کے کیبن سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر ایک لڑکی کو وحشیانہ انداز سے قتل کردیا گیا۔ کیا آپ کل رات اپنے کیبن میں موجود تھیں؟"

"ہاں اور بالکل اکیلی تھی۔ اور ہاں میں کبھی کبھی اکیلی رہنا پسند کرتی ہوں۔" اس نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ "کیا آپ بھی اکیلے رہنا پسند کرتے ہیں؟ اکیلے رہنے میں بڑا لطف آتا ہے نا؟"

رام داس کے ذہن میں ایک شبے نے جنم لیا۔ کہیں یہ لڑکی اسے بے وقوف تو نہیں بنا رہی ہے؟

"آپ نے کوئی آواز سنی؟ میری مراد چیخ سے ہے۔" رام داس نے پوچھا۔

"میں ٹی وی دیکھ رہی تھی۔" کلدیپ کور نے جواب دیا۔ "کیا آپ بھی ٹی وی دیکھتے ہیں؟ لیکن آپ جو اس قدر مصروف رہتے ہیں ٹی وی دیکھنے کا موقع کہاں ملتا ہوگا؟"

"آپ کون سا پروگرام دیکھ رہی تھیں؟" رام داس نے طنزیہ انداز سے مسکرا کر پوچھا۔

کلدیپ کور نے نظریں چرائیں۔ اس نے تاڑ لیا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ "معلوم نہیں کیا پروگرام تھا؟" اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "کوئی گلا پھاڑ کر چلا رہا تھا۔"

"آپ نے کسی گاڑی کی آواز سنی؟"

"نہیں۔ میں نے کچھ نہیں سنا۔ وہ کون لڑکی تھی؟ ہوا کیا تھا؟"

"بڑی خوف ناک واردات تھی۔ جو اس شہر میں لڑکیوں کے ساتھ ہوتی آرہی ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ اپنے کیبن میں محفوظ تھیں۔ قاتل نے لڑکی کے ساتھ جو بے رحمانہ سلوک کیا اسے دیکھنا بھی مشکل تھا۔"

"سن کر مجھے بہت افسوس ہوا۔" کلدیپ کور نے آہستہ سے کہا۔

"آپ میری کوئی مدد نہیں کرسکتیں کیوں کہ آپ نے نہ تو کچھ دیکھا اور نہ سنا۔ شکریہ مس کلدیپ کور۔ آپ کی ذاتیات سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ لیکن رات کو کیبن میں ایک لڑکی کا اکیلے رہنا خطرے سے خالی نہیں۔"

"مشورے کا بہت بہت شکریہ انسپکٹر!" کلدیپ کور نے کہا۔

جیسے ہی رام داس دفتر سے نکلا موہن خوف زدہ چہرے کے ساتھ کلدیپ کور کے کمرے میں آیا۔

"اتنا گھبراؤ نہیں۔" کلدیپ کور نے اسے دلاسا دیا۔ "خود کو پرسکون رکھو۔"

"ہمیں جو داڑھی والا ملا تھا۔" موہن نے کہا۔ "اگر پولیس اس تک پہنچ گئی تو یہ سمجھو کہ وہ سمجھ جائے گی کہ تم نے جھوٹ بولا تھا۔"

"میرے الفاظ کے آگے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں۔" کلدیپ کور بولی۔ "اس لیے کہ اس شہر میں میرے الفاظ اور خاص طور پر میرے پتا جی کے الفاظ اہمیت رکھتے ہیں۔"



رات ایک بجے جب نرملا چودھری بستر پر سونے کے لیے دراز ہوئی' نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ شانتی اور اس کی پراسرار و عجیب وغریب اور خوف ناک کہانی کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔ یہ کہانی ہرگز من گھڑت نہیں ہو سکتی تھی۔ شانتی کہانی کار نہیں تھی۔ سب سے بڑھ کر حقیقت یہ تھی' کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی تھی' اور پھر اسے جھوٹ بولنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ وہ شانتی کو آج سے نہیں' بچپن سے جانتی تھی۔ وہ نہ صرف اس کی ہم جماعت' بلکہ بہت ہی قریبی' پیاری اور عزیز ترین سہیلی رہی تھی۔

وہ ایک مہم جو عورت تھی' ہر قسم کی کہانیوں کی تلاش میں رہتی تھی' بعض اوقات اسے بے حد پراسرار' خوف ناک اور ناقابل فہم واقعات سے واسطہ پڑا تھا۔ وہ جب تک ان کے بارے میں خود سے اچھی طرح چھان بین نہ کر لیتی' اس وقت تک اسے اشاعت کے لیے نہیں دیتی تھی۔ اس کی طبیعت میں بڑا اشتیاق اور اسرار رموز تھا۔ بعض اوقات تو اس کی جان کے لالے بھی پڑ گئے تھے' لیکن اسے خوف نہیں آیا تھا' اس میں وہ ایک عجیب سی لذت محسوس کرتی تھی' اسے اس میں ایک طرح سے مزا بھی آتا تھا۔

شانتی نے جو کہانی سنائی تھی' اپنی رام کہانی سنائی تھی' وہ ایک طرح بے حد دلچسپ' پُراسرار ہی نہیں بلکہ بے حد خوف ناک تھی۔ لیکن دوسری طرف بے حد ہیجان خیز اور خون کی گردش تیز کر دینے والی تھی' اس کی زندگی میں دو ایک مرد آئے تھے' لیکن وہ عمر میں دس بارہ برس بڑے تھے' لیکن اس عمر میں اسے ایسی ہی عمر کے مردوں سے واسطہ پڑ سکتا تھا' اور پڑا بھی تھا' لیکن اس کی زندگی میں تیس برس کیا' دو تین برس اس سے کم عمر کا مرد نہیں آیا تھا' نہ ہی اس نے کبھی بیس تیس برس کے نوجوان کے بارے میں سوچا بھی تھا۔ نہ ہی بھولے سے اس کا خیال کبھی اس طرف گیا تھا۔ یوں کہ اس کی زندگی مہم جوئی اور مصروفیت میں گزری تھی' اور گزر رہی تھی' اس لیے اس نے کبھی اپنی عمر' شباب اور جذبات کے بارے میں نہ سوچا تھا' شباب کی آخری منزل پر تھی۔ شادی

اس نے اس لیے نہیں کی تھی' کہ اسے گھر' مرد اور بچوں سے دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ گھریلو زندگی اور ایک مرد کا جیون ساتھی بننا اور بچے پیدا کر کے ان کی پرورش کرنا' وہ ایک جنجال سمجھتی تھی۔ وہ آزاد رہتا اور آزاد پنچھی کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتی تھی۔

شانتی نے اپنی پُراسرار' سنسنی خیز اور خوف ناک کہانی سنا کر نہ صرف اس میں ایک ہیجان پیدا کر دیا' بلکہ اس کے جذبات کو بھڑکا دیا' کبھی مرد اس کی کمزوری نہیں رہے تھے۔ جن دو ایک مردوں سے اس کی وابستگی رہی تھی' وہ لمحاتی حادثات تھے۔ پھر بس اس کے اندر کی عورت سوگی رہی تھی۔ لیکن آج اس کے اندر کی سوئی ہوئی عورت ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ ایک بیس برس کا جوان اور خوب صورت مرد کا؟ اس کے سارے جسم پر اس کے تصور سے سنسنی دوڑتی رہی۔ وہ چاہتی تو کیا بیس برس کی عمر کے مرد کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی تھی؟ کر سکتی ہے؟ کیا اس میں اتنی کشش ہے کہ ایک مرد اور بیس برس کی عمر کا لڑکا متوجہ ہو سکے۔ شانتی پچاس برس کی ہے' اس کی طرف ایک بیس برس کا لڑکا کیسے متوجہ ہو گیا؟

پھر وہ کچھ سوچ کر اٹھی اور بستر سے نکل آئی' وہ اپنے فلیٹ میں اکیلی ہی رہتی تھی۔ اس نے کمرے کی بتیاں جلا دیں' پھر وہ سنگار میز کے بڑے آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ اس کی قید سے آزاد ہو کر اپنے آپ کو معاندانہ نظروں سے' ہر انداز' ہر زاویے اور ہر طرح سے بہت دیر تک دیکھتی رہی تھی' پھر اس نے ایسا محسوس کیا' وہ آج اب اس عمر میں بھی ایک پچیس تیس برس کی جواں سال عورت دکھائی دیتی ہے۔ اس کے جوبن کا اُبھار قیامت خیز ہے' اس کے شاداب جسم کے انگ انگ میں بجلیاں بھری ہوئی ہیں' اس کا جسم سڈول اور گداز ہے' اور اس کی قامت نے اسے پُرکشش بنا دیا ہے' وہ ہر عمر کے مردوں اور نوجوان لڑکوں کو بھی متاثر کر سکتی ہے' اجیت بھی یقیناً اس سے متاثر ہو جائے گا۔

لیکن شانتی نے تو بتایا تھا' کہ جب کیف و سرور میں کسی بات کا ہوش نہیں رہتا ہے' تو اجیت گردن میں دانت گاڑ کر خون پینے لگتا ہے' کیا وہ اسے خون پینے دے گی؟ اجیت نے جب شانتی کی مدہوشی کی حالت میں خون پیا تھا' شانتی کو کوئی درد اور تکلیف نہیں ہوئی تھی' صرف ایک ہلکی سی ہیبت کا احساس ہوتا رہا تھا' جیسے انجکشن کی سوئی سے ہوتا ہے۔

لیکن اسے اتنی دور جانے اور اجیت کے چکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ نوجوان لڑکوں کی کیا کمی ہے۔ اس کے چھریرے بدن میں اتنی شادابی' دل کشی اور جاذبیت اور شاخ گل جیسی لچک ہے کہ لڑکوں کو متوجہ اور راغب کر سکتی ہے' اور پھر اس کی گوری رنگت' جس کے ہر عمر کے مرد دیوانے ہوتے ہیں' ستار کے تاروں کی طرح' پھر کسا کسا بدن اس کی مار مرد اور لڑکے

نہیں سکتے تھے۔ لیکن اس میں یہ قباحت ہے' جب لڑکے کو وہ اپنا اسیر بنا لے گی' پھر اس کی بڑی بدنامی اور رسوائی ہو گی۔ اجیت اس دنیا کا باسی نہیں ہے۔ اور پھر بقول شانتی کے کہ اجیت جیسی نشتی دنیا کے کسی مرد میں نہیں ہو سکتی' وہ ایک غیر معمولی نوجوان ہے' ان میں جو صلاحیت' جوانی اور شباب ہے' اس کا تصور کسی مرد میں نہیں کیا جا سکتا۔ اس بات اور لذت نے اسے گدگدایا تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ اجیت کے سنگ کچھ دن گزار کر وہ یہ دیکھے گی' کہ شانتی نے جو اجیت کے بارے میں بتایا' اس میں کتنا سچ ہے' اور کتنا جھوٹ ہے۔ پھر وہ اس موذی مرد کو ختم کر دے گی' جو نہ جانے کتنی لڑکیوں سے فریب کر کے ان کا خون پی کر انہیں موت کی بھینٹ چڑھا کر ایک لمبی عمر پا رہا ہے' اس کے لیے پستول کی دو گولیاں کافی ہوں گی۔

نرملا نے ایسا لباس پہنا تھا' جو ایک طرح سے نامناسب اور جدید فیشن کا تھا' جس نے اس کے جسم' خطوط اور عضو عضو کو جیسے بے حجاب کر دیا تھا' یہ کوئی عامیانہ لباس نہ تھا۔ لڑکیاں اور عورتیں مرد کو متوجہ کرنے اور ان کی نظروں کی داد حاصل کرنے کے لیے پہنتی ہیں' یہ فیشن میں داخل تھا۔ وہ اس لباس میں ملبوس سمندر پر جا پہنچی۔ وہ اس جگہ جا کر ریت پر بیٹھ گئی' جہاں شانتی بیٹھی تھی' اور اجیت سے اس کی ملاقات ہوئی۔ یہ راجہ گھاٹ کا شمالی کنارہ تھا' وہ سمندر کی لہروں پر نگاہیں جمائے ہوئی تھی' لیکن اسے انتظار اجیت کا تھا۔ اس نے ساڑھی کا پلو شانے اور سینے سے ڈھلکا دیا تھا اور بلاؤز ایک دھجی کی طرح اس کے بدن کے فراز پر تھا۔ اس نے اجیت کو متوجہ کرنے کے لیے' بلکہ ایک طرح سے چارہ بن کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ سمندر کی لہریں اسے کسی مرد کی طرح آغوش میں لینے کے لیے تڑپ رہی ہیں۔ یہ بدمست لہریں اسے مستی اور پیار کا خزانہ معلوم دے رہی تھیں۔ لیکن اسے سمندر کی ان پُرجوش لہروں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ البتہ وہ ان لہروں پر ایک یونانی دیوتا جیسا پیکر اُبھرتا دیکھنے کے لیے بے چین تھی۔ اس نے یہ پیکر شانتی کی زبانی اجیت کی تعریف سن کر تراشا تھا' پھر اس نے ایسا محسوس کیا کہ ان لہروں پر اس کے تراشے ہوئے پیکر نے اپنا وجود اُبھارا ہے۔ پھر وہ اسے بڑے پیار اور محبت بھرے انداز سے بلا رہا ہے' اپنے بازوؤں کو جو فولادی سے تھے' پھیلا کر کہہ رہا ہے کہ آؤ اس میں سما جاؤ۔ اس کی آنکھوں میں مقناطیسی کشش تھی' جو اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے' اس کا مضبوط جسم' چوڑا چکلا سینہ اسے اپنی طرف مائل کر رہا تھا' وہ اس کے ارمانوں اور آرزوؤں کا سنگار اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ وہ اسے نہ صرف محبت کی دعوت دے رہا تھا' بلکہ قرب کے لیے تڑپا رہا تھا۔ ایک لمحے میں وہ اپنے آپ کو بھول گئی۔ اسے سچ مچ ایسا لگا' کہ وہ دیوتا اس کی نظروں کے سامنے ہے' بہت قریب موجود ہے' وہ ایک جھٹکے سے اٹھی کہ چھلانگ لگا کر دیوتا کے بازوؤں میں سما جائے' اسے ایک

زبردست ٹھوکر لگی' وہ گرتے گرتے بچی' پھر اسے ایک دم سے ہوش آ گیا' اس نے جو کچھ دیکھا تھا' وہ سراب تھا۔

نرملا یہاں جو آئی تھی' وہ آتما کی شانتی کے لیے۔ لیکن وہ مچھلی پکڑنے کے بہانے آئی تھی' تاکہ اجیت کو شک نہ ہو کہ وہ اس کی تلاش میں آئی ہے' اسے جو ٹھوکر لگی تھی' اس چھڑی سے جو وہ مچھلیوں کے شکار کے بہانے سے لے کر آئی تھی۔ وہ اجیت کے انتظار میں مچھلیاں پکڑنے کے بہانے کبھی پل پر اور کبھی راجہ گھاٹ کے شمالی حصے پر جا بیٹھتی۔ اسے بڑے صبر و ضبط کا مظاہرہ کرنا پڑ رہا تھا۔ پھر وہ راجہ گھاٹ کے نزدیک ہی کنارے کے پتھروں پر بیٹھی مچھلیاں پکڑ رہی تھی۔ زندگی میں پہلی بار مچھلیوں کا شکار کر رہی تھی۔ اس نے اتنی دیر میں چھ سات مچھلیاں پکڑ لی تھیں۔ دیکھتے دیکھتے شام ہونے لگی تھی۔ ابھی تک اجیت اس کا شکار کرنے نہیں آیا تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ کہیں ایسا تو نہیں' کہ شانتی نے اسے من گھڑت کہانی سنائی ہو۔ وہ غلط ہاتھوں میں پڑ گئی۔ اس نے کئی مردوں سے تعلقات استوار کر لیے۔ اس لیے وہ خودکشی کرنے سمندر پر آئی تھی۔ شانتی غلط راستے پر بہک گئی تھی' تو اس میں تعجب کی بات نہ تھی۔ اس لیے کہ وہ حسین عورت ہے' اس نے وقت گزاری اور مصروفیت کے لیے غلط راستہ اختیار کیا۔ سہانی شام اندھیرے کی آغوش میں سما رہی تھی' کہ اس کی مایوسی میں اضافہ ہو گیا تھا' اس نے خاصی مچھلیاں پکڑ لی تھیں' اور اس کا تھیلا چھوٹی بڑی مچھلیوں سے بھر گیا تھا۔ اسے ان مچھلیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے اجیت کے شکار سے دلچسپی تھی۔ وہ ناامیدی سی ہوئی' اس نے مایوس ہو کر واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا' کہ شانتی نے جھوٹی کہانی سنائی تھی۔

اچانک ہی اس نے اپنی پشت پر کسی کے چلنے کی آہٹ سی محسوس کی' تو اس نے اپنا واہمہ سمجھا۔ لیکن جب قدموں کی ہلکی ہلکی سی چاپ اس کے قریب آ کر رک گئی' تو اس نے بے ساختہ مڑ کے دیکھا' اس کی نظروں کے روبرو ایک بیس برس کا خوبرو نوجوان' سفید لباس میں ملبوس کھڑا تھا' بے حد وجیہہ اور دراز قد۔ وہ سات فٹ سے کچھ زیادہ ہی معلوم ہوتا تھا' اس سفید لباس میں اس کا گورا جسم نیم تاریکی میں دمک رہا تھا۔ اس نے تصور میں جو اجیت کا پیکر تراشا تھا' وہ اس سے بھی کہیں خوب صورت اور دل کش تھا' اس کا سینہ دھڑک اٹھا' یہ اجیت ہے' اس کے دل میں نادیدہ آواز نے سرگوشی کی۔

وہ سحر زدہ سی ہو کر اپنے آپ کو بھول گئی' اس نے اپنی زندگی میں ایسا صحت مند' توانا بدن کا خوب صورت نوجوان لڑکا نہیں دیکھا تھا' اور پھر اس قدر دراز قد تھا' کہ وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ شانتی نے جو اجیت کی تعریف کی تھی' وہ غلط نہیں تھی۔ اس کے سارے بدن پر میٹھی سنسنی دوڑ گئی'

اور نس نس میں خون کی گردش تیز ہو گئی' وہ اسے خواب ناک نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ کہتی کیا' اس پر محویت طاری تھی۔ اجیت نے اس پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی' اور دزدیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''آپ یہاں سمندر کے کنارے اس وقت کیا کر رہی ہیں؟ اور آپ اکیلی بھی ہیں' شام ہو گئی ہے۔''

اگر اجیت کی جگہ کوئی اور مرد ہوتا' تو وہ تنک کر جواب دیتی کہ کیا اندھے ہو' جو دیکھتے نہیں کہ میں کیا کر رہی ہوں۔ مچھلیاں پکڑ رہی ہوں۔ پھر اس نے سوچا کہ کہے کہ میرے دیوتا! میں یہاں تمہارے انتظار میں مچھلیاں پکڑ رہی ہوں۔ لیکن وہ یہ بات زبان پر نہ لا سکی۔ الفاظ اس کے حلق میں جیسے اٹک گئے تھے۔ وہ ٹکر ٹکر اس کے توانا جسم کو ندیدی نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ پھر اس نے چند لمحوں کے بعد بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ ''میں مچھلیاں پکڑ رہی ہوں' کیونکہ مجھے مچھلی بہت پسند ہے۔''

''چھی چھی چھی۔ کتنی بری بات ہے۔'' اس نے ملامت کے انداز میں کہا۔ ''آپ ان بیچاری آزاد مچھلیوں پر ظلم ڈھا رہی ہیں' یہ بہت بڑا انیائے ہے' کیا آپ انہیں پکڑ پکڑ کر ان کا جیون ختم نہیں کر رہی ہیں؟ انہوں نے آپ کا کیا بگاڑا' جو آپ بدلہ لے رہی ہیں۔ یہ تو بہت بڑا پاپ ہے' کسی کا جیون لینا۔ آپ ایک ناری ہو کر اتنی بے درد ہیں۔''

''کوئی مچھلی کسی کا کچھ نہیں بگاڑتی ہے' بلکہ ان مچھلیوں نے میرا کچھ نہیں بگاڑا ہے۔'' اس نے جواب دیا۔ ''مگر انسان اپنی خوراک کے لیے کیا کرے۔ ایشور نے انہیں اس لیے جنم دیا ہے' اور یہ مچھلیاں دوسرے کاموں میں کام آتی ہے اور پھر مچھلیاں پکڑنا کوئی نیا یا انوکھا کام نہیں ہے' اور نہ ہی میں پہلی عورت ہوں جو مچھلیوں کا شکار کر رہی ہوں۔''

اس نے اجیت کو رسیلی آواز میں جواب دیا۔ اجیت اس کے پاس ہی کنارے کے نوکیلے پتھروں پر بیٹھ گیا۔ نرملا کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کے پہلو میں ایک آتش فشاں دہک اٹھا ہو' اس کے قرب میں نرملا کو بڑا ہی فرحت بخش سا محسوس ہوا۔ اجیت کے جسم سے اٹھنے والی ایک عجیب اور فرحت بخش سی خوشبو اسے مسحور کرنے لگی' اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا' کہ وہ بے خودی سی ہوئی جا رہی ہو۔

''شریمتی جی! ہاں آپ انوکھا کام ہی کر رہی ہیں' آپ جیسی سندر ناری کو کم از کم ایسا کام نہیں کرنا چاہیے۔''

''لیکن کیوں......؟'' نرملا نے اسے تیکھی تیکھی نظروں سے دیکھا۔ ''جب دنیا مچھلی کا شکار کرتی ہے' تو میں کیوں نہ کروں۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں مچھیرے ہی نہیں' بلکہ بڑے بڑے ٹرالرز'

لانچیں اور چھوٹی بڑی کشتیاں لاکھوں مچھلیوں کا شکار کرتی ہیں۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ "انسان پتھر دل ہے' وہ نہ صرف جانوروں' پرندوں اور درندوں بلکہ انسانوں کا بھی شکار کرتا ہے' سب سے زیادہ شکار غریب مچھلیاں ہوتی ہیں' اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

"آپ مجھے کیوں اور کس لیے مچھلیوں کے شکار سے باز رکھنا چاہتے ہیں؟" نرملا نے اس کی عقاب زدہ آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے پوچھا۔ "اگر ایشور نے مچھلیوں کو انسان کی خوراک کے لیے پیدا نہیں کیا ہوتا' تو جانتے ہو کیا ہوتا؟ انسان' انسان کو کھا جاتا۔ دنیا میں اتنی زیادہ آبادی ہو گئی ہے' اور ہوئی جا رہی ہے کہ اس کے لیے خوراک کم ہوتی جا رہی ہے۔"

"مجھے آپ کی کسی بات سے انکار نہیں ہے۔" اس نے میرے اور قریب ہو کر جواب دیا۔ "میں کیوں اور کس لیے آپ کو مچھلیوں کے شکار سے باز رکھنا چاہتا ہوں' یہ ایک راز ہے' اگر آپ وچن دیں کہ یہ راز کسی کو نہیں بتائیں گی' تو میں آپ کو بتاتا ہوں' اور آپ سے وعدے کے کارن آپ سے اپنا تعارف کراتا ... آپ کو بھگوان کی سوگند کھا کر وچن دینا ہوگا۔"

"ہاں۔ میں بھگوان ... سوگند کھا کر وچن دیتی ہوں کہ تمہارے متعلق کسی کو بھی نہیں بتاؤں گی۔" نرملا نے کہا۔ "تم مجھ پر وشواس کرو۔"

"تو پھر سنیے۔" اجیت اس کے سامنے والے پتھر پر اس طرح سے بیٹھ گیا' کہ ان کے درمیان کوئی فاصلہ اور حجاب نہیں رہا۔ ان کے گھٹنے آپس میں متصادم تھے۔ نرملا نے جو دانستہ ساڑھی کا پلو گود میں گرا لیا تھا' اسے دانستہ اٹھا کر سینے اور شانے پر نہیں ڈالا' اس کے سینے اور سانسوں کے تلاطم میں ارمانوں کا ایک طوفان سا اٹھا تھا۔ اس کے جذبات میں سمندر کی لہروں کی سی طغیانی تھی۔ اجیت اس کے چہرے اور سراپا کو نظروں کی گرفت میں لے کر کہنے لگا۔ "میری کہانی نہ صرف حیرت انگیز' بلکہ بے حد عجیب و غریب ہے' جس پر آپ شاید ہی وشواس کریں۔ میں اس سمندر میں رہتا ہوں' میں درحقیقت انسان ہوں' لیکن میں مچھلی ہو کر زندگی گزار رہا ہوں' سہ پہر کے وقت جب تم یہاں آئی تھیں' میں تب سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں آپ کے بجائے تم کہہ کر اس لیے مخاطب کر رہا ہوں' کہ اجنبیت کی دیوار گرا دوں' آپ کہنے میں ایک دوری اور اجنبیت سی محسوس ہوتی ہے۔ ہاں! تو میں کہہ رہا تھا' کہ میں نے تمہیں جو دیکھا' تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ میں نے کبھی اپنی ساری زندگی میں تم جیسی سندر اور پرکشش ناری نہیں دیکھی۔ میں تمہیں دیکھتے ہی تم پر ریشہ خطمی ہو گیا۔ تم کیسی حسین دوشیزہ ہو۔"

"حسین دوشیزہ۔" نرملا درمیان میں اس کی بات کاٹ کر تیزی سے بولی اور ہنس پڑی۔

"یہ جانتے ہو میری عمر کیا ہے؟"

"کیوں نہیں......؟" اس نے نفی میں سرہلا دیا۔ "تم سولہ برس کی ایک ایسی کومل دوشیزہ ہو جو مردوں کے ہاتھوں سے محفوظ رہی ہو؟"

"یہ تم نے کیسے اندازہ کر لیا؟" نرملا دل میں خوش ہو گئی کہ اجیت نے اس کے بارے میں کتنا غلط اندازہ کیا ہے۔ اس کی عمر اور دوشیزگی کے بارے میں دھوکا کھا رہا ہے' جب وہ تیرہ برس کی تھی' تب اسے دو مردوں نے اغواء کر کے سات دن تک رکھا تھا' تب سے اسے مردوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ اس نے مردوں کی درندگی کے باعث شادی نہیں کی تھی۔ کالج اور یونیورسٹی میں کتنے لڑکوں نے اس سے محبت کرنا چاہی۔ یونیورسٹی کے ایک ہم جماعت نے اسے نشیلی دوا پلا کر فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ صحافت کی دنیا میں آ گئی تھی' جب وہ چالیس برس کی ہوئی تھی' تب اس کے دو ایک صحافی دوستوں نے دوستی کی آڑ میں اس سے فائدہ اٹھایا تھا۔ لیکن اس نے محسوس کیا تھا' کہ ایک عورت مرد کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ ایک ایسے مرد کی تلاش میں تھی' جو ایک اچھا جیون ساتھی ثابت ہو۔ لیکن یہاں سب صرف جسم اور اس کی آمدنی کے بھوکے تھے۔ اس میں شک نہیں تھا' کہ وہ ایک نوجوان سی لڑکی محسوس ہوتی تھی' اپنے چھریرے اور متناسب بدن کی وجہ سے۔ لیکن وہ بیس بائیس برس کی لگتی تھی۔ اجیت جو اسے ایک کم عمر اور کنواری دوشیزہ سمجھ رہا تھا' تو اس نے سوچا تھا کہ سمجھنے دو۔ ایک طرح سے اس کے حق میں ہر طرح سے بہتر ہے۔ اجیت کیوں اور کس لیے اس کی تعریف کر رہا تھا' وہ اس کی تہہ میں پہنچ گئی تھی۔ جب مرد کو عورت کی ضرورت ہوتی ہے' اور اسے شیشے میں اتارنے کے لیے وہ عورت کو تعریف کے خوب صورت جال میں پھانس لیتا ہے۔

"میں نے سوچا کہ کس طرح سے تم سے بات کروں' دوستی اور رابطہ کروں۔ میں نے جب یہاں سورج ڈوبنے کے بعد پایا اور تمہیں دیکھا کہ تم واپس جانے کی تیاری کر رہی ہو' دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر چلا آیا۔ میرا نام اجیت کمار ہے۔ میں ایک ہندو ہوں' اور برہمن ذات سے تعلق رکھتا ہوں۔ اب سے کوئی سو برس سے پہلے اس پہاڑی پر ایک بہت بڑا مندر تھا' اور ایک اناتھ آشرم میں تھا۔ لیکن اس مندر میں کوئی مرد پجاری اور پنڈت نہ تھا۔ یہ عجیب سی بات ہے کہ صرف میں ایک مرد تھا۔ یہاں صرف اور صرف لڑکیاں اور عورتیں تھیں۔ اس مندر کے پجاری اور جو پنڈت تھے' وہ کالی دیوی کے زیر اثر تھے' اس مندر میں بہت ساری حسین اور نوجوان داسیاں تھیں' اور کچھ نوجوان بھی تھے' کالی دیوی نے انہیں اسیر بنا رکھا تھا' تمام نوجوانوں اور پجاریوں سے کہا تھا' کہ وہ صرف اسے خوش کیا کریں گے' لیکن انہوں نے اس کی آگیا کی خلاف ورزی اور توہین کی۔ وہ داسیوں سے دل بہلانے لگے' پھر کالی دیوی نے غضب ناک ہو کر ان تمام نوجوانوں اور

پجاریوں کو آ کاش کے پرلوک میں قید کر دیا' جہاں ہر مرد اور نوجوان اس کا دل بہلاتا ہے۔ انہیں دو سو برس تک کالی دیوی کو سرفراز کرتے رہنا ہے' اس نے ان سب کو بیس برس کا نوجوان بنا رکھا ہے۔

مجھے کس لیے اس آبادی میں رہنے دیا گیا؟ اس کی کہانی یہ ہے کہ کالی دیوی سے اس آبادی کی مہارانی رتنا نے پراتھنا کی کہ ایک نوجوان کو تو رہنے دو' اسے ایسا طاقت ور' خوب صورت' وجیہہ اور دراز قد مرد بنا دو کہ دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہ ہو' کالی دیوی نے پھر مجھے رہنے دیا۔ کالی دیوی نے رتنا سے کہا کہ اجیت کی عمر اس وقت سولہ برس کی ہے' جب وہ بیس برس کا ہو جائے گا' تو دنیا کا انوکھا اور ایسا نوجوان ثابت ہو گا' کہ اس کی مثال دنیا میں کوئی مرد نہیں ہو گا' لڑکیاں اور عورتیں اس کی ایسی دیوانی ہوں گی' کہ وہ کسی اور مرد کو پسند نہیں کریں گے' لیکن وہ اپنی مرضی کا مالک ہو گا' کہ جس سے چاہے دل بہلائے۔ رانی رتنا اور دوسری حسین اور نوجوان داسیاں چار برسوں تک نوجوان لڑکوں اور مردوں سے دل بہلایا کرتی تھیں' رانی رتنا جادو منتر جانتی تھی۔ اپنے جادو کے زور سے وہ سمندر پر رات کے سمے تفریح اور پکنک منانے آنے والے مردوں اور نوجوان لڑکوں کو جادو کے زور سے غشی کا شکار بنا دیتی تھی۔ پھر وہ لڑکیاں اور رانی رتنا اپنی دامنی کا شکار کر کے آ جاتی تھیں۔ شہر سے جو نوجوان مرد اور لڑکے پُراسرار طور پر لاپتا ہوتے تھے' وہ اناتھ آشرم میں رانی پہنچا دیتی تھی' تاکہ داسیاں ان کے ساتھ وقت گزاری کریں' جب ان سے داسیوں اور رانی رتنا کا دل بھر جاتا تھا' انہیں واپس ان کے گھروں میں پہنچا دیا جاتا۔ ان کا جو وقت گزرا وہ انہیں ایک سپنا سا لگتا تھا' لیکن ایک بات' جوان کی سمجھ میں نہیں آتی' وہ یہ تھی کہ وہ کیا اتنے دنوں تک سپنوں کی حالت میں رہے' جیسا کہ گھر والے بتا رہے ہیں۔ پھر یہ نقاہت اور کمزوری۔ ڈاکٹر ان سے کہتے کہ تمہیں تو نچوڑ لیا گیا ہے' پھر ان کے ڈرپ لگتی اور خون دیا جاتا۔

رانی رتنا اور مندر کی اور اناتھ آشرم کی داسیاں اور لڑکیاں میرے بیس برس کی عمر کا ہونے کا انتظار کرنے لگیں۔ ایک ایک دن انہیں ایک صدی معلوم ہوتا تھا' وہ سب اور رتنا دیوی بھی میری دیوانی تھی۔ میں راجہ اِندر بنا ہوا تھا۔ رانی رتنا کی عمر دو سو برس کی تھی' لیکن وہ اپنے جادو منتر کے زور سے اپنے آپ کو سب سے حسین اور کم عمر بنائے ہوئی تھی۔ اور پھر اس پہاڑوں پر ایسے پھول' جڑی بوٹیاں اور پھل ہیں کہ کیسی ہی عمر کی عورت کیوں نہ ہو' ان میں سے ایک چیز کھائے' تو وہ ایک بالکل نئی نویلی دوشیزہ بن جاتی ہے۔ ایک بارہ برس کی لڑکی۔ میں بیس برس کی عمر کو پہنچنے سے پہلے رانی رتنا کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس کی ہر آ گیا کا پالن کرتا تھا۔ اس کی خوب سیوا کرتا تھا' لیکن اس کے من میں اٹھتی ہوئی دامنا بھری آگ سے ہمیشہ دور ہی رہا کیوں ... کامنی کو

بہت پسند کرتا تھا۔ میں نے سب سے پہلے اسے سرفراز کیا تھا۔ رانی رتنا نے جب یہ دیکھا' تو اس پر جیسے بجلی سی آ گری۔ حسد و رقابت نے اسے جیسے خاکستر کر دیا۔ پہلے تو اس نے مجھے ہر طرح کا لالچ دیا۔ ڈرایا اور دھمکایا بھی۔ لیکن میں اس کی کوئی بات مان نہ سکا۔ وہ میری سندرتا اور جوانی سے کھیل کر اپنے من کی بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی۔ اس انکار کے کارن اس نے مجھے طرح طرح کے کشٹ بھی دیئے۔ پھر منتر میں اس کی کوئی بات نہ مان سکی۔ وہ ایک عرصے کی بھوکی اور طلب گار تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ اپنے جادو کے زور سے مجھے جیت لے گی۔ اس کا کوئی جادو مجھ پر اس لیے چل نہ سکا تھا' کہ کالی ماتا کی آشیرواد تھی۔ وہ غصے اور نفرت سے پاگل ہو گئی۔ آخر کار اس نے مجھے شراب دینے کی ٹھانی۔ اس لیے میں اب تک اس کے دیئے ہوئے شراپ میں گرفتار ہوں' وہ مندر کب کا بھسم ہو چکا۔ اناتھ آشرم کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ رانی رتنا بھی کالی دیوی کے پرلوک میں جا چکی ہے۔ لیکن میں دکھ جھیلنے کے لیے اس سنسار میں آج بھی موجود ہوں' سو برس سے ہوں۔"

اس نے سانس لینے کے لیے توقف کیا' تو نرملا نے کہا۔ "یہ تم کہہ رہے ہو کہ یہ کوئی سو برس پہلے کی بات ہے۔ اوّل تو تم اب تک زندہ ہو اور بیس برس سے بھی کم عمر دکھائی دیتے ہو۔ یہ ایک ناقابلِ یقین بات ہے۔ دوسری حیرت انگیز بات یہ ہے' کہ تم زندہ ہو لیکن بوڑھے کیوں نہیں ہوئے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا تم اس بات کی وضاحت کر سکتے ہو؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" اجیت ایک گہری سانس لے کر کہنے لگا۔ "میری عمر اس وقت بھی بیس برس کی ہے' اب سے سو برس پہلے بھی میں بیس برس کا تھا۔ اگر اس حساب سے میں ساگر کی اس دنیا سے باہر تمہاری دنیا میں ہوتا' تو ایک سو بیس برس کا ہوتا۔ شاید زندہ نہ ہوتا۔ کیوں تمہاری دنیا میں کوئی اتنی لمبی عمر کا نہیں ہوتا۔ میں ایک بوڑھا کھوسٹ اور معذور قسم کا ہوتا۔ اس عمر میں شکن کہاں ہوتی۔ لیکن یہی تو میرا دکھ ہے کہ میری عمر اس شراپ کی وجہ سے ایک مرکز پر تھم گئی۔ میں اپنا جیون اس بیس برس کی عمر میں گزارنے پر مجبور ہوں۔ دیوتاؤں اور کالی دیوی نے کہا۔ "میں نے رتنا کے واسنا کی آگ کیوں نہیں بجھائی۔ اس کے من کی اور شریر کی آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہیے تھا' تم نے جو تکبر کیا' اپنی بھری جوانی اور مردانگی پر' اس کی سزا ہے۔ دیوتاؤں کی اس بات کا بہت دکھ ہے۔ کیوں کہ رانی رتنا نے تمہیں نہ پا کر اپنے آپ کو بھسم کر لیا' تم سدا پانی میں رہو۔ مگر میں اپنی نوجوانی کے ارمانوں کو آج تک پورا نہ کر سکا۔ میری یہ سندرتا اور جوان عمر کسی کام کی نہیں۔ اگر میں رانی رتنا کو نہ دھتکارتا' تو وہ مجھے اس حال کو نہیں پہنچاتی' میں اپنی جوانی کی رنگینیوں سے خوب فائدہ اٹھاتا۔ زندگی کے مزے لوٹتا۔ خوب عیش کرتا اور دل کی تمام حسرتیں پوری

کرتا۔ تمہاری دنیا کی رنگینی' ہنستی مسکراتی بہاروں کے خزانے جی بھر کے برسوں لوٹتا' کسی کے من میں بس جاتا' اور کسی کو من میں بسا کر اپنا سب کچھ جیون ساتھی کے چرنوں میں ڈال دیتا۔ میں تم جیسی کسی حسین ناری سے پریم کرتا۔ میرا اس سے بیاہ ہوتا' میرے بچے ہوتے۔ ساگر کی دنیا سے باہر تمہاری دنیا کے طرح طرح جھمیلوں اور نشیب و فراز سے گزرتا' کیونکہ اس میں بڑا آنند ہے میں اس سے پوری طرح لطف اندوز ہوتا۔"

"لیکن تم پھر اس حال تک کیسے پہنچے؟ رانی رتنا نے تمہارے ساتھ ایسا برتاؤ کیوں کیا؟" نرملا نے تعجب میں ڈوبتے ہوئے سوال جیسے دہرایا۔ "آخر اس میں حرج ہی کیا تھا' تم اس کی آ گیا پوری کر دیتے۔ اس قدر ضد اور ہٹ دھرمی کیوں کی تم نے؟"

"میں نے کہا نا کہ رانی رتنا مجھے ایک بار بھی حاصل کر لیتی' تو پھر میں کسی اور داسی اور کامنی کے ساتھ تعلقات نہیں رکھ سکتا تھا۔" اجیت نے جواب دیا۔ "وہ صرف اور صرف مجھے اپنا غلام بنانا چاہتی تھی' کامنی سے چھین لینا چاہتی تھی۔ وہ دو سو برس کی تھی۔ اس کی عمر صرف تین سو برس کی تھی۔ سو برس تک مجھے اپنا بنا کر رکھنا چاہتی تھی۔ سو برس کے بعد میں کسی عورت اور لڑکی کے قابل نہ ہوتا۔ وہ ایک بھنورا بنی رہتی۔ اس لیے میں نے اسے دھتکارا تھا۔ اور پھر وہ مجھے ہر قسم کی سزا دے کر تھک چکی تھی۔ ایک روز رات کے وقت ایسی حالت میں' اور ایسی حسین اور تیرہ برس کی لڑکی کی صورت میں آئی کہ میں خود پر قابو نہ پا سکا۔ بھٹکتے بھٹکتے رہ گیا۔ صرف ایک بار چوما اور اسے ایک طرف بے رخی سے دھکیل دیا۔ وہ اپنی تذلیل برداشت نہ کر سکی۔ وہ آگ بگولہ ہو گئی۔ پھر وہ نفرت اور حقارت سے بولی۔

"میں تجھے آج کی رات آخری موقع دے رہی ہوں' اتنی نفرت اچھی نہیں۔ تو اتنا مورکھ نہ بن۔ تو بھنورا بن جا۔ دیکھ میں رس بھری اور کتنی خوب صورت کلی بن کر آئی ہوں۔ تو مجھ سے کھیل کے میرے من کی بھڑکتی آگ بجھا دے۔ مجھے کالی دیوی کی آشیرواد حاصل ہے۔ میں تجھے ایسی سزا دوں گی کہ تو ہمیشہ یاد رکھے گا۔ تو نے میری شکتی نہیں دیکھی' اب بھی وقت ہے۔"

میں اس کی نفرت بھری اور دھمکی آمیز باتیں سن کر آپے سے باہر ہو گیا۔ پھر میں نے تیز و تند لہجے میں جواب دیا۔

"جاؤ۔ دفع ہو جاؤ۔ جو تیری مرضی ہے کر لے۔ میں تمہاری کوئی آ گیا ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میں مر جاؤں گا' لیکن تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گا۔ تم اتنے غصے والی ہو' تو میں بھی ضدی ہوں۔ میں ایک نوجوان مرد ہوں' تو دو سو برس کی بڑھیا ہے۔"

یہ سن کر رانی رتنا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس وقت تو اس نے اتنا ہی کہا' کہ تجھے

دیکھ لوں گی۔ پھر میں اس کے پاس سے چلا آیا۔ خیر اس سے بات آئی گئی ہو گی۔ پرنتو معاملہ ضد اور انا کا تھا۔ رانی رتنا اپنی ضد پر اڑی رہی۔ میں نے بھی سوگند کھائی تھی' کہ آتم ہتیا کر دوں گا' پرنتو اس بڑھیا رانی رتنا کے چنگل میں نہیں آؤں گا' وہ لاکھ حسین اور کم سن اور پرکشش بن کر آئے۔"

ان دونوں کو وہاں بیٹھے بیٹھے کافی دیر ہو چکی تھی۔ رات کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ نرملا کو گھر جانے کی فکر تھی۔ لیکن اس حیرت انگیز' عجیب و غریب اور پراسرار نوجوان مرد کے قرب اور باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا تھا۔ اس کی داستان سن کر نرملا کے دل میں تجسس پیدا ہو رہا تھا' اور دوسری طرف اس کا دل نہیں چاہتا تھا' کہ اجیت کے قرب کے لمحات ختم ہو جائیں۔ شانتی نے اسے اجیت کی کہانی بڑی تفصیل سے سنائی تھی۔ لیکن اجیت جو بتا رہا تھا' اس میں قدرے فرق تھا۔ لیکن وہ پوری کہانی اجیت کی زبانی ہی سننا چاہتی تھی۔ اجیت نے پورے ماحول کا جائزہ لیا' اور اس نے اپنی کہانی درمیان میں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں تمہیں بہت دیر ہو گئی ہے' رات کا وقت ہے' تھوڑی رک سکتی ہو تو رک جاؤ۔ تم ایک عورت ہو۔ اتنی دیر تک اکیلی سمندر کے کنارے ٹھیک نہیں' لیکن گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ دور دور تک کسی انسان کا پتا نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میری خاطر تھوڑی دیر کے لیے رک جاؤ۔ مجھ بدبخت کی پوری کتھا سن لو۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" نرملا نے اس کی کہانی میں اپنی مکمل دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی پوری رام کہانی سناؤ' مجھے کسی بات کا ڈر اور خوف نہیں ہے۔ آج کا دور ایسا ہے کہ ایک اکیلی عورت رات کے دو دو بجے گھر پہنچتی ہے' میں گھر دیر سے جاؤں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم کسی بات کی چنتا نہ کرو' تمہاری کہانی چوں کہ بڑی دلچسپ ہے' اس لیے ساری رات بھی سن سکتی ہوں۔"

"اصل میں مجھے اس لیے تمہاری چنتا ہو رہی تھی' کہ تم سولہ برس کی بہت ہی حسین اور غضب کی پرکشش ہو۔ یہ عمر اور نوجوانی بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ خیر تمہیں اپنے اوپر اعتماد ہے' تو سنو۔" پھر اجیت نے اپنی کہانی سنانا شروع کی۔ "میں کہہ رہا تھا کہ معاملہ ضد اور انا کا تھا' اس لیے رانی رتنا کی کیفیت ایک چوٹ کھائی ناگن کی سی تھی۔ ایک رات جب میں اور کامنی ایک طوفان کی زد سے نکل کر مدہوشی کی نیند میں تھے' تب اس گھپ اندھیرے سے رانی رتنا نے فائدہ اٹھایا۔ اس نے کامنی کا روپ دھار لیا۔ میں نے اسے کامنی ہی سمجھ لیا۔ جب میں اور وہ جذبات کی رو میں بہہ رہے تھے' اچانک احساس ہوا کہ یہ کامنی نہیں ہے' کیوں کہ کامنی کے بدن کی

سوندھی سوندھی مہک اس میں نہیں تھی۔ یہ رانی رتنا کی خوشبو تھی۔ ایک رات جب میں نے اسے اپنے بازوؤں میں پل بھر کے لیے لیا تھا' تب اس کے بدن کی خوشبو سے آشنا ہو چکا تھا۔ میں نے اسے گود میں اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ یہ ایسی توہین اور ذلت تھی' کہ رانی رتنا نے ایک دیوتا سے پراتھنا کی۔ پھر اس نے دیوتا کے آشیرواد پر ایک خاص تپسیا کا پربندھ کیا۔ یہ تپسیا مندر کے باہر کھنڈروں اور ویرانوں میں تیس دن تک ہوتی ہے۔ اور پھر اسے تیس دن تک کسی زندہ مرد کا خون پینا پڑتا ہے' وہ کرتی یہ تھی کہ رات کے سمے شہر چلی جاتی تھی' اور کسی مرد کا خون پی کر آ جاتی تھی۔ اور اس تپسیا کا کرنے والا دیوتاؤں کی بھینٹ کر کے ان سے کسی کو شراپ دینے کے لیے کہتا ہے' اور جس کے بارے میں جو چاہتا ہے' وہ ہو جاتا ہے۔ رانی رتنا آدھی رات کے سمے مندر سے نکلتی تھی' اور اس تپسیا کو پورا کرتی۔ میں جانتا تھا کہ وہ یہ سب کچھ مجھے نقصان پہنچانے کے لیے کر رہی ہے' مگر میں خاموش تھا' اور میں یہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ چوں کہ میں سچائی پر ہوں' اس لیے بھگوان کی اِچھا دکھا کر ضرور میری رکشا کرے گا' مگر بھگوان کی اِچھا چمتکار دکھانے کی نہ تھی' میں ہار گیا۔ رانی رتنا جیت گئی' اپنی تپسیا کی تیسویں اور آخری رات کو رانی رتنا نے آ کر مجھے اور کامنی کو ہم آغوش سے نکالا اور پورے زور سے چیخ کر بولی۔ "اٹھ ضدی۔ یہاں سے اور میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جا۔ اور اب اس مندر اور جزیرے پر تیرا کوئی کام نہیں ہے۔ میں نے بڑی کٹھن تپسیا کر کے اپنے لیے دیوتاؤں کی آشیرواد اور تیرے لیے شراپ پیرایت کر لیا ہے۔ اب وہی ہوگا' جو میں چاہوں گی۔ اگر تو اب بھی مجھے آغوش میں لے کر خوش کر دے تو بات بن سکتی ہے۔"

یہ کہہ کر وہ میرے بدن سے چمٹ گئی۔ میرے اندر جو نفرت کی لہر اٹھی تھی' اس نے مجھے کھولا دیا تھا۔ اس کے لب جو میرے ہونٹوں میں پیوست ہوئے' تو ایسا لگا کہ کوئی زہریلی ناگن چوم رہی ہے۔ تب میں نے اسے اپنے بدن سے جدا کر کے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ پھر کیا تھا' اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک اٹھی تھیں۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں' تو ایسا لگا' جیسے کسی نے میری آنکھوں میں آگ بھر دی ہو۔ اس ظالم نروتی نے مجھے کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ میں فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ میں یہ چاہتا تھا کہ اس کی انگارہ بھری آنکھوں میں نہ جھانکوں' لیکن اس نے نہ جانے مجھ پر کیا جادو کیا' کہ اس کی سرخ آنکھوں سے اپنی نظریں ہٹا نہ سکا۔ اس نے مجھے دوسرے لمحے بستر پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ جب میں بیٹھ گیا' تو اس نے دراز ہونے کے لیے کہا۔ میں اس کے جادو کے زیر اثر کٹھ پتلی بنا ہوا تھا' میں دراز ہو گیا۔ وہ میرے بستر کے پاس کھڑی ہو گئی۔ وہ میری آنکھوں میں چند لمحات تک جھانکتی رہی۔ پھر اس نے میرے چہرے

اور سراپا پر ایک نظر ڈالی' پھر وہ مجھ پر وحشیانہ طور پر جھک گئی۔ وحشی کی طرح بھنبھوڑنے لگی۔ اس کے من میں جو آگ بھڑک رہی تھی' تو آخر اس نے میری جوانی سے کھیل کر ٹھنڈا کیا۔ پھر وہ فاتحہ بن کر کھڑی قہقہے لگاتی ہنستی رہی۔ پھر بولی۔

"دیکھ میں نے اپنی آرزو پوری کر لی۔ تیری ضد اور انا کو آخر میں نے خاک میں ملا دیا نا۔" پھر وہ میرے پورے جسم پر ہاتھ پھیرتی' میرے بازوؤں کو سہلاتی اور میرے چہرے کو ایک طرف ہٹا کر کہنے لگی۔

"تجھے اپنی نوجوانی اور سندرتا کا بڑا مان ہے۔ ڈیڑھ دو سو برس پہلے میری زندگی میں جانے کیسے کیسے مرد آئے' لیکن ان میں تجھ جیسا ایک بھی نہ تھا۔ یوں کہ میں نے شراپ حاصل کر لیا ہے لہٰذا تو جا۔ سدا ایسا ہی سندر اور جوان رہے گا۔ دنیا میں تجھ جیسا مرد کوئی نہ ہوگا' نہ اس کی نوجوانی تجھے مات دے سکے گی۔ لیکن یہ نوجوانی اور سندرتا تیرے کسی کام نہیں آئے گی۔ کیوں کہ اب تو جل کی مچھلی بن کر وشال ساگر میں گھومتا رہے گا۔ اب نہ تو تیرے لیے موت ہے' اور نہ ہی جیون کا کوئی مزا۔ لیکن جب بھی تیری مرضی اور خواہش ہوئی تو انسانی روپ میں آ سکتا ہے۔ جب چاہے مچھلی بن سکتا ہے۔ لیکن تو ساگر کی دنیا سے نکل کر انسانوں کی بستی میں نہیں رہ سکتا۔ لیکن تو سدا نوجوان' انتہائی خوب صورت' وجیہہ اور دراز قد رہے گا' صدیاں گزر جانے کے بعد بھی تجھ پر بڑھاپا نہیں آئے گا' بھلا تو اپنے آپ کو کسی بھی روپ میں رکھے۔ پرنتو جب تو کبھی بھی اپنے آپ کو دیکھے' تڑپے گا' افسوس کرے اور پچھتاتا رہے گا کہ رانی رتنا کا کیوں نہیں ہو گیا' کہ میں نے تیرا پیرایت کر لیا' میں جیت گئی۔ لیکن شراپ کے باعث تجھے ساتھ نہیں رکھ سکتی اور تم اپنی اس نوجوانی' اس سندر' طاقتور اور توانا جسم کو لیے سمندر میں مارا مارا پھرتا رہے گا۔ پھر میں تجھے یاد آتی رہوں گی' اور یہ لمحات جو میں نے تیرے ساتھ اب گزارے۔"

یہ کہہ کر رانی رتنا نے طرح طرح کے منتر پڑھنے شروع کیے۔ پہلے ہی سے میری آنکھوں میں چنگاریاں سی بھری تھیں۔ وہ منتر پڑھتے پڑھتے مجھ پر پھونک بھی مارتی جا رہی تھی۔ میرے پورے شریر میں آگ سی لگ گئی۔ میں اس آگ میں جلنے اور تڑپنے لگا' چلانے لگا۔ پرنتو کوئی میری مدد کرنے والا نہ تھا۔ میں نے کمرے سے باہر بھاگنے کی کوشش کی' مگر ایسا معلوم ہوتا تھا' کہ میں کسی نادیدہ شکتی کے کارن وہیں ٹھہرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ میرے شریر کی آگ بڑھتی رہی اور وہ رانی رتنا زور زور سے فاتحانہ قہقہے لگاتی رہی۔ اس کے منحوس قہقہوں کے آگے میری چیخ و پکار اکارت گئی۔ میں گرمی اور جلن کے مارے بدن پر پہنے کپڑے نوچنے لگا۔ یہاں تک کہ میں لباس کی قید سے آزاد ہو گیا۔ بدن پر ایک دھجی تک نہ تھی۔ میں ایک اَن دیکھی آگ میں جلا جا رہا

تھا' اور وہ قہقہے لگاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی' تو اس کے ہاتھ میں پانی سے بھرا ایک کٹورا تھا۔ میں پورے کمرے میں چلاتا پھر رہا تھا۔ اس نے آتے ہی کسی چڑیل کی طرح شیطانی قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔ پھر وہ مجھ سے استہزائیہ لہجے میں بولی۔

"کیوں آگ میں جل رہا ہے؟ ایسی ہی آگ میں' میں تیرے لیے جل رہی تھی۔ میں نے اپنی آگ تجھے سونپ دی ہے۔ ٹھہر ابھی ٹھنڈا کرتی ہوں تیری آگ کو۔ دیکھنا مجھ میں کیسی آگ بھری تھی' یہ جذبات کی آگ ہوتی ہے۔"

میں نے اس کے ہاتھ میں پانی کا کٹورا اس سے مانگا' کیوں کہ میرے حلق میں آگ کی تپش اُمڈ رہی تھی' میں یہ چاہتا تھا کہ پانی سے اپنی پیاس بجھاؤں۔ مگر اس کمینی رانی رتنا نے مجھے پینے کے لیے پانی نہیں دیا۔ اس نے پانی کا کٹورا اپنے بائیں ہاتھ میں لیا' اور دائیں ہاتھ سے کٹورے کا پانی تھوڑا تھوڑا لے کر میرے بدن پر پھینکنا شروع کیا' وہ منہ میں پڑھتی ہی رہی اور پانی کے چھینٹے میرے بدن پر ڈالتی رہی۔ پھر اس نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا' پھر میں اس کے جذبات کا نشانہ بن گیا۔ میرے بدن میں لگی آگ میں ٹھنڈ پڑ گئی۔ اب میں بالکل شانت ہو گیا تھا۔ ساری رات اس نے لمحے کے لیے سونے نہیں دیا۔ اس طرح کھیلتی رہی' جیسے میں کوئی خوب صورت کھلونا ہوں۔ اس نے جیسے برسوں کی پیاس بجھالی۔ پھر میں نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ پھر میں گہری نیند سو گیا۔

جب میں بیدار ہوا' تو میں نے ساگر کی گہرائیوں میں اپنے آپ کو مچھلی کے روپ میں پایا۔ میں ساگر میں تیر رہا تھا۔ میں اپنا یہ روپ دیکھ کر بہت گھبرایا۔ تفکر اور پریشان بھی ہوا۔ میں تیر رہا تھا اور مجھے رانی رتنا کی بات یاد آئی' تو میں نے سوچا کہ کیا میں اپنی اصلی حالت میں آسکتا ہوں۔ دوسرے لمحے میں یہ سوچتے ہی مچھلی سے انسان بن گیا' جیسے اب تمہارے سامنے بیٹھا ہوں' میرا بدن پر یہی لباس تھا' جو میں نے بدن سے نوچا تھا' اور نکال پھینکا تھا۔ جب میں انسان کے روپ میں آتا ہوں' یہ لباس ہوتا ہے۔

میں تیرتا ہوا ساگر کے کنارے تک آیا۔ وہاں سے بھاگنا چاہا' تو پرنتو ایسا لگا' جیسے کسی نے میرے پیر میں بیڑیاں ڈال دی ہوں۔ میں بہت دیر تک کنارے پر ٹہلتا رہا' مگر سمندر کی حدود سے باہر نہ جا سکا۔ میں اس سوچ میں غرق ٹہلتا رہا کہ کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ بہت سے تک ٹہلتے ٹہلتے تھک گیا تو بیٹھ گیا۔ جب مجھے سمندر کے کنارے دو تین سے زیادہ گھڑیاں بیت گئیں' تو میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ ایسا معلوم ہوا کہ میرا دم نکل جائے گا' اور میں جل کر

خاکستر ہو جاؤں گا' میں نے فوراً ہی پانی میں غوطہ لگایا' تو تب کہیں جا کر مجھے چین ملا۔ جان میں جان آئی۔ اس طرح میں برسوں سے ساری دنیا کے سمندروں میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ اب جو میں اتنی دیر سے بیٹھا ہوں' ہلکی ہلکی سی بے چینی ہونے لگی کہ میں سمندر میں پہنچ جاؤں۔ میں کسی روپ میں بھی رہوں' لیکن تین چار گھڑیوں سے زیادہ سمندر سے باہر نہیں رہ سکتا۔

نرملا بڑے غور سے اس کی کتھا سنتی رہی تھی۔ اس کا خیال تھا' کہ وہ جس حالت میں بیٹھی ہے شاید اجیت کو بہکا دے گی۔ مگر اجیت کی نگاہیں اس کے چہرے' سراپا اور ہیجان خیز نظارے کو جذب کر رہی تھیں۔ چوں کہ وہ اپنی غم کی کہانی سنا رہا تھا' اس لیے ابھی وہ مائل نہیں ہوا تھا۔ یہ دیکھ اور محسوس کر کے نرملا نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر سوال کیا۔

"اگر تم سمندر سے زیادہ دیر تک باہر نہیں رہ سکتے تھے' تو تمہارے لیے یہ بہت آسان تھا' کہ تم اپنے آپ کو سمندر کے پانی سے دور رہ کر خودکشی کر لیتے۔ لیکن تم نے اس طرح سے ایک صدی گزار دی۔ اس طرح سے چھٹکارا پانا تو بہت آسان تھا۔ اس طرح سے تم اپنی کرب ناک اور سوہانِ روح زندگی سے کب کے نجات پا لیتے۔ ایسی زندگی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے؟"

"دکھ یہی تو ہے کہ میں اپنا جیون نشٹ بھی نہیں کر سکتا۔" وہ دل گرفتہ لہجے میں کہنے لگا۔

"میں نے ایک نہیں' سینکڑوں نہیں ہزار بار اپنے آپ کو پانی سے دور رکھ کر دیکھا۔ گھنٹوں پانی سے باہر رہ کر بھی دیکھا۔ مگر جب میں پانی کے بغیر تڑپنے لگتا ہوں' اور یوں محسوس کرنے لگتا ہوں کہ بس اب لمحوں کا مہمان ہوں' تب کوئی نادیدہ طاقت مجھے پانی میں پھینک دیتی ہے' نہ جانے وہ کون سی طاقت ہے' جو مجھے سمندر سے دور بھاگنے نہیں دیتی' نہ ہی مجھے مرنے دیتی ہے۔ مجھے پھر رانی رتنا کے الفاظ یاد آتے ہیں' اور ان کی گونج سنائی دیتی ہے کہ تُو تڑپے گا' اور سدا اپنے اس جوان اور سندر شریر کو لیے سمندروں میں مارا مارا پھرتا رہے گا۔"

"تمہاری کہانی نہ صرف حیرت انگیز' بلکہ نہایت عجیب و غریب ہے۔ لیکن کیا تم اس طرح اپنا سارا جیون بتا دو گے؟" نرملا نے پوچھا۔

"تم نے ایک صدی تک دنیا کے سمندروں کی سیر کی۔ بہت سے مختلف ممالک کے سمندروں اور لوگوں کو بھی دیکھا۔ تم نے وہاں کی عورتوں کو کیسا پایا؟ کیا تم نے ان عورتوں کے ساتھ وقت گزاری کی۔ وہ عورتیں تم پر مر مٹیں؟"

"امریکہ اور یورپ کی نوجوان لڑکیاں اور عورتیں مردوں کی بڑی بھوکی ہوتی ہیں۔" وہ بتانے لگا۔ "میں جب کسی انسان کے روپ میں ساحل سمندر پر ٹہلنے لگتا تھا' کوئی نہ کوئی لڑکی یا عورت مجھے دیکھتی تو آ جاتی۔ میری خوب صورتی اور وجاہت ہی نہیں' بلکہ میرا جسم اور دراز قد

انہیں بہت زیادہ متاثر کرتا تھا۔ وہ مرتی تھیں۔ لیکن نجانے کیوں وہ لڑکیاں اور عورتیں مجھے متاثر نہ کرسکیں۔ ہندوستانی عورت میں جو بات ہے' وہ دنیا کی کسی اور عورت میں نہیں۔"

"کیا ایسا ممکن ہے کہ تم اس زندگی سے نجات پالو۔" نرملا کہنے لگی۔ "آخر تم کب تک اس طرح کی زندگی گزارتے رہو گے؟ کیا ایسی کوئی تدبیر اور طریقہ نہیں ہے' کہ تم ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنے سے بچ جاؤ' اس شراپ کا کوئی توڑ تو ہوگا؟"

اجیت کی شخصیت میں ایسا سحر تھا' کہ وہ اس کے قرب سے مسحور ہوئی جارہی تھی۔ اس کے دل میں اس خوب صورت دیوتا کے لیے ہمدردی کے جذبات تھے۔ اس کی پوری داستان سن کر اس کا دل یہ چاہنے لگا تھا' کہ کسی طرح بھی اس کی مدد کرے۔

وہ نرملا کی بات سن کر بہت خوش ہوا۔ اس نے نرملا کے گورے گورے سڈول اور خوب صورت ہاتھوں کی پشت پر اپنے ہونٹ ثبت کر دیئے' اور اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم جتنی حسین ہو' تمہارا دل بھی اتنا ہی خوب صورت اور ہمدردی سے بھرا ہوا ہے۔ تم پہلی عورت ہو' جو اپنے آپ کو میرے حوالے کیے بغیر' مجھ سے ہمدردی اور خلوص کا اظہار کر رہی ہو۔ اب تک جتنی لڑکیاں اور عورتیں ساحل سمندروں پر ملیں' اور انہوں نے مجھ سے کوئی ہمدردی اور خلوص کا اظہار نہیں کیا۔ وہ صرف اور صرف میرے قرب' میری جوانی' سندرتا اور وقت گزاری کی بھوکی تھیں۔ میں نے انہیں اس لیے اپنی بپتا نہیں سنائی کہ وہ خودغرض تھیں۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں۔ اس سنسار میں ہر چیز کا توڑ موجود ہے' دکھوں اور کٹھنائیوں کے گھور اندھیرے کے بعد سکھ اور چین کا سویرا بھی آتا ہے۔ میرے دکھ کا بھی علاج ہے۔ اور میں جس منتر کے جال میں پھنسا ہوں' اس کا توڑ بھی ضرور ہے۔ پرنتو اس سے چوں کہ تمہیں گھر جانے میں دیر ہو رہی ہے' اور میں بھی پانی سے بہت دیر تک باہر رہنے کے کارن بے کل ہو رہا ہوں۔ اس لیے اب تم گھر جاؤ' اور اگر تم سچ مچ اس دکھیا کی مدد کرنا چاہتی ہو' تو کل شام پھر یہیں آنا۔ میں تمہیں وہ طریقے بتلاؤں گا' جن سے تم میرے دکھوں کا علاج کرسکو گی۔ کیا تم سچ مچ۔ خلوص و ہمدردی سے میری مدد کرو گی؟ کیا میں تمہاری بات کا یقین کرلوں؟"

نرملا نے اسے بے ساختہ جواب دیا۔ "میں تمہاری مدد ہر قیمت پر اور ہر طور سے کروں گی۔ اس مصیبت سے نجات دلاؤں گی۔ میں کل ضرور آؤں گی۔ تم مجھے یہیں ملنا۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے تمہارا انتظار کرنا پڑے' تم مجھے انتظار مت کرانا۔"

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔" اجیت نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔ "لیکن میری تم سے ایک بنتی ہے' وہ یہ کہ تم میرے اور میری کتھا کے بارے میں کسی کو بھی بالکل بھی نہیں بتانا۔ ورنہ ہم

دونوں کے درمیان جو اٹوٹ رشتہ قائم ہوا ہے' اسے رانی رتنا کی بدروح توڑ دے گی۔ وہ بڑھیا ایک بدروح ہے۔ جب تک شراپ ختم نہیں ہو جاتا میری دشمن بنی رہے گی۔"

نرملا بھی کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایکا ایکی سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ وہ دیکھتی رہ گئی۔ وہ نرملا کو کچھ دور تک سمندر میں تیرتا دکھائی دیا' اور پھر رات کی تاریکی اور سمندر کی گہرائیوں میں غائب ہو گیا۔ وہ اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔ کاش! وہ اس کا ایک بوسہ لے لیتا۔ اس نے اپنا مچھلی پکڑنے کا سامان وغیرہ سمیٹا۔ پھر وہ پکڑی ہوئی مچھلیاں اس رسالے کے ایڈیٹر کی پتنی کو دے کر گھر چلی آئی' جن کے رسالے کے لیے وہ لکھتی تھی۔ اس کی پتنی اتنی ساری مچھلیاں دیکھ کر خوش ہو گئی تھی۔

وہ صرف ایک بڑی مچھلی لائی تھی' جو اس نے پڑوسن کو دے دی' اور خود نیچے جو چکن بروسٹ کی دکان تھی' وہاں سے بروسٹ لے آئی۔ کھانے کے بعد وہ چائے پیتی ہوئی شانتی کی سنائی ہوئی کہانی اس سے اس کہانی کا موازنہ کرنے لگی۔ اجیت سے متعلق کوئی بات شانتی نے اس سے نہیں چھپائی تھی۔ ایک ایک بات بتائی تھی۔ وہ اس سے کوئی بات نہیں چھپاتی تھی۔ کیوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی ہمراز تھیں۔ اس کی بات سے شانتی واقف تھی۔ اس کی زندگی میں جو لڑکے اور مرد آئے تھے' وہ شانتی کو بتا چکی تھی۔ اس لیے شانتی نے اجیت کے بارے میں کوئی ایک بات نہیں چھپائی تھی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ اجیت کی کہانی میں تضاد ہے۔ قدرے مختلف ہے۔ اجیت نے دانستہ سب کچھ وہ نہیں بتایا' جو اس نے شانتی سے کہا تھا۔

نرملا اس خیال سے ساحل سمندر گئی تھی' کہ شانتی کی کہانی کی سچائی کا پتا چلائے۔ اس کے نزدیک یہ ناممکن سا تھا' کہ ایک مچھلی انسانی روپ میں آ جائے۔ وہ سو برس سے سمندروں کی دنیا میں رہ رہا ہے۔ دوسری طرف چوں کہ وہ توہمات پر وشواس رکھتی تھی' کہانی کی تلاش میں آئی تھی' تاکہ وہ کہانی رسالے کی زینت بنا دے۔ وہ کوئی واقعہ یا کہانی تحقیق کیے بغیر نہیں لکھتی تھی۔ لیکن ساحل سمندر پر آ کر اجیت سے ملاقات ہوئی' تو اسے شانتی کی ہر بات پر یقین آ گیا۔ بیس برس کے اجیت نے اسے ایسا محسور کیا' وہ جیسے اس کی اسیر بن گئی' جیسا کہ شانتی نے اسے بتایا تھا' کہ اجیت کی نوجوانی اور وجاہت غیر معمولی ہے' وہ اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔ کاش! اس کا خون نہ پیتا۔ نرملا نے سوچا کہ وہ اجیت سے دوستی رکھے گی۔ اور پھر اسے ٹھکانے لگا دے گی۔ شراب یا زہر سے۔ یا پانی سے باہر رکھ کر اس موذی انسان کو ختم کر دے۔ اسے فریب سے مارنا ہوگا۔ وہ چشم تصور میں صرف اجیت کو دیکھ رہی تھی' وہ اس کی پراسرار داستان کے بجائے اجیت کے بارے میں سوچ رہی تھی' کہ کیسا زبردست نوجوان ہے۔ اس کی وجاہت' اس کا فولاد جیسا جسم'

بازو اور دراز قامت اور خوب صورتی۔ کیا بھگوان نے اسے فرصت میں بنا دیا۔ اور پھر اسے اجیت نے کل شام بلایا تھا' اس بہانے سے کہ وہ اسے مصیبت سے نجات دلانے کے لیے تدبیر اور طریقہ بتائے گا۔ وہ طریقہ کیا ہے' ایک بہانہ ہوگا اسے اپنا اسیر بنانے اور خون چوسنے کا۔ شانتی اسے بتا چکی تھی۔ کل پیش آنے والے لمحات کے خوش آگیں تصور سے اس کے سارے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ وہ اس تصور کے خیال میں ایسی ڈوبی کہ اس کی آنکھ لگ گئی۔

وہ شانتی سے ملنے اور اس کی عیادت کرنے گئی' تو اس نے اجیت سے ملاقات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا' نہ ہی اسے ابھی اعتماد میں لینا چاہتی تھی۔ شاید شانتی اسے منع کرے' اور سارا معاملہ گڑبڑ کر دے۔ وہ جتنی دیر بیٹھی رہی' اس دوران میں اجیت کا کوئی ذکر نہ ہوا۔ شانتی اس لرزہ خیز واقعہ کا ذکر کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے اس نے گریز کیا اجیت کے ذکر سے۔ اس کی صحت تیزی سے بحال ہو رہی تھی۔

دن نرملا سے کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ لمحہ لمحہ صدی بن گیا تھا۔ دفتر میں بھی وہ بار بار اپنی دستی گھڑی دیکھتی رہی تھی۔ اس کا دل مچل اور تڑپ رہا تھا' کہ کب شام ہو اور وہ کب ساحل سمندر پہنچے' اور اجیت کی بازوؤں میں سما جائے' شام ہوتے ہی وہ دل میں بے چینی اور بے تابی کا طوفان سمیٹے' اس کنارے چل پڑی تھی' جہاں اس کی اجیت سے ملاقات ہوئی تھی۔

چوں کہ اس شام کے دھندلکے رات کی تاریکی کے آغوش میں نہیں گئے تھے' اس لیے وہ بے مقصد ادھر ادھر گھوم کر اور پھر ایک سینما ہاؤس میں ٹکٹ لے کر بیٹھ گئی' جو ساحل سمندر کے قریب تھا۔ اسے رات نو بجے کا انتظار تھا۔ یہ انگریزی فلم انتہائی جذباتی اور رومانی مناظر سے بھری ہوئی تھی' جس نے نرملا کے جذبات میں ایک ہلچل سی مچا دی تھی۔ فلم نو بجے سے پہلے ختم ہوگئی' تو وہ گاڑی پارکنگ پر کھڑی کر کے کنارے کی طرف لپکی۔ تھوڑی ہی دیر بعد پانی میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی۔ وہ آج ریت کے ٹیلے پر بیٹھی تھی۔ اجیت نمودار ہو کر اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا' وہ نرملا کو دیکھتے ہی بولا۔ "مجھے آشا تھی کہ تم ضرور آؤ گی۔ پرنتو کیا یہ عجیب بات نہیں ہے' کہ میں تمہیں اپنی پوری جیون کتھا سنا چکا ہوں۔ اور تم میرے بارے میں سب کچھ جان چکی ہو۔ لیکن تم نے مجھے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"میرا نام نرملا چودھری ہے۔" اس نے بے اختیار ہو کر جواب دیا۔ "تم مجھے نرملا کہہ کر پکارنا۔"

"نرملا میری پیاری نرملا! جب تم یہاں مچھلیاں پکڑنے آئی تھیں' میں اس وقت تیر رہا تھا' تمہیں پہلی نظر میں دیکھتے ہی' مجھے ایسا لگا' جیسے میں تمہیں دل دے بیٹھا ہوں۔ صرف ایک لمحے

میں مجھے ایسا لگا' جیسے ہم دونوں کے درمیان صدیوں سے ایک انجانا سمبندھ ہے۔ میں ساگر کی لہروں سے کھیلتا کھیلتا تمہیں محویت سے دیکھتا رہا۔ مگر میں کیول اتنا جانتا ہوں' کہ میں تم سے پریم کرنے لگا ہوں۔ سچا اور امر پریم۔ اب تمہاری مرضی ہے کہ مجھ دکھیارے کے پریم کے پھول اپنی جھولی میں ڈال لو یا اپنے چرنوں تلے روند ڈالو۔"

اجیت نے کچھ اس خوب صورت انداز سے اپنی محبت کا اظہار کیا کہ نرملا بے خودسی ہو گئی۔ اس کے پیار بھرے ان الفاظ میں جادو تھا' اور اس کے پُرسوز آواز میں نغمے بھرے تھے۔ گویا اسے مدہوش کر دینے کے لیے کافی تھے۔ نرملا نے دیوانہ وار اپنے ہاتھوں میں اس کے ہاتھ تھام لیے۔ نرملا پر ایک نشہ سے چھایا رہا تھا۔ اجیت نے اس پر ایسا جادو کیا تھا' وہ اپنے آپ کو فراموش کر بیٹھی تھی۔ ایسا نوجوان اس کی زندگی میں نہیں آیا تھا' اور نہ آ سکتا تھا۔ اس نے بے خودی کی حالت میں اجیت سے پوچھا۔ "میرے من کے دیوتا! کیا تم بتاؤ گے کہ ہم کس طرح ایک ہو سکتے ہیں؟ یہ تم نے مجھے کیا کر دیا۔ میں تم سے جدا ہو کر نہیں رہ سکتی۔ کیا کوئی ایسا ذریعہ ہے' جس سے تم اس جنتر منتر کے جال سے باہر نکل سکتے ہو۔ بتاؤ۔ تمہارے ذہن میں کیا طریقہ ہے' کیا تدبیر ہے؟"

اجیت کو اس بات کی توقع نہیں تھی' کہ نرملا اس پر فریفتہ ہو جائے گی۔ وہ اپنی محبت کا جواب محبت سے پا کر بے انتہا خوش ہوا تھا۔ دوسری ہی ملاقات میں نرملا نے اپنا سب کچھ بڑی خودسپردگی میں اسے سرفراز جو کیا تھا' وہ نہ صرف حیران کن تھا' بلکہ سرشار بھی کیا تھا۔ اسے یقین نہ آیا تھا۔ "میری جان نرملا!" اس نے نرملا کے ریشمی سیاہ بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔ "تم نے سولہ برس کی دوشیزہ ہوتے ہوئے پہلی بار تم نے اپنا کنوار پن مجھ پر نچھاور کر دیا۔ میں کتنا خوش ہوں کہ تم نے میری محبت میں ڈوب کر اپنا سب کچھ مجھے سونپ دیا' جو اس بات کا ثبوت ہے کہ تم مجھ سے پریم کرنے لگی ہو۔ تم چاہو تو میں اپنے اس دُکھی جیون سے چھٹکارا پا سکتا ہوں اور میرے جیون کے سو برس کم ہو جائیں گے۔ پھر میں اپنی اس ہی بیس برس کی عمر سے اپنا اصلی جیون شروع کر سکتا ہوں۔ جب تک میری طبعی عمر ہے' میں تمہارا ایک ادنیٰ سا غلام اور بھکاری بن کر رہوں گا۔ پھر تم بھی سدا اس عمر کی رہو گی۔"

"اگر ایسا ہے تو مجھے بتاؤ۔" نرملا جذباتی ہو کر بولی۔ اس نے ایک پل میں بہت کچھ سوچ لیا تھا کہ اجیت کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ایسا نوجوان اسے کہاں ملے گا' جو نہ جانے کتنے مردوں پر بھاری ہے۔ اس کی نوجوانی دنیا کے کسی بھی مرد میں نہیں ہو سکتی' اس کی نوجوانی نے پاگل کر دیا تھا۔ شانتی نے اجیت کو پیرا ہت نہیں کیا' لیکن وہ پیرا ہت کر کے رہے گی۔ شانتی نے اسے اس

لیے اجیت سے بدظن اور خوف زدہ کیا' وہ نہ حاصل کر لے۔ شانتی کی صحت جو متاثر ہوئی ہے' وہ اجیت کے خون پینے سے نہیں بلکہ حد سے زیادہ وقت گزاری سے۔ لیکن وہ ایسا نہیں کرے گی۔ اس وقت نرملا کا ذہن کچھ اور سوچنا نہیں چاہتا۔ ان لڑکیوں کے بارے میں بھی' جو سمندر کے کنارے پراسرار موت کا شکار ہو کر پائی گئی تھیں۔ اب تو صرف اور صرف اجیت تھا' اور اس کی بھرپور' انوکھی اور ایسی لازوال نوجوانی' جو کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔ اجیت نے اسے جس لذت سے آشنا کیا' وہ دنیا کا کوئی مرد نہیں کر سکتا تھا۔

"تم کیا سوچنے لگی ہو میری جان نرملا!" اجیت نے اسے بازوؤں میں بھر لیا' کچھ دیر تک اس پر جھکا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بولی۔ "اس سلسلے میں تمہاری خاطر جو کچھ کر سکتی ہوں وہ کروں گی۔ میں وہ سب کرنے کے لیے تیار ہوں' جو تم چاہتے ہو۔ بتاؤ میں کیا بلیدان کر سکتی ہوں؟"

"میری جان نرملا!" اجیت نے اس کے چہرے پر جھک کر چند لمحوں کے بعد کہا۔ "مجھے تم سے یہی آشا تھی۔ تم نے یہ شبد کہہ کر میرا مان رکھ لیا۔ میں جانتا تھا کہ تم میرے وشواش کو ٹھیس نہیں پہنچاؤ گی۔ تمہیں صرف سات دن تک چھوٹا سا بلیدان دینا ہے۔ ان سات دنوں میں جو میں کہوں' وہ تمہیں کرنا ہے۔ پھر میں ساگر سے دور ہو کر سدا کے لیے تمہارا ہو جاؤں گا۔ بولو تمہیں منظور ہے؟"

"ہاں! مجھے ہر بات منظور ہے۔" نرملا نے اس کے ہونٹوں پر مہر محبت ثبت کر کے جواب دیا' نرملا اس کی محبت کے جذبات کے اندھے جنوں میں تھی' کہ اس نے تفصیلات نہیں پوچھیں' اسے اس لمحے یہ یاد نہیں رہا تھا کہ شانتی نے اسے کیا بتایا تھا۔

"اچھا! آؤ میرے سنگ۔" اجیت نے کہا۔ "ہم آج ابھی اور اسی وقت سے اپنا کام شروع کر دیں۔"

پھر نرملا کھڑی ہو گئی' وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ نرملا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر وہ ریت کے ٹیلے سے اتر کر پتھروں پر چلنے لگے۔ چند قدم چلنے کے بعد اجیت نے اسے گود میں اٹھا لیا۔ رات کی تاریکی میں وہ نرملا کے لیے راجہ گھاٹ تک پہنچا' اور اسے گود سے اتار دیا۔ پھر دونوں راجہ گھاٹ کے دروازے پر پہنچ کر رک گئے۔ گھاٹ کا بڑا چوبی نقش و نگار والا دروازہ بند تھا۔ اجیت نے اسے آہستہ سے دھکا دیا' تو وہ کھل گیا۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ گھاٹ میں گہرا اندھیرا اور سکوت طاری تھا۔ نرملا نے پھر سے اجیت کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اجیت نے اسے گود میں اٹھا لیا اور گھاٹ کی سیڑھیوں تک لے گیا۔ پھر نرملا کو اتار دیا۔ پھر وہ دونوں پتھر کی بنی ہوئی لمبی لمبی

سیڑھیوں پر اترتے رہے۔ اس کی آخری سیڑھی کے بعد سمندر کی حد شروع ہو جاتی تھی۔ اس سیڑھی سے سمندر کا پانی ٹکرا ٹکرا کر اسے تقریباً پانی میں ڈبوئے ہوئے تھا۔ اجیت نے اپنے کپڑے اتارتے ہوئے کہا۔ "میری جان نرملا! تم اپنے کپڑے یہیں اتار دو۔"

"اب یہاں سیڑھی پر بیٹھ کر اشنان کرو۔ اشنان بہت ضروری ہے۔" پھر وہ دونوں اشنان کرنے لگے۔ خاصی دیر تک اشنان کر چکے تو اجیت نے کہا۔

"اب تم میرے ساتھ سمندر میں تیرتی ہوئی سامنے والی چٹان تک پہنچو۔"

"لیکن اجیت! میں تو تیرنا نہیں جانتی ہوں' سمندر گہرا ہے' اور اس کی لہریں کس قدر پُرجوش اور سرکش ہو رہی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں' میری جان! تم سمندر میں بے خوف و خطر کود جاؤ۔ باقی میں دیکھ لوں گا۔"

نرملا نے نہ جانے کس جادوئی اثر کے تحت بڑی سرعت سے سمندر میں چھلانگ لگائی۔ اس سے پہلے اجیت لگا چکا تھا۔ نرملا نے کودنے کے بعد ہاتھ پیر مارنے شروع کیے۔ اجیت اس کے بے حد قریب آ گیا' اور اسے سہارا دے کر لہروں کے درمیان سے لے کر گزرنے لگا۔ گو وہ نرملا کو تیرنے میں مدد دے رہا تھا' مگر نرملا کو ایسا محسوس ہو رہا تھا' جیسے وہ تیرنا جانتی ہو۔ یہ امر اس کیلئے اس لیے تعجب خیز تھا' کہ وہ ایک ماہر پیراک کی مانند پانی میں غوطے لگاتی اور تیرتی جا رہی تھی۔ گھاٹ سے تقریباً دو ایک فرلانگ تک دونوں اس طرح تیرتے رہے۔ دو ایک مرتبہ اجیت نے خوش فعلیاں بھی کیں' تو تیرنا اور پُرکیف بن گیا تھا۔ پھر وہ دونوں بڑی چٹان تک پہنچ گئے' نرملا ساحل سمندر پر بارہا آ چکی تھی' وہ اکثر دور سے اس سرسبز و شاداب' مگر اس پراسرار چٹان کو دیکھا کرتی تھی۔ دور سے دیکھنے پر یہ سمندر میں اُبھری ہوئی چٹان سمندر کے درمیان میں ایک گہرا جزیرہ دکھائی دیتی تھی۔ اس چٹان پر اُگی ہوئی خاردار جھاڑیاں' اور طرح طرح کے جنگلی پودے دیکھ کر ایک عجیب سی وحشت شاید ہر کسی کو ہوتی تھی' اس لیے کوئی بھی وہاں نہیں جاتا تھا۔ لیکن اسے کیا معلوم تھا' کہ آج اس حالت میں وہ اجیت کے ساتھ رات کے سمے پہنچے گی۔ اس وقت وہ دونوں حیوان کی سی حالت میں تھے۔ پھر وہ دونوں جھاڑیوں کو روندتے ہوئے چلتے رہے۔ اجیت کا قرب اسے دیوانہ بنائے دے رہا تھا۔ ایک مقام پر پہنچ کر اجیت رک گیا۔ اس نے نرملا سے بیٹھنے کے لیے کہا' جب وہ بیٹھ گئی تو اجیت بھی بیٹھ گیا۔ اس وقت آسمان پر چھائے ہوئے بڑے بادل کے ٹکڑے کی اوٹ سے چاند نکلا تو چاندنی پھیل گئی۔

ان دونوں کا سانس سینے میں دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ کیوں کہ وہ جھاڑیوں کو روند کر تیز

تیز قدموں سے چلتے تھے۔ وہ قطعے کی مخملی گھاس پر بیٹھے پھولی ہوئی سانس پر قابو پا رہے تھے' تب نرملا نے گھاس کو دیکھا' تو یقین نہ آیا کہ ایسی گھاس ایسے ویرانے میں بھی ہو سکتی ہے۔ دونوں اس سرسبز و شاداب گھاس پر بیٹھے چاندنی میں نہا رہے تھے۔ اس چاندنی نے اجیت کو ایسا دل کش بنا دیا تھا کہ نرملا اور مسحور سی ہونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد اجیت نے اس کے قریب ہو کر کہا۔

"اس شراپ اور رانی رتنا کے جادو کا توڑ اس میں ہے کہ میں کسی دوشیزہ کا جو سولہ برس کی ہو' اس کا خون روزانہ یعنی سات دن تک سات قطرے پیوں۔ سات دن کے بعد میرا یہ کام ختم ہو جائے گا' اور میں اس منتر کے اثر سے نکل جاؤں گا۔ پھر ہم دونوں سدا کے لیے ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔ ہم دونوں جوانی کے مزے لوٹیں گے۔ مرتے دم ایک ساتھ رہیں گے۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ جب تم اس سحر کے اثر سے نکل جانے کے بعد کسی اور حسین لڑکی کے زلف کے اسیر بن جاؤ؟" نرملا مشکوک ہو کر بولی۔

"یہ تم ایسی باتیں زبان سے کیوں نکال رہی ہو؟" اجیت نے کہا۔

"اس لیے کہ ساگر کی دنیا میں تم جیسا خوب صورت کوئی نہیں ہے۔" نرملا اس کے گلے میں جھول کر بولی۔ "مجھ جیسی بہت سی نہیں' بلکہ سینکڑوں اور ہزاروں دوشیزائیں موجود ہیں' انہیں دیکھ کر تمہارا دل مجھ سے بھر جائے گا۔ چوں کہ تم نوجوان اور بھرپور شباب اور غیر معمولی طاقت کے مالک ہو' لڑکیاں اور عورتیں تمہارے حصول کے لیے پاگل ہو جائیں گی۔ پھر میری کیا اہمیت اور وقعت رہے گی؟"

"یہ تمہارا وہم' وسوسے اور اندیشے ہیں۔" اجیت نے ہنس کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے اور اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "ایک تو میں ہرجائی فطرت کا مالک نہیں ہوں' تم میری زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہو' جس نے میرا دل جیت لیا۔ مجھ پر اس صورت میں دیوتاؤں کا آشیرواد مجھے پیرایت ہوگا' میں صرف ایک کا ہو کر رہوں۔ جس کے بلیدان سے مجھے آزادی' خوشی اور ایک نیا جنم ملا ہے۔ جس روز میں نے کسی اور عورت یا لڑکی کے ساتھ بدن میلا کیا' پھر میں سدا کے لیے مچھلی بن جاؤں گا۔ پھر کسی کا کوئی بلیدان میرے کسی کام آئے گا' اور نہ میں جنم لے سکوں گا۔ یوں تو مجھے دنیا کے اور ہندوستان کے ساحل سمندروں پر کتنی ہی دوشیزائیں اور پُرشباب گداز بدن کی عورتیں میری زندگی میں آئیں' لیکن ان میں سے کوئی میرے من کو بھا نہ سکی۔ وہ تو ہر طرح کا بلیدان دینا چاہتی تھیں' لیکن میں نے انہیں اپنا بنانا نہیں چاہا۔"

اجیت کی باتوں سے اس پر ایک نشہ سا چھا رہا تھا۔ اس کے انگ انگ سے مستی ابل پڑنے

لگی اور سارے بدن میں حرارت بجلی کی رو کی طرح پھیلنے لگی۔ تھوڑی دیر پہلے اجیت ساحل سمندر پر جذبات کی جس انجانی دنیا میں لے گیا' تب سے وہ ایک ہی بات سوچ رہی تھی' کہ یہ جو لڑکیاں اور عورتیں نوجوانی کی دہلیز پھلانگ کر شباب کی دنیا میں قدم رکھتی ہیں' تو وہ کیوں ایک دراز قد مرد کی تمنا کرتی ہیں۔ اس کی زندگی میں کوئی دراز قد مرد نہیں آیا' اور نہ وہ لڑکے' جنہوں نے اسے اپنا اسیر بنایا تھا' وہ دراز قد تھے۔ اس کی تمنا بھی دراز قد مرد کی رہی تھی۔ اسے جو دو ایک تھائی' فلپائنی اور چینی لڑکیاں ملی تھیں' جو ہندوستان کی سیاحت پر آئی تھیں' انہوں نے انٹرویو میں اسے بتایا تھا کہ وہ اپنی قوم کے مردوں کے بجائے امریکی اور یورپی مردوں کو اس لیے پسند کرتی ہیں' کہ وہ دراز قد ہوتے ہیں۔ ان کے بازوؤں کے حصار میں جو بات ہوتی ہے' وہ برابر قد کے مردوں میں نہیں' وہ اور چھوٹے لگتے ہیں۔

شانتی نے جب اسے بتایا تھا' کہ اجیت انسانی خون کا پیاسا ہے۔ جب اجیت نے اس سے خون کا بلیدان دینے اور خون چوسنے والی بات کہی تھی' تو کوئی خوف محسوس نہیں ہوا تھا' اور نہ ہی اس وقت خون پلانے کے عمل پر تعجب معلوم ہوا۔ کیوں کہ وہ اجیت کی دیوانی سی ہو رہی تھی۔ اس وقت یہی حالت اور کیفیت نرملا کی بھی ہوئی تھی۔ وہ اس وقت بالکل بے خوف سی تھی' اور مستی و سرور کے عالم میں ڈوبی جا رہی تھی۔ پھر اس نے اجیت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر کہا تو لہجے میں محبت بھری تھی' جذباتیت تھی۔

"مجھے منظور ہے۔ منظور ہے۔ اجیت تم نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔ تم میرا سارا خون پی لو میں اُف تک نہ کروں گی۔ اس لیے کہ تم میرے ہو اور میں تمہاری۔ میں تمہیں ہر قیمت پر حاصل کر کے رہوں گی۔"

اجیت اس غیر متوقع جواب سے بہت خوش ہوا۔ اس نے نرملا کو بازوؤں کے حصار سے نکال کر گھاس پر لٹا دیا۔ پھر وہ بھی ساتھ ہی لیٹ گیا۔ پھر وہ اس پر جھک کر بڑے جذبات سے بھرے لہجے میں کہا۔ "نرملا! میری جان نرملا! اب تمہیں مجھ سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ میں رانی رتنا کے شراپ اور اس کے منتر کے جال سے نکل جاؤں گا۔ پھر ہم پتی اور پتنی بن جائیں گے۔"

اجیت یہ کہہ کر اپنا منہ نرملا کے قریب لے گیا۔ اجیت بھی اس سے کہیں زیادہ نرملا کے قرب سے پاگل سا ہوا جا رہا تھا۔ پھر نرملا کو غیر محسوس انداز سے اجیت کے دانت اپنی گردن میں گڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔ پھر اسے ایسا محسوس ہوا کہ انجکشن کی باریک سی سوئی لگا دی گئی ہو۔ اجیت بڑے سکون و اطمینان سے اس کی گردن کو چوستا رہا۔ نرملا نے اس سے ایسا محسوس کیا کہ خون کا ایک فوارہ سا اجیت کے منہ میں جا رہا ہے۔

وہ غٹ غٹ کر کے نرملا کا خون پیتا رہا۔ نرملا کو اس لیے محسوس نہیں ہو پا رہا تھا' کہ اس عمل کے دوران اجیت اسے اتنی دور لے گیا تھا' کہ اسے کسی بات کا ہوش نہیں رہا تھا۔ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو گئی تھی۔ جب اجیت نے اپنا منہ اس کی گردن سے ہٹایا تو وہ اس سے الگ ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ پھر بے ہوش سی ہو گئی۔ نرملا کو اپنے جسم میں بڑی نقاہت سی محسوس ہوئی۔

اجیت نے اس کے چہرے پر بکھرے عارض کو ہٹایا' پھر اس کی گردن کو سہلایا۔ پھر اس کی گردن کے بوسے لیے تو وہ بے ہوشی کی سی حالت میں مدہوشی کی سی کیفیت میں آ گئیں۔ نرملا مسکرانے لگی۔ اجیت اس کے خون سے اپنی پیاس بجھانے کے بعد بہت خوش دکھائی دیتا تھا۔ اس وقت چاند بادل کی آغوش میں آ گیا' تو اس نے اندھیرے میں اجیت کا چہرہ دیکھا۔ وہ بڑا ہشاش بشاش دکھائی دیتا تھا۔

''اجیت!'' نرملا نے اسے تیکھی تیکھی نظروں سے دیکھا اور بولی۔ ''میرے پیارے! تم خوش ہو نا! میں نے تمہاری خوشی اور نئے جنم کی خاطر نہ صرف اپنی نوجوانی' بلکہ کنوارپن بھی تم پر لٹا دیا۔ خون کا بلیدان بھی دے دیا۔ تم اب خوش تو ہو نا؟''

نرملا نے ایک مستی بھری توبہ شکن انگڑائی لی۔ اجیت اس کے پاس سے اٹھ کر جھاڑیوں میں چلا گیا' جس کے عقب میں پھل دار درخت تھے۔ نرملا نے دیکھا کہ اجیت پھل توڑ رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ آیا تو اس کے ہاتھوں کے پیالے میں انگور کی طرح اور اس کی جسامت کے دس بارہ مفید پھل بھرے تھے۔ وہ نرملا کے پاس بیٹھا تو نرملا جو لیٹی ہوئی تھی' اٹھ بیٹھی۔

''یہ کس قسم کے پھل ہیں؟'' نرملا نے پوچھا۔ ''جنگلی پھل معلوم ہوتے ہیں' یہ تم کس لیے لائے ہو؟''

''یہ پھل بڑے عجیب و غریب' انوکھے اور رس بھرے ہیں۔'' اجیت نے جواب دیا۔ ''اس پھل میں ایک نہیں کئی خصوصیات ہیں۔ سب سے پہلی خصوصیت یہ ہے کہ فوراً ہی کیسی ہی کمزوری' نقاہت اور بے طاقتی کیوں نہ ہو' دور کر دیتی ہے۔ دوسرا اس ایک پھل میں جتنا رس ہوتا ہے' اتنا ہی خون بھی فوراً پیدا ہو جاتا ہے...... اس کی تیسری خوبی جو صرف عورتوں اور لڑکیوں کے لیے ہے۔ یعنی وہ کتنے ہی مردوں سے اور برسوں سے تعلقات رکھے ہوئے ہو۔ شادی شدہ عورتیں وہ کتنے ہی بچوں کی مائیں کیوں نہ ہو' یہ پھل کھانے سے پھر سے کنواری دوشیزہ بن جاتی ہیں۔ اچھا تو تم اپنا منہ کھولو۔''

نرملا نے فوراً ہی اپنا پورا منہ کھول دیا۔ اجیت نے جو پھل گھاس پر ڈال دیئے تھے' اس میں

سے تین پھل اٹھا کر یکے بعد دیگرے ان کا رس اس کے منہ میں ٹپکا دیا۔ اجیت نے اس کی جو خصوصیات بتائی تھیں' نرملا نے اس کا یقین نہیں کیا تھا۔ لیکن پہلے ہی پھل کا رس جیسے ہی اس کے حلق سے گھونٹ بن کر اترا' اس نے پورے بدن اور نس نس میں بڑی توانائی اور طاقت محسوس کی۔ کمزوری اور نقاہت کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ اور پھر اس نے دوسرے پھل کے رس سے سارے بدن میں خون دوڑتا اور پیدا ہوتا محسوس کیا۔ تیسرے پھل کا رس واقعی جادو بھرا تھا۔ پھر سے وہ ایک دوشیزہ بن گئی تھی۔ کلی کی طرح محسوس کر رہی تھی۔ اب وہ پھول کی مانند نہیں رہی تھی۔ اسے وہ دن یاد آ گیا تھا' جب اس نے پہلی بار کو جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تھا۔ ماں نے اس سے کہا تھا کہ اب تم اس کی حفاظت کرنا۔

اس پھل میں جو تاثیر تھی' اس نے دنیا کے کسی پھل اور دوا میں نہیں پائی تھی۔ پھر اس نے اپنا سر اجیت کے زانو پر رکھ لیا اور پھر آنکھیں موند لیں۔ اس لیے کہ پھل کے رس میں جو لذت آمیز ذائقہ تھا' اس کی شدت سے نشہ سا چھانے لگا۔ اس کا جی چاہنے لگا کہ وہ اجیت کے زانو پر اپنا سر اسی طرح رکھی رکھے۔ وہ اسے ان پھلوں کا امرت رس پلاتا رہے۔ اپنی جوان ہنسی کا جادو جگا کر میٹھی میٹھی اور پیار بھری باتیں کرتا رہے۔ یہ سب کچھ سوچتے سوچتے وہ خواب' لذت اور سرور کی دنیا میں گم ہو گئی۔

پھر وہ دونوں تھوڑی دیر بعد اس خواب شیریں سے جاگے۔ اجیت نے اسے احساس دلایا کہ رات بیت چکی ہے' اور اسے گھر واپس جانا ہے۔ نرملا ایک دم سے چونک اٹھی۔ پھر وہ اجیت کی آغوش سے نکلی۔ وہ دونوں تیر کر راجہ گھاٹ آئے۔ ان کے کپڑے جوں کے توں رکھے تھے۔ ان دونوں نے اپنے اپنے کپڑے پہنے۔ لباس پہن کر دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے راجہ گھاٹ کے صدر دروازے تک آئے۔ اجیت نے اسے بڑی محبت' گرم جوشی اور جذباتی انداز سے رخصت کیا۔ اگر رات تیزی سے نہ گزر رہی ہوتی' اور ساحل سمندر نہ ہوتا تو نرملا کا دل چاہ رہا تھا کہ پھر سے بہک جائے۔ نرملا دل پر جبر کی سل کو بڑھی تھی کہ اجیت نے اس کے پاس آ کر کہا۔

''نرملا جانِ من! میں تمہیں ایک ضروری بات بتانا بھول گیا ہوں' اب جب کہ تم نے مجھے نیا جیون دینے کا بیڑا اٹھایا ہی ہے' اس بات کا خیال رہے کہ تمہیں ابھی چھ راتیں لگاتار میرے پاس آنا ہوگا۔ کسی رات میں ناغہ نہ کرنا ہوگا۔ آندھی' طوفان اور کیسی ہی بارش کیوں نہ آئے۔ کیوں کہ جس رات تم نہیں آؤ گے ہو سکتا ہے کہ وہ رات تمہاری آخری رات ہو۔ اور تم مجھے جیون دینے کے بجائے اپنے ہی جیون سے ہاتھ دھو بیٹھو۔''

''فکر نہ کرو میرے پیارے اجیت!'' نرملا نے اسے دلاسا دیا۔ ''صرف چند راتوں کی تو

بات ہے۔ میں بالکل ناغہ نہیں کروں گی۔ اس لیے کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ محبت اندھی ہوتی ہے' یہ کہہ کر نرملا گھر چلی آئی۔

جب وہ بستر پر سونے کے لیے دراز ہوئی تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔



اجیت نے اسے لگاتار چھ دن تک بلایا تھا۔ سخت تاکید کی تھی۔ رات وہ اندھیرے میں سمندر کے کنارے چلی جاتی۔ پہلے دن والی کہانی دہرائی جاتی۔ راجہ گھاٹ کی سیڑھیوں پر اشنان کر کے پھر تیرتے ہوئے جزیرے پر جاتے۔ اجیت اس کی گردن سے خون چوستا۔ پھر پھلوں کا رس ٹپکاتا' پھر وہ آدھی رات واپس آتی۔

چوتھے دن وہ ایک کولر لے کر ساحل سمندر پہنچی تو اجیت نے حیرت سے دریافت کیا۔ "یہ کولر کس لیے لائی ہو؟"

"اس لیے کہ محکمہ موسمیات نے طوفان' سیلاب اور دو تین دن تک مسلسل زبردست بارش کی پیشین گوئی کی ہے۔" نرملا کہنے لگی۔ "شاید تمہیں علم نہیں کہ اس شہر میں کیسا سمندری طوفان آتا ہے' کیسی تباہی و بربادی پھیلاتا ہے۔ بارش چار چار دن تک رکنے کا نام نہیں لیتی ہے۔ تم نے مجھے سختی سے تاکید کی تھی' کہ میں ایک دن کا بھی ناغہ نہ کروں۔ موسم کا حال سن کر میں سخت پریشان ہو گئی کہ کیا کروں۔ پھر میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی کہ کیوں نہ تمہیں میں گھر لے جاؤں۔ کیوں کہ تم پانی کے بغیر چار گھنٹے سے زیادہ نہیں رہ سکتے۔ میں کولر میں پانی بھر کے تمہیں اس میں ڈال کر لے جاؤں۔ تم چھوٹی مچھلی بن کر کولر میں سما جانا۔ گھر جا کر تمہیں کولر سے نکال لوں گی۔ تم جب تک پانی سے رہ سکتے ہو رہنا۔ پھر کولر میں چلے جانا۔ اب چوں کہ مجھے تین دن تک بلیدان دینا ہے۔ تمہیں خون پینا ہے۔ تم تین دن اور رات میرے فلیٹ میں گزارو۔ میں دن رات رہوں گی۔ وہاں بڑا مزا آئے گا۔ ایک ایک لمحہ ایک دوسرے کی بانہوں میں گزرے گا۔ میں تمہیں اپنے ہاں کے کھانے کھلاؤں گی۔ کافی' چائے اور دودھ پلاؤں گی۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"واہ تم نے کیا زبردست تدبیر سوچی ہے۔" اجیت خوش ہو کر بولا۔ "مجھے منظور ہے۔ آج کی رات یہیں گزارتے ہیں۔"

آج کی رات بھی ساحل سمندر پر دونوں بہکے' پھر اشنان کیا' پھر اجیت نے اس کا خون چوسنا شروع کیا تو دونوں بہک گئے۔ اجیت نے امرت رس پلایا۔ لیکن آج کی رات نرملا پلاسٹک کی تھیلی لائی تھی' جس میں امرت رس والے دو درجن پھل بھر لیے تھے۔ پھر راجہ گھاٹ پر آ کر ... سینے کے بعد نرملا نے نصف کولر سمندر سے پانی بھر لیا۔ اجیت پھر ایک چھوٹی سی مچھلی بن

گیا' تو اسے نرملا نے کولر میں ڈال کر اس کا ڈھکن بند کر دیا' پھر وہ گھر پہنچی۔

اس نے مچھلی کو پانی سے نکالا تو اجیت سات فٹ قامت کے مرد کے روپ میں آ گیا۔ پھر اس نے اپنے کپڑے اتار دیئے تا کہ اسے سکھا دیئے جا سکیں۔ نرملا کا دل اس بات سے سرشار تھا' کہ اس کے بلیدان کے ناتے ایک بیس برس کی انتہائی طاقت ور' توانا اور صحت مند' نوجوان جو شباب و مستی کا یونانی دیوتا کے مانند ہے' وہ اس کا ہو جائے گا۔ وہ اسے سولہ برس کی دوشیزہ سمجھ رہا ہے۔ جب تک سمجھتا رہے' سمجھنے دو۔ وہ اسے اتنی محبت دے گی۔ ایسی وارفتگی' گرم جوشی' والہانہ پن سے اور خود سپردگی سے پیش آتی رہے گی کہ وہ اس سے خوش رہا کرے گا۔ ڈر اور خوف کس بات کا۔ اگر اس نے ہرجائی پن کیا' تو پھر وہ سزا کے لیے مچھلی بن جائے گا۔ بھگوان اس سے ناراض ہو جائے گا۔

اجیت کو نرملا کا خوب صورت' نہایت آراستہ اور شان دار فلیٹ بہت پسند آیا۔ اس نئی دنیا میں آ کر اسے یہ دنیا بہت خوب صورت اور انوکھی سی لگی۔ اس نے دنیا کے ساحل سمندروں کی سیر کی تھی' لیکن کسی گھر میں جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ وہ نرملا کے فلیٹ کی ایک ایک چیز کو بڑی حیرت سے دیکھتا رہا تھا۔ قالین' پردے' الماریاں' صوفہ سیٹ' فریج' بستر' اے سی۔ سب سے زیادہ اسے انوکھی چیز جو لگی' وہ ریڈیو اور ٹی وی تھا۔ پھر اسے نرملا نے موبائل فون اور ٹیلی فون کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا۔ وہ سن کر حیرت سے بولا۔

"میں تو یہ سمجھتا تھا کہ صرف میری دنیا میں جو جادو ہے' وہ ساگر کی دنیا سے باہر کی دنیا میں نہیں ہے۔ لیکن جو جادو تمہاری اس دنیا میں ہے' وہ اتنا انوکھا' اچھوتا' حیرت انگیز اور اس قدر زوردار ہے کہ اس کے آگے کالا جادو بھی کچھ نہیں ہے۔ تم ایک ایسی جادوگرنی ہو' جس نے اپنے حسن و شباب اور نوجوانی کے جادو سے سدا کے لیے مجھے جیت لیا۔"

دو دن نرملا اس کے ساتھ فلیٹ میں بند رہی۔ اجیت چار گھنٹے سے زیادہ پانی کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا' ہر چار گھنٹے کے بعد نرملا اسے نصف گھنٹے کے لیے پانی میں چھوڑ دیتی تھی۔ واش روم میں ایک بہت بڑا واش ٹب تھا' جس میں وہ پانی بھر کے رکھتی تھی۔ کیوں کہ اس کی بلڈنگ میں پانی کی کمی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ دو بالٹیاں بھی بھر لیتی تھی۔ جس وقت پانی چڑھایا جاتا تھا وہ باتھ ٹب بھر لیتی تھی۔ اجیت آیا تو اس نے باتھ ٹب میں اجیت کو اس وقت چھوڑنے کا ٹائم ٹیبل بنا لیا تھا' جب ضرورت پڑتی تھی۔ دونوں آزادی کے مجادے میں سوتے جاتے۔ باتیں کرتے۔ اجیت تو بڑے شوق سے ٹی وی دیکھتا تھا۔ جب وہ ٹی وی دیکھتا تھا' تب نرملا کچن میں جا کر کھانے تیار کرتی۔ اس کے لیے چائے' کافی اور کولڈ ڈرنک بناتی۔ اجیت کی خوب سیوا کرتی۔ اسے ای

لگ رہا تھا' کہ جیسے وہ دونوں ہنی مون منا رہے ہوں۔ ایک طرح سے یہ ہنی مون ہی تھا نرملا کے لیے۔

دوسرے دن رات کو۔ بھیگی رات تھی' نرملا نے اسے وہسکی پلائی اور خود بھی پی تاکہ جشن زور دار منایا جا سکے۔ ساری رات بڑا جشن رہا۔ اجیت کے وحشی جذبے بیدار ہوئے تو اس نے نرملا کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ جب اس نے اجیت کو پانی میں چھوڑ کر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا وہ اچھل سی پڑی۔ چہرہ ایسا سفید پڑ گیا تھا' جیسے دھلی ہوئی سفید چادر۔ لہو کی ایک بوند تک نہ تھی۔ وہ یہ دیکھ کر بھی چونک پڑی کہ اس کے رسیلا اور بھرپور جسم سوکھ کر کانٹا ہو رہا ہے۔ کمزوری اور نقاہت بھی شدید ہو رہی ہے۔ امرت رس پھل اب نہیں رہے تھے۔ جو لائے تھے' وہ دونوں کھا چکے تھے۔

اجیت نے اس سے کہا تھا کہ آخری اور ساتویں رات سمندر اور جزیرے پر گزاری جائے گی۔ وہیں اسے نجات ملے گی۔ وہیں دیوتا اسے اس شراپ سے آزاد کرے گا۔ پھر وہاں سے سیروں امرت رس پھل لے آئیں گے۔ کسی کو بھی کبھی ان امرت رس پھل کے بارے میں بھولنے سے بھی نہیں بتانا۔ کیوں کہ لوگ پھل تو پھل' درخت بھی رہنے نہیں دیں گے۔

لیکن وہ یہ بات سوچے بغیر نہیں رہ سکی کہ ان پھلوں کے رس سے اس کے شریر میں خون پیدا کیوں نہیں ہو رہا ہے؟ جب کہ وہ طوفان گزرنے کے بعد تین چار پھلوں کا رس حلق میں ٹپکاتی رہی۔ اس کے برعکس اجیت نہ صرف کم عمر اور خوب صورت ہوتا جا رہا ہے۔ تعجب کی بات یہ تھی' کہ وہ سولہ برس کا صرف دو دن میں دکھائی دینے لگا تھا' اور اس کی جواں مردی پہلے سے کہیں دوچند ہو گئی تھی۔ کہیں اس دنیا کے کھانے کھا کر تو نہیں؟

رات کا آخری پہر تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی اجیت نے اس کا خون چوسا تھا' اور وہ کیف و لذت میں ڈوبی مدہوش سی ہو گئی تھی۔ وہ اجیت کو پانی سے بھرے ٹب میں چھوڑ کر تمام بتیاں گل کر کے بستر پر لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کسی وجہ سے بیدار ہو گئی۔ کمرے میں اندھیرا تھا' اور اس نے واش روم کا دروازہ جو تھوڑا سا کھلا تھا' اندر سے اندھیرا جھانک رہا تھا۔ پھر اس نے اجیت کی آواز سنی تو وہ بڑی حیران سی ہوئی۔ اسے خیال آیا شاید اجیت اس لیے آواز دے رہا ہو گا کہ پانی سے باہر نکالے۔ اجیت کہہ رہا تھا۔

"مہاراج شما کر دیں۔ آج کی یہ آخری رات ہے اس فلیٹ میں۔ کل رات ہم دونوں پہاڑی جزیرے پر ہوں گے۔"

"تمہیں اس کے فلیٹ پر نہیں آنا تھا۔" ایک کرخت نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"کہیں وہ جاگ تو نہیں رہی ہے؟"

"نہیں مہاراج!" اجیت نے جواب دیا۔ "اس پر بے ہوشی طاری ہے' وہ سویرے سے پہلے بیدار نہیں ہو گی۔"

"اس عورت نے اپنی عمر جو بتائی' وہ سچ نہیں ہے۔" اس آواز نے کہا۔ "وہ پچاس برس کی عمر سے زیادہ کی نہیں ہے۔ نوجوانی کے آغاز ہی سے اپنی عزت مردوں پر لٹاتی رہی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اس کا خون ہے کیسا؟ صحت اور مزے دار ہے؟"

"جی مہاراج!" اجیت نے کہا۔ "کل جب میں اس کے جسم سے سارا خون چوس لوں گا تب اس کا سات دنوں کا خون لا کر دے دوں گا' جو میں نے ایک بوتل میں جمع کیا ہوا ہے۔ وہ خون آپ کی امانت ہے۔ میں نے پہلے دن اس کا خون ذرا سا چکھا تھا' یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ کیسا ہے؟ صحت مند اور خوش ذائقہ ہے یا نہیں۔ اس عمر کی عورت کا خون اتنا اچھا ہونا تعجب خیز ہے۔ شانتی کا خون بھی ایسا ہی تھا۔ جو عورت اچھا کھاتی پیتی ہے' اس کا خون بھی بہت اچھا ہوتا ہے۔ مزے دار سا۔ یہ آپ جانتے ہیں۔"

"لیکن یہ بتاؤ کہ کہیں اس عورت کو بھی تم نے یہ شک تو نہیں ہونے دیا کہ یہ خون تم پی نہیں رہے ہو بلکہ سرنج میں بھر رہے ہو؟"

"نہیں مہاراج!" اجیت بولا۔ "آپ تو اپنے ٹی وی جیسے گولے میں سب کچھ دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ میں عورت کو کتنا بے خود کیے دیتا ہوں۔ اسے کوئی ہوش نہیں رہتا ہے۔ جذبات میں اس قدر ڈوب جاتی ہے کہ وہ یہی سمجھتی ہے کہ میں نے اپنے دانت اس کی گردن میں گاڑ دیئے ہیں۔ میں آپ کی دی ہوئی سرنج گھاس میں جہاں گاڑ دیتا ہوں وہیں لڑکیوں اور عورتوں کو سلاتا ہوں۔ جب وہ پوری طرح اپنے آپ کو سپرد کر دیتی ہے' تب میں پہلے اس کی گردن کے بوسے لیتا ہوں۔ جب وہ لذت اور نشے میں ڈوب جاتی ہے' تب میں سرنج جہاں چبھوتا ہوں' وہاں سن کر دینے والی دوا لگا دیتا ہوں۔ پھر سرنج میں خون کی اتنی مقدار بھر لیتا ہوں' جتنی آپ چاہتے ہیں۔ پھر آپ کو پہنچا دیتا ہوں۔ دو دن کا خون فریج میں ایسی جگہ بوتل میں بھر رکھا ہے جہاں اس کی نظر نہیں پڑی اور نہ پڑ سکتی ہے۔ آپ کو کل تین دن کا خون پہنچا دوں گا۔"

"ایک بات غور سے سنو۔" اس آواز نے کہا۔ "کل رات اس کے جسم سے سارا خون سرنج میں بھر لینا۔ اس کے جسم میں ایک بوند لہو کی بھی نہ رہے۔ پھر اسے سمندر میں بہت دور ایسی جگہ لے جانا جہاں وہیل مچھلیاں ہوتی ہیں۔ سنو! میں نے ایک لڑکی تلاش کی ہے۔ وہ سولہ برس کی اور کنواری ہے۔ وہ اتوار کی شام ساحل سمندر پر میرے جادو کے زور سے آئے گی۔ تم اسے شکار

کرنا۔ لیکن اس کے یا کسی بھی لڑکی یا عورت کے ساتھ آئندہ اس کے فلیٹ پر مت جانا۔"

چند لمحوں کے بعد نرملا نے ایک سفید سایہ سا دیکھا' جو واش روم کی کھڑکی سے باہر نکل گیا۔

اجیت جو انسان کے روپ میں ایک کونے میں کھڑا ہوا تھا' وہ دوسرے لمحے پانی کے ٹب میں کھڑا ہو گیا' چند لمحوں کے بعد وہ چھوٹی سی مچھلی بنا تیرنے لگا۔

نرملا کو ایسا لگا' جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی ہو۔ پھر اسے شانتی یاد آئی۔ اجیت نے اس پر سحر کیا تھا' اور اس کی جواں مردی ایسی تھی کہ وہ اس کی دیوانی ہو گئی تھی۔ اب اسے ہوش آ گیا تھا اور یہ سارا شیطانی کھیل اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ اب اس کی نظروں کے سامنے پردہ نہیں رہا تھا۔ جو دھند تھی' چھٹ چکی تھی۔ یہ گفتگو سن کر اس کا سارا لہو منجمد ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ پھر اس نے سوچا کہ اجیت کو ختم کر دے' لیکن کس طرح؟

سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ وہ اٹھی۔ اس نے واش روم کا دروازہ غیر محسوس انداز سے اس طرح سے بند کیا جیسے ہوا سے بند ہوا ہو۔ پھر اس نے کمرے میں روشنی کی۔ الماری میں پستول اور سائی لینسر نکالا۔ پستول کی نالی پر اس نے سائی لینسر نصب کیا۔ پھر اس نے واش روم کا دروازہ کھولا' روشنی کی۔ یہ دیکھ کر اس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر فرش پر گر پڑا کہ اجیت غائب تھا۔ پھر اس نے پستول اٹھا کر پورے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ اجیت کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ پھر وہ فریج کی طرف لپکی۔ تھوڑی دیر کی تلاش کے بعد اسے وہ بوتل مل گئی جس میں اس کا خون بھرا تھا۔ اس نے وہ بوتل لی اور سیدھے کلینک پہنچ گئی۔

نرملا حیران و پریشان تھی کہ اجیت کیوں کر اور کیسے غائب ہو گیا؟ اجیت کو اس کے ارادے کا پتا کیوں کر اور کیسے چل گیا؟ جب وہ خون چڑھا کر فلیٹ آئی تو رات ہو چکی تھی۔ اس نے جیسے ہی کمرے کا دروازہ بند کیا کسی نادیدہ ہستی نے اسے دبوچ لیا۔ وہ اس کی گرفت میں تڑپنے' مچلنے اور کسمسانے لگی۔ خوف و دہشت سے اس کے جسم پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ لیکن اس نے خوشبو سے پہچان لیا کہ وہ اجیت ہے۔ اس کی قامت' جسامت اور عضو عضو اجیت کی گواہی دے رہے تھے۔

"اجیت!" وہ ہذیانی لہجے میں بولی۔ "مجھے چھوڑ دو۔ یہ تم کل رات اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے۔ تم پانی کے ٹب سے کہاں چلے گئے تھے۔ میں تمہارے لیے تڑپتی رہی تھی میری جان!"

"مکار عورت!" اجیت کی نفرت بھری آواز گونجی۔ "رات تم مجھے قتل کرنے والی تھیں' تم جھوٹ مت بولو کہ......"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا تھا کہ میں تمہیں قتل کرنے والی تھی؟" نرملا یکدم سے بھونچکی ہو

گئی۔ وہ حیران تھی کہ اسے کیسے معلوم ہوا۔

"اگر میرے گرومہاراج نہ بتاتے تو تم مجھے موت کی نیند سلا چکی ہوتیں۔" اجیت نے کہا۔ "تم نے مجھے شوٹ کرنے کے لیے پستول الماری سے نکالا تھا۔ یہ تمہاری بھول تھی۔ اور تم قدم قدم جھوٹ بولتی رہی۔ دھوکا دیتی رہی ہو۔"

"دھوکا تو تم نے مجھے دیا جھوٹی کہانی سنا کر۔" نرملا نے تکرار کے انداز میں کہا۔ "تم میرے خون کے پیاسے تھے' اس لیے تم نے اپنے جادو سے رام کیا۔ رات میں نے تمہاری اور تمہارے گرومہاراج کی گفتگو سن لی تھی۔ تم آئے کس لیے ہو؟ دفع ہو جاؤ۔"

"میں تمہارا خون پینے آیا ہوں۔" اجیت نے اس کے گرد اپنے بازوؤں کا حلقہ تنگ کرتے ہوئے کہا۔ "میں سات راتوں تک تمہارا خون پی کر جاتا رہوں گا اس وقت تک جب تک تم مر نہیں جاتیں۔ میں تم سے اس بات کا بدلہ لے کر رہوں گا کہ تم مجھے قتل کرنے والی تھیں۔"

پھر جو واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا' اس نے نرملا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اجیت اس کی نظروں کے سامنے ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن اس نے بڑی درندگی کا ثبوت دیا تھا۔ اس کی بے بسی اور اپنی طاقت سے پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ پہلے تو اس نے نرملا کو اس طرح سے کپڑوں کی قید سے آزاد کیا کہ لباس تار تار ہو گیا۔ پھر اس پر جھک گیا۔ وہ اجیت کے ہاتھوں کھلونا بن گئی۔ پھر اس پر خمار سا چھانے لگا۔ وہ مستی میں مدہوش سی ہو گئی۔ اس نے اپنے آپ کو اجیت کے رحم و کرم پر اس طرح سے چھوڑ دیا' جیسے ایک ملاح سمندر میں طوفانی لہروں کے رحم و کرم پر اپنی کشتی کو چھوڑ دے۔ پھر نرملا نے محسوس کیا کہ سرنج کی سوئی اس کی گردن میں چبھ رہی ہے۔ اس کا خون سرنج میں بھر رہا ہے۔ لیکن وہ کیا کر سکتی تھی۔ اس میں اتنی سکت ہی نہیں تھی کہ مدافعت کر سکے۔ اجیت کو باز رکھ سکے۔ اجیت نے اسے بخشا نہیں۔ اپنی پوری طاقت صرف کر دی تھی خون نکالنے میں۔ خاصی دیر بعد کرب کی تنہائی میں اجیت کا ایک فاتحانہ قہقہہ گونجا۔

"میں سولہ برس کی عمر کی لڑکی کے مقابلے میں پچاس اور ساٹھ برس کی صحت مند' خوب صورت اور پرشباب گداز بدن کی عورتوں کو پسند کرتا ہوں۔ کچے اور رسیلے پھل کا جو فرق ہے' وہ عورت میں بھی ہوتا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ سات راتیں تمہارا خون پینے آتا رہوں گا۔ تم جہاں کہیں بھی جا کر چھپ جاؤ۔ مجھ سے بچ نہیں سکتیں۔ میں تمہارے لیے موت کا فرشتہ ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد اجیت نے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا۔ پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اجیت نے اس کے ساتھ بڑا وحشیانہ سلوک کیا تھا۔ اس کا سارا جسم ہر جگہ سے ٹوٹ پھوٹ رہا تھا اور درد دے رہا تھا۔ جوڑ جوڑ جیسے ہل کر رہ گئے تھے۔ جب رونے سے اس کی بھڑاس نکل

گئی' تو اس نے بڑی کمزوری اور نقاہت محسوس کی۔ اجیت اس کا بہت سارا خون نکال کر لے گیا تھا۔

علی الصبح اس نے فون کر کے شانتی کو بلایا تھا۔ کہاں وہ کہانی لکھنے والی تھی۔ کہاں وہ خود کہانی بن گئی تھی۔ شانتی اسے دیکھ کر بھونچکی سی ہو گئی تھی۔ "نرملا! یہ دس دنوں میں تمہیں کیا ہو گیا؟ کیا کوئی پراسرار اور پیچیدہ بیماری یا ایڈز؟"

نرملا نے اسے ساری کہانی سنا دی۔ کوئی ایک بات بھی نہیں چھپائی۔ شانتی اس کی کہانی سنتی رہی۔ پھر بولی۔

"نرملا! یہ کسی شیطان کا کھیل ہے۔ کالا جادو معلوم ہوتا ہے۔ دادر میں ایک ذکریا بابا رہتے ہیں۔ درویش صفت اور بہت پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس سنا ہے جادو ٹونا' کالا جادو اور ہر قسم کے سفلی علوم کا توڑ ہے۔ ان کے مؤکل بھی ہیں۔ وہ کسی سے کسی کام کا ایک پیسہ بھی نہیں لیتے ہیں۔ آؤ! ہم چلتے ہیں' شاید وہ ہماری کچھ مدد کر سکیں۔"



ذکریا بابا کو دیکھ کر نرملا اور شانتی مرعوب اور مسحور سی ہو گئی تھیں۔ وہ نوے برس کی عمر سے زیادہ تھے۔ صحت مند اور توانا بدن کے اور چاق و چوبند تھے' باریش تھے۔ نورانی چہرہ تھا' جس پر جاہ و جلال تھا۔ آنکھوں میں عقاب کی سی چمک تھی۔ لیکن لہجہ ٹھنڈے میٹھے پانی کی آبشار تھا۔ ہر کسی سے بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ وہ بلا معاوضہ اور نذر و نیاز کے ہر ایک سے مخلصانہ طور پر اس کے مسائل سن کر اس کے کام آتے تھے۔ ان کے عقیدت مندوں میں ہندو' مسلم' سکھ' عیسائی اور پارسی قوم کے مرد اور عورتیں تھیں۔ بہت سارے لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر ان سے ملاقات کے انتظار میں موجود تھے۔ ان کے نائب نے کہا کہ ہر شخص اپنا مدعا مختصر الفاظ میں بیان کرے' نرملا نے مختصر طور پر اور اشارے کنائے میں سچ سچ بتا دیا' تو انہوں نے کہا کہ وہ تیسرے دن سہ پہر کے وقت ان سے آ کر ملیں۔ جب نرملا نے بتایا کہ اجیت سات دن تک آنے کا کہہ گیا' تو انہوں نے شانتی اور نرملا کو ایک پتھر دیا' جو سرخ رنگ کا تھا۔ اس سے کہا کہ وہ اسے مالا بنا کر پہنتی رہے۔ اوّل تو اجیت نہیں آئے گا۔ آئے گا تو نامراد ہو کر واپس چلا جائے گا۔

اس روز رات کے وقت شانتی بھی بے خوف سی ہو کر نرملا کے بیڈ روم میں اس کے بستر پر ساتھ دراز ہو گئی۔ ٹھیک بارہ بجے اجیت کمرے میں نادیدہ ہستی بن کر آ گیا۔ اس نے ان دونوں کو بستر میں جاگتے دیکھ کر ایک زوردار قہقہہ لگایا اور استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"بہت خوب! واہ ری قسمت! ایک نہیں دو دو شکار' ایک ٹکٹ میں دو دو مزے۔"

"اجیت!" شانتی غرائی۔ "تم وہی مردود ہو نا' جس نے مجھے فریب دے کر میرا خون چوسا۔ رذیل' کمینے' خبیث۔"

"ہاں! میں وہی ہوں۔" اجیت نے جواب دیا۔ "تم دونوں دوست اور سہیلیاں بھی ہو۔ پہلے کس کا خون پیوں۔"

"میرا۔" نرملا بولی۔ "لیکن ایک بات یاد رکھو اجیت' تمہیں ناکام اور نامراد جانا ہو گا۔ کیوں کہ اب تمہاری کہانی ہی نہیں' بلکہ تمہاری زندگی بھی ختم۔ خون پینا تو درکنار۔ تم ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔"

"اچھی بات ہے۔" اجیت ظاہر ہو کر بولا۔ "تم مجھے چیلنج کر رہی ہو۔ میں شانتی کے سامنے تمہارا خون نکال کر لے جاؤں گا۔ ٹھہرو۔ میں ایک اور سرنج لیتا آؤں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک اور سرنج لے آیا۔ اب اس کے ہاتھ میں دو سرنج تھیں۔ اس نے انہیں میز پر رکھا اور نرملا کی طرف بڑھا تھا' لیکن وہ بستر سے دو قدم پہلے رک گیا۔ اس کے پیروں میں جیسے کسی نے بیڑیاں ڈال دی ہوں۔ "یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟"

اس نے پورا زور لگا دیا۔ جب وہ ہر کوشش اور جدوجہد میں ناکام ہو گیا تو اس نے کہا۔

"گرو مہاراج! تم دیکھ رہے ہو؟"

چند لمحوں کے بعد آواز آئی۔ "اجیت آگے بڑھو' ایسے مزے کہاں ملیں گے' کیا سندر ناریاں ہیں؟"

"پورا زور لگا دو۔" آواز آئی۔ "میں اپنا منتر پڑھ رہا ہوں' اب تمہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔"

اجیت نے پھر کوشش کی۔ نرملا نے کہا۔ "سنو حرام زادے! تمہاری حسرت پوری ہو گی' نہ تمہارے خبیث گرو مہاراج کی' اپنے ذلیل سؤر اور حرامی گرو مہاراج سے کہو کہ ہمیں ذکریا بابا کی آشیرواد ہے' وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔"

"ذکریا بابا؟" اجیت دہشت زدہ ہو گیا۔ "میں جا رہا ہوں' تم نے سنا گرو مہاراج۔"

پھر اجیت نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔ اجیت دوسری رات اور نہ دن میں واپس آیا۔ تیسرے دن وہ سہ پہر کے وقت ذکریا بابا کے ہاں پہنچیں۔ ذکریا بابا نے صرف ملاقات دیا تھا۔ وہ انہیں بتانے لگے۔

"میں نے ایک مؤکل کو طلب کر کے اجیت کے بارے میں بتایا۔ مؤکل نے دو گھنٹے بعد

آ کر بتایا کہ اجیت دراصل رام داس نامی گرومہاراج کا مہرہ ہے۔ رام داس کا اصل نام موتی ہے۔ وہ گرومہاراج نہیں ہے' بلکہ سفلی علوم کا ماہر ہے۔ کالا جادو بھی جانتا ہے۔ اپنے سفلی علوم' کالا جادو اور دوسرے جادوؤں کی پوری قوت حاصل کرنے کے لیے اس نے کالی ماتا سے کہا کہ وہ جب تک سو کنواری دوشیزاؤں' سو شادی شدہ جواں سال عورتوں' سو غیر شادی شدہ مگر جو غیر مردوں سے تعلقات رکھتی ہیں' سولہ سے بیس برس کی عمر کے درمیان والی لڑکیوں کا خون نہیں پیے گا اس وقت تک دنیا کا سب سے بڑا جادوگر نہیں بنے گا۔ یہ سب لغو اور بکواس اور من گھڑت بات تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ جب وہ کالا جادو اور سفلی علوم بدروحوں سے سیکھ رہا تھا' تب اسے انسانی خون پینا پڑا۔ اسے انسانی خون کا مزا لگ گیا تو اس نے اجیت نامی ایک خوب صورت مرد کو اپنا مہرہ اور تابع جادو کے زور سے بنا لیا۔ اسے ایسا وجیہہ' خوب صورت اور اتنا دراز قد بنایا کہ لڑکیاں اور عورتیں اسے دیکھ کر سحرزدہ رہ جاتی تھیں۔ چوں کہ موتی جادوگر نے اسے کچھ جادو سکھایا ہوا تھا' جس کی بنا پر لڑکیاں اور عورتیں اس کی اسیر ہو جاتی تھیں۔ وہ انہیں پیناٹائز کر دیتا تھا' جس سے وہ ہر طرح کا فائدہ اٹھاتا۔ اپنے شکار کا خون ایک سرنج میں بھر لیتا تھا' جس کی خبر لڑکیوں اور عورتوں کو بے ہوشی اور مدہوشی کے باعث نہیں ہوتی تھی۔ آخر ایک نہ ایک دن پتا چلنا تھا' جو شانتی اور نرملا کو چل گیا۔ اس روز نرملا سمندر پر نہ جاتی تو شانتی خودکشی کر لیتی۔ لیکن نرملا کو اجیت کے بارے میں اور شانتی کی کہانی کا تجسس لے گیا اور وہ خود شکار ہو گئی۔

جادوگر موتی نے للی نامی ایک طوائف عورت کو اپنا مہرہ بنا کر اسے چودہ برس کی عمر کی عورت کا بھرپور روپ دے دیا۔ وہ اجیت کی طرح نوجوان لڑکوں کو شکار کر کے اجیت ہی کی طرح ان کا خون سرنج میں بھر کے موتی جادوگر کو پہنچاتی تھی۔ لڑکوں اور لڑکیوں اور عورتوں کی پراسرار اموات ایک معمّہ' سوہانِ روح اور قانون کے لیے دردِسر بنا ہوا تھا۔

جب مجھے موتی جادوگر کے بارے میں ایک مؤکل نے بتایا' تو میں کل اس کے ٹھکانے پر جا پہنچا' جو اس نے ممبئی اور پونا کے درمیان ایک ویرانے میں بنایا ہوا تھا۔ وہ بھی لڑکیوں اور عورتوں کو شکار کرتا تھا۔ اس وقت ایک چودہ برس کی لڑکی اس کے جھونپڑے میں بے ہوش پڑی تھی۔ چوں کہ وہ براہِ راست خون پیتا تھا' اس لیے وہ شکار کو بے ہوش کر دیتا۔ اسے لڑکی کا خون پینے کی نوبت نہیں آئی۔ چوں کہ میں اس وقت وہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر اچھل پڑا۔ مجھ سے کہا کہ میں چلا جاؤں' اور اس کے معاملات میں دخل نہ دوں۔ پھر اس نے مجھے دھمکی دی کہ کالی ماتا مجھے بھسم کر دے گی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ مجھے بے وقوف نہ بنائے۔ وہ لڑکوں' مردوں' لڑکیوں اور عورتوں پر رحم کرے' خون پینا بند کرے اور دفع ہو جائے اس ملک سے۔ ورنہ میں اسے بڑی

عبرت ناک سزا دوں گا۔ کیوں کہ تم ایک ظالم' جابر اور بے رحم اور انسانیت کے دشمن ہو۔ وہ میری بات اور دھمکی سن کر قہقہہ مار کر بڑے زور سے ہنسا۔ پھر اس نے کہا۔ "بزرگ! میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ چلتے پھرتے نظر آؤ۔ ورنہ میں تمہیں بندر بنا دوں گا۔ تم میری شکتی اور جادو سے واقف نہیں ہو۔ میرے معاملات میں دخل مت دو۔"

پھر اس نے اتنا کہہ کر میرے جواب کا انتظار کیا۔ میں نے کہا۔ "تمہیں اپنے آپ پر بڑا گھمنڈ ہے' تکبر ہے' میری بات کان کھول کر سن لو۔ میں تمہیں جادوئی اور سفلی علوم سے محروم کر کے سزا دینے آیا ہوں۔ کیفرِ کردار تک پہنچا کر جاؤں گا۔ تم اس لیے سزا کے لائق ہو کہ تم نے کئی زندگیاں تباہ و برباد کیں۔ انہیں موت سے ہم کنار کیا۔ تم قانون کی سزا سے بچے ہوئے ہو۔ کیوں کہ تمہارے خلاف قانون کے پاس ثبوت نہیں ہے' لیکن میرے پاس گواہ موجود ہیں۔ شانتی اور نرملا چودھری۔ اجیت اور للی۔ اجیت اور للی کو اس لیے سزا نہیں دی جا سکتی کہ تم انہیں طاغوتی طاقت سے بے بس' مجبور اور غلام بنا کر کھیل کھیلتے رہے۔ تم مجھے پہلے سزا دے کر دیکھو۔ پھر دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔"

موتی جادوگر نے تھوڑی دیر منتر پڑھا۔ فضا میں پھونکا۔ چند ہی لمحوں میں اس کے بڑے سے جھونپڑے میں چڑیلیں' بھوت اور بدروحیں بھر گئیں۔ پھر اس نے ان سے کہا۔ "میں نے تم سب کو اس لیے بلایا ہے تاکہ تم دیکھو۔ اس بوڑھے کو بندر کیسے بناتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک زوردار پھونک ماری اور کہا۔ "بندر!"



میں اپنی جگہ بڑے سکون اور اطمینان سے کھڑا رہا۔ اس کا یہ خیال تھا' کہ میں اس کے مؤکلوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو کر میدان چھوڑ جاؤں گا۔ لیکن اس کا یہ اندازہ اور خیال خام ثابت ہوا اور پھر اس کا منتر جادو مجھ پر کوئی اثر نہ کر سکا۔ وہ بے اثر ہو کر رہ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ اسے یقین نہ آیا کہ وہ میرے سامنے بے بس ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر تک اس نے نہ جانے کتنے جادو منتر پڑھ کر مجھ پر پھونکے۔ جب وہ مجھ پر اپنے سارے جادو آزما چکا' تو میں نے اس سے کہا۔

"میں تمہیں بندر' بھیڑ' بکری اور ہر قسم کا حیوان جانور بنا سکتا ہوں' لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ کیوں کہ تم اس طرح عبرت ناک سزا سے محفوظ رہو گے۔ چوں کہ تمہیں اپنے کیے کی سزا ملنی ہے' اس لیے میں تمہیں نہ صرف جادو اور منتروں سے محروم کر رہا ہوں بلکہ ایک معذور اور اپاہج شخص بنا رہا ہوں' تاکہ تم ساری زندگی محتاجی کی اور ایک بھکاری بن کر گزار دو۔"

پھر میں نے اسے اس طرح اپاہج اور معذور بنا دیا کہ وہ نہ تو کھڑا ہو سکے اور نہ چل پھر سکے بلکہ زمین پر اپنے آپ کو گھسیٹتا رہے۔ اس نے بڑا زور مارا۔ میں نے چوں کہ اس کی وہ یادداشت ختم کر دی تھی' جو جادو اور سفلی علوم تھے' وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کے تمام مؤکل جس طرح آئے تھے' اسی طرح واپس چلے گئے۔ اتنی دیر میں وہ لڑکی ہوش میں آ چکی تھی۔ میں نے لڑکی کو باہر نکالا اور اس کے جھونپڑے کو آگ لگا دی۔ پھر وہ چیختا چلاتا' اور اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا اپنے جھونپڑے سے نکل آیا۔ میں نے اس سے کہا کہ بُرے کاموں کا انجام ایسا ہی حسرت ناک ہوتا ہے۔ تم نے تین برس تک جو شیطانی کھیل کھیلا' یہ اس کی سزا ہے' اور تم ایک دن اس شہر کے کسی فٹ پاتھ پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤ گے...... پھر میں نے اس معصوم بچی کو اس کے گھر پہنچا دیا۔ اب تم دونوں گھر جاؤ۔ سکون کی زندگی گزارو۔ خون کا شکاری اب تم دونوں کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔



سہ پہر کے پانچ بجے پولیس کے ہیڈ کوارٹر میں ایس پی مکرجی کے دفتر کے کمرے میں ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں حوالدار نارائن' رام داس انسپکٹر' رنجیت اور دوسرے سراغ رساں بھی شامل تھے۔

"مقتول لڑکی روشنی ایک ڈائری رکھتی تھی۔" ایس پی مکرجی نے کہا۔ "اور ہم اس لڑکی کے متعلق اتنا ہی معلوم کر سکے ہیں کہ وہ کئی برس سے طوائف کا پیشہ کر رہی ہے۔ ڈاکٹر پرکاش نے پوسٹ مارٹم میں لکھا ہے کہ پہلے اس کے سر پر شدید ضرب لگائی گئی' پھر اسے وحشیانہ طور پر اور بڑی درندگی سے اس کی عزت کو نشانہ بنایا گیا' پھر اس کا گلا گھونٹ دیا' اس کے بعد اس کے جسم پر چاقو سے زخم لگا کر اس کا سارا خون لگتا ہے اس طرح غٹا غٹ پی لیا گیا ہے' جس طرح ایک پانی کا پیاسا صحرا میں کئی دنوں کے بعد پانی ملنے سے پی جاتا ہے۔ پھر تیز دھار خنجر سے اس کا پیٹ اس طرح سے اور شاید اس لیے چیر دیا گیا کہ اگر اس میں خون رہ گیا ہے تو اسے چاٹ لیا جائے۔ یہ ایک وحشیانہ جنسی قتل ہے۔ جو ایک جنونی اور اذیت پسند اور نفسیاتی قاتل نے کیا ہے۔ ایک بات جو اس رپورٹ سے سامنے آئی ہے میرے' وہ یہ کہ مقتولہ جب طوائف زادی تھی' تو اس نے اپنی عزت کا دفاع اور مزاحمت کیوں کی۔ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی اپنی عزت بچانے کی کوشش کرتی' تو یہ ایک فطری امر ہوتا۔ ابھی تک کسی ہپی لڑکے لڑکی سے کوئی مفید بات معلوم نہیں ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے بھی اس کے بارے میں نہ تو کچھ سنا اور نہ ہی کچھ دیکھا' بہرحال یہ قتل کی انتہائی پراسرار اور ہولناک اور لرزہ خیز واردات ہے۔"

"میں ہر ہپی کو چیک کر رہا ہوں۔" انسپکٹر فرنانڈس نے کہا۔ "اس وقت اس کالونی میں تقریباً پچاس کے لگ بھگ ہپی موجود تھے۔ ہر ایک کو باری باری چیک کرنے کے لیے وقت درکار ہے۔ میری یہ کوشش ہے کہ میں جلد سے جلد اہم معلومات حاصل کر لوں۔"

"اس وقت جو معلومات حاصل ہوئی ہیں۔" ایس پی مکرجی نے اپنی بات جاری رکھی۔ "اس کے پیش نظر ہمارا واحد رہنما سراغ گنگولی ہے' جو یہ اعتراف کرتا ہے کہ قتل کے وقت وہ جائے واردات سے نزدیک تھا۔ اگر ایسا ہے تو پھر قاتل کے کپڑوں پر یقیناً چھینٹے ضرور آئے ہوں گے' یا خون سے بھرے اس لیے ہو سکتے ہیں کہ اس نے مقتولہ کا سارا خون پی لیا اور چاٹ لیا تھا۔" اس نے توقف کر کے رام داس کی طرف دیکھا۔ "آپ نے گنگولی کے کپڑے دیکھے تھے۔ ان میں سے خون آلود کوئی حصہ تو نہیں تھا؟"

"آپ کی بات سے اتفاق ہے' لیکن مجھے اس کے کپڑوں پر ایک دھبا تک نظر نہ آیا۔ اگر ہوتا تو اس کی چمک اپنے وجود کا پتا دے دیتی۔" رام داس نے جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی بات ضرور جانتا ہے۔ یا تو اس نے کسی کو دیکھا یا پھر وہ خود ہی قاتل ہے۔ جب میں نے اس سے سوالات کیے تو مجھے اندازہ سا ہو رہا تھا' کہ وہ خود ہی قاتل ہے۔ اس کے جھوٹ بولنے سے یہ تاثر ملتا تھا۔ ایسا کوئی ثبوت نہیں تھا' کہ اسے گھیرا جاتا۔ اس نے ایک سوال کے جواب میں مجھ سے کہا تھا کہ اس کے پاس پس انداز کیا ہوا کچھ پیسہ ہے مگر اسے محنت اور جدوجہد اور سخت کوش زندگی ہمیشہ سے پسند رہی ہے۔ اور وہ اس کالونی میں دو ایک ہفتے ٹھہرنے کا پروگرام بنا چکا ہے۔ شاید دو ہفتے بعد وہ یہاں سے چل دے گا۔"

"گنگولی کو بھی چیک کرو۔" ایس پی مکرجی نے فرنانڈس سے کہا۔ "اس لیے کہ وہ ایک طرح سے مشتبہ سا لگتا ہے۔"

"میں نے پہلے ہی سے اس پر کڑی نگاہ رکھی ہوئی ہے۔" فرنانڈس نے جواب دیا۔ "اس کا نام مشتبہ افراد کی فہرست میں رکھا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ایس پی مکرجی نے سر ہلا دیا۔ "مس کلدیپ کور کا کیبن جائے وقوعہ سے دو سو گز کے فاصلے پر ہے۔ کیا اس کے بارے میں کوئی چیکنگ کی گئی یا نہیں؟" اس نے رام داس اور فرنانڈس کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میں نے مس کلدیپ کور سے بات کی تھی۔" رام داس بتانے لگا۔ "یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ لڑکی نہ صرف بہت چالاک اور عام قسم کی لڑکیوں سے مختلف ہے' بلکہ جنس زدہ ہے۔ اس کے چہرے' اس کی آنکھوں اور باتوں اور لباس سے اس کی فطرت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی عمر کی

اور بڑے گھرانوں کی لڑکیوں میں یہ خاصیت ہوتی ہے۔اس نے اعتراف کیا کہ قتل کے سے وہ اپنے کیبن میں موجود تھی۔اس نے بتایا کہ اس وقت وہ سونی چینل پر گانے کا پروگرام دیکھ رہی تھی۔میں نے تمام چینل چیک کیے اور سونی کے پروگرام کا کتابچہ دیکھا' اس روز گانے کا کوئی پروگرام نشر نہیں ہوا۔صرف ہفتے میں دو دن گانے کا پروگرام سونی چینل سے کاسٹ ہوتا ہے۔میرا اندازہ ہے کہ اس وقت وہ اپنے کیبن میں کسی کے ساتھ تھی' اور داد عیش دے رہی تھی۔لہٰذا وہ اپنا پروگرام چلا رہی تھی۔ایک نوجوان لڑکی اور اکیلی کیبن میں رات کے وقت تنہا نہیں گزار سکتی۔"

"اس کے ذاتی معاملات میں دخل دینا ہمارا کام نہیں ہے۔" ایس پی مکرجی نے کہا۔"مگر ایک بات یاد رکھیں کہ وہ کوئی عام گھرانے کی لڑکی نہیں ہے۔بڑے باپ کی بیٹی ہے۔لہٰذا اس کا ذکر فضول ہے۔اس لیے بھی کہ اپنے باپ کی اکلوتی اور لاڈلی بھی ہے۔" پھر وہ رنجیت سے مخاطب ہوا۔"جس آدمی نے لاش کے بارے میں فون کیا تھا' اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

"اس کی آواز بہت بھاری تھی۔" رنجیت نے جواب دیا۔"آواز سے اس کی عمر کی شناخت مشکل ہے۔وہ کسی بھی عمر کا آدمی ہو سکتا ہے۔پولیس کے متعلق اس کے خیالات اچھے نہیں معلوم ہوتے۔کال کا پتا لگانا ممکن نہیں۔اس لیے بھی کہ اس نے فون کسی پبلک بوتھ سے کیا تھا' اس نے صرف اطلاع دی اور ریسیور رکھ دیا تھا' اس نے صرف بہ مشکل دس سیکنڈ بات کی ہو گی۔"

"وہ خود قاتل بھی ہو سکتا ہے۔" ایس پی مکرجی نے کہا۔"شہر میں بڑی پراسرار وارداتیں ہو رہی ہیں۔نوجوان لڑکیوں کو نہ صرف بہیمانہ انداز سے قتل کر کے ان کا خون پی لیا گیا' جو لڑکیاں پراسرار طور پر غائب ہوئی ہیں' ان کا اب تک کوئی سراغ نہیں مل پایا ہے۔یہ مقتولہ اور وہ لڑکیاں جو قتل کا نشانہ بنیں اور غائب ہوئی ہیں' ایک امر مشترک ہے۔یعنی وہ سب آبرو باختہ تھیں۔یہ کوئی جنسی دیوانہ معلوم ہوتا ہے۔میرے خیال میں صرف اس لیے نوجوان لڑکیوں کو قتل کرتا ہے کہ ان کا خون پی جائے۔اسے جتنا جلد ہو تلاش کیا جائے۔یہ بے حد خطرناک ہے۔" اس نے توقف کر کے کہا۔"اگر مزید آدمی چاہئیں تو پونا سے بلایا جا سکتا ہے' وہاں اتنے جرائم نہیں ہو رہے ہیں اور وہاں عملہ بھی زیادہ ہے۔"

اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔کال فرنانڈس کے لیے تھی۔اس کے ایک ماتحت کی طرف سے' جسے دوسرے آدمیوں کے ساتھ جائے واردات کے آس پاس درختوں اور جھاڑیوں کے جھنڈ میں دیکھنے کے لیے کہا گیا تھا۔دوسرے لوگ گفتگو کا نتیجہ معلوم کرنے کے لیے خاموش ہو گئے۔وہ پوری توجہ سے فون سن رہا تھا۔پھر اس نے گفتگو ختم کر کے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور ایس پی

مکرجی کی طرف دیکھا۔

"ہتیک کو ایک عجیب سا بٹن ملا ہے۔" وہ بتانے لگا۔"جس کی شکل گولف کے گیند جیسی ہے۔بٹن لاش کی جگہ سے تین گز کے فاصلے پر پایا گیا ہے۔یہ ہمارا پہلا معنی خیز سراغ ہو سکتا ہے۔اس بٹن سے یقیناً بڑی رہنمائی ملے گی۔"



نوجوان اور موٹی سی لڑکی جس کا نام گیتی راج تھا' وہ چائنیز چکن کے پکوڑے بنا رہی تھی۔ گنگولی اس کے پاس آیا' تو اس وقت اکیلی تھی' وہ اس بات پر فخر کرتی تھی کہ اس سے اچھے کھانے اس کالونی کی کوئی عورت اور لڑکی نہیں بنا سکتی تھی۔اور اسے اس بات پر بھی ناز تھا کہ کوئی بھی جب بھی کھانے کے لیے اسے کوئی نہ کوئی ڈش تیار ملے گی۔چائنیز چکن پکوڑے' چکن بروسٹ اور اسپیگٹی یہاں کی مرغوب ترین ڈشیں تھیں۔اس نے گنگولی کو کوارٹر چکن بروسٹ دیا تو وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔وہ آپس میں باتیں کرنے لگے۔

گیتی کا خیال تھا کہ گنگولی کسی بھی امریکی فلموں کے ہیرو سے کم نہیں ہے۔وہ جیمز بانڈ کی طرح سپرمین ہے۔اسے گنگولی کی تراشیدہ فرنچ کٹ داڑھی' تندرست و توانا جسم' چوڑا چکلا سینہ' بھرے بھرے مضبوط بازو اور اس کا دراز قد ہونا اور اس کی چمکیلی بھوری آنکھیں غرض اس کی ہر چیز اس کے من کو بھاتی تھی۔

گنگولی لڑکیوں کا محبوب بننے کا گر جانتا تھا۔وہ ایک ہی نگاہ میں اندازہ کر لیتا تھا' کہ لڑکیوں کی اور عورتوں کی کیا کمزوری ہے۔گیتی موٹی تھی' اس میں ایک بھدا پن سا تھا۔چوں کہ نوجوان تھی' اس لیے جوانی کے خمار میں اس میں قدرے جاذبیت تھی۔اس کے بھرے بھرے جسم میں مستی سی اُبلی پڑتی تھی۔چہرے کے نقوش واجبی سے تھے۔لیکن اس کے موٹے موٹے ہونٹ سرخ' گداز اور رسیلے تھے۔پھر بھی کالونی کا کوئی نوجوان اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔وہ ترستی اور تڑپتی اور چاہتی تھی کہ کوئی نوجوان لڑکا نہ سہی کوئی مرد ہی اس پر مر مٹے۔

گنگولی نے دیکھ اور محسوس کر لیا تھا کہ گیتی کے ارمان کیا ہیں' جب وہ دوسری مرتبہ اس کے ہاں کھانے کے لیے آیا' تو اس نے گیتی کو جی بھر کے خوش کیا تھا۔اسے دبوچا تو گیتی نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا' بلکہ خودسپردگی سے من مانی کرنے دی۔یہ سلسلہ بڑی دیر تک جاری رہتا' اور وہ گنگولی کو بیڈروم میں چلنے کے لیے کہتی' وہ گنگولی سے اس قدر خوش اور سرشار ہوئی تھی' کہ اس روز گنگولی سے کھانے کے پیسے نہیں لیے تھے۔پھر وہ آدھی رات کو گنگولی کے کیبن میں گئی' تو اس وقت نکلی جب پو پھٹ رہی تھی۔اسے ایسا لگا جیسے اس کی پہلی سہاگ رات تھی۔

اس روز رات اس نے گنگولی سے اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں پوچھا' تو گنگولی نے اسے بتایا کہ اس کے باپ کا خیال تھا کہ اس میں صرف ایک ہی خصوصیت موجود ہے' وہ یہ کہ کسی فلم میں وہ ہیرو یا سائیڈ ہیرو بن سکتا ہے' اس کے خیال میں اس کے ماں باپ دنیا کے ناکام ترین انسان تھے۔ باپ کچہری میں پیش کار تھا۔ اس کی ماں ایک سرکاری اسپتال میں نرس تھی۔ اس کا باپ رشوت خور تھا۔ اس کی ماں اچھی عورت نہ تھی۔ وہ راتوں کو اکثر گھر سے غائب ہو جاتی تھی۔ وہ خوب صورت تھی۔ دبلی پتلی تھی' اس لیے زیادہ عمر کی لگتی نہ تھی۔ لوگ اسے بیس بائیس برس کی عمر کی سمجھتے تھے۔ وہ اس لیے غلط راستے پر چل پڑی تھی' کہ اس کا راشی شوہر گھر کے لیے خرچہ نہیں دیتا تھا۔ شراب اور شباب پر رشوت کی رقم لٹاتا تھا۔ اس کا ماں کو خیال تھا نہ باپ کو۔ میاں بیوی دونوں ہی لڑتے رہتے تھے۔ جب وہ سولہ برس کا تھا' تب گھر سے بھاگ نکلا تھا' اس لیے کہ اس رات اس کی ماں کی اسپتال میں نائٹ ڈیوٹی تھی' یا وہ کسی مرد کے پاس رات کالی کرنے گئی تھی۔

اس کا باپ ایک تیس برس کی مرہٹہ عورت کو لے آیا تھا۔ عورت بہت کالی تھی' لیکن اس میں بہت جاذبیت اور بے انتہا کشش تھی۔ اس عورت نے اس کے باپ کو خوب شراب پلا کر مدہوش کر دیا تھا۔ پھر اس عورت نے اس کے ساتھ رات گزاری۔ یہ پہلی عورت تھی' جو اس کی زندگی میں آئی تھی۔ اس کے باپ کو دن میں جب ہوش آیا' نشہ ٹوٹا' تو اس نے بیٹے کو عورت کے ساتھ دیکھا' تو آگ بگولہ ہو گیا۔ اسے بری طرح دھنک کر رکھ دیا تھا۔ اگر وہ عورت درمیان میں نہ آتی' تو شاید جان سے مار دیتا۔ وہ عورت اس کے باپ کو کمرے میں لے گئی' اور دروازہ بند کر لیا تھا۔ جب اس کی حالت قدرے سنبھلی' تو اس نے باپ کے کپڑے دیکھے' اس کی جیب میں رشوت کی رقم بھری ہوئی تھی۔ تب اس نے گھر سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا' اور اس نے وہ رقم گنی تو تین ہزار روپے تھے۔ وہ وہاں سے سیدھا ریلوے اسٹیشن آیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا باپ تعاقب میں نہیں آئے گا۔ وہ عورت اور اس کا باپ دوپہر تک کمرے میں بند رہیں گے۔ ایک طرف اس کا بدن ٹوٹ رہا تھا' اور جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ وہ عورت رات بھر اس کے ساتھ کھلونے کی طرح کھیلتی رہی تھی۔ دوسری طرف اسے بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ وہ ریلوے کینٹین میں گھس گیا۔

اسے اچھا اور پیٹ بھر کے کھانا برسوں سے نصیب نہیں ہوا تھا۔ اس نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ پھر وہ ممبئی شہر آ گیا۔ سولہ برس کی عمر ہی میں اس کی اٹھان اور قد ایک بھرپور مرد کی سی تھی۔ اس کے باپ کی داشتہ اس لیے اس پر مرمٹی تھی۔ اس عورت نے اس سے کہا بھی تھا' کہ وہ ایک ہیرو دکھائی دیتا ہے' سفر کے دوران ایک ہم سفر نے اس سے کہا تھا کہ وہ فلمی دنیا میں جا کر قسمت آزمائی کرے۔ وہ فلمستان اسٹوڈیو ایک خوب صورت مگر چالیس برس کی عمر سے ٹکرا گیا' وہ اسے

اپنے ہاں لے آئی۔ اس نے کہا کہ جس طرح لڑکیاں گھر سے بھاگ کر ہیروئن بننے آتی ہیں' انہیں طرح طرح کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے' جوانی نذر کرنا پڑتی ہے' پھر وہ اسے مختلف عورتوں سے یہ کہہ کر ملاتی رہی کہ انہیں خوش کرتے رہو تو تمہیں کسی فلم میں چانس ملے گا۔ وہ پچاس چالیس اور ساٹھ برس کی ہوتی تھیں۔ پھر وہ اس کے ہاں سے سات ہزار کی رقم چرا کے بھاگ نکلا۔ تب سے جب تک وہ چوبیس برس کا تھا آوارہ گردی کرتا رہا۔ برتن دھونے سے گیراج کے کام تک۔ اس نے ڈرائیوری بھی کی' بڑے گھروں میں نوکر بھی رہا۔ وہاں اس نے بڑی گندگی دیکھی۔ بیگمات اور ان کی لڑکیوں نے اسے بہت استعمال کیا۔ لیکن اس نے وہیں لڑکیوں اور عورتوں کا محبوب بننے کا گُر جانا تھا۔ مگر وہ خوش تھا کہ اسے اپنے گھر کے دم گھٹنے والے ماحول سے نجات ملی۔ اس کے دل کے کسی کونے میں ماں باپ کی یاد نہ آئی۔ یاد آتی تو نفرت اور حقارت سے جھٹک دیتا۔ وہ اپنے ماں باپ کو کیوں اور کس لیے یاد کرتا' جب کہ انہیں اس سے کوئی محبت نہیں تھی۔ باپ اس کی ماں سے کہتا تھا جانے اس کا باپ کون سا ہے۔

سات برس کی زندگی اس نے جو گزاری' وہ قیدِ بامشقت کی سی تھی۔ اس کی زندگی میں جو نشیب و فراز اور احساسی محرومیاں آئیں' انہوں نے اسے یہ سکھایا کہ زندگی کے لیے دولت بہرحال سب کچھ ہے۔ غریب آدمی کی زندگی گلی کے کتے سے بھی بدتر ہوتی ہے۔ پھر وہ دولت مند بننے کے خواب دیکھنے لگا۔ وہ ایک حقیقت پسند آدمی کی طرح سوچنے لگا' کہ دولت کا حصول مشکل نہیں ہے' آسان بھی ہے' شارٹ کٹ راستے بہت سارے ہیں' اسے یقین تھا کہ روزانہ بارہ سولہ گھنٹے کی ملازمت کر کے دولت نہیں پیدا کی جا سکتی۔

شہر میں جو روز بہ روز گرانی بڑھ رہی تھی' اس نے بے روزگاری بھی بڑھا دی تھی۔ وہ کوئی تین مہینے سے بیکار تھا' اسے کہیں ملازمت نہیں مل رہی تھی۔ اس نے جو پونجی جمع کر کے رکھی تھی وہ ایک دن ختم ہو گئی۔ اس کی جیب میں ایک وقت پیٹ بھرنے کے لیے رقم بھی نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اسے بھیک بھی نہیں مل سکتی۔ پھر وہ یوں ہی بے مقصد گھومتے ہوئے جوہر آ گیا۔ ایک بوڑھی عورت اپنی دو نواسیوں کے ساتھ آئی تھی۔ وہ اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے امیر کبیر عورت دکھائی دیتی تھی' اس کے پاس ایک خوب صورت اور بڑا سا چرمی پرس تھا' جو اس نے اپنے پاس رکھ لیا۔ وہ بھی قریب اس طرح سے بیٹھ گیا' جیسے اس عورت اور بچیوں کے ساتھ آیا ہو۔ بچیوں کی نانی ان سے کہہ رہی تھی کہ وہ پانی میں نہ جائیں۔ لیکن وہ دونوں لڑکیاں جن کی عمریں سات اور نو برس کی تھیں' بہت شریر تھیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ریس لگاتی ہوئی پانی کی طرف دوڑیں تو بوڑھی عورت سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ ایک دم سے چیخ مار کر ان کے پیچھے لپکی۔ اس

عورت کو اپنے پرس کا خیال نہیں رہا تھا۔ یہ ایک سنہرا موقع تھا' جو اس نے ضائع نہیں کیا' فوراً ہی ہاتھ بڑھا کر پرس اپنے قریب کرلیا۔ اس نے گردوپیش کا جائزہ لیا' قریب میں کوئی نہیں تھا' کوئی اس کی حرکات وسکنات دیکھ نہیں سکتا تھا' اس نے پرس کی زپ کھولی۔ پرس میں جھانکا' اس نے پرس میں چھوٹے بڑے نوٹوں کی گڈی دیکھی' تو اسے نکال کر جیب میں رکھ لیا۔ پھر پرس کو واپس رکھ دیا۔ پھر یک لخت اٹھ کھڑا ہوا' اس نے دیکھا کہ بوڑھی عورت اپنی نواسیوں کو ڈانٹ رہی تھی۔ پھر وہ غیر محسوس انداز سے مگر برق سرعت سے باہر آیا۔ پھر وہ تیزی سے اس طرف بڑھ گیا جہاں دو ایک ہوٹل تھے۔ اسے اس بات کا اندازہ تھا کہ رقم سینکڑوں کی نہیں' بلکہ ہزاروں کی ہے۔ اس گڈی پر ربڑ بینڈ چڑھا ہوا تھا۔ چھوٹے بڑے نوٹ ترتیب سے رکھے ہوئے تھے' جس سے اندازہ ہوتا تھا' وہ بینک سے چیک بنا کر رقم لائی ہو۔ اگر وہ راستے یا ہوٹل میں گڈی نکال کر گنتا تو لوگ یا پولیس کا کوئی سپاہی مشکوک ہو جاتا۔ کوئی جیب کترا یا بدمعاش اس کے تعاقب میں لگ جاتا۔ وہ ایک اچھے سے ایئر کنڈیشنڈ ریسٹورنٹ میں گھس گیا۔ سہ پہر کے چھ بج رہے تھے۔ اس کا ہال بھرا ہوا تھا۔ ایک کونے میں ایک دو کرسیوں والی میز خالی تھی۔ ویٹرس آرڈر لینے آئی' تو اس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر مشکوک سی ہوئی' لیکن کچھ کہنے کی جرأت نہ کرسکی۔ اس نے آرڈر دینے کے بعد ویٹرس سے دریافت کیا۔ ''واش روم کہاں ہے؟''

ویٹرس نے اس کی رہنمائی کی' وہ اس میں گھس گیا۔ دروازہ بند کر کے اس نے گڈی نکالی' رقم گنی' چھ ہزار تھی۔ اس کا رُواں رُواں خوش ہوگیا۔ اس نے اس گڈی میں سے پانچ سو کا ایک نوٹ نکال کر قمیص کی جیب میں رکھ لیا۔ پھر اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو وہ اٹھائی گیر معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اچھی طرح سے منہ ہاتھ دھویا اور بالوں میں کنگھی کی اور کپڑے جھاڑ کر انسان لگا' اور اس کا رنگ روپ نکھر آیا۔ جب وہ ویٹرس آئی' تو اسے دیکھ کر مسکرا دی۔ اس نے کلب سینڈوچز کا آرڈر دیا تھا۔ اس نے ویٹرس سے کہا کہ وہ ہاف چکن بروسٹ لے آئے۔ ویٹرس کے جاتے ہی وہ فرنچ فرائز اور سینڈوچز پر ٹوٹ پڑا۔ دو دن کا بھوکا جو تھا۔ اس نے سیر ہو کر کھایا۔ پھر سوچا کہ اب اسے یہاں سے چل دینا چاہیے۔ وہ عورت پولیس میں رپورٹ درج کراسکتی ہے' گو کہ یہ کروڑ سے زیادہ آبادی کا شہر ہے۔ پولیس کا اسے تلاش کرنا ناممکن تو ہے' لیکن وہ خطرہ مول کیوں لے۔ یہ سوچ کر وہ اس کالونی میں آیا تھا۔

گیتی اس کالونی میں کوئی دو برس سے رہائش پذیر تھی۔ اس کی معلومات نہ صرف ممبئی شہر بلکہ پونا' دہلی' چنائے اور بنگلور' میسور کے بارے میں بھی بہت وسیع تھی۔ اس لیے کہ وہ اخبار رسائل پڑھتی تھی اور ٹی وی بھی دیکھتی تھی۔ اس لیے اس کی جو معلومات تھیں وہ حیرت انگیز بھی

تھیں۔ گنگولی آیا تو تنہائی سے فائدہ اٹھا کر کچھ دیر تک وہ اس کے گلے میں جھولتی رہی۔ یہ لڑکی اس کی پسند تھی' نہ ہی معیار کی' لیکن تھی بہت فائدے کی۔ ایک تو اس سے کھانے کے پیسے نہیں لیے تھے' رات بھی آگئی تھی۔ اسپگیٹی کھاتے وقت اس سے باتیں کرتے ہوئے گنگولی کے علم میں یہ بات آئی تھی' کہ جس جگہ لڑکی کو قتل کیا گیا تھا' اس کے نزدیک ترین کیبن کلدیپ کور کا ہے' کلدیپ کور ایک ایسے امیر ترین باپ کی اکلوتی بیٹی ہے' جو بہت ہی اثر ورسوخ والا ہے۔ پولیس بھی اس کے نام سے خوف کھاتی ہے۔

''امیر ترین باپ کی بیٹی ہونے کے ناتے وہ بہت مغرور ہوگی؟'' گنگولی نے تبصرہ کیا۔

''دماغ ہر وقت ساتویں آسمان پر رہتا ہوگا۔ کسی کو خاطر میں نہ لاتی ہوگی۔ دولت اور حیثیت لڑکیوں کے دماغ خراب کر دیتی ہے۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

''نہیں! کلدیپ کور میں ایسی کوئی بات نہیں ہے' وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔'' گیتی نے سر ہلا دیا۔ ''وہ کبھی کبھی یہاں آتی ہے' اس میں دولت کا غرور ہے اور نہ نشہ ہے۔ وہ ہم میں اس طرح گھل مل جاتی ہے' جیسے خاندان کا فرد ہو۔ اس لیے بھوپت لعل اس سے بہت محبت کرتا ہے۔''

''اگر وہ دولت مند ترین باپ کی بیٹی ہے' تو ایسے تنہا مقام میں اس کیبن میں اکیلی کیوں رہتی ہے؟'' گنگولی کو تجسس سا ہوا۔

''ڈر نہیں لگتا؟''

''اس لیے کہ وہ کیبن اس کا عشرت کدہ ہے۔'' گیتی نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس کے رخسار کا بوسہ لے کر کہا۔ ''اس کا باپ بڑا قدامت پرست اور تنگ نظر ہے۔ اس نے خود تو اپنی جوانی میں اور چالیس برس کی عمر تک خوب عیش کر لیے۔ ہر لڑکی کو جو جوان ہو چکی ہو' اپنی خواہش اور ارمان پورے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج کون ایسی جوان لڑکی ہوگی' جو پیاسی نہ ہو۔ پیاس نہ بجھاتی پھرتی ہو' لیکن وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے' وہ روز روز تو ایسا نہیں کرتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی تو سہی۔ لیکن ایک بات کہتی ہے کہ جب مردوں کو عیاشی کا حق ہے' تو عورتوں اور جوان لڑکیوں کو کیوں نہیں' وہ بہت آزاد خیال ہے۔ گھر پر اسے اتنی آزادی ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر اس کے باپ کو معلوم ہو جائے کہ اس کیبن میں کیا کچھ ہوتا رہتا ہے' وہ کسی بم کی طرح پھٹ پڑے۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' گنگولی نے کہا۔ ''وہ اپنے باپ کے غصے کی پروا کیوں کرنے لگی' جب کہ خود سر ہے۔''

''وہ اپنے باپ کی بات کا لحاظ اور خیال اس لیے کرتی ہے کہ ابھی تو سب کچھ اس کے

باپ کے پاس ہی ہے۔'' گیتی کہنے لگی۔ ''اس نے وصیت بھی نہیں کی ہوئی ہے۔ کلدیپ کور نے مجھے ایک مرتبہ بتایا تھا' کہ اگر اس کے باپ کو اس کی حرکتوں کے بارے میں پتا چل گیا' وہ نہ صرف اسے گھر سے نکال دے گا' بلکہ عاق بھی کر دے گا۔ وہ نہیں چاہتی کے باپ کے کروڑوں کے اثاثے سے محروم ہو جائے۔''

''وہ کسی پسند کے مرد سے شادی کر کے اپنے باپ کی دولت' جائیداد اور کاروبار کی مالک کیوں نہیں بن جاتی؟'' گنگولی نے پوچھا۔

''اس لیے کہ اسے ابھی تک ایسا کوئی نہیں ملا' جو اس سے محبت کرے۔'' گیتی نے جواب دیا۔ ''یہ مرد سارے خودغرض' مطلبی اور دولت کے بھوکے ہیں۔ اس کی زندگی میں اب تک جتنے مرد آئے' اس نے انہیں آزمایا اور کہا کہ شادی کرنے کی صورت میں اس کا باپ ایک دمڑی نہیں دے گا' کیوں کہ اس نے سب کچھ وصیت میں فلاحی اداروں کے نام کر دیا ہے۔ یہ سن کر پھر وہ نہیں آیا' اور اس کی محبت جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔ اس لیے وہ اپنی پیاسی جوانی کو سیراب کرتی پھرتی رہتی ہے۔ لیکن پھر بھی اسے ایک مخلص اور بے غرض ساتھی کی تلاش ہے۔''

''وہ کرتی کیا ہے سارا دن؟ کیا اس کا وقت کسی شکار کی تلاش میں گزرتا ہے؟'' گنگولی نے سوال کیا۔

''وہ اس قماش کی نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔'' گیتی نے کہا۔ ''ویسے وہ بہت ذمے دار ہے اور اپنے آپ کو بہت مصروف رکھتی ہے۔ اسے یہ بات قطعی پسند نہیں کہ صبح دیر تک سوتی رہے اور شام کے وقت سیر وتفریح کے لیے نکل جائے۔ وہ بہت اسمارٹ ہے' اور اپنے آپ کو مصروف اور چاق و چوبند رکھنے کے لیے کام کرنا پسند کرتی ہے' اس کے باپ نے میوری کے علاقے میں اپنی ایک برانچ کھولی ہے۔ وہ اس میں ملازمت کرتی ہے۔ صبح نو بجے سے سہ پہر پانچ یا چار بجے تک۔ نہ دیر سے جاتی ہے اور نہ جلد اٹھ جاتی ہے۔''

''کیا کلدیپ کور اس آفس کی انچارج ہے؟'' گنگولی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''اس نے خود سے دفتر سنبھالا ہوا ہے؟''

گنگولی کے اندر کلدیپ کور کے متعلق جو تجسس سا پیدا ہو رہا تھا' اس لیے وہ غیر محسوس انداز سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔

''نہیں!'' گیتی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''وہ نہ تو آفس انچارج ہے اور نہ ہی دفتر سنبھال رہی ہے۔ آفس انچارج موہن لعل ہے۔ دفتر اور کلدیپ کور بھی اس کی ماتحت ہے۔'' گیتی نے توقف کر کے ایک حسرت بھری گہری سانس لی۔ ''وہ بڑا خوبصورت اور وجیہہ آدمی ہے۔ اگر وہ شوبز

کی دنیا میں جاتا تو اسے ہیرو کا چانس مل جاتا۔ بے وقوف آدمی نے ملازمت کر کے اپنا مستقبل تاریک کر لیا۔''

گنگولی کا خیال اس شخص کی طرف گیا' جسے اس نے کلدیپ کور کے ساتھ دیکھا تھا۔ گیتی نے اس شخص کی تعریف میں بخل یا مبالغہ سے کام نہیں لیا تھا۔ واقعی بہت خوب صورت اور وجیہہ بھی تھا۔ ایسا تھا کہ لڑکیاں اور عورتیں اس کے ایک اشارے پر اس کی جھولی میں کسی پکے آم کی طرح ٹپک پڑیں۔ وہ یقیناً ایسا تھا کہ جس کے ساتھ کلدیپ کور دادِ عیش دے سکتی تھی۔ کلدیپ کور کے ذوق کا معیار اور پسند کا اندازہ اس آدمی سے ہو گیا ہے۔

''کیا وہ شادی شدہ ہے؟'' گنگولی نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کر کے پوچھا۔ اس کا چہرہ موہن کے تصور سے سرخ ہو رہا تھا۔

''ہاں!'' گیتی نے اثباتی انداز میں سر ہلا دیا۔ ''اس کی بیوی بھی بہت حسین اور غیر معمولی پُرکشش ہے۔ میاں بیوی کا جوڑ نہایت موزوں اور خوب صورت ہے۔ قابلِ رشک بھی ہے۔ وہ جس ڈاکٹر کی کلینک میں کام کرتی ہے' اس کی شہرت کچھ اچھی نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ ماڈل گرلز اور اداکارائیں اور امیر کبیر گھرانوں کی لڑکیوں اور عورتوں کے ناجائز حمل گراتا ہے' جس سے اس کی بے پناہ آمدنی ہوتی ہے۔''

''جب اس کی بیوی اتنی حسین ہے' تو اس کے کلدیپ کور جیسی لڑکی سے کس لیے تعلقات ہیں؟'' گنگولی بولا۔ ''شاید اس لیے تو نہیں کہ وہ ان تعلقات سے ترقی کے لیے فائدہ اٹھائے۔ شاید اس لیے اس نے کلدیپ کور کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اسے پھانس لیا ہو گا۔''

''شاید ایسا نہیں ہے۔'' گیتی نے تکرار کی۔ ''کلدیپ کور کی کمزوری ایسے مرد ہیں۔ اس نے ڈورے ڈال کر اپنا اسیر بنا لیا۔ وہ میرے سپنوں کا راج کمار جیسا ہے۔''

گنگولی نے اس کی صاف گوئی کا بُرا نہیں منایا' نہ ہی حسد و جلن محسوس کیا۔ پھر اس نے پوچھا۔

''کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ موہن کے اپنی پتنی کے ساتھ کیسے تعلقات ہیں؟''

''ان کے باہمی تعلقات برسوں سے بہت ہی اچھے اور خوش گوار ہیں۔'' گیتی بتانے لگی۔ ''آج کے دور میں ازدواجی تعلقات کا خوش گوار ہونا مثالی ہوتا ہے۔ کوئی بھی عورت موہن جیسے شوہر کو ناراض کر کے پیروں پر کلہاڑی نہیں مار سکتی۔ ان کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ دوسرے شادی شدہ جوڑوں کو اس جوڑے پر رشک آتا ہے۔''

گنگولی نے سوچا کہ وہ خاصے سوالات کر چکا ہے۔ گیتی نے اسے اتنا کچھ بتا دیا ہے کہ

شاید کوئی پرائیویٹ سراغ رساں بھی بتا نہیں سکتا۔ کلد یپ کور کے متعلق معلومات حاصل کر کے اس کے پاس خاصا مواد جمع ہو گیا۔ اب اسے مزید معلومات کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اسے موضوع بدل دینا چاہیے' تاکہ گیتی کو شک نہ ہو جائے کہ وہ کلد یپ کور میں زیادہ ہی دلچسپی لے رہا ہے۔ وہ رقابت سی محسوس نہ کرے۔ وہ گیتی سے محروم ہونا نہیں چاہتا تھا۔ کیا ہوا وہ بے حد پُرکشش اور خوب صورت نہ سہی۔ لیکن نوجوان ہے' اور پھر نہ صرف اس سے محبت کرنے لگی ہے' بلکہ کھانے کے پیسے بھی نہیں لے رہی ہے' اور پھر اس نے صبح رخصت ہوتے وقت کہا تھا کہ وہ راتوں کو آجایا کرے گی' صبح تک رہ کر چلی جائے گی۔ وہ مفت کا مال اور مالِ غنیمت بن گئی تھی۔ وہ اسے کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اتنی مہربان ہو جائے گی' اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بھکار میں پچیس پچاس مانگ لیتی تھی۔ اس نے خالی پلیٹ میز پر رکھ کر اس کی موٹی مگر نرم و گداز کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے قریب کر کے پوچھا۔

"جانِ من گیتی! تم کب تک اس کالونی میں رہو گی؟ تم نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا سوچا اور فیصلہ کیا ہے؟"

"میں نے کبھی یہاں سے جانے کے بارے میں نہیں سوچا' اور نہ ہی کوئی فیصلہ کیا ہے۔" گیتی نے جواب دیا۔ "جب تک یہاں میری ضرورت ہے' میں رہوں گی' مستقبل کے بارے میں اس سے کیا فکر مند ہونا ہے۔ یوں بھی میری عمر ہی کیا ہے۔"

"تمہاری ضرورت تو ہمیشہ رہے گی۔" گنگولی نے کہا۔ "تم چودہ پندرہ برس سے زیادہ کی لگتی بھی نہیں ہو۔ اور پھر تمہارے اندر ایسی کوئی بات ہے' جو عام لڑکیوں میں نظر نہیں آتی ہے۔ تم پر جوانی تو ٹوٹ کر برس رہی ہے۔"

گنگولی میں ریاکاری اور منافقت بھری ہوئی تھی۔ کچھ دیر وہ اس سے محبت بھری باتیں کرتا رہا۔ جب اس نے کھانے کے پیسے دینے چاہے تو گیتی نے لینے سے انکار کر دیا' اور بولی۔ "تم نے غیرت برتی تو تم سے روٹھ جاؤں گی۔ بات چیت بند۔ کٹی کروں گی۔"

"دو عورتیں اِدھر آ رہی ہیں' تم ان سے نمٹو۔ میں اتنی دیر میں گھوم پھر کے آتا ہوں۔" وہ یہ بہانہ کر کے نکل گیا۔

گنگولی نے اپنے کیبن میں واپس آ کر ٹیلی فون ڈائری اٹھائی۔ اس نے موہن لعل کا نام تلاش کیا۔ یوں تو ٹیلی فون ڈائریکٹری میں موہن لعل اکیاسی تھے۔ اسے جس موہن لعل کی تلاش تھی وہ مہتہ جی اسٹریٹ پر رہتا تھا۔ اس نے ایک کاغذ پر پتا نوٹ کر لیا۔ پھر اس نے سگریٹ سلگا کر سوچا۔ موہن لعل اس کے لیے سونے کا انڈا دینے والی مرغی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے

ذریعہ معاش بن جائے گا' تو پھر اسے محنت مزدوری یا ملازمت کرنے کی ضرورت کس لیے؟ لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں ہے' جتنا وہ کہہ رہا ہے۔ اسے بڑی احتیاط سے اس کام میں ہاتھ ڈالنا ہو گا۔ سب سے پہلے اسے موہن لعل کی مالی حیثیت کا پتا چلانا ہو گا۔ اس کے پاس بینک میں کتنا بینک بیلنس ہے؟ ایک انشورنس ایجنٹ ہے۔ اس نے یقیناً خاصی رقم پس انداز کی ہوئی ہو گی۔ کیوں کہ تنخواہ کے علاوہ کمیشن بھی بہت معقول ملتا ہے۔ جہاں تک کلد یپ کور کے باپ کا تعلق تھا' وہ اس شہر کے امیر ترین آدمیوں میں سے ایک تھا۔ ایک انشورنس کمپنی کے مالک کروڑ پتی نہیں' ارب پتی ہوتا ہے۔ آج کل ارب پتی ہونا عام سی بات تھی۔ جیسا کہ گیتی نے اسے بتایا کہ موہن لعل اور اس کی بیوی کے باہمی تعلقات بہت اچھے تھے۔ گزشتہ رات موہن لعل شاید پہلی مرتبہ کلد یپ کور کے ساتھ بہکا تھا' اور غلاظت کی دلدل میں جا گرا تھا۔ اگر ایسا تھا' تو موہن لعل افشائے راز کی دھمکی سے خوف زدہ ہو کر اسے منہ مانگی رقم دے سکتا تھا۔ شاید ہر ماہ دس ہزار روپے۔ بلیک میل کرنا ایک سنگین جرم ہے۔ اگر وہ احتیاط اور ہوشیاری سے منصوبہ بندی کرے' تو اس پر آنچ آنے کا خطرہ لاحق نہیں ہو گا۔

مگر پہلا کام پہلے۔ ابھی اسے موقع کا جائزہ لینا چاہیے۔ شبھ کام میں اسے دیر نہیں کرنی چاہیے۔ کہیں سنہرا موقع ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ یہ سوچ کر وہ اٹھا' نہایا' سر اور داڑھی کے بال بنائے۔ پھر اپنا سب سے اچھا لباس پہنا۔ پھر آئینے میں اپنے سراپا کا ناقدانہ نظروں سے جائزہ لیا۔ وہ ایک ایسا معزز شہری دکھائی دے رہا تھا' کہ کوئی پولیس والا خود بخود اس کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ بعض اوقات پولیس والوں کو کوئی مشکوک دکھائی دیتا' تو وہ اس سے باز پرس ضرور کرتی تھی۔

گنگولی ایک طرح سے کسی دولہا کی طرح تیار ہو کر اس طرح سے اپنے کیبن سے نکلا تھا' جیسے بارات کے ساتھ جا رہا ہو۔ وہ ہائی وے کے قریب واقع ریت کے ٹیلوں تک گیا۔ وہاں سے بس پکڑ کر میوری کے علاقے میں پہنچا۔ سڑکوں پر مٹرگشت کرتے پھرتے اسے پرانی گاڑیاں خرید و فروخت کرنے والی ایک دکان نظر آئی۔ اس نے دکان کے مالک سے بہت ہی پرانی مورس گاڑی تین ہزار روپے میں خریدی' اور پھر اس نے موہن لعل والی انشورنس کمپنی کا پتا دریافت کیا۔ جب وہ آفس پہنچا تو ایک بجا تھا۔ اسے اپنی گاڑی میں بیٹھے بہ مشکل دس منٹ گزرے ہوں گے' اس نے موہن کو دفتر کی عمارت سے باہر آتے دیکھا۔ پھر وہ سڑک پار کر کے سامنے والی اسنیک بار میں گھس گیا۔ گنگولی نے اسے فوراً ہی پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے' جسے اس نے کلد یپ کور کے ساتھ دیکھا تھا۔ پھر وہ شہر کے شمالی حصے کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں اس نے ایک اسٹیشنری کی

دکان سے شہر کا نقشہ خریدا۔ پھر اس میں مہتہ جی اسٹریٹ کا محل وقوع دیکھا۔ وہاں پہنچا۔ اس نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے پارک کی۔ پھر اس نے پیدل چل کر وہ عمارت تلاش کی' جس میں موہن کا فلیٹ تھا۔ عمارت بہت اچھی' شان دار اور پرشکوہ تھی۔ اس میں جو فلیٹ تھے' اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس میں صاحب حیثیت لوگ رہتے ہیں۔ اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا' جو اس علاقے اور اس عمارت میں رہتے ہیں' وہ کم از کم پانچ ہزار روپے ماہانہ بہ آسانی دے سکتے ہیں۔

پھر وہ واپس میوری کے علاقے میں آ گیا۔ اس نے برانچ آفس کے قریب گاڑی کھڑی کی۔ کچھ دیر تک لوگوں کو دفتر میں آتے جاتے دیکھتا رہا۔ وہ یہ دیکھنا اور یقین کرنا چاہتا تھا' کہ اس نے جس لڑکی کو دیکھا تھا' کیا وہ واقعی کلدیپ کور تھی؟ ہوسکتا ہے کہ وہ نہ ہو۔ ایک شادی شدہ مرد پر وہ کیوں مرمٹے گی۔ اس شہر میں اور اس کے حلقے میں اس کے ہم عمر اور نوجوان لڑکوں کی کیا کمی ہے۔ ایسی لڑکیوں کے حلقے میں لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکے زیادہ ہوتے ہیں۔ اس نے کلدیپ کور کو صرف چند لمحے دیکھا تھا۔ وہ بڑی سیکسی معلوم ہوئی تھی۔ اس کے جسمانی نشیب وفراز میں ایک عجیب سی دل کشی اور رعنائیاں بھری تھیں۔ اس کے لباس نے اسے بے حجاب سا کر دیا تھا۔ آج کل بے حجابی جیسے لباس کو لڑکیوں اور عورتوں نے فیشن بنا لیا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کسی طرح سے اس بات کی تصدیق کرے' کہ کلدیپ کور وہی لڑکی ہے جسے دیکھا تھا۔ اس نے سوچا کہ کسی بہانے سے دفتر میں گھس جائے۔ لیکن اس طرح دفتر میں جانے سے وہ ہچکچا سا رہا تھا۔ اس خیال سے تذبذب سا ہو رہا تھا' کہ کہیں اسے کلدیپ کور پہچان نہ لے۔ اس نے اسے نیم تاریکی میں دیکھا تھا۔ خدوخال واضح ہونے سے رہے۔ جب کہ اس نے داڑھی اور سر کے بال اس طرح سے سنوار لیے تھے کہ اس کا حلیہ قدرے بدل گیا تھا۔ اگر اس نے بالفرض کسی طرح اسے پہچان بھی لیا' تو کیا فرق پڑتا تھا۔ کیا قیامت آ جائے گی۔ خوف تو کلدیپ کور محسوس کرے گی۔ بہر حال اس کے کام میں کوئی خطرہ درپیش ہوا تو سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے سوا چارہ بھی تو نہیں۔ اوکھلی میں جب سر دے دیا ہے تو پھر ڈر کیسا؟ پھر وہ گاڑی سے اتر کے دفتر میں داخل ہو گیا۔

کلدیپ کور ایک معمر عورت کو بیمہ پالیسی اور دوسری تحفظ پالیسی کا فرق بتا رہی تھی۔ گنگولی نے دروازے میں رک کر اسے غور سے دیکھا۔ اب اس بات میں اس کے لیے کوئی شک وشبہ نہیں رہا تھا' کہ یہ وہی لڑکی تھی۔ عورت جب کمرے سے نکلی' تو اس نے کمرے میں قدم رکھا۔ کلدیپ کور نے آہٹ سن کر جھکا ہوا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ گنگولی کو پہچاننے میں اسے

ایک پل بھی نہیں لگا۔ اس کی داڑھی اور قامت نے اس کی شناخت کلدیپ کور کو کرا دی تھی۔ اسے ایک دم سے اور غیر متوقع دیکھ کر کلدیپ کور کو ایک جھٹکا سا لگا' لیکن اس نے ایک پل کے لیے اپنے چہرے کا تاثر تبدیل ہونے نہیں دیا۔

”پلیز! ایک منٹ...... میں آپ سے ابھی بات کرتی ہوں۔“ وہ ایک فائل اور کاغذات سمیٹتے ہوئے مسکرائی۔ ”تشریف رکھیں۔“ گنگولی نے محسوس کرلیا کہ کلدیپ کور نے اسے پہچانا نہیں۔ اگر پہچان لیتی تو اس کا چہرہ متغیر سا ہو جاتا۔

”عجلت میں' میں نے گاڑی ایک ایسی جگہ پارک کر دی ہے کہ ٹریفک کی روانی میں خلل پڑ سکتا ہے۔“ گنگولی نے جوابی مسکراہٹ سے کہا۔

”میں سے ٹھیک سے پارک کر کے ابھی آتا ہوں۔ اتنی دیر میں آپ بھی فراغت پالیں۔“

گنگولی دفتر سے باہر آ کر اپنی گاڑی میں آ بیٹھا۔ اس وقت ایک عمر رسیدہ شخص کمرے میں داخل ہوا' تو اس سے باتیں کرتے ہوئے کلدیپ کور نے اس آدمی کے بارے میں سوچا' جو دفتر میں داخل ہوا اور اسے چند لمحے غور سے دیکھ کر پھر آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ وہ یقیناً کسی مصیبت کا پیش خیمہ تھا۔



ایک طویل القامت سفید بالوں والا آدمی پولیس ہیڈکوارٹر کی عمارت میں داخل ہوا۔ کبھی کسی نے اسے بتایا تھا کہ وہ مشہور فلمی اداکار سہراب مودی کی طرح لگتا ہے۔ اور تب سے اس نے اس اداکار کے طور طریق کی نقل کرنا شروع کر دی تھی۔ یہ شخص تھا سریندر کپور۔ منی ٹی وی کا کرائم رپورٹر اور فری لانس بھی تھا۔ وہ ہر قسم کے اسکینڈل، افواہوں اور جرائم کو ناظرین تک پہنچاتا تھا۔ اس لیے اسے دیکھنے والے ناظرین کی تعداد زیادہ تھی۔ اس کی مقبولیت ایک ہیرو سے کم نہ تھی۔ اسے جو شہرت ملی تھی، وہ بلاوجہ نہیں تھی۔

لیکن پولیس جو اس کے بارے میں رائے رکھتی تھی، وہ یہ تھی کہ وہ سب سے بڑا دردِ سر اور اذیت ناک تھا۔ اس وقت وہ سب انسپکٹر جسونت کو نظر انداز کرتے ہوئے، جو کہ اس وقت بیرونی آفس میں ڈیوٹی پر تھا، نارائن کے کمرے میں بیٹھ کر نوٹ بک نکالی۔

'' ہاں! شری نارائن بتاؤ کیا معاملہ ہے؟'' اس نے بڑے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔ '' ابھی میرا پروگرام دو گھنٹے کے بعد نشر کیا جانے والا ہے۔ یہ مقتولہ لڑکی روشی کون تھی؟ اس کی کیا عمر تھی؟ اب تک اس کا کوئی سراغ ملا؟ کہاں سے آئی تھی؟ اب تک تم لوگوں نے کیا معلوم کیا؟ کیا پیش رفت ہوئی ہے؟''

نارائن نے بڑے ضبط و تحمل سے اس کی بات سنی۔ سریندر کپور کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اسے کمرے میں گھسنے نہیں دیتا، اور پھر اس کا گریبان پکڑ کر اسے آفس سے باہر نکالنا چاہتا تھا۔ اس میں نہ تو اتنی جرأت تھی اور نہ ہمت تھی۔ کیوں کہ سریندر کپور بہت ہی با اثر تھا۔ اس کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی کرنے کا مطلب یہ تھا، کہ نہ صرف اوپر سے عتاب نازل ہو جاتا، بلکہ لائن حاضر کر دیا جاتا۔ اور پھر سٹی ٹی وی کا کرائم رپورٹر تھا۔ کوئی مذاق نہ تھا۔ وہ پولیس کے محکمے کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیتا۔

نارائن کو بہرحال جواب دینا تھا، اور اسے معلومات پہنچانی بھی تھیں۔ اس لیے دھیمے لہجے

میں جواب دیا۔

'' ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی جنسی دیوانے یا اذیت پسند یا کسی نفسیاتی مریض کی حرکت ہے۔ عزت لوٹنے کے علاوہ کوئی اور مقصد معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے ہیں، ہم اس روز سے ہی بڑی سرگرمی سے قاتل کو تلاش کر رہے ہیں، مگر تمہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ایک دیوانے کی تلاش بہت ہی مشکل ہے۔''

'' یہ بات درست ہے۔'' سریندر کپور نے کہا۔ '' لیکن تم نے یہ نہیں بتایا، کہ تم لوگ کہاں تک پہنچے۔ کوئی سراغ ملا اور وہ بے چاری لڑکی، جسے وحشیانہ انداز میں قتل کیا، اس کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟ صرف اس کا نام معلوم کر لینا کوئی تیر مارنے والی بات تو نہ ہوئی۔'' سریندر کپور کے لہجے میں تلخی تھی۔ '' اصل بات نام کی نہیں سراغ کی ہے۔''

'' کوئی سراغ نہیں ملا، بہرحال مل جائے گا۔'' نارائن بہت ہی مجبور ہو کر کوئی بات بتاتا تھا۔ اس سے کوئی بات اگلوانا آسان نہیں تھا۔ '' روشی ایسی لڑکی تھی، جو مصیبت تلاش کرتی رہتی تھی۔ وہ ایک طوائف تھی۔ اس کی کسی بات سے شاید اس کا کوئی گاہک ناراض ہو گیا تھا۔ اس نے شاید چلنے سے انکار کر دیا ہوگا، یہ ایک قیاس والی بات ہے۔''

'' ایک اور بات بڑی عجیب اور ناقابلِ یقین سی ہے۔'' سریندر کپور بولا۔ '' اس کا پورا پیٹ ناف سے نیچے تک چیر دیا گیا۔ اور قاتل سنا کہ اس کا سارا خون پی گیا۔ جسم میں ایک بوند لہو کی رہنے نہیں دی۔ سارا خون چاٹ گیا۔''

'' ہاں! پوسٹ مارٹم رپورٹ میں یہی بتایا گیا ہے۔'' نارائن نے کہا۔

'' جیسا کہ وہ کوئی جنسی دیوانہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دوبارہ بھی یہی حرکت کر سکتا ہے؟'' سریندر کپور نے کہا۔ '' تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے۔ جب ایسے جنونیوں کو خون منہ لگ جاتا ہے، تو یہ سلسلہ دراز ہو جاتا ہے۔''

'' ہاں! لیکن ممکن ہے کہ وہ شہر میں کہیں موجود ہو۔ باہر نہ گیا ہو۔ لیکن ہم اس لیے ایسی کوئی بات کہنا نہیں چاہتے، جس سے لوگوں میں خوف و ہراس اور بدحواسی پیدا ہو۔ میں تم سے کہوں گا کہ تم بھی اسے چھپا کر رکھنا۔'' نارائن نے مشورہ دیا۔

'' سنو نارائن!'' سریندر کپور بے حد سنجیدہ ہو گیا۔ '' میری ایک سولہ برس کی عمر کی بیٹی ہے۔ تمہاری دو لڑکیاں ہیں، ایک پندرہ برس کی اور دوسری اٹھارہ برس کی۔ اس کے علاوہ اور بھی لڑکیاں جنہیں خبردار کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ اس کے جال میں وہ پھنس کر نشانہ نہ بن جائیں، اس پراسرار، خوف ناک اور دہشت ناک واردات کا علم میں آنا بہتر ہے۔ اس میں پولیس کی بھی

بہتری ہے۔ کل کلاں تم پر کوئی مصیبت نہ آئے۔ سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ وہ دیوانہ جنسی قاتل شہر میں آزادانہ گھوم رہا ہے۔ یہ نہ صرف تمہارا بلکہ پولیس کمشنر اور ہوم سیکرٹری کا فرض بنتا ہے کہ خطرے کی نشان دہی کریں۔"

"میں تمہیں روک نہیں سکتا' جو تم بہتر سمجھو کرو۔" نارائن بھی سنجیدہ ہو گیا۔ "کمشنر صاحب میئر سے بات کرنے گئے ہیں۔"

"کیا تم نے بھوپت لعل سے بھی پوچھ گچھ کی؟" سریندر کپور نے پوچھا۔

"ہاں!" نارائن نے کہا۔ "ہم نے ہپی کالونی جا کر سب سے پہلے اسی سے رابطہ کیا۔ پوچھ گچھ کی تھی۔"

"کیا اس نے کوئی خاص بات نہیں بتائی؟" سریندر کپور نے سوال کیا۔ "یہ واردات جب کہ اس کے علاقے میں ہوئی ہے۔"

"رات کالونی میں جتنے بھی ہپّی موجود تھے' ان سب کے نام و پتے ہمارے پاس موجود ہیں اور ہم ہر ایک کو چیک کر رہے ہیں۔ اس میں وقت لگ رہا ہے۔ کتنا وقت لگے گا' یہ کہنا قبل از وقت ہے۔ سردست میرے پاس کہنے کے لیے مزید کچھ نہیں ہے۔" نارائن نے کہا۔ "جیسے ہی کوئی پیش رفت ہوئی' تو میں تمہیں فوراً ہی بتا دوں گا۔"

سریندر کپور کو ایسا محسوس ہوا کہ نارائن اس سے کوئی بات چھپا رہا ہے۔ اس لیے اس نے تیز لہجے میں کہا۔

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں لوگوں کو بتا دوں کہ پولیس کچھ نہیں جانتی ہے۔ اس کی نااہلی کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔"

"تمہارا دل جو چاہے کہہ دو بتا دو۔" نارائن نے ایک جبریہ مسکراہٹ سے کہا۔ "ابھی ابتدائی دن ہیں' اور ہم بڑی سرگرمی سے تفتیش اور چیک کر رہے ہیں۔ یہ ایک پراسرار واردات ہے۔ قاتل نے بڑی ہوشیاری' احتیاط اور منصوبہ بندی سے کی ہے۔ قاتل آخر کب تک قانون کے ہاتھوں سے بچا رہے گا۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا کہ وہ لڑکی کسی شریف گھرانے کی نہیں تھی' طوائف تھی۔ اس قسم کی لڑکیاں خود مصیبت کو دعوت دیتی پھرتی ہیں۔ اس کے باوجود ہم قاتل کو تلاش کر رہے ہیں۔ قتل ایک سنگین جرم ہے' چاہے کسی کا بھی۔ یہ ہماری ڈیوٹی ہے کہ قاتل کو پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچائیں۔ اگر تم ہم سے کچھ تعاون کرنا چاہتے ہو' تو عوام سے کہہ دو کہ ہم پوری ذمے داری سے اپنا فرض انجام دے رہے ہیں۔"

"اس لڑکی کی کوئی تصویر ہے؟" سریندر کپور نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

نارائن نے میز کی دراز سے ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ سریندر کپور نے تصویر لے کر غور سے دیکھا' پھر کہا۔

"میں سمجھ گیا کہ تمہارا کیا مطلب ہے۔ لڑکی واقعی فاحشہ معلوم ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے میں سرسری رپورٹ پیش کر دوں گا۔"



اس وقت جب کہ پولیس ہیڈ کوارٹر میں یہ گفتگو ہو رہی تھی' رام داس اور رنجیت شہر کے تمام مردانہ ملبوسات تیار کرنے اور فروخت کرنے والی دکانوں میں پوچھ گچھ کرتے پھر رہے تھے۔

"کیا بھابی کے ساتھ گاڑی کی چابیوں کا جھگڑا طے ہو گیا؟" رنجیت نے دریافت کیا۔ "صلح صفائی ہو گئی؟"

"کیا طے ہو گیا؟" رام داس ہنسنے لگا۔ "چابیاں میری جیب میں موجود تھیں۔ میں سمجھا کہ وہ میری ہیں۔ رات جب میں گھر پہنچا تو میں نے اس کی کار کی چابیاں چٹائی کے نیچے رکھ دیں۔ پھر اسے مجبور کیا کہ وہ مجھ سے معافی مانگے۔" اس نے کار راجہ ٹیلرنگ شاپ کے سامنے روک لی۔ "جب شادی ہو جاتی ہے تو مرد کو ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا پڑتا ہے۔ شوہر کو ہر وقت ہوشیاری سے کام لینا چاہیے۔ اور قدرے درشتی سے بھی۔ ورنہ بیویوں نے جہاں شوہر کو کسی معاملے میں کمزور اور نرم پایا' تو وہ سر چڑھ جاتی ہیں۔ شوہر کو دبا کر اسے مٹھی میں رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔"

"آپ دونوں کی محبت کی شادی ہوئی ہے۔" رنجیت نے کہا۔ "کیا محبت کی شادی میں ذہنی ہم آہنگی برقرار نہیں رہتی ہے؟"

"محبت کی جو شادیاں ہوتی ہیں' وہ اکثر ناکام ہو جاتی ہے۔" رام داس کہنے لگا۔ "اس لیے کہ محبت کے ایام میں اور ازدواجی زندگی میں بڑا فرق ہے۔ محبت کے ایام میں دونوں ہی اپنی کمزوریوں اور خامیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مزاجوں کا پتا نہیں چلتا۔ محبت کی شادی ایک رنگ و روغن ہوتا ہے' جو شادی کے بعد آہستہ آہستہ' کبھی تیزی سے بھی اُتر جاتا ہے۔ ابتداء میں صرف جسمانی ہم آہنگی ہوتی ہے' ذہنی ہم آہنگی کئی چیزوں سے مشروط ہو جاتی ہے۔ آپ اس کی ہر جائز و ناجائز فرمائشیں پوری کریں' سیر و تفریح کریں' اس کی کسی خواہش کو رد نہ کریں۔ ایک طوائف مرد کو اس لیے خوش کرتی ہے' کہ اس کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ بیوی بھی مرد کو اس وقت بہت خوش کرتی رہتی ہے' جب اس کی خواہش پوری کی جائیں۔ ان دونوں میں اور ان کے مزاج اور خواہشات میں کوئی فرق نہیں۔ اب وہ لگی بندھی ہوئی ڈگر پر چلنے والی صابر عورت خال خال

ہی نظر آتی ہے۔"

دونوں کار سے اتر کر دکان میں داخل ہوئے' اور دکان کے مالک راجہ کمار کے بارے میں پوچھا۔ اس کا نام راج کمار تھا' لیکن اسے راجہ کمار کے نام سے جانتے تھے۔ راجہ نے رام داس کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ جب رام داس نے اسے بٹن دکھایا تو وہ پہچان کر بولا۔

"یہ میری دکان کا ایک خاص بٹن ہے' اور یہ بٹن صرف میں بناتا ہوں' ایسا بٹن کوئی اور دکان دار نہیں بناتا۔ کیوں کہ اس میں بڑی محنت اور وقت ہوتی ہے۔ یہ بٹن اس دکان کی ایک انفرادیت اور خصوصیت بھی ہے۔"

یہ کہہ کر راجہ نے ایک الماری میں ہینگر میں ٹنگی ہوئی نیلے رنگ کی جیکٹ اُتاری' جس میں گولف کے گیند کی طرح کے بٹن لگے تھے۔ "یہ دیکھو! یہ بٹن بھی بالکل ایسے ہی ہیں۔ ایک سائز کے بھی ہیں۔ دراصل ان کا سائز ایک ہی ہوتا ہے۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کی دکان سے ایسی جیکٹ کس نے خریدی تھی؟" رام داس نے سوال کیا۔

"کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ کو تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا' گولف جیسی گیند والی جیکٹ ہم صرف آرڈر پر تیار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ بہت مہنگی ہوتی ہے۔" راجہ اپنے آفس میں چلا گیا۔ رام داس نے الماری میں لگی ہوئی دوسری جیکٹوں کو دیکھا۔ ایک جیکٹ نے اسے متوجہ کر لیا تھا۔ اس نے کہا۔ "دیکھو! یہ کیسی ہے؟ بہت اچھی لگ رہی ہے نا؟"

رنجیت نے ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ اسے بھی جیکٹ بہت اچھی لگی۔ پھر اس نے تعریف کر دی۔ "واقعی سب سے اچھی لگ رہی ہے۔"

رام داس نے اس کی زبان سے تعریف سنتے ہی جیکٹ اتار کر پہن لی۔ ایک طرف دیوار میں جو قدِ آدم آئینہ نصب تھا' اس میں اپنے سراپا کا جائزہ لیا۔ اسے تو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ مگر رام داس اسے بڑا مضحکہ خیز لگا۔ رنجیت نے سوچا۔ وہ ایسا دکھائی دے رہا ہے' جیسے سرکس سے بھاگا ہوا جوکر ہو۔ پھر اس نے اپنی ہنسی بہ مشکل روکی۔ پھر کہا۔ "اسے پہن کر باہر مت نکلنا۔"

"وہ کیوں......؟" رام داس نے اسے آئینے میں دیکھتے ہوئے تعجب سے پوچھا۔

"اس لیے کہ ٹریفک جام ہو جائے گا۔" رنجیت نے معنی خیز مسکراہٹ سے جواب دیا۔

رام داس نے اس کی طرف مشکوک انداز سے دیکھا۔ پھر پوچھا۔

"کیا تمہیں پسند نہیں آئی؟ تم نے تعریف کیوں کی؟"

"میری پسند یا ناپسند ہونے سے کیا ہوتا ہے۔" رنجیت نے جواب دیا۔

"کسی اور کی پسند بھی تو دیکھو۔"

"کس کی پسند......؟" رام داس کا چہرہ سوالیہ بن گیا۔

"کیا دفتر میں اسے پسند نہیں کیا جائے گا؟"

"اس سے پوچھو' جسے روز دیکھنا پڑے گی؟" رنجیت نے کہا۔

"کیا تم دنیا والوں کی بات کر رہے ہو۔" رام داس نے کہا۔

"تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ کھاؤ من بھائی۔ پہنو لنگ بھاتا۔"

"میں دنیا والوں کی بات کر رہا ہوں' اور نہ ہی دفتر والوں کی۔ اس سے پوچھو جسے روز صبح و شام دیکھنا پڑے گی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کیا ریما بھابی بھی اسے پسند کرے گی؟" رنجیت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اسے یہ سوکن کہے گی۔" رام داس ایک دم سے ہنس پڑا۔

"میرا ذہن تو اس کی طرف گیا نہیں تھا۔"

رام داس نے دوبارہ آئینے میں اپنے آپ کو ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ اور وہ سمجھ گیا کہ اگر وہ اسے گھر لے گیا' تو ریما سے روز جھگڑا ہوا کرے گا۔ اسے جھگڑے کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ درکار ہوتا ہے۔ اس وقت راجہ واپس آ گیا۔

"اوہ! مسٹر رام داس!" راجہ اسے جیکٹ پہنے دیکھ کر بولا۔ "آپ اس میں بہت اسمارٹ اور بارعب لگ رہے ہیں' ایسا لگ رہا ہے' جیسے یہ جیکٹ آپ ہی کے لیے بنائی گئی ہو۔ اس نے آپ کی شخصیت کو نہ صرف بہت زیادہ نمایاں کر دیا ہے' بلکہ آپ کی افسرانہ شان کو مزید بارعب بنا دیا ہے۔"

رام داس' راجہ کی تعریف سے ذرا برابر بھی متاثر نہیں ہوا۔ اسے رنجیت کی بات زیادہ وزنی معلوم ہو رہی تھی' اور سمجھ میں بھی آئی تھی۔ اور پھر اسے ریما کا خیال آیا تھا۔ گاڑی کی چابیوں نے جو تلخی پیدا کی تھی' اس نے ریما کو برافروختہ کر دیا تھا۔ اسے رات قریب آنے دیا نہ اس کے جذبات کا خیال کیا۔ اس کی آغوش سے نکل کر دوسرے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ صبح جب اس نے ریما سے بات کرنی چاہی' تو اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ منہ پھولا ہی رہا تھا۔ یہ یاد آتے ہی اس نے ایک سرد سانس لی۔ پھر جیکٹ اتار کر اسے دوبارہ الماری میں لگا دی۔

"آپ یہ جیکٹ لے لیں۔" راجہ نے کہا۔ "قیمت کی پروا نہ کریں۔ میں آپ کو بغیر منافع کے دے دوں گا۔ صرف کاٹ لوں گا۔"

"بات قیمت کی نہیں ہے راجہ!" رام داس نے جواب دیا۔ "آپ جانتے ہیں کہ جب بھی میں کپڑے خریدنے آیا میری بیوی ساتھ ہوئی۔ میں اس کی پسند کو ترجیح دیتا ہوں۔ کیونکہ اس کا خیال ہے کہ اس کی پسند مجھ سے زیادہ بہتر ہے' میں کوئی ذوق نہیں رکھتا۔"

راجہ کا کئی مرتبہ ریما سے واسطہ پڑ چکا تھا۔ وہ اس کی تنگ مزاجی اور پسند ناپسند سے خوب واقف تھا۔ اس لیے اس نے فوراً ہی جیکٹ فروخت کرنے کی کوشش ترک کر دی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بیوی شوہر پر حاوی ہے۔

پھر اس نے رجسٹر سے ایک کاغذ نکال کر اس کی طرف بڑھایا' اور بولا۔

"خوش گوار ازدواجی زندگی کا راز یہی ہے' کہ بیوی کی پسند کا خیال رکھا جائے۔ میں نے اب تک ایسی صرف چار جیکٹ فروخت کی ہیں۔" وہ توقف کر کے بتانے لگا۔

"اور جن گاہکوں نے خریدی ہیں ان کے نام و پتے یہ ہیں۔ جو میں آرڈر بک میں درج کر لیتا ہوں۔ کیا کوئی خاص بات ہے مسٹر رام داس؟"

"نہیں!" رام داس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ صرف رسمی اور معمولی سی چیکنگ ہے' جو ہمیں کرنی پڑتی ہے۔"

پھر دونوں دکان سے باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ پھر رام داس نے فہرست کا جائزہ لیا۔

"موہن لعل۔" رام داس نے کہا۔ "اس بٹن سے اس کی مقامِ واردات پر موجودگی ظاہر ہوتی ہے۔"

"ابھی یہ بات اتنے وثوق سے مت کہیں؟" رنجیت نے اعتراض کیا۔

"آپ عجلت سے کام نہ لیں۔"

"وہ کس لیے؟" رام داس نے کاغذ پر سے نظر ہٹا کر اس کی طرف تعجب سے دیکھا۔

"تم اس کا دفاع کیوں کر رہے ہو؟"

"اس لیے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ اس کی جیکٹ کا کوئی بٹن غائب ہے۔" رنجیت نے جواب دیا۔

"یہ دفاع نہیں قبل از وقت کی بات ہے۔ اس طرح سے شک کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔"

"میں شرط لگا سکتا ہوں کہ اس کی جیکٹ کا بٹن غائب ہوگا۔" رام داس نے پرجوش انداز سے کہا۔ "اور میں یہ بھی شرط لگا سکتا ہوں کہ کل رات وہ کلدیپ کور کے ساتھ اس کیبن میں تھا۔ ذرا اپنی عقل استعمال کرو۔ موہن اس کے آفس میں دن بھر ساتھ رہتا ہے۔ انہیں تنہائی کے مواقع

بھی میسر آتے ہیں۔ اپنے آپ سے پوچھو کہ دن بھر اس جیسی ڈائنامیٹ لڑکی کے ساتھ رہتے تو تمہارا کیا ردِ عمل ہوتا؟ وہ تو ایک ایسا پکا ہوا پھل ہے' جو جھولی میں گر پڑنے کے لیے ہوتا ہے۔"

"میں موہن کی جگہ ہوتا' تو یہ جانتے ہوئے کہ وہ باس کی بیٹی ہے' اس کے قریب تک نہ جاتا۔" رنجیت نے جواب دیا۔ "میں پہلے اپنی ملازمت کا خیال کرتا' مجھے اپنے آپ پر اعتماد ہے۔ میں اس قدر کمزور واقع نہیں ہوا ہوں کہ غلاظت کی دلدل میں گر جاؤں۔"

"یہ کہہ کر تم اپنے آپ کو بہلا رہے ہو۔" رام داس نے جواب دیا۔

"کوئی جوان مرد برف کا تودہ نہیں ہوتا۔ تنہائی سب سے بڑی زہریلی ناگن ہے' جو ڈس لیتی ہے۔ اعتماد کس چڑیا کا نام ہے؟ عورت کے معاملے میں اعتماد میں بھی نہیں مانتا۔ یوں بھی محبت اور جنگ میں ہر بات جائز ہو جاتی ہے۔ یہ جو آج کل کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں محبت کرتی ہیں' ان میں سے دس میں سے صرف ایک پوتر رہ جاتی ہوگی کہ انہیں تنہائی میں ملنے کے مواقع نہیں ملتے ہیں۔ یہ کلدیپ کور ایسی لڑکی ہے' کہ اس نے میرے جذبات کو بھی ابھار دیا تھا۔ میں نے اس سے بہ مشکل دس منٹ بات کی ہوگی۔ جتنی دیر میں بیٹھا رہا' سنسناتا رہا۔ انجانے خیالات انجانی دنیا میں جاتے رہے۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ موہن کل رات اس کے ساتھ ہوگا۔"

"ممکن ہے۔" رنجیت نے اثبات میں سر ہلایا۔ "موہن بہک گیا ہو۔ کلدیپ کور اسے اپنے کیبن میں پوجا پاٹ کے لیے تو نہیں لے گئی ہوگی۔ دادِ عیش دی ہوگی۔ لیکن اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ میں موہن کو بہت قریب سے جانتا ہوں' اور اس کی پتنی کو بھی' جو بلا کی حسین اور غیر معمولی پرکشش ہے۔ وہ ایک مہذب شخص ہے۔ وہ نہ تو نفسیاتی مریض ہے' اور نہ جنسی دیوانہ۔ وہ کسی طوائف کا پیٹ چاک نہیں کر سکتا' نہ اس کا خون پی اور چاٹ سکتا ہے۔ اگر وہ کلدیپ کور کے ساتھ تھا' تو ہمیں اس سے کیا؟ اسے صرف اس بنا پر قاتل قرار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ کلدیپ کور کے ساتھ اس کے کیبن میں تھا۔"

"اس لڑکی سے رخصت ہو کر ممکن ہے' وہ شاید قاتل سے ٹکرا گیا ہو۔" رام داس نے سوچتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔ "اور وہ ڈر رہا ہو کہ وہ مقام واردات پر اپنی موجودگی کا اعتراف کرے' تو اس کی وجہ کیا بتائے گا؟ کس آدمی کے دماغ میں کیا کیا خیالات آتے ہیں' کون بتا سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی وقتی وجہ سے اشتعال میں آ کر یہ حرکت کر بیٹھا ہو۔ اس کے جنون میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔"

"تو پھر اب ہم کریں کیا؟" رنجیت نے سوال کیا۔ "ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی

ثبوت ہے' اور نہ کوئی عینی گواہ۔"

"اب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ ہم ایس پی مکرجی کو اپنی رپورٹ پیش کریں۔" رام داس کسی فوری عملی اقدام کے لیے بے تاب ہو رہا تھا۔ "اگر ایس پی مکرجی نے اجازت دے دی' تو پھر ہم موہن کی اچھی طرح سے خبر لے لیں گے۔"

"کیا ہم ان باقی تین گاہکوں کو چیک نہیں کریں گے' جنھوں نے ایسی جیکٹس خریدی تھیں؟" رنجیت نے کہا۔

"تم کسی نہ کسی دن ایک بہت اچھے اور مثالی سراغ رساں بن جاؤ گے۔" رام داس نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور مسکرا دیا۔

"کیا تمہارا خیال تھا کہ میں انہیں چیک کئے بغیر چھوڑ دوں گا۔ ہرگز نہیں! ہم اپنی کارروائی ہر صورت میں پوری کریں گے۔"

"یہ جو تین ہیں وہ کون کون ہیں؟" رنجیت نے پوچھا۔ "انہوں نے یہ خاص قسم کی جیکٹ جو خریدی ہیں کس لیے؟"

"کیوں اور کس لیے خریدی ہیں یہ تو میں کہہ نہیں سکتا۔" رام داس نے جواب دیا۔ "نمبر ایک شیام کمار ہیں جو کمشنر آف ٹورسٹ بیورو ہیں۔ یہ گزشتہ ایک ہفتے سے بنگلور میں ہیں۔" رام داس فہرست دیکھتے ہوئے بتا رہا تھا۔ "یہ مشکوک نہیں ہو سکتے۔ دوسرے صاحب ہیں منکڈ رام' یہ سابق ممبئی کے معروف فٹ بال پلیئر تھے۔ یہ ہم چیک کر لیں گے کہ وہ واردات والی رات کہاں تھے۔ لیکن یہ وقت ضائع کرنا ہوگا' کیوں کہ وہ ساٹھ برس کی عمر کے ہیں۔ اب رہ جاتے ہیں سروپ کمار' وہ چھ برس قبل گاڑی کے حادثے میں ہلاک ہو چکے ہیں۔ وہ اس شہر کے ارب پتی بزنس مین تھے۔ یہ بھی شبہے سے باہر ہیں۔ اس لیے فہرست میں شامل افراد میں صرف موہن لعل مشکوک ہے۔ ہم اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتے۔"

"میں بھی سروپ کمار کو جانتا تھا۔" رنجیت کمار نے کہا۔ "عمدہ ملبوسات اس کی سب سے بڑی کمزوری تھی۔ وہ مسلسل پانچ برس تک اس شہر کے سب سے خوش پوشاک منتخب ہوتے رہے ہیں۔ معلوم نہیں اس کی بیوہ نے اس کے بے شمار کپڑوں کا کیا کیا ہوگا؟ یہ جیکٹ چھ ماہ پہلے ڈلیور ہوئی ہے۔ کیوں اور کس لیے؟ یہ بیوہ شانتی سروپ ہی بتا سکتی ہے۔"

"آج کل تمہارا ذہن نہ صرف بہت اچھا کام کر رہا ہے' بلکہ سوال بہت اچھے کرنے لگا ہے۔" رام داس نے کہا۔ "شاید اس لیے کہ بنگالی زبان کے محاورے یاد کرتے رہتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ میں منکڈ رام کو چیک کروں۔ اور تم شانتی سروپ کے ہاں جا کر پوچھو کہ اس نے

اپنے پتی کے کپڑوں کا اور وہ جیکٹ چھ ماہ پہلے کیوں اور کس لیے اور کس کے لیے بنوائی؟"

"میرا خیال ہے کہ شانتی سروپ کے ہاں جانے سے پہلے کیوں نہ راجہ سے ہی معلوم کر لوں کہ شانتی سروپ نے یہ جیکٹ کس لیے خریدی ہے۔ شاید اس نے اپنے لیے بنائی ہو۔ آج کل لڑکیاں اور عورتیں بھی جیکٹ پہنتی ہیں۔" رنجیت نے کہا۔

"ہاں! یہ زیادہ مناسب ہوگا۔" رام داس نے کہا۔ "لیکن عورتیں جو جیکٹ پہنتی ہیں وہ قدرے مختلف ہوتی ہیں۔ بہرحال شانتی سروپ کے ہاں جیکٹ کا جانا ایک معمہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اسے بآسانی حل کر لو گے۔"

"میں دکان پیدل ہی چلا جاؤں گا۔" رام داس نے گاڑی روکی' تو وہ اتر گیا۔ جب رام داس کی گاڑی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی' تو وہ دکان میں داخل ہو گیا۔ اس نے راجہ سے پوچھا۔ "شانتی سروپ نے جیکٹ کب خریدی تھی؟"

"یہ جیکٹ سروپ کمار نے نہیں خریدی تھی' بلکہ ان کے ایک ہم نام نے۔" راجہ نے جواب دیا۔ "اس شہر میں سروپ کمار نام کے کئی لوگ ہیں۔ دنیا میں بعض اتفاقات بڑے عجیب و غریب ہوتے ہیں' چھ ماہ پیشتر میری غیر موجودگی میں فون آیا کہ میں مسز سروپ بول رہی ہوں۔ گولف بٹن والی جیکٹ میرے ہاں بھیج دی جائے۔ ناپ اور سائز تو آپ کے پاس موجود ہے۔ میں یہی سمجھا کہ یہ مسز سروپ آنجہانی سروپ کی پتنی ہیں۔ تاہم میں حیران تھا کہ وہ کس لیے جیکٹ منگوا رہی ہیں۔ میں بذاتِ خود ڈلیور کرنے گیا' تو وہ بولیں کہ میں نے نہ تو کوئی فون کیا اور نہ آرڈر دیا۔ تاہم یہ جیکٹ دے جائیں۔ انہوں نے اس کی قیمت ادا کر دی۔ سروپ کمار بہت اچھے اور بااخلاق آدمی تھے۔ وہ میری دکان کے مستقل خریدار تھے۔ ان کی موت حادثاتی تھی۔ ایک جوان لڑکا گاڑی چرا کے بھاگ رہا تھا۔ پولیس اس کے تعاقب میں تھی۔ وہ خوف اور بدحواسی میں سروپ کمار کی کار سے حادثہ کر بیٹھا۔ دونوں موت سے ہم کنار ہو گئے۔ میں آج تک اس حادثے کو بھول نہیں پایا ہوں۔" راجہ نے ایک گہری سانس لی۔

رنجیت کو سروپ کمار کی موت کا واقعہ یاد آ گیا۔ اسے لگا جیسے یہ کل کی بات ہو۔

"لیکن میں یہ بات سوچ رہا ہوں کہ مسز شانتی سروپ نے یہ جیکٹ کس لیے اور کیوں رکھ لی؟" رنجیت نے کہا۔ "کیا آپ جانتے ہیں؟"

"نہیں! مجھے کچھ نہیں معلوم۔" راجہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہ میں نے پوچھا۔ کیوں کہ مجھے آم کھانے سے مطلب تھا۔ میں جیکٹ کی قیمت وصول کر کے چلا آیا۔ میں نے بتایا نا کہ سروپ کمار میری دکان کے مستقل خریدار تھے۔ بڑے قیمتی کپڑے سلواتے تھے۔ ان کے پاس اور

بھی دوسرے جیکٹ ہوں گے۔ لیکن گولف بٹن والا جیکٹ نہیں ہوگا' کیوں کہ یہ میں نے چھ سات ماہ پیشتر اسے متعارف کرایا۔ چوں کہ بٹن کی وجہ سے بہت مہنگا تھا' اس لیے تو دیکھ کر صرف چار آدمیوں نے بک کیا تھا۔ میں نے تقریباً درجن بھر تیار کر کے جیکٹ الماری میں رکھ دیے۔

مجھے آج بھی مسٹر سروپ کمار بہت یاد آتے ہیں۔ ان کے ساتھ المیہ تھا کہ سروپ کمار دولت مند ہونے کے باوجود خوشیوں سے محروم تھے۔ ان کے نصیب میں خوشیاں نہیں لکھی تھیں۔ ان کے بیوی اور بیٹے سے تعلقات کشیدہ تھے۔"

"ان کے درمیان کس قسم کے اختلافات تھے؟" رنجیت نے تجسس سے پوچھا۔ "حیرت دولت خوشیاں نہ دے سکی۔"

"آپ کسی کو نہ بتائیں۔" راجہ سرگوشی کے سے انداز میں کہنے لگا۔ "شانتی سروپ جتنی حسین ہیں' اتنی ہی بدمزاج بھی ہیں۔ آج بھی انہیں اپنے حسن و شباب پر بڑا ناز و غرور ہے۔ شاید اس لیے کہ ان کی عمر پچاس برس کے لگ بھگ ہے' لیکن وہ جسم کے تناسب' خطوط اور چوپرے پن کی وجہ سے دوشیزہ معلوم ہوتی ہیں۔ نہ تو ان کا ایک بال بھی کالا ہوا' اور نہ ہی چہرے پر عمر کے نقوش ظاہر ہیں۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ سروپ کمار کی بیوی کے نزدیک بیٹے کی حیثیت باپ سے زیادہ تھی۔ بیٹے کی پیدائش کے بعد سے وہ اپنے پتی کو قریب آنے نہیں دیتی تھیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اس شہر میں ایک سے ایک حسین اور نوجوان لڑکیاں ہیں۔ ماڈل گرلز اور اداکارائیں ہیں۔ یہ سب دولت کی بھوکی ہوتی ہیں۔ آپ ان میں سے کسی کو داشتہ رکھ لیں۔ اس قدر دولت مند ہوتے ہوئے یہ بات ان کے لیے کوئی مشکل بھی نہیں تھی۔ سروپ کمار ت شریف آدمی تھے۔ کٹر برہمن ذات کے تھے۔ اس لیے وہ کسی ایسی گری ہوئی حرکت کے مرتکب نہیں ہو سکے' جو کل انہیں رسوائی اور ذلت کا شکار بنا دے۔ اس لیے جب تک زندہ رہے' غیر عورت سے دور رہے۔"

رنجیت کو اس داستان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا' راجہ اس کا وقت خراب کر رہا ہے۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا تھا۔ جب راجہ خاموش ہوا تو اس نے سوال کیا۔ "کیا آپ کے علم میں ہے سروپ کمار کا بیٹا کیا کرتا ہے؟ اس کی مصروفیت کیا ہے؟"

"مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہے۔" راجہ نے جواب دیا۔ "اس لیے کہ وہ میری دکان سے کپڑے نہیں سلاتا ہے' اور نہ ہی خریداری کرتا ہے۔ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ میں نے اسے کبھی دیکھا بھی نہیں۔ صرف یہ معلوم ہے کہ ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔"

"ہم اس جیکٹ کا سراغ لگانا چاہتے ہیں۔" رنجیت بولا۔ "شاید شانتی سروپ بتا سکیں کہ

انہوں نے جیکٹ کا کیا کیا؟"

"ذرا محتاط رہ کر بات کریں۔" راجہ نے کہا۔ "بہت سخت مزاج کی عورت ہے' اسے پولیس کا گھر آنا زہر لگتا ہے۔"

"آپ اس کی چنتا نہ کریں۔" رنجیت بولا۔

"صرف اتنا بتا دیں کہ وہ آج کل کہاں رہتی ہے؟ ان کا پتا کیا ہے؟"

"سروپ کمار کے دیہانت کے بعد اس نے وہ مکان فروخت کر دیا۔" راجہ نے کہا۔

"وہ باندرہ میں ایک چھوٹے سے گھر میں رہتی ہے۔"

رنجیت نے سوچا کہ وہ اس جھنجھٹ میں کیوں پڑے۔ رام داس کو رپورٹ دے دے گا۔ وہ مسز سروپ کمار کے بارے میں تحقیقات کر لے گا۔



موہن نے چونک کر غور سے کلدیپ کور کی طرف دیکھا۔ کمرہ ایئرکنڈیشنڈ ہونے کے باوجود اس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ سینے میں ایک عجیب سی وحشت بھر گئی ہے۔

"کیا تمہیں پوری طرح یقین ہے کلدیپ کور؟" موہن نے پوچھا تو اس کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔

"ہاں!" کلدیپ کور نے اثباتی انداز میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ وہی ہپّی تھا' جو ہمیں کل رات ملا تھا۔ میں یا کوئی بھی شخص اسے دیکھ لے تو برسوں نہیں بھول سکتا۔ اس کی قامت اور حلیہ۔ فرق یہ تھا کہ وہ بہت صاف ستھرے لباس میں ملبوس تھا' اور اس نے اپنے سر کے بال اور داڑھی سنواری ہوئی تھی۔ مگر میں نے اسے ایک ہی نگاہ میں پہچان لیا تھا۔ لیکن میں نے اپنے بشرے یا کسی بات سے ظاہر ہونے نہیں دیا۔ وہ مجھے چیک کرنے آیا تھا۔ اس کی معنی خیز مسکراہٹ کہہ رہی تھی' کہ اس نے مجھے پہچان لیا ہے۔ وہ ابھی آنے کا کہہ کر گدھے کے سر کے سینگ کی طرح غائب ہو گیا۔ پھر پلٹ کر نہیں آیا۔"

"تمہارے خیال میں اب وہ کیا قدم اٹھائے گا؟" موہن نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ اس کی آواز بے جان ہو رہی تھی۔

"میں کیسے قیاس کر سکتی ہوں کہ وہ کیا کرے گا' کیا نہیں کرے گا۔" کلدیپ کور نے بے پروائی کے انداز میں کندھے جھٹکے۔ "تم زیادہ خوف زدہ اور پریشان نہ ہو۔ وہ پولیس کے پاس نہیں جائے گا۔ اسے پولیس کے پاس جانا ہوتا' تو وہ اِدھر کا رخ نہیں کرتا۔"

"وہ ضرور کوئی منصوبہ بندی کر رہا ہوگا' اس لیے اس نے چیک کر کے اپنی تسلی کی۔" موہن نے تکرار کے سے انداز میں کہا۔ "اگر اس کے دماغ میں کوئی منصوبہ نہیں ہوتا' تو اِدھر کا رخ نہیں کرتا۔ وہ بے مقصد نہیں آیا۔ اس کا آنا تشویش کی بات ہے۔"

"تم ایسا خوف' ردِّعمل اور فکرمندی ظاہر کر رہے ہو؟" کلدیپ کور نے موہن کی طرف غور سے دیکھا۔ "جیسے تم دنیا کے پہلے شوہر ہو' جس نے دوسری عورت سے تعلق پیدا کیا۔ کیا تم اخبار میں نہیں پڑھتے ہو' کہ کتنی لڑکیوں اور شادی شدہ عورتوں کی آبروریزی دن میں دس دس مرتبہ ہوتی ہے' اور پھر ایک گھنٹے میں ہزار مرتبہ غیر مرد اور غیر عورتیں تعلقات کو جنم دیتی ہیں۔"

"تم احساس نہیں کر رہی ہو کہ یہ کتنی پریشان کن بات ہے۔" موہن نے تیز لہجے میں کہا۔ "اگر تمہارے باپ یا میری بیوی کے علم میں یہ بات آ جائے گی کہ ہم نے کیبن میں رنگ رلیاں منائی تھیں' میری زندگی اور مستقبل خاک میں مل کر رہ جائے گا۔"

"اگر یہ بات تھی تو تمہیں جذباتی طوفان میں بہنے سے پہلے یہ بات سوچنا تھی۔" کلدیپ کور نے ناگواری سے کہا۔ "لیکن تم نے ایک وحشی کی طرح مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ مجھے آلودہ کیا۔ جی بھر کے کھیلا۔ مجھے ابھی بہت کام کرنے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ اپنے آفس میں چلی گئی۔

وہ بھونچکا سا ہو کر اسے جاتا ہوا دیکھتا رہ گیا۔ اس کی مستانہ چال' چمکتا' تھرکتا اور بجلی بھرا بدن' انگ انگ سے مستی اُبل پڑتی تھی۔ اگر پچی کا ذکر نہ ہوتا' بدمزگی اور تلخی نہ ہوتی۔ ڈر اور خوف نہ ہوتا' تو شاید وہ لپک کر کلدیپ کور کو دبوچ لیتا۔ اس وقت تنہائی بھی تھی۔ صبح جب دفتر میں کلدیپ کور آئی تھی' اس کا قرب اسے بہکانے لگا۔ وہ چہکنے لگی۔۔ شاید بہت دیر تک چہکتی رہتی' اگر راہداری میں اور دفتر کے باہر آہٹ نہ ہوتی۔ کلدیپ کور نے اس وقت بھی اس کے جذبات اُبھار دیئے تھے۔ لیکن وہ ضبط کیے رہا۔ پھر اس نے دل میں اپنے آپ کو کوسا۔

وہ کتنا بے پروا' غیر ذمے دار' خودغرض اور پاگل آدمی ثابت ہوا۔ اس نے بڑے کرب اور دکھ سے سوچا کہ اس نے اپنی ایک حسین' سپنوں جیسی خوش گوار گھریلو زندگی اور معاشی زندگی کو بھی ایک خودغرض' جنس پرست اور فاحشہ قسم کی لڑکی کے ساتھ چند گھنٹوں کی تفریح کے لیے خطرے میں ڈال دیا۔ کیا سارا دوش اس کا اپنا ہے؟ کیا صرف کلدیپ کور قصوروار نہیں ہے؟ وہ تو اسے کیبن میں لکڑی کے تختے لگانے کے بہانے لے آئی تھی۔ وہ انکار بھی کر سکتا تھا' اور کہہ سکتا تھا کہ اسے یہ کام نہیں آتا ہے' لیکن اس کے اندر منہ زور جذبات چھپے ہوئے تھے۔ وہ کوئی بچہ تو نہیں تھا' جو اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی کس لیے اسے ساحلی کیبن میں لے جا رہی ہے۔ جہاں صرف وہ ہوں گے' تنہائی میں مرد اور عورت بہکے بغیر نہیں رہتے ہیں۔ چاہے وہ

شادی شدہ ہو یا ستر برس ہی کا کیوں نہ ہو؟ کیا اسے ضمیر نے ٹوکا نہیں تھا' کہ تم ایک حسین عورت کے شوہر ہو۔ کیا اس نے جواب نہیں دیا تھا کہ دنیا کے شادی شدہ مرد ایسے ہوتے ہیں۔ تم خود بھی کلدیپ کور کے ساتھ وقت گزارنا چاہتے تھے۔ اس نے تنہائی میں ایک زہریلی ناگن کی طرح ڈس لیا تھا۔ اس نے نہ صرف تمہیں اسیر کر لیا تھا' بلکہ تم اندھے جنون کے جذبات میں غلاظت کے دلدل میں گر پڑے۔ اپنے آپ کو' آتما کو' وجود کو اور اپنی محبت کرنے والی خوب صورت بیوی کے خلوص اور جذبوں کو روند دیا۔ جب کوئی جرم کرتا ہے' تو اسے سزا ضرور ملتی ہے۔ تمہیں بھی اس کی سزا مل رہی ہے۔ بھگتو! پچھتاوے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

وہ جذبات کی افراتفری میں تھا' کہ فون کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ وہ خیالات کے گرداب سے نکل آیا۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"مسٹر موہن!" دوسری طرف ایک عورت تھی۔ "میں ہیڈ آفس سے بول رہی ہوں۔ باس آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

اس عورت کا لہجہ ایسا سپاٹ اور روکھا تھا' جیسے وہ اس ملک کے صدر سے بات کرا رہی ہو۔

"موہن!" دوسرے لمحے رابطہ ہونے پر کلدیپ کور کے باپ' اور اس کے باس کی آواز ابھری۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ تم بہت اچھا کام کر رہے ہو۔ سوچا کہ کیوں نہ میں تم سے براہِ راست بات کروں۔ میں تمہاری صلاحیت' ذمے داری اور کارکردگی سے بہت خوش ہوا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ سر!" موہن نے بڑی ممنونیت سے کہا۔

"آپ نے مجھے بڑی عزت بخشی ہے۔"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اسی ذمے داری سے اپنا کام کرتے رہو۔" اس کے باس نے کہا۔ "اور ہاں! میری بیٹی سے تمہاری بن رہی ہے نا۔ میں جانتا ہوں وہ بگڑ گئی ہے' مگر تم اس کی کسی حماقت کو گوارا مت کرنا۔ اس لیے تم برانچ منیجر ہو۔ میری بات سمجھ گئے نا۔ البتہ وہ بہت مستعد ذہین اور اسمارٹ ہے۔ جو بھی کام کرتی ہے' دل لگا کر کرتی ہے۔ اسے ادھورا نہیں چھوڑتی۔"

اس نے سوچا کہ اپنے باس سے کہہ دے کہ تمہاری بیٹی میں یہ خوبی تو ہے' لیکن یہ بہت خطرناک ہے۔ اس روز اس نے اپنا منصوبہ ادھورا نہیں چھوڑا۔ اسے تختے لگانے کے بہانے کیبن میں لے گئی' اور اسے ایک گھاگ شکاری کی طرح شکار کر لیا۔ وہ اس کے جال میں ایسا پھنسا' کہ اس نے اسے پھنسا دیا۔ تمہاری بیٹی جتنی حسین اور پُرکشش ہے' اتنی ہی جنس زدہ اور مردوں کی بھوکی ہے۔ تم اس کی شادی کرا دو۔ اور ہاں اس جیسی قیامت' فتنہ اور نوجوان لڑکی کے ساتھ کام کرنا مشکل ہے۔ وہ تنہائی میں زہریلی ناگن بن کر ڈستی ہے۔

لیکن یہ ساری باتیں وہ زبان پر لا نہیں سکتا تھا۔ اعصاب اس کا ساتھ دے نہیں سکتے تھے' اور پھر وہ اس حرافہ کا باپ تھا۔

''سر!'' اس کے منہ سے غیر اختیاری طور سے نکل گیا۔ ''وہ ٹھیک کام کر رہی ہے' مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ نے مس کلدیپ کور کی جو تعریف کی ہے' وہ اس کی حق بجانب ہیں۔''

''بہت خوب! یہ اچھی بات ہے کہ وہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں دے رہی ہے۔ اسی طرح دونوں کام کرتے رہو۔''

اس کے باس نے اتنا کہہ کر ریسیور کریڈل پر جو رکھا' اس کی آواز سن کر اس نے بھی اپنا ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

موہن نے سکون و اطمینان کا سانس لیا۔ کیوں کہ اس کی کمپنی کا باس جسونت سنگھ ہر کسی کو منہ نہیں لگاتا تھا۔ جنرل منیجر کیا' ڈائریکٹر بھی اس سے بات کرتے ہچکچاتے تھے۔ اس لیے کہ باس ان سے بھی بات نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس کی جو پذیرائی کی' دل خوش کر دیا تھا۔ لیکن دوسری طرف اس کی بیٹی جو پذیرائی کرتی تھی' اور کی تھی' اس نے ایک ایسے جال میں پھنسا دیا تھا' جس سے نکلنا اس کے بس میں نہیں تھا۔ وہ اس کے سامنے آتی' تو اس کے جذبات اسے ورغلانے لگتے۔ اور اس کا لباس اسے کسی فلمی رسالے کا سرورق بنا دیتا۔ اس نے سوچا تھا' کہ کلدیپ کور سے کہے کہ وہ ایسے لباس میں کم از کم دفتر نہ آیا کرے۔ ساڑھی اور آستینوں والا بلاؤز' جس کا گریبان آگے اور پیچھے سے نیچی تراش کا نہ ہو۔ اس کی بیوی ایسے ہی لباس میں دفتر جاتی ہے' جس میں وہ ایک پروقار اور جاذب نظر سی دکھائی دیتی ہے۔ مرد اسے پُرستائش نظروں سے دیکھتے ہیں' داد دیتے اور سراہتے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں میل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن کلدیپ کور جس لباس میں آتی تھی' وہ بے لباس سی دکھائی دیتی تھی۔ دفتروں میں کام کرنے والی بیشتر لڑکیاں اور عورتیں ایسے ہی لباس میں کام پر جاتی تھیں۔ عورتوں کو اس حالت اور لباس میں جاتے کوئی حجاب اور شرم محسوس نہیں ہوتی تھی۔ جسمانی نمائش مردوں کو متوجہ کرنے کے لیے ہوتی تھی۔ وہ کبھی کبھی اپنی پتنی سے ایسی لڑکیوں اور عورتوں کی طرف اشارہ کر کے کہتا تھا' کہ کپڑا کتنا مہنگا ہوتا جا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے انسانیت کا وہ ابتدائی دور آ جائے گا' جب تہذیب نے چھوا نہیں تھا۔ صرف ستر پوشی ہوا کرے گی۔

موہن نے یہ سب کچھ سوچتے ہوئے گھڑی دیکھی۔ چھ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ اس نے سوچا کہ وہ پانچ منٹ کے بعد دفتر بند کر دے گا۔ مگر ابھی کم از کم بیس منٹ کا کام باقی رہ گیا تھا۔ وہ کھڑا ہو گیا تاکہ فائل کیبنٹ میں فائلیں رکھ دے' فائلیں رکھ کر وہ گھوما تھا کہ کلدیپ کور

آ گئی۔ اس کے چہرے پر ناگواری اور ناراضگی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ دفتر میں اس وقت دونوں ہی تھے۔

''جان تمنا! میں جا رہی ہوں۔'' اس نے شوخی سے کہا۔ پھر اس کے پاس آ کر موہن کے گلے میں بانہیں حمائل کر دیں۔ پھر سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی' دل فریب انداز سے مسکرائی۔ ''میں نے کسی کو وقت دیا ہوا ہے' اب تم سے کل ملاقات ہو گی۔ فکرمند' پریشان اور پچھتانا چھوڑ دو۔ دیکھو! ایسا ہوتا رہتا ہے۔ جسے موقع ملتا ہے' وہ فائدہ اٹھاتا ہے۔ تمہیں کیا معلوم تمہاری پتنی کیا کرتی پھرتی ہے۔ اب دنیا میں کسی پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔ اندھے' بہرے اور گونگے بنے رہو۔''

''میری پتنی کیا ہے؟ کیسی ہے؟ یہ میں جانتا ہوں۔'' موہن نے تلخی سے کہا۔ ''اس کا ذکر درمیان میں مت لاؤ۔ اپنی بات کرو۔''

وہ بیرونی آفس میں پہنچی۔ اس وقت گنگولی دفتر میں داخل ہوا۔ وہ اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔ لیکن دوسرے لمحے سنبھال لیا۔ اس کے ہونٹ رسمی انداز سے مسکرانے لگے۔ وہ بے پروائی کے انداز میں بولی۔

''آج کے لیے تو دفتر بند ہو گیا۔ کوئی کام ہو تو کل تشریف لے آئیں۔ زحمت ہو گی۔ کچھ خیال نہ کریں۔''

اس لڑکی سے نمٹنا آسان نہیں ہے۔ کتنی بولڈ ہے۔ شاید وہ اسے دیکھ کر پہچان گئی ہے۔ گنگولی نے دل میں خود سے کہا۔

''میرا کام کچھ ایسا ہے کہ انتظار نہیں کر سکتا بے بی!'' گنگولی نے دفتر کا بیرونی دروازہ بند کر کے کہا۔ ''کیا موہن موجود ہے؟''

''ہاں ہے۔'' کلدیپ کور نے تیز لہجے میں کہا۔ ''کیا آپ کو اس سے ملنا ہے؟ آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔''

''آپ مجھے گنگولی کہہ سکتی ہے۔ میرا نام بھی یہی ہے۔'' وہ یہ کہہ کر آگے بڑھا۔ ''میں آپ سے اور ان سے ایک ساتھ ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔'' موہن نے اپنی میز پر بیٹھتے ہوئے ان دونوں کی باتیں سنیں' تو وہ خوف زدہ سا ہو گیا۔ کلدیپ کور نے اس کے ہونٹوں میں جو مٹھاس بھری تھی' وہ کڑوی کسیلی سی لگی۔ سارا مزا کرِکرا ہو گیا۔ اس کی رگوں میں جو میٹھی سنسنی تھی' وہ خون کے خشک ہونے پر سرد پڑ گئی۔ اس نے فوراً ہی خود کو سنبھالا۔ میز کی دراز کھول کر اس نے ٹیپ ریکارڈ کا بٹن دبایا' جس میں اپنی اور گاہکوں کی گفتگو ریکارڈ کرتا تھا۔ پھر اٹھ کر دروازے تک گیا۔

"آپ مسٹر موہن لعل ہیں۔" کلدیپ کور نے تعارفی رسم ادا کی۔ "موہن! یہ گنگولی ہیں' یہ تم سے اور مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہیلو دوست!" گنگولی نے بڑے بے تکلفانہ انداز سے کہا۔ "اس لڑکی کے ساتھ کل رات کیسی گزری تھی؟" اس نے کلدیپ کور پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی۔ پہلی نظر دیکھ کر ہی اس نے اس بات کا اندازہ کرلیا تھا' کہ یہ دل و دماغ خراب کرنے والی فتنہ ہے۔

"میں نہیں جانتا یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟" موہن بگڑ کر برہمی سے بولا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟ کس لیے آئے ہو؟"

"یہ اداکاری مت کرو۔" گنگولی نے اس کی برہمی کا اثر لیے بغیر کہا۔ "ٹھنڈے ٹھنڈے بات کرو۔ تم اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے کہ میں کیا چاہتا ہوں' اور کس لیے آیا ہوں۔ آؤ! ہم بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ جذباتی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

پھر وہ تینوں موہن کے دفتر میں ہی بیٹھ گئے۔

"تم ڈاکہ مارنے کے ارادے سے آئے ہو' یا تم نے شراب پی رکھی ہے۔" کلدیپ کور نے زہر خند کہا۔ "یہاں کیش نہیں ہے' صرف فارم موجود ہیں۔"

"بہت ہوشیار اور پُراسرار بننے کی کوشش مت کرو بے بی!" گنگولی کا لہجہ تند ہو گیا۔ اس نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔ موہن پریشان سا لگا۔ لیکن کلدیپ کور بے خوف سی تھی' اور غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہی تھی۔ وہ بے پروائی کے انداز سے کہنے لگا۔

"میں تم دونوں کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ کل رات ایک آوارہ لڑکی کا قتل ہو گیا ہے۔ یہ وحشیانہ اور لرزہ خیز قتل کی واردات ٹھیک اس جگہ ہوئی بے بی کا عشرت کدہ واقع ہے۔ میں کھنہ کریک کالونی جا رہا تھا۔ تم دونوں نے مجھے راستہ بتایا تھا۔ میں چہرے آسانی سے نہیں بھولتا۔ خصوصاً ایسے چہرے' جو خوب صورت اور جاذبِ نظر ہوں۔ تم دونوں کو دیکھ کر شاید کوئی مہینوں نہیں بھولے۔ ہاں! میں یہ جانتا ہوں کہ یہ قتل تم نے نہیں کیا' موہن! نہ تم ایسا وحشیانہ اور سفاکانہ قتل کر سکتے ہو' نہ ہی خون پی سکتے ہو۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم دونوں اس کیبن میں عیش کر رہے تھے' اور جذبات کی دنیا میں کھوئے ہوئے تھے۔ آج صبح پولیس نے مجھ سے پوچھ گچھ کی' مگر میں نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ مگر وہ قتل کا الزام میرے سر نہیں ڈال سکتی۔ اس لیے قاتل کی تلاش جاری ہے۔ پولیس نے مجھ سے یہ سوال بھی کیا تھا' کہ کھنہ کریک کالونی جاتے ہوئے کسی مشتبہ شخص کو تو نہیں دیکھا تھا؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں' اس طرح تم دونوں کو ایک بہت

بڑی پریشانی اور اذیت سے بچا لیا۔ اگر میں انہیں تم دونوں کا بتا دیتا' تو اور کچھ ہوتا نہ ہوتا' مگر یہ بات ضرور پھیل جاتی کہ تم دونوں کے درمیان شرمناک تعلقات ہیں۔ یہ رسوائی' بدنامی اور ذلالت کی بات ہوتی۔ میری ان باتوں کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہارے کام آیا' اور تم دونوں میرے کام آؤ۔"

کلدیپ کور اور موہن خاموش رہے۔ انہوں نے اس لیے جواب نہیں دیا' کہ گنگولی مزید کچھ کہے گا۔ یہ اندازہ اس کے بشرے سے ہو رہا تھا۔ کچھ دیر کے توقف کے بعد اس نے بات جاری رکھی۔

"اب تک میری زندگی جو گزری' وہ بڑی ہی تنگ دستی اور احساس محرومیوں میں گزری ہے۔ مجھے نہ تو میرے ماں باپ نے پیار دیا' اور نہ خیال رکھا۔ اس گھر میں' میں نے ایک فقیر بھکاری کی سی زندگی بسر کی۔ اب میں اپنے حالات اور زندگی کو بدلنا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے رقم کی ضرورت ہے۔ مسٹر موہن! میں تمہاری پتنی کے بارے میں بھی جانتا ہوں۔ وہ بہت دولت مند ہے۔ ہم تینوں مل کر ٹھنڈے دل اور سنجیدگی سے سوچیں تو کوئی بات طے ہو سکتی ہے۔ ابھی تک کی میری بات سمجھ میں آ رہی ہے؟"

"یہ تو بلیک میل کی تیاری ہے۔" موہن نے دل میں کہا۔ "اس شخص سے اچھائی کی کوئی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ یہ کمینگی ہے۔"

اس نے غیر محسوس انداز سے اپنی میز کی دراز کی طرف دیکھا' کہ یہ کھلی ہوئی ہے کہ نہیں۔ جب اس نے دراز کو قدرے کھلا پایا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ریکارڈر چل رہا تھا۔ وہ خوش تھا کہ اس نے حاضر دماغی سے کام لے کر یہ گفتگو ریکارڈ کرنے کا انتظام کر لیا۔ پھر اس نے کلدیپ کور کی طرف دیکھا۔ وہ قطعی پرسکون نظر آ رہی تھی۔

"میں نے طے کر لیا ہے کہ میں پولیس کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔" گنگولی نے ان دونوں کو خاموش پا کر کہا۔ "اور مجھے امید ہے کہ تم دونوں تعاون کرو گے۔ اس لیے میری تجویز ہے کہ مجھے پچاس ہزار کی رقم دے دو۔ میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ اور میرے لیے پھر کوئی مسئلہ نہیں ہو گا نہ میرے لیے۔ پھر کیا کہتے ہو؟"

"ہم سے تمہیں ایک دمڑی بھی نہیں ملے گی بدمعاش آدمی!" موہن کے کہنے سے پہلے ہی کلدیپ کور بول اٹھی۔

"مجھے اس بات کا اندازہ تھا' کہ تم دونوں ایسی ہی حماقت کرو گے۔" گنگولی نے سفاک سے لہجے میں کہا۔ "عقل سے کام نہیں لو گے۔ پیروں پر کلہاڑی مارو گے۔ جب سیدھی انگلی سے

گھی نہیں نکلتا ہے' تب ٹیڑھی انگلی سے نکالنا پڑتا ہے۔ میں ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ میں نے ایک طریقہ اور سوچا ہے۔" اس نے توقف کر کے اپنی جیب سے دو تہ کیے ہوئے کاغذ نکالے۔ "انہیں دیکھ لو۔"

اس نے ایک کاغذ کلدیپ کور کی طرف اور دوسرا موہن کی طرف بڑھایا۔ موہن نے پڑھا۔ اس کے کاغذ پر تحریر تھا۔

مسز شوبھا موہن!

"آپ اپنے پیارے اور محبت کرنے والے پتی داتا سے دریافت کریں کہ وہ بائیس تاریخ کی رات کو کلدیپ کور کے کیبن میں' جو کھنہ کریک کالونی کے ساحل پر واقع ہے' کیا کر رہے تھے؟ تفصیلات وہی بتائیں گے۔"

"ایک مخلص اور خیر خواہ جو ناجائز تعلقات کو اچھا نہیں سمجھتا۔"

اس نے دوسرے کاغذ پر جو کلدیپ کور کو دیا تھا' اس پر لکھا ہوا تھا۔

"شری جسونت سنگھ!"

"اپنی لاڈلی اور اکلوتی نوجوان بیٹی سے معلوم کریں کہ وہ بائیس تاریخ کی رات اپنے ساحلی کیبن میں آپ کے ملازم موہن لعل کے ساتھ کیا کر رہی تھی۔ وہی آپ کو تفصیل بتا سکتی ہے۔"

"ایک مخلص خیر خواہ جو ناجائز تعلقات کو اچھا نہیں سمجھتا۔"

کاغذ دے کر گنگولی ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھا۔ پھر دروازے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے تم دونوں اس کے متعلق ایک دوسرے سے مشورہ کرو گے' کرنا بھی چاہیے۔ اس لیے تمہیں کچھ مہلت درکار ہوگی۔ اس لیے اب میں تین دن بعد تم دونوں سے رابطہ کروں گا۔ پچاس ہزار کی رقم کچھ زیادہ بڑی نہیں ہے' افراط زر کے زمانے میں۔ رقم تیار رکھنا۔ لیکن آج کی طرح حماقت کی تو یہ خط بذریعہ کوریئر سروس ارسال کردوں گا۔"

وہ اپنی بات کہہ کر تیر کی طرح باہر نکل گیا۔ جب اس کی آہٹ معدوم ہوگئی' تو موہن چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اٹھا اور میز کی طرف بڑھا تو اس کا چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر ٹیپ ریکارڈر کا بٹن آف کر دیا۔

"کیا تم نے اس کی تمام گفتگو ریکارڈ کر لی ہے؟" کلدیپ کور نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہاں!" موہن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ میں نے اس کے انداز اور تیور سے جان لیا تھا' کہ وہ کس ارادے سے آیا ہے۔ وہ بڑا ذلیل اور گھٹیا آدمی تھا۔ اس نے تعارف ہوتے ہی کیسا گھناؤنا جملہ ادا کیا تھا۔ میری چھٹی حس کام کر گئی تھی۔"

"ویری گڈ!" کلدیپ کور ایک دم سے خوش ہو کر بولی۔ "تم نے بڑی حاضر دماغی کا مظاہرہ کیا۔ اس بدمعاش کو شک وشبہ بھی نہیں ہوسکا۔ اس کی کم بختی اسے یہاں کھینچ لائی۔ کمینہ! پچاس ہزار اس طرح مانگ رہا تھا' جیسے پانچ سو روپے ہوں۔ ہم اسے ایسا مزا چکھائیں گے کہ وہ ساری زندگی یاد کرے گا۔ لاؤ وہ کیسٹ مجھے دے دو۔"

"تم کیسٹ لے کر کیا کرو گی؟" موہن نے پوچھا۔ "کیا اسے گھر لے جا کر سنو گی؟ اگر سننا ہے تو یہیں سن لو۔ سنا دوں؟"

"میں نہ صرف اس کے خلاف رپورٹ درج کراؤں گی' بلکہ کیسٹ بھی پولیس کو دے دوں گی۔" وہ بولی۔ "بلیک میلنگ سنگین جرم ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" موہن لعل اچھل سا پڑا۔ "پولیس نے اگر اسے بلیک میلنگ کے الزام میں دھر لیا تو جانتی ہو کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا میری جان!" کلدیپ کور نے بڑی بے پروائی سے کہا اور پلکیں جھپکائیں۔

"کیا ہمیں پولیس گرفتار کرلے گی؟"

"وہ اپنی گرفتاری پر خاموش نہیں رہے گا۔" موہن نے جواب دیا۔ "وہ کسی اخبار کے کرائم رپورٹر کو حوالات میں بلا کر بتا دے گا۔ پھر ہم دونوں کی شامت آ جائے گی۔ پورا شہر ہم دونوں کو جان لے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم نہایت خاموشی سے بلیک میل ہو جائیں' اور اسے پلیٹ میں رکھ کر پچاس ہزار کی رقم دے دیں۔" کلدیپ کور بولی۔

"میرے پاس پچاس ہزار کیا' پانچ ہزار روپے نہیں ہیں۔" موہن نے کہا۔ "ہوتے بھی تو نہیں دیتا۔ کیوں دوں؟"

"نہ میرے پاس ہیں۔" کلدیپ کور کہنے لگی۔ "چنانچہ ہم اسے ایک کوڑی بھی نہیں دیں گے۔ وہ خط بھیجتا ہے تو بھیجنے دو۔ میرا باپ بگڑتا ہے تو بگڑنے دو۔ وہ پہلے ہی کون سا مجھ سے خوش رہتا ہے۔ ویسے میں جانتی ہوں کہ اسے کیسے سنبھالا جا سکتا ہے۔ اسے سنبھال لوں گی۔ وہ کبھی اس بات کا یقین نہیں کرنا چاہے گا کہ میرے تم سے تعلقات ہیں۔ میں بھی اسے سمجھا دوں گی کہ ایسا نہیں ہے۔ تمہاری بیوی بھی یقین نہیں کرے گی۔ اسے سمجھانا تمہارا کام ہے۔ اس کے

ساتھ اتنی محبت اور گرم جوشی سے پیش آؤ' جیسے ابھی ابھی شادی ہوئی ہو۔"

پھر وہ کھڑی ہوئی اس کے پاس آ کر بولی۔ "کاش وہسکی ہوتی۔ اس کے پینے سے تمہارا ڈر اور خوف نکل جاتا۔ لیکن میں اس کی نعم البدل ہوں۔ آؤ! مجھے اپنی آغوش میں لے لو۔ تھوڑی دیر کے لیے تاکہ تمہارے اعصاب قابو میں آ جائیں۔"

موہن کو اپنی زندگی تاریک لگ رہی تھی۔ لیکن کلدیپ کور کو دور کی سوجھ رہی تھی۔ وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی۔ وہ من مانی کر کے چلی گئی۔ وہ تو ایک سرد لاش بنا رہا تھا۔ اس کے جذبات میں ہلچل نہیں مچی تھی۔ وہ سرد ہی رہے تھے۔

میں شوبھا کو کیا سمجھاؤں؟ اس نے کلدیپ کور کے جانے کے بعد سوچا۔ اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ میں جھوٹ بولوں۔ جب اسے خط ملے گا' تب وہ اسے اس بلیک میلر کا خط دکھائے گی۔ اسے کتنا صدمہ اور دکھ ہوگا' موہن کو اندازہ تھا۔ اسے معلوم تھا' کہ وہ کبھی شوبھا سے متاثر کن جھوٹ نہیں بول سکتا۔ کیوں کہ اس نے چار برسوں کی ازدواجی زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالا۔ بٹن لگائے' کپڑے درست کئے' بال ہاتھ سے سنوارے اور خود سے بولا۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ کمان سے نکلا تیر واپس نہیں آتا ہے۔

اب اس کے سامنے ایک ہی شریفانہ راستہ تھا۔ وہ شوبھا کو خط ملنے سے پہلے سب کچھ بتا دے' اور اسے امید ہے کہ شوبھا کے دل میں اس کے لیے جو محبت ہے' وہ اسے یہ صدمہ برداشت کرنے پر آمادہ کر لے گی۔ شادی شدہ عورت جانتی ہے' کہ مرد کے پیر پھسل ہی جاتے ہیں۔ لیکن اسے احساس تھا' کہ ان کی آئندہ زندگی اور باہمی تعلقات میں پہلی جیسی محبت اور گرم جوشی اور والہانہ پن نہیں رہے گا۔ بہرحال کچھ بھی ہو۔ جھوٹ سے سچ بولنا ہی بہتر رہے گا۔ وہ شاید پھر کبھی اس کا اعتماد بحال کر لے۔

موہن نے اپنی گھڑی دیکھی۔ پونے دس بج چکے تھے۔ دس منٹ تو کلدیپ کور نے لے لیے تھے۔ اگر اس کا دل خراب نہ ہوا ہوتا' اور وہ سرد لاش نہ بن جاتا' تو اس کا دفتر بیڈ روم بن جاتا۔ اس نے سوچا' شوبھا آ گئی ہوگی۔ وہ سیدھا گھر جائے گا۔ اسے ساری بات بتا دے گا۔ کہہ دے گا کہ ایک نوجوان لڑکی جب فیاضی سے مہربان ہو گئی تھی' وہ مرد تھا۔ جلتی پر تیل گر گیا تھا۔ دیکھیں کیا ردعمل ہوگا شوبھا کا۔

اس نے جلدی سے دفتر بند کیا' اور گاڑی میں بیٹھ کر گھر کی طرف تیزی سے چل دیا۔ وہ گاڑی جتنی تیز چلا رہا تھا' اتنی ہی تیزی سے سوچ رہا تھا' کہ وہ کس انداز میں بات کرے کہ شوبھا کو کم از کم دکھ پہنچے۔ وہ یہی کچھ سوچتے ہوئے' اور کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکتے ہوئے' گھر پہنچ گیا۔

جب اس نے پارکنگ میں گاڑی کھڑی کی' تو اسے شوبھا کی گاڑی دکھائی دی۔ جب وہ اندر داخل ہوا' تو اس نے شوبھا کو بیڈروم کی دہلیز پر کھڑے پایا۔ وہ کچھ پریشان سی لگی۔ اس کا دل دھڑک اٹھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس بدمعاش نے فون پر شوبھا سے رابطہ کر لیا ہو۔

"اوہ ڈارلنگ! بہت اچھا ہوا تم آ گئے۔" شوبھا نے کہا۔ "میں تمہیں فون کرنے والی تھی۔ سوچا کچھ دیر اور دیکھ لوں۔"

جب وہ اس کے قریب گیا' تو اس نے شوبھا کا چہرہ زرد اور آنکھوں سے پریشانی عیاں دیکھی۔ اس کا جو شک تھا' اور ابھی جو سوچا تھا' اس کی تصدیق ہو گئی تھی۔ وہ خود کو اندر ہی اندر سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔

"کیا بات ہے؟" موہن نے دل پر جبر کر کے پوچھا۔ "خیریت تو ہے۔ یہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو رہی ہو؟"

"کچھ چھ سات منٹ پہلے ماں جی کا فون آیا تھا۔" شوبھا نے افسردگی سے جواب دیا۔ "پتا جی کو ہارٹ اٹیک ہو گیا ہے۔ ماں جی نے مجھے بلایا ہے۔ اس خبر نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔"

شوبھا کے والدین دہلی میں رہتے تھے۔ اس کے پتا جی ایک کامیاب ترین ایڈووکیٹ تھے۔ موہن انہیں بہت پسند کرتا تھا۔ اس خبر سے اسے صدمہ ہوا تھا۔ وہ اپنی مصیبت بھول گیا تھا۔

"کیا طبیعت بہت خراب ہے؟" موہن نے پوچھا۔ شوبھا آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"مجھے یہی خطرہ ہے' اور ماں کی آواز سے بھی ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا۔" شوبھا نے جواب دیا۔ "تم مجھے ائیرپورٹ پہنچا دو۔ ایک گھنٹے بعد ایک ہوائی جہاز جا رہا ہے۔ اس میں نشستیں خالی ہیں۔ میں نے فون پر نشست بک کرا لی ہے۔"

"ضرور جاؤ۔" موہن نے اس کے آنسو پونچھ کر اسے چوم لیا۔ "حوصلے سے کام لو۔ اس خبر سے مجھے بہت افسوس ہوا ہے۔"

"میں نے سامان پیک کر لیا ہے۔ جلدی چلو! کہیں ایسا نہ ہو کہ فلائٹ مس ہو جائے۔ پھر فلائٹ کل صبح ہے۔"

موہن نے اس کا سوٹ کیس اٹھا لیا' جو بستر پر رکھا ہوا تھا۔ "تمہارے پاس کچھ رقم ہے؟" شوبھا نے پوچھا۔

"ہاں ہے! چلو! وقت بہت کم ہے۔" موہن نے کہا۔

جب وہ ائیرپورٹ جا رہے تھے' تب شوبھا نے کہا۔ ''معلوم نہیں مجھے وہاں کتنے دن رُکنا پڑے۔ تمہیں پریشانی تو نہیں ہوگی؟ فریزر میں اتنا کھانا ہے کہ چھ سات دن چل جائے گا۔''

''تم کسی بات کی چنتا نہ کرو۔'' موہن نے ہمدردی سے کہا۔ ''کاش! میں بھی تمہارے ساتھ چل سکتا۔ پریشان مت ہونا۔ ایشور نے چاہا تو وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔''

شوبھا کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کے رخساروں کو تر کر رہے تھے۔ موہن نے خاموشی سے گاڑی چلاتے ہوئے سوچا' کہ اس وقت شوبھا سے اس موضوع پر بات کرنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ شوبھا ایک ہفتہ سے پہلے آنے سے رہی۔ والدین اسے اتنی جلدی آنے نہیں دیں گے۔ بعض واقعات کیسے اتفاقات پیش آجاتے ہیں۔ بھگوان نے اس پر کتنی بڑی کرپا کی۔ اس دوران خط آ گیا' تو وہ اسے ضائع کر دے گا۔ وہ بڑی مصیبت سے بال بال بچ گیا تھا۔

کہیں کلدیپ کور' شوبھا کی غیر موجودگی میں مصیبت نہ بن جائے؟



ایس پی مکرجی اپنی میز پر بیٹھا روسی ساخت کا سگار پیتے ہوئے رام داس کی رپورٹ بڑے غور اور توجہ سے سن رہا تھا۔ جب رام داس نے اپنی بات پوری کر لی' تو ایس پی مکرجی نے سگار کا کش لے کر دانتوں سے چباتے ہوئے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

''اب آپ کا شک کس پر جاتا ہے؟ شیام کمار' منکنڈ رام' موہن یا سروپ کمار پر؟''

''شیام کمار پر شک کرنے کا کوئی جواز ہے نہ اس کے خلاف کسی قسم کا کوئی ثبوت موجود ہے۔'' رام داس نے جواب دیا۔ ''کیوں کہ وہ واردات والی رات اس شہر میں موجود ہی نہیں تھا۔ میں نے اس کی جیکٹ دیکھی۔ کوئی بٹن غائب نہ تھا۔ منکنڈ رام کی طبیعت اس روز اور اس سے دو دن پہلے سے خراب تھی' اس لیے وہ گھر پر آرام کر رہا تھا۔ وہ عمر کے جس دور میں سے گزر رہا ہے' اب اس کے لیے لڑکیوں اور عورتوں میں کوئی کشش نہیں رہی ہے۔ اس کی جیکٹ میں بھی بٹن موجود تھے۔ اب باقی رہ جاتے ہیں موہن اور سروپ کمار۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ موہن' جسونت سنگھ کی بیٹی کلدیپ کور کے ساتھ تھا' جب وہ اس سے رخصت ہوا تو لاش سے ٹکرا گیا۔ ممکن ہے اس نے قاتل کو دیکھا ہو۔ چنانچہ اب میں کیا کروں؟ کیا اس پر کوئی دباؤ ڈالنا مناسب ہوگا؟''

''اس کی جیکٹ بھی چیک کرو۔'' ایس پی مکرجی نے قدرے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''ہم کسی بھی مشتبہ شخص کو چیک کیے بغیر چھوڑ نہیں سکتے۔ بعض اوقات ہمارے اندازے غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ دریافت کرو کہ وہ قتل کی واردات کے وقت کہاں تھا؟ وہ کیا بتاتا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ موہن جیسا شخص جنسی دیوانہ نہیں ہو سکتا۔ ایک تو وہ شادی شدہ ہے۔ ایک خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہا ہے۔ ہمارا یہ کام نہیں کہ کسی کے ذاتی معاملات میں دخل دیں۔ نہ یہ ہماری ذمے داری ہے کہ ہم یہ معلوم کرتے پھریں کہ جسونت سنگھ کی بیٹی کیا کرتی پھرتی ہے۔ اس کے کس کس سے تعلقات ہیں؟ ہمیں بہت احتیاط سے اور پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہے۔''

"سروپ کمار کا دیہانت ہو چکا ہے۔" رام داس نے رپورٹ سناتے ہوئے کہا۔ "مگر اس کے پاس بے شمار ملبوسات تھے۔ وہ کہاں گئے؟ اس کی پتنی نے وہ سب کس کو دے دیئے ہیں تو تب اس بات کا امکان ہے کہ وہ جیکٹ قاتل پہن کر نکلا ہو۔ دکان دار راجہ کمار نے یہ بتایا تھا کہ غلط فہمی کی بنا پر وہ جیکٹ سروپ کمار کی موت کے بعد سروپ کمار کے ہاں پہنچی تھی۔ اس کی پتنی نے اس جیکٹ کی قیمت ادا کر کے وصول کر لی۔ کیوں اور کس لیے؟ یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کیوں کہ وہ بڑی بدمزاج اور چڑچڑی عورت ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے' مگر اس سے بات کرنا' اور معلوم کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔" ایس پی مکرجی نے کہا۔ "اس سے ضرور ملو مگر محتاط رہنا۔ نرمی سے پیش آنا۔ وہ چوں کہ دولت مند اور اثر و رسوخ بھی رکھتی ہے' اس لیے سیدھے منہ بات نہیں کرے گی۔"

رام داس نے گھڑی دیکھی۔ شام کے آٹھ بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ موہن گھر پر موجود ہوگا۔ اس کی بیوی بھی جلد ہی گھر آ جاتی ہے' پھر اس نے رنجیت کو ساتھ لیا' اور موہن کے فلیٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایئر پورٹ سے واپس آ کر موہن اپنے لیے لیمن اسکواش بنا کر ٹی وی کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے اسٹار مووِیز کا چینل آن کیا۔ اس وقت ایک انگلش فیچر فلم چل رہی تھی۔ سین انتہائی رومانی اور جذباتی تھا۔ ایک اٹھارہ برس کی لڑکی ایک چالیس برس کے مرد کی آغوش میں ساحلی کیبن کے بیڈ روم میں تھی۔ دونوں بہک رہے تھے۔ موہن کو ایسا لگا' جیسے وہ اور کلدیپ کور بستر میں ہیں۔ اس نے فوراً ہی ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا۔ اس لمحے اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ اس کی نظروں میں کلدیپ کور ابھر آئی۔

کلدیپ کور؟ اس نے سوچا۔ یہ عورت بھی کیا شے ہوتی ہے؟ ایشور نے کیا شے بنائی ہے؟ ایسی شے کیوں بنائی' جس سے مرد کا دل نہیں بھرتا ہے۔ اس کی پتنی شوبھا کتنی حسین' پُر شباب گداز بدن کی اور غیر معمولی پُرکشش ہے۔ کلدیپ کور سے کہیں زیادہ دل کشی اور جاذبیت اس میں بھری ہوئی ہے۔ لیکن کلدیپ کور کیوں اس پر پرانی شراب کے خمار کی طرح چھا گئی ہے۔ اس کا نشہ کیوں نہیں اترتا؟ ہر عورت ایک جیسی ہوتی ہے۔ وہ نہ صرف ایک مصیبت' بلکہ زہریلی ناگن بنی ہوئی ہے۔ دفتر میں جیسی مصیبت ہے' وہ اب یہ جاننے کے بعد کہ شوبھا دس پندرہ دن کے لیے میکے دہلی گئی ہوئی ہے' فلیٹ میں روزانہ نہ آیا کرے۔ وہ دفتر میں تنہائی کے لمحات میں ڈسنے اور من مانی سے باز نہیں آتی ہے۔ اس مصیبت سے اسے اس وقت نجات مل سکتی ہے' وہ ملازمت سے استعفیٰ دے دے؟ کیا وہ کلدیپ کور سے دور رہ سکے گا؟ پھر اس نے اپنے آپ کو سمجھایا۔ وہ

بے وقوفی کیوں کر رہا ہے۔ ساری دنیا بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتی ہے۔ وہ مال مفت ہے۔ وہ رات پتنی کے بغیر سو نہیں سکتا۔ شوبھا کے بغیر گھر اسے کیسا ویران اور خالی خالی لگ رہا ہے۔ جب کہ اسے گئے ایک گھنٹہ بھی نہیں ہوا ہے۔ رات کیسی بے کیف ہو گی؟ کیوں نہ کلدیپ کور سے شوبھا کی واپسی تک خلاء پر کرتا رہے۔ اس نے سوچا کہ وہ کل دفتر پہنچ کر اسے خوش خبری سنا دے گا۔ پھر وہ کل شام دفتر سے اس کے ساتھ اس کے فلیٹ آ جائے گی۔

وہ کلدیپ کور کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا' کہ اطلاعی گھنٹی کی گنگناہٹ نے اس کے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔ کون ہو سکتا ہے؟ اس نے بیرونی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچا۔ کہیں شوبھا کی بڑی بہن نہ آ گئی ہو' اپنی بہن کی دہلی روانہ ہونے کی خبر سن کر۔ وہ شاید کسی وجہ سے نہ گئی ہو۔ کیا مصیبت ہے۔ وہ صبح سے پہلے نہیں جائے گی۔ وہ اس مصیبت سے کیسے نجات پائے۔

موہن نے جیسے ہی دروازہ کھولا' اس کا سینہ دھک سے ہو کر رہ گیا۔ رنجیت اور رام داس کو دیکھ کر اس کا دل لمحے کے لیے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ چہرہ سفید پڑنے لگا' اور رگوں میں لہو خشک ہونے لگا۔ اسے پیروں پر کھڑا ہونا دشوار سا لگ رہا تھا۔

رام داس نے موہن کے چہرے پر خوف اور سراسیمگی کی علامات دیکھیں' تو اس نے قدرے سخت لہجے میں اپنا اور رنجیت کا تعارف کرایا۔

"مسٹر موہن! میں انسپکٹر رام داس ہوں' یہ میرے ساتھی سب انسپکٹر مسٹر رنجیت ہیں۔ ہم آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں؟"

موہن نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر ان دونوں کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ پھر اس نے مُردہ لہجے میں پوچھا۔

"آپ اندر تشریف لائیں۔ کیا میں معلوم کر سکتا ہوں کہ آپ نے کس سلسلے میں زحمت کی ہے؟"

رام داس نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ موہن نے دروازہ بند کیا اور انہیں لے کر نشست گاہ کی طرف بڑھا' تو وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے نشست گاہ میں پہنچے۔ انہوں نے اطراف کا جائزہ لیا تھا۔

"آپ نے بتایا نہیں کہ کس سلسلے میں غریب خانے پر آنے کی زحمت کی؟" موہن نے پھر پوچھا۔

"آپ نے مجھے بلا لیا ہوتا۔"

رام داس کو جلدی نہیں تھی۔ وہ اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ فوراً ہی سوالات داغ دیئے جائیں۔ لیکن اس نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ موہن انہیں دیکھ کر خوف زدہ سا ہو گیا تھا' اس لیے اس نے سوچا کہ تھوڑا مزید بتانے میں فائدہ ہی ہے۔

"میں چوں کہ سراغ رساں انسپکٹر ہوں' اس لیے تحقیقات کے لیے خود پہنچتا ہوں۔" اس نے جواب دیتے ہوئے جیب سے گولف کی گیند نما بٹن نکالا۔ "ہم ایک قتل کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ کیا یہ تمہاری جیکٹ کا بٹن ہے؟" اس نے موہن کو بٹن دکھایا۔

موہن نے رام داس کی ہتھیلی پر رکھے بٹن کو دیکھا۔ اس نے ایک سرد سی لہر ریڑھ کی ہڈی میں اترتی ہوئی محسوس کی۔

"جی نہیں!" موہن نے سرنفی کے انداز میں ہلا دیا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ میری جیکٹ کا بٹن نہیں ہے۔"

"مسٹر موہن! یہ بٹن قتل کی جائے واردات سے چند گز کے فاصلے پر پڑا ہوا ملا ہے۔ ہم اس کے بارے میں چیکنگ کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ایک غیر معمولی بٹن ہے۔ تم سمیت چار افراد نے راجہ کمار کی دکان سے وہ جیکٹ خریدی' جس میں یہ بٹن لگائے گئے ہیں۔ اس کے ہاں کی ہر جیکٹ پر یہ بٹن لگے ہوئے نہیں ہیں۔ صرف آرڈر پر لگاتے ہیں۔ کیا آپ کے پاس ایسی جیکٹ ہے؟"

"جی ہاں! ہے تو سہی۔" موہن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟" رام داس نے کہا۔

اوہ بھگوان! موہن نے خوف زدہ ہو کر دل میں سوچا۔ اگر ایک بٹن غائب ہوا تو کیا ہو گا؟ کیا وہ دھر لیا جائے گا؟

"میں ابھی جیکٹ لے کر حاضر ہوتا ہوں۔" موہن نے جواب دیا۔ پھر وہ بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"شکریہ۔" رام داس نے کہا۔

اور جب موہن بیڈ روم میں چلا گیا۔ رام داس نے رنجیت کی طرف دیکھا اور اسے آنکھ ماری۔ پھر اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "ہمارا مطلوبہ آدمی یہی ہے۔ ہم اتفاق سے ٹھیک جگہ پہنچے ہیں۔"

موہن نے بیڈروم میں اپنے کپڑوں کی الماری کھولی۔ پھر اس نے جیکٹ نکالی۔ پھر اس نے دھڑکتے دل سے تمام بٹن دیکھے۔ اس نے یہ دیکھ کر سکون واطمینان کی سانس لی کہ اس میں

ایک بٹن بھی غائب نہ تھا۔ پھر اس نے جیکٹ لا کر رام داس کے ہاتھ میں تھما دی۔ "یہ لیجیے۔"

"آپ دیکھ لیں اس میں تمام بٹن موجود ہیں۔" موہن نے کہا۔ اب اس کی آواز میں ارتعاش نہ تھا۔ ایک بڑی مصیبت ٹل گئی تھی۔

رام داس نے جیکٹ دیکھی۔ اسے سخت مایوسی ہوئی' مگر وہ ایک تجربہ کار جاسوس تھا۔ اس لیے اس نے اپنے چہرے سے مایوسی ظاہر ہونے نہیں دی۔

"آپ کے اس تعاون کا بہت بہت شکریہ مسٹر موہن!" رام داس نے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ ہمیں ہر صورت میں ہر ایک بات کی تحقیقات کرنی پڑتی ہے۔ زحمت کے لیے معذرت خواہ ہیں۔"

"کوئی بات نہیں! میں سمجھتا ہوں کہ پولیس کے کیا فرائض ہیں۔" موہن نے جواب دیا۔

اب اس کے لہجے میں بڑا اطمینان جھلک رہا تھا۔

"وہ لڑکی کل رات آٹھ اور دس بجے کے درمیان بڑے وحشیانہ انداز سے قتل کی گئی تھی۔"

رام داس نے فوراً ہی اس پر دوسرا وار کر دیا۔

"کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے' اس وقت آپ کہاں موجود تھے؟"

"گزشتہ رات آٹھ اور دس بجے کے درمیان؟" موہن لمحے کے لیے سراسیمہ سا ہو گیا' لیکن وہ سنبھل گیا۔ جھوٹ بولنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس افسر کیسے اکھڑ اور سخت مزاج واقع ہوتے ہیں۔ وہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ وہ کلدیپ کور کے ساتھ دادِعیش دے رہا تھا۔ ایک زہریلی ناگن نے' زہریلی تنہائی میں اسے ڈسا تھا۔ اس نے ٹھہرے ہوئے کہا۔ "میں گھر پر موجود تھا۔ جب کہ مجھے اپنی پتنی کے بہنوئی کے ہاں ہونا تھا۔ میری سالی کی شادی کی سالگرہ تھی۔ میری گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں نے فون کر کے عدمِ شرکت کی معذرت کر لی تھی۔"

"آپ نے انہیں کس وقت فون کیا تھا؟" رام داس کا لہجہ مشکوک تھا۔ "آپ کو ٹھیک وقت یاد تو ہو گا؟"

"آٹھ بجے کے بعد' آٹھ بج کر چھ سات منٹ پر۔" موہن کسی خیال سے رکا۔

"نہیں! اس وقت ٹھیک ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔"

"کیا آپ اپنے برادران کا نام بتا سکتے ہیں؟" رام داس نے کہا۔

موہن نے اس کا نام' فرم کا نام اور عہدہ بتایا' تو رام داس نے کہا۔ "میں انہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" "آپ نے باقی وقت کہاں گزارا؟"

"گھر پر۔" موہن نے جواب دیا۔ "جب میری پتنی گھر آئی تو نصف شب ہو رہی تھی، اور میں اس کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔" رام داس نے اسے بہ غور دیکھا۔ "ناوقت زحمت دینے پر ایک بار پھر آپ سے معذرت خواہ ہوں۔"

پھر رام داس اٹھ کھڑا ہوا۔ موہن نے ان دونوں سے مصافحہ کیا۔ رام داس، رنجیت کو لے کر فلیٹ سے نکلا۔ کار میں بیٹھتے ہوئے وہ رنجیت سے بولا۔ "وہ سراسر جھوٹ بول رہا تھا۔"

"اس کی جگہ آپ بھی ہوتے تو یہی کرتے۔" رنجیت نے تبصرہ کیا۔ "کیا آپ کے خیال میں وہ بتا دیتا کہ وہ جسونت سنگھ کی نوجوان اور حسین بیٹی کے ساتھ تھا، اور رات کے لمحات رنگین اور حسین کر رہا تھا۔ اس کے نصیب دیکھو۔ کیسی بجلی اس پر آن گری۔"

"ممکن ہے اس نے قاتل کو دیکھا ہو۔ مجھے اس سے پھر بات کرنا پڑے گی۔" رام داس نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "اب مسز شانتی سروپ کے گھر چلتے ہیں۔ یہ ملاقات شاید دلچسپ اور مزے دار ثابت ہوگی۔"

"لیکن اس کے مزاج کی تعریف سننے کے بعد بھی۔" رنجیت نے کہا۔

"میں اس سے ملاقات کے تصور سے ہی خائف ہو رہا ہوں۔"

وہ دونوں دس منٹ میں مسز شانتی سروپ کے گھر پہنچ گئے۔ اس علاقے میں ان دولت مندوں کی اکثریت تھی، جو ریٹائر ہو چکے تھے۔ ہر بنگلہ اور کوٹھی بڑے رقبے کے پلاٹوں پر بنا ہوا تھا۔ اور ان تمام بڑے بڑے گھروں کے گرد دس دس فٹ اونچی جھاڑیوں کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ پورے علاقے پر خاموشی مسلط تھی۔ ٹی وی کی آواز اس قدر تیز نہ تھی، کہ باہر تک سنائی دیتی، نہ ٹی وی پر نغموں کا کوئی پروگرام نشر کیا جا رہا تھا۔ اگر کوئی پروگرام ہوتا بھی، تو ان کی آواز سنائی نہ دیتی۔

"کیا اس علاقے پر شمشان گھاٹ کا دھوکا نہیں ہو رہا ہے۔" رام داس نے گاڑی شانتی کے ولا کے سامنے پارک کرتے ہوئے کہا۔

دونوں کار سے اترے پختہ روش پر چلتے ہوئے ولا کے صدر دروازے تک پہنچے۔ رام داس نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبا کر دائیں بائیں دیکھا۔ دائیں جانب تیرنے کا تالاب تھا، اور بائیں جانب بڑا سا گیراج۔ کچھ دیر تک جواب نہ ملا، تو رام داس نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ اگلے لمحے اچانک دروازہ کھل گیا۔ جس شخص نے دروازہ کھولا تھا، وہ کسی خوف ناک فلم کا کردار معلوم ہوتا تھا۔ رام داس نے اسے حیرت

سے دیکھا۔ اس بوڑھے کی عمر ستر برس سے زیادہ ہی تھی۔ لمبا، دبلا پتلا، زردی جلد اور اس کی چندھی ہوئی آنکھیں ویران اور ہر قسم کے تاثر سے خالی، ہونٹ ایک دم باریک، گھنی بھنویں۔

"ہمیں مسز شانتی سروپ سے ملنا ہے۔" رام داس نے پولیس والوں جیسی آواز میں کہا۔

"انہیں جا کر اطلاع کر دو کہ ملاقاتی آئے ہیں۔"

"وہ اس وقت کسی سے ملا نہیں کرتی ہیں جناب۔" اس بوڑھے کی آواز ایسی تھی، جیسے وہ کسی کنویں کے اندر سے بول رہا ہو۔

"مگر انہیں مجھ سے ملنا ہوگا۔" رام داس نے اپنا شناختی کارڈ نکال کر اسے دکھایا۔ "ان سے کہو پولیس افسر ملنے آئے ہیں۔"

"بیگم اس وقت سونے کے لیے بیڈروم میں چلی گئی ہیں۔" وہ رعب میں آئے بغیر بولا۔

"آپ کو زحمت ہوگی، کل صبح دس بجے تشریف لے آئیں۔"

"تم کون ہو؟" رام داس نے سوال کیا اور پھر اسے اوپر سے نیچے دیکھنے لگا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟ تم کیا کام کرتے ہو؟"

"میں ان کے ہاں خانساماں ہوں جناب!" اس نے اپنا تعارف کرایا۔ "میرا نام رام دیال ہے۔"

"تم ایک بات کا جواب دو تو ہم تمہاری مالکن کو زحمت نہیں دیں گے۔" رام داس نے کہا۔

"دراصل ہم ایک قتل کی تحقیقات کر رہے ہیں۔" اس نے توقف کر کے جیب سے بٹن نکال کر دکھایا۔ "کیا تم اسے پہچانتے ہو۔ بتا سکتے ہو کہ یہ کیا چیز ہے؟"

"میں نے ایسے بٹن دیکھے تو ہیں۔" رام دیال کا لہجہ ہر قسم کے تاثر سے خالی تھا۔

"آنجہانی سروپ کمار کے پاس ایک جیکٹ تھی۔ نہیں ایک جیکٹ کچھ عرصہ ہوا غلطی سے ان کے نام ایک درزی کی دکان سے آئی تھی۔ مالکن نے کسی وجہ سے وہ جیکٹ لے لی تھی۔ وہ اس جیکٹ میں، میں نے ایسے ہی بٹن لگے دیکھے تھے۔ یہ بٹن گولف کے گیند جیسے ہیں۔"

"وہ جیکٹ اب کہاں ہے؟" رام داس نے سوال کیا۔

"کیا گھر میں موجود ہے؟ تمہیں اس کے بارے میں کچھ علم ہے کہ مالکن نے اس کا کیا کیا؟"

"ایک روز مالکن نے مجھ سے کہا تھا کہ مالک کے بہت سارے کپڑے نہ جانے اب تک کیوں رکھے ہوئے ہیں، اب وہ کس کام کے ہیں، بہتر ہے کہ کسی کو دے دو، تاکہ کسی کے کام تو آ جائیں۔" بوڑھے رام دیال نے رُک رُک کر بتایا۔

"کیا تم نے مالک کے تمام ملبوسات جیکٹ سمیت کسی کو دے دیئے تھے؟" رام داس نے دریافت کیا۔

"ہاں!" بوڑھے نے سر ہلا دیا۔ "جب مجھ سے کہا گیا کہ اسے بھی ملبوسات کے ساتھ دے دوں تو میں نے اسے بھی دے دیا۔"

رام داس نے تاڑ لیا کہ بوڑھا مبالغہ آرائی کر رہا ہے' لہجہ چغلی کھا رہا تھا' اس کے جھوٹ کی۔ پھر بھی اس نے سوال کیا۔ "پھر تم نے جیکٹ کا کیا کیا؟"

"میں نے بتایا نا کہ تمام کپڑوں کے ساتھ وہ جیکٹ بھی دے دیا گیا۔" بوڑھا بولا۔

"میں نے مہاراشٹرا ویلفیئر سینٹر میں لے جا کر دے دیئے۔"

"یہ کب کی بات ہے؟" رام داس نے سوال کیا۔

"تمہیں یاد ہے کہ کتنے دن ہوئے ہیں؟"

"زیادہ دنوں کی بات نہیں ہے۔" بوڑھا کہنے لگا۔ "دراصل ان کے ملبوسات اسٹور میں رکھے ہوئے تھے' اس لیے وہاں رکھے رہ گئے تھے۔"

"اچھا ذہن پر زور دے کر اور یاد کر کے بتاؤ کہ کیا اس جیکٹ کے بٹنوں میں سے کوئی ایک بٹن غائب تھا؟" رام داس نے پوچھا۔

"نہیں!" بوڑھے نے سر ہلا دیا۔

"میں نے اس بات پر غور نہیں کیا۔ میرا ذہن بٹنوں کی طرف نہیں گیا۔ اس لیے کہ میں نے چیک نہیں کیا تھا۔"

"یہ بٹن قتل کی جگہ سے چند گز کے فاصلے پر ملا ہے۔" رام داس اسے بتانے لگا۔

"کیا تمہیں پورا یقین ہے کہ جب تم نے کپڑے اور جیکٹ اس ویلفیئر سینٹر کو روانہ کیے تھے تو جیکٹ کا کوئی بٹن ٹوٹا ہوا نہیں تھا؟ حیرت کی بات ہے کہ تم نے بٹن چیک نہیں کیے؟"

"میرا خیال ہے کہ کوئی بٹن ٹوٹا ہوا ہوتا یا غائب ہوتا' تو نظروں میں یقیناً آ جاتا۔ چوں کہ میں نے جیکٹ کو خصوصی توجہ سے نہیں دیکھا تھا' اس لیے مالکن کے دوسرے کپڑوں کے ساتھ میں نے اسے بھی پیک کر کے ویلفیئر سینٹر کو روانہ کر دیا۔" وہ ایک ہی سانس میں بول گیا تھا۔

"شکریہ۔" رام داس نے رنجیت کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب شانتی سروپ کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں۔"

بوڑھے رام دیال نے بڑے مؤدبانہ انداز سے نمسکار کیا۔ پھر اس نے پوچھا۔

"جناب! کیا میں جا سکتا ہوں' اجازت ہے؟ اگر مجھ سے کوئی کام ہو' اور مزید معلومات

حاصل کرنا چاہتے ہیں تو حکم دیں۔" پھر وہ ان دونوں کو جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"نہیں! تم سے اب کوئی کام نہیں ہے اور نہ ہی کچھ پوچھنا ہے۔" رام داس کے بجائے رنجیت نے جواب دیا۔ "اب تم جا کر آرام کرو۔"

بوڑھا اندر گھس گیا۔ اس نے دروازہ بڑی احتیاط سے اور بے آواز بند کیا۔ جیسے اس کی آواز سے مالکن بیدار نہ ہو جائے۔

رام داس اور رنجیت کار میں آ کر بیٹھ گئے' تو رنجیت نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "اس بوڑھے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس نے جو کچھ کہا' آپ اس سے مطمئن ہو گئے ہیں یا نہیں۔ مزید کچھ معلوم کرنا ہو تو اسے بلا دوں؟"

"میرا اندازہ ہے کہ اس بوڑھے ڈریکولے نے بھی موہن کی طرح جھوٹ بولا ہے۔" رام داس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"تمہاری کیا رائے ہے؟"

"میں نے بھی وہی کچھ محسوس کیا ہے' جو آپ نے محسوس کیا ہے۔" رنجیت نے تائیدی لہجے میں کہا۔ "جب کہ جھوٹا آدمی جو جھوٹ بولتا ہے' وہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کائیاں شخص نے ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کی ہے۔ وہ یہ سمجھا ہو گا کہ ہم اس کی باتوں میں آ گئے ہیں۔"

"جو سامنے والے کو بے وقوف کہتا ہے' وہ خود بڑا بے وقوف ہے۔" رام داس نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم کل ایک کام کرو۔ کسی وقت مہاراشٹرا ویلفیئر سنٹر چلے جاؤ۔ کسی نہ کسی کو وہ جیکٹ ضرور یاد رہ گئی ہو گی۔ انہوں نے اپنے کسی خاص آدمی کو دی ہو گی۔"

"میں ایک اور بات بڑی دیر سے سوچ رہا ہوں۔" رنجیت نے کہا۔

"مجھے موقع نہ مل سکا' آپ کو کہنے کا۔ اب موقع ملا ہے۔"

"کیا بات ہے وہ؟" رام داس نے کار سڑک پر لاتے ہوئے کہا۔ "یقیناً کوئی کارآمد بات ہی آئی ہو گی؟ کیوں؟"

"جی ہاں!" رنجیت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اتنی خاص قسم کی جیکٹ۔ اس کے غیر معمولی بٹن۔ اور پھر اعلیٰ درجے کا ٹیلر یعنی راجہ۔ یہ جیکٹ ہر ایک کے خریدنے کے بس کی بات نہیں۔ اس لیے یہ جیکٹ اتنی عام نہیں ہوئی اپنی قیمت کی خصوصیت کے باعث۔"

"ہاں! یہ بات تو ہے۔" رام داس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ذہن میں کیا بات آئی ہے؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"ٹیلر ماسٹر اس جیکٹ کے ساتھ ایک بٹن نہیں بلکہ بٹنوں کا سیٹ ضرور دیتا ہو گا۔ اگر بٹن

خراب ہو جائے یا نکل کر کہیں گر جائے تو بٹن اسی میں لگا لے۔ کیوں کہ یہ بٹن صرف وہی بناتا ہے۔ بازار میں دستیاب نہیں ہیں۔"

"تم نے جو سوچا ہے وہ بات میرے ذہن میں آئی ہے۔" رام داس نے کہا۔ "اس جیکٹ کی خصوصیت صرف ان بٹنوں کی وجہ سے ہے۔"

ہیڈکوارٹر واپس پہنچ کر رام داس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری سے راجہ کے گھر کا فون نمبر معلوم کر کے ڈائل کیا۔ کیوں کہ اس کی دکان بند ہو چکی ہو گی۔ اب وہ گھر پر ہی مل سکتا تھا۔ راجہ گھر پر مل گیا۔ اس سے بات کرنے کے بعد شکریہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

پھر اس نے مسکراتے ہوئے رنجیت کی طرف دیکھا۔ "تمہارا اندازہ سو فیصد درست نکلا۔ ہر جیکٹ کے ساتھ بٹنوں کا ایک اضافی سیٹ طلب کیے بغیر ہی دیا جاتا ہے۔" رام داس نے کہا۔

"اس تحقیق کے نتیجے میں ہم واپس اسی جگہ آ گئے ہیں' جہاں سے چلے تھے۔ نہ جانے کیوں مجھے اس لعنتی اور پُراسرار قسم کے کیس سے ایک ایسی عجیب قسم کی محبت ہوتی جا رہی ہے' جسے میں خود سمجھنے سے قاصر ہوں۔ گویا اب ہماری معلومات کیا ہیں؟ ہم اس طرح بے مقصد گھوم رہے ہیں' جس طرح ایک کتا اپنی دم کے پیچھے گھومتا ہے' اسے پکڑنے کے لیے۔ شیام کمار شبہے کی حد سے باہر ہے۔ کیوں کہ وہ اس شہر میں تھا ہی نہیں' دہلی گیا ہوا تھا۔ منگل رام کے پاس موقع واردات سے عدم موجودگی کا ٹھوس ثبوت موجود ہے۔ کیوں کہ وہ بستر علالت پر تھا۔ باقی رہ جائے گا موہن۔ مہاراشٹرا ویلفیئر سنٹر۔ مگر میں اب موہن کو مشکوک سمجھتا ہوں۔ اس لیے تم کل ضرور ویلفیئر سنٹر کے دفتر جا کر معلوم کرنا اور میں موہن کو مزید چیک کروں گا' اور اس سے کہوں گا کہ وہ بٹنوں کا اضافی سیٹ دکھائے۔ اگر کوئی بٹن غائب ہوا تو اسے کسی صورت میں بخشوں گا نہیں۔"

پھر اسے اچانک کچھ خیال آیا' تو اس نے چونک کر اپنی دستی گھڑی دیکھی۔ "دس بج رہے ہیں۔ اب میں گھر جاتا ہوں۔ ریما کا پارہ چڑھ رہا ہو گا۔"

"شادی شدہ مرد بیویوں سے کس قدر ڈرتے ہیں؟" رنجیت مسکرایا۔

"آخر اس کی وجہ کیا ہوتی ہے؟ بیوی کیا خوف ناک شے ہوتی ہے؟"

"اسے ڈرنا نہیں بلکہ محبت کہتے ہیں۔" رام داس نے کہا۔ "محبت میں ہر چیز جائز ہوتی ہے اس میں پتی کا ڈرنا بھی شامل ہے۔"

رام داس گھر پہنچا تو اس کا اندازہ درست نکلا۔ وہ بے چینی سے اس کی راہ اور گھڑی میں بار بار وقت دیکھے جا رہی تھی۔

"کیا تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکا کہ ایک فون ہی کر کے کہہ دیتے کہ تم دیر سے گھر آؤ

گے۔" وہ غصے سے بولی۔

"میں انتظار تو نہ کرتی۔"

"کھانے کے لیے کیا ہے؟" اس نے اپنی پتنی کی بات نظر انداز کر دی۔ "پیٹ میں چوہوں کی بڑی زبردست ریس ہو رہی ہے۔"

"میں کیا کروں؟ میں تو کھا چکی ہوں۔" ریما نے تنک کر کہا۔ "تمہارے لیے جو کھانا رکھا تھا۔ وہ ضرور خراب ہو گیا ہو گا۔ وہ چوہوں کو کھلا دو۔"

رام داس نے اس طرح کی آواز نکالی' جیسے کسی بحری جہاز کا سائرن بج رہا ہو۔ اس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"میں تمام دن بھاڑ جھونک کر اور خوار ہو کر گھر آیا ہوں۔ پتنی فرما رہی ہیں کہ میرے لیے کھانے کو کچھ نہیں۔ یہ ہوٹل ہے یا گھر؟"

"اچھا اچھا! زیادہ شوہر پن مت دکھاؤ۔" ریما نے تیز لہجے میں کہا۔

"کھانے کی میز پر بیٹھ جاؤ۔ میں تمہارے لیے کھانا گرم کر کے لاتی ہوں۔"

"پتنی ہو تو ایسی۔" رام داس نے ہنس کر کہا۔

"میں جانتا ہوں میری پیاری سوہنی پتنی میرا کتنا خیال رکھتی ہے۔"

ریما اپنے بال درست کرتی ہوئی اس کے قریب سے گزری' تو رام داس نے اسے دبوچ لیا۔ اس کے چہرے پر جھک گیا۔ ریما اس کے بازوؤں میں کسمسانے لگی۔ لیکن وہ رام داس کے مضبوط بازوؤں کا حلقہ توڑ نہ سکی۔ جب وہ اس کے بازوؤں سے نکلی تو رام داس نے کہا۔

"کھانے کو رہنے دو۔ کھانا پھر کھا لیں گے۔ تم نے میری اور ہی بھوک پیاس بڑھا دی ہے۔ بیڈروم میں چلتے ہیں۔"

"سنو!" وہ زہرخند بولی۔

"اب میرے قریب نہ آنا۔ ہر بات کے لیے ایک وقت ہوتا ہے' مقام ہوتا ہے۔ موقع محل دیکھا کرو۔" اس نے بال اور لباس کی شکنیں درست کرتے ہوئے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کسی بات کا احساس ہی نہیں۔"

"شادی سے پہلے جب تم مجھ سے ملنے آتی تھیں' تب تم نے کبھی وقت اور مقام کی کبھی کوئی بات نہیں کی۔" رام داس نے کہا۔

"تم میں کتنی خود سپردگی ہوتی تھی۔ تمہاری طرف سے ہی پیش قدمی ہوتی تھی۔ اب میں

دیکھ رہا ہوں شادی کے بعد تمہارے نخرے کچھ زیادہ ہی ہو گئے ہیں۔"

"تم مردوں کو عورت کی کسی بات کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ پڑوسن بھی کہتی ہے۔ پتی صاحب کو صرف ایک ہی غرض ہوتی ہے۔ وہ اس بات کا خیال اور احساس ہی نہیں کرتے ہیں کہ وہ کتنی ہی تھکی ہوئی ہوگی۔ کمر میں سر میں درد ہوگا۔"

"بات یہ ہے میری جان!" رام داس نے کہا۔ "یہ محبت کی پہچان ہے۔ اور پھر تم اتنی حسین اور پُرکشش ہو کہ میں جب گھر آتا ہوں' تو تمہیں دیکھ کر نہ صرف ساری تھکن اتر جاتی ہے' اور تمہارے قرب کی خواہش مچل اٹھتی ہے۔ آج تم اتنی حسین لگ رہی ہو کہ کیا بتاؤں۔"

"آج میرے قریب نہ آنا۔" وہ کچن کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ "میرے سر اور کمر میں بہت درد ہو رہا ہے مجھے آرام کرنے دو۔"

ریما جو کھانا لائی تھی' وہ حسبِ بدستور بدمزہ اور ٹھنڈا تھا۔ مگر چوں کہ اسے بڑے زور کی بھوک لگی تھی' کسی نہ کسی طرح زہر مار کرنے لگا۔ ریما کو اس بات کی بالکل بھی پروانہ تھی' کہ اس کا شوہر خوش ہو کر کھانا کھا رہا ہے' یا مجبوراً حلق سے کسی کڑوی دوا کی طرف اتار رہا ہے۔ چوں کہ ٹی وی پر اس کے پسندیدہ ڈرامے کی قسط دکھائی جا رہی تھی' اس لیے وہ بیڈ روم میں قلوپطرہ کے انداز میں نیم دراز ہو کر ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ وہ کھانا کھا کر اٹھا۔ جھوٹے برتن اس نے رکھے رہنے دیئے۔ پھر وہ بیڈ روم میں گیا۔ ریما نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ وہ مکالمے سُن کر مسکرا رہی تھی۔ وہ شب خوابی کے لباس میں تھی' جس میں اس کا بدن آنچ دے رہا تھا۔ پھر وہ کپڑے بدلنے واش روم میں گھس گیا۔ کپڑے بدلتے وقت اس نے سوچا کہ اس نے ایک نہایت حسین لڑکی سے محبت کر کے پہلی غلطی کی۔ دوسری غلطی محبت کی شادی کر کے۔ اس کا خیال تھا کہ ریما ایک گرہستن ثابت ہوگی۔ لیکن وہ اس کے برعکس نکلی۔ ذہنی ہم آہنگی نہ تھی۔ اب وہ پچھتا رہا تھا۔ لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اب زندگی بہرحال گزارنی تھی۔ جو بھی تھی' اور جیسی بھی' پھر وہ بیڈ روم میں آیا۔ ریما کے گداز اور پُرکشش بدن کے نشیب وفراز اسے کسی زہریلی ناگن کی طرح ڈسنے لگے۔ اس کے جذبات میں ابال آ گیا۔ اس نے ٹی وی آف کر دیا' تو ریما کو چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح دیکھا۔ "یہ تم نے ٹی وی کیوں بند کر دیا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ یہ میرا پسندیدہ پروگرام ہے۔"

"لیکن تمہارے سر اور کمر میں درد تھا۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔ "تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ بدمزا کھانا گرم کر کے ہی رکھ دیتیں۔"

"میں تمہاری پتنی ہوں' نوکرانی نہیں۔" وہ بستر سے نکل کر پھنکاری۔ ٹی وی آن کرنے

کے لیے بڑھی تو رام داس نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

رام داس نے دانستہ گرم کھانے نہ ہونے کا ذکر کیا تھا' بدمزا بھی کہہ دیا۔ وہ اکثر کسی نہ کسی بہانے سے کھانا باہر ہی آ کر کھاتا تھا۔ پھوہڑ بیوی' اسے کسی بات کا سلیقہ اور ڈھنگ نہیں آتا تھا۔ ریما کو ٹی وی آف کرنے' بدمزا اور ٹھنڈا کھانا سن کر بھی غصہ آیا تھا۔

"میں کہتی ہوں میرا بازو چھوڑو۔" اس نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "تمہیں روشنی میں نیند نہیں آتی ہے نا۔ نشست گاہ میں چلے جاؤ۔ وہاں سو جاؤ۔"

"میں تمہارا پتی ہوں' اور تم میری پتنی۔" اس نے چشم زدن میں اسے بازوؤں کے حصار میں قید کر لیا۔ "میں اس وقت پولیس افسر نہیں' بلکہ ایک مرد ہوں۔ مجھے تم پر ایک پتنی ہونے کے ناتے ہر طرح کا ادھیکار ہے۔ کیا تم چاہتی ہو کہ میں غیر عورتوں کے ساتھ منہ کالا کروں؟ تم نے پھیروں کے درمیان کیا وچن دیا تھا۔ کیا کہا نہیں تھا' کہ سات وچن نبھاؤں گی۔"

وہ ریما کو گود میں اٹھا کر خیں خیں کرتی ہوئی ریما کو لے گیا' اور بستر پر پٹخ دیا۔



جب رام داس اور رنجیت اس کے ملازم رام دیال سے باتیں کر رہے تھے' سروپ کمار کی بیوی شانتی دروازے کی اوٹ میں کھڑی باتیں سن رہی تھی۔ شانتی کی صحت اب پھر سے بہتر اور قابلِ رشک ہو گئی تھی' بلکہ پہلے سے کہیں حسین اور جوان دکھائی دینے لگی تھی۔ اب بھی کوئی اس کی عمر کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ نوجوان دوشیزہ کی طرح بڑی بڑی خوب صورت سیاہ آنکھیں۔ چھوٹی سی سبک ناک' جو بہت ہی کم' بلکہ شاذ و نادر کسی عورت کی ہوتی تھی۔ اس کی زندگی میں جب سے وہ ناگ دیوتا آیا تھا' مردوں سے اس کی جو نفرت تھی بڑھ گئی تھی۔ گو دنیا والوں پر وہ یہ ظاہر کرتی تھی' کہ اسے اپنے پتی سے بڑی محبت ہے۔ لیکن درحقیقت اسے شدید نفرت تھی۔ جب بھی اس کا پتی اس کے پاس اپنے جذبات کی پیاس بجھانے آتا تھا' وہ اپنے آپ کو کسی سرد لاش کی طرح حوالے کر دیتی تھی۔ اس کا پتی جیسے گدھ تھا۔ اس کے پتی نے اس کے کانوں میں کبھی بھی محبت کا رس نہیں گھولا تھا۔

وہ ایک طرح سے گدھ تھا۔ اس پر اس طرح ٹوٹ پڑتا تھا' جیسے گدھ کسی انسانی لاش پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اس کے شوہر کے لطیف جذبات بالکل بھی نہ تھے۔ اس کے نزدیک عورت اور حیوان میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس کا نام کشور کمار تھا۔ لیکن اس نے اپنا نام سروپ کمار رکھ لیا تھا۔ کیوں اور کس لیے اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔ وہ سروپ کمار کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔ شانتی کی مجبوری یہ تھی' کہ وہ اپنے پتی کو چھوڑ نہیں سکتی' اور نہ ہی کنارہ کشی۔ پھر جب اس کی زندگی میں ناگ دیوتا آدمی بن کر آیا' اور تین دن تک رہا تھا۔ تب اس نے بظاہر ناگ دیوتا سے اس لیے خوف محسوس کیا تھا' کہ وہ ایک موذی جانور ہے۔ لیکن نشاط انگیز لمحات کے دوران وہ یہ بات بھول جاتی تھی' کہ یہ شخص ناگ دیوتا ہے۔

انوپ کمار کا یہی اصل باپ ہے۔ انوپ کمار کے جسم میں ایک موذی جانور کا خون ہے۔ اس لیے بھی وہ موذی بن گیا۔ خون پیتا اور چاٹتا ہے۔ پھر اجیت اس کی زندگی میں آیا۔ وہ اس کا

خون چوستا رہا۔ اجیت کے فریب میں آ کر اسے ہر طرح سے خوش کرتی رہی۔ ایک امید وار آرزو پوری کرنے کے لیے۔ شوہر سے شادی کے بعد جو نفرت تھی' وہ دوچند ہو گئی۔ اسے ساری دنیا کے مردوں سے ہی نہیں' اپنے بیٹے سے بھی سخت ترین نفرت تھی۔ اس لیے کہ وہ مرد تھا' اور ایک موذی جانور کا بیٹا۔

جب رام داس نے اس کے ملازم سے جیکٹ کے بارے میں سوال کیا تھا' تو وہ بری طرح چونکی تھی۔ جب اس کے ملازم نے جواب دیا کہ وہ جیکٹ مہاراشٹرا ویلفیئر سینٹر کو دے دی گئی تھی۔ جب کہ حقیقت یہ تھی کہ جس پر خون کے دھبے تھے' اس وقت مکان میں جو تہہ خانہ تھا' جس میں بوائلر روم تھا' اس میں پڑی تھی اور صرف جیکٹ ہی کیوں؟ اس کے ساتھ اس کے بیٹے کی پتلون اور جوتے بھی تھے۔ وہ بھی جیکٹ کی طرح خون آلود تھے۔ جب وہ دونوں سراغ رساں چلے گئے' تو وہ پریشانی کی حالت میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

جب اس کے پتی کا کار کے حادثے میں دیہانت ہوا تھا' اس کے چند ماہ بعد ہی اس کی زندگی الجھنوں اور پریشانیوں سے دوچار رہی تھی۔ اسے سب سے زیادہ صدمہ اور غصہ تو اس بات کا تھا' کہ اس کے پتی نے اپنی تمام دولت اور جائیداد کا وارث اپنے بیٹے انوپ کمار کو قرار دیا تھا' اور قانونی اعتراضات سے بچنے کے لیے اس نے بڑی ہوشیاری اور دوراندیشی سے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی' کہ وہ اپنی ماں کو جتنی بھی رقم کا مستحق سمجھتا رہے' دیتا رہے' اس طرح اس کے شوہر سروپ کمار نے اپنے غلط رویے اور ناروا بلکہ بے رحمانہ طرزِ عمل کا اس سے انتقام لیا تھا' جو برسوں کی گھریلو اور ازدواجی زندگی میں اس کے ساتھ کرتی رہی تھی۔ اس نے شانتی کے نام ایک خط بھی لکھا تھا۔ یہ خط نہیں بلکہ ایک خنجر تھا' جو اس کے سینے میں اتارا گیا تھا۔

شانتی!

تمہاری زندگی میں دو باتیں ایسی ہیں' جنہیں تم اہمیت دے رہی ہو۔ نمبر ایک' اپنے بیٹے پر مکمل اختیار اور دوسرے دولت۔ جب سے انوپ کمار پیدا ہوا ہے' تم نے لمبے بینک اکاؤنٹ کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ تم کبھی ایک ایسی پتنی نہیں بن سکیں' جس کے خواب ہر مرد دیکھتا ہے۔ اپنے آپ کو ایک سرد لاش کی طرح میرے حوالے کرتی رہیں۔ بیڈروم میں' سمندر کے کنارے اور تفریحی مقامات پر۔ تم نے مجھے دو ایک بار نہیں' متعدد بار میری بعض حرکات پر سختی سے ٹوکا۔ جب کہ بہت سارے مردوں کی ایسی خواہشیں بھی ہوتی ہے۔ عورت مرد کے لیے کھلونا ہوتی ہے۔ لیکن تم نے جی بھر کے کھیلنے نہیں دیا۔ تمہارے کارن میں دوسری لڑکیوں اور دوستوں کی بیویوں کو خوش کرتا رہا۔ ان پر پیسہ لٹاتا رہا۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا' کہ تمہیں بے رحمانہ لالچ ورثے میں ملا

ہے۔ چنانچہ میں نے بہت سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا ہے' کہ اپنی تمام جائیداد اور دولت اس امید میں' اس کے نام چھوڑ جاؤں کہ تم جو سلوک میرے ساتھ کرتی رہی ہو' وہ بھی اس طرح پیش آئے۔ ایسا کوئی قانونی نکتہ یا طریقہ نہیں' جس سے تم میری وصیت کو غلط قرار دے سکو۔ کیوں کہ میں نے یہ وصیت بڑے بڑے قانونی ماہرین سے مشورے کے بعد کی ہے۔ اگر کسی وجہ سے انوپ کمار مر جائے' تو تمام دولت اور جائیداد کینسر ری سرچ انسٹی ٹیوٹ کو مل جائے گی' اور تمہیں ایک لاکھ روپے سالانہ دیئے جاتے رہیں گے۔

اگر تم نے اپنے کسی آشنا سے شادی کر لی تو پھر تمہیں ایک دمڑی بھی نہیں ملے گی۔ مجھے اس بات کا اندازہ ہے کہ تم کسی نوجوان مرد کو اسیر اور دیوانہ بنا کر اس سے شادی کرو گی۔ تمہارے چاہنے والوں کی کمی نہیں تھی۔ تمہارے شاید بہت سارے آشنا ہوں گے۔ یہ شک اور الزام اس لیے ہے' کہ تم مجھ سے ہمیشہ بے رغبتی اور بے دلی سے اور کسی سرد لاش کی طرح پیش آتی رہی۔ تمہارے بیس بائیس برس کی عمر کے لڑکوں سے آشنائی رہی تھی۔ ایک عورت ایک وقت میں پوری خودسپردگی سے ایک مرد ہی کو خوش کر سکتی ہے۔ عنقریب' تمہیں اس بات کا علم ہو جائے گا' کہ جیسے ہی انوپ کمار کو معلوم ہو گا کہ...... اب وہ تمہارا دست نگر نہیں رہا' تو وہ اپنا اصل رنگ دکھائے گا' جیسا کہ تم نے مجھے دکھایا تھا۔ جس وقت تم میرا یہ خط پڑھو گی میں مر چکا ہوں گا' مگر انوپ کمار پوری توانائی سے زندہ رہے گا۔ احتیاط سے کام لینا شانتی دیوی نوجوان لڑکوں سے رنگ رلیاں نہیں مناتا۔

میں یہ بات جانتا ہوں کہ تم پچاس کیا' ستر برس کی عمر میں ایسی پرکشش' حسین اور جواں سال عورت دکھائی دو گی کہ مرد تمہارے دیوانے ہو جائیں۔ اسے ہوا بھی نہیں لگتا کہ تم مردوں کو اس طرح بدلتی رہتی ہو' جیسے گاڑیاں' دولت مند جس طرح نئے ماڈل کی گاڑیوں کے دیوانے ہوتے ہیں' تم بھی نوجوان لڑکوں کی شیدائی۔ وہ بڑا سخت مزاج' بانک ثابت ہو گا' اور یہ خیال میرے لیے اس لیے بھی بڑا تسکین بخش ہے' کہ ہمارے بیٹے پر مکمل اقتدار حاصل کرنے کی کوشش میں تم اتنی خود غرض رہی ہو کہ تمہیں یہ احساس بھی نہیں ہو سکا' کہ وہ دوسرے جوانوں سے یکسر مختلف ہے۔ بے حد پراسرار بھی۔

معلوم نہیں تم نے اس میں کبھی پراسراریت محسوس کی بھی یا نہیں۔ لیکن تم کو جب محسوس ہوتا' جب تمہیں نوجوان لڑکوں سے فرصت ملے۔ اس آنکھوں میں کسی ناگ کی سی چمک دیکھی۔ ایک خوف ناک سی چمک اور اس کی آنکھوں میں ہپناٹزم کی قوت بھی۔ میں نے ایک روز دیکھا کہ اس نے سولہ برس کی ایک لڑکی کو ویرانے میں چلنے کے لیے کہا۔ اس نے گھور کر دیکھا' تو وہ

خوف کی سی حالت میں اس کے ساتھ چل پڑی۔ پھر وہ جیسے سحر زدہ سی ہو گئی تھی۔ انوپ کمار کی اس نے ہر بات مانی۔ لباس کی قید سے آزاد ہو گئی۔ پھر اپنا سب کچھ سونپ دیا۔ جب وہ ہوش میں آئی' تو انوپ کمار کو دیکھ کر اس قدر دہشت زدہ ہو کر بھاگی' جیسے وہ کوئی ناگ ہو۔ وہ مجھے بھی اس وقت ایک ناگ کی طرح ہی لگا تھا۔ شاید اس شراب کا اثر ہو گا' جو اس نے جذبات کی رو میں بہنے سے پہلے پوری بوتل خالی کر دی تھی۔

وہ لڑکی بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔ میرا بیٹا اس حالت میں چھوڑ کر بڑھ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد میں جا کر اسے ہوش میں لایا۔ اس کے گھر پہنچایا تھا' میں نے لڑکی کی گردن پر ایک دھبا سا دیکھا اور ایک نشان بھی۔ جذبات کی شدت میں اس نے اس نوجوان لڑکی کی خوب صورت گردن کو کاٹ لیا تھا۔ لڑکی سے میں نے پوچھا کہ جس لڑکے نے تمہاری عزت تباہ کی' اس وقت تم نے مدد کے لیے چیخ کیوں نہیں ماری۔ عزت لٹانے کے بعد دہشت زدہ ہو کر کیوں بھاگیں۔ لڑکی نے بتایا کہ اس نے اپنی عقابی آنکھوں سے اسے مسحور کر لیا تھا۔ طوفان گزرنے کے بعد اسے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی ناگ اسے گھور رہا ہے۔ میں نے یہ بات تمہیں اس لیے بتائی ہے' کہ شاید اس کے شریر میں کوئی بدروح بس گئی ہے۔ وہ کیا ہے...... کیسا ہے......؟ اس حقیقت کا انکشاف تم پر اس وقت ہو گا' جب وہ میری دولت اور جائیداد کا وارث بن جائے گا۔

کشور کمار بھی' سروپ کمار بھی' جو تمہارا نہیں تھا۔

شانتی کو یہ خط اس کے پتی کے مرنے کے دو ماہ بعد وکیل نے دیا تھا' جو سربمہر لفافے میں تھا۔ جب اس نے یہ خط پڑھا' تو اس کے غصے اور صدمے سے برا حال ہونے کے بجائے وہ ہنستے ہنستے دہری ہو گئی کہ اس بوڑھے احمق پتی نے یہ کیا بکواس لکھی۔ اس کے پتی اور اس کی عمر کے درمیان تیس برس کا فرق تھا۔ اگر یہ بوڑھا پتی شادی کی پہلی رات پیار و محبت سے پیش آتا' اور اسے ایک عورت کہتا' تو وہ اپنی ساری محبت اس کی جھولی میں ڈال دیتی۔ شادی کی پہلی ہی رات اس کے شوہر نے اسے ایک نوجوان لڑکی' عورت اور پتنی نہیں سمجھا' بلکہ ایک طوائف۔

وہ اس طرح سے پیش آیا' جس طرح بازاری عورت سے عیاش مرد پیش آتا ہے۔ اگر وہ غریب باپ کی بیٹی نہ ہوتی' اور اس کی شادی بغیر جہیز کے نہ ہوئی ہوتی' تو اور اس کے باپ کو قرض اتارنے کے لیے رقم کی ضرورت نہ ہوتی' تو وہ اپنے پتی کے منہ پر تھوک کر اسی وقت حجلۂ عروسی سے نکل جاتی۔ اس نے ہر بات کو سہہ لیا۔ برداشت کیا۔

اس نے اپنے باپ کا نہ صرف سارا قرض اتار دیا بلکہ خوب نوازا تھا۔ وہ شوہر کی ہر خواہش کے آگے اس لیے بھی بے بس ہوتی رہی تھی' کہ اسے دو بہنوں کی شادی بھی کرنی تھی۔ اس نے

اپنے پتی کو گھر کی ملازمہ اور دوستوں کی بیویوں کے ساتھ غلاظت کے دلدل میں دیکھا تھا۔ اس نے انتقامی طور پر دو نوجوان لڑکوں سے دل بہلایا تھا۔ نرملا چودھری کو اس نے اپنے پتی کے بارے میں اعتماد لیا' تو نرملا چودھری نے اس سے کہا تھا' کہ کچھ مرد اس قبیح عادت کے شکار ہوتے ہیں۔ تم اس بات کی کوشش کرو کہ پتی کی دولت اور بیٹا قابو میں آجائے۔ وہ جانتی تھی' کہ انوپ کمار خودمختار ہے۔

اسے پھر ہنسی آگئی تھی' کیوں کہ انوپ کمار پوری طرح سے اس کے تابع فرمان ہے' اور ہمیشہ رہے گا۔ کیوں کہ وہ بیس برس سے زیادہ مدت سے اس کی سخت نگرانی کرتی رہی تھی۔ سخت اصولوں پر کاربند رہ کر اسے ڈسپلن کے ساتھ زندگی گزارنے کا سبق دیتی رہی تھی۔ اسے کبھی اسکول یا یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے جانے نہیں دیا تھا' کہیں وہ وہاں کے ماحول میں خراب ہوجائے' بگڑ جائے۔

اس نے سنا تھا۔ نرملا چودھری خود اسے بتاتی تھی' کہ اسکولوں' کالجوں اور یونیورسٹی کا اب وہ ماحول نہیں رہا' جو پہلے ہوا کرتا تھا۔ نہ صرف لڑکے بلکہ لڑکیاں بھی بگڑ رہی ہیں۔ ہائی اسکول اور کالجوں کی لڑکیاں اپنی عزت تباہ کررہی ہیں۔ لڑکے بھی غلط راہوں کے مسافر بن رہے ہیں۔ گھر پر ایک سے ایک ماہر استادوں کی خدمات حاصل کرکے انوپ کمار کو تعلیم سے آراستہ کرتی رہی تھی' اسے نظروں کے سامنے رکھتی تھی۔ اسے خود سے تفریحی مقامات یا فلمیں دکھانے لے جاتی تھی۔ ہوٹلوں میں بھی۔

جب انوپ کمار سولہ برس کی عمر کو پہنچا تھا' تب اسے مصوری کا شوق ہوا' لیکن وہ ایک برس تک جاری رہا۔ پھر آپ ہی آپ اس طرح سے سرد پڑ گیا' جیسے اسے سرے سے تھا ہی نہیں۔ اس نے گھر کی بالائی منزل پر اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے ایک بڑا سا اسٹوڈیو بھی بنا دیا تھا۔ انوپ کمار جو تصویریں بناتا تھا' وہ اس کی سمجھ سے بالاتر ہوتی تھی۔ اسے کبھی کوئی ایک تصویر بھی پسند نہیں آئی تھی۔ کیوں کہ انوپ جو تصویریں بناتا تھا' ان میں آسمان کا رنگ گہرا کالا' چاند گہرے سرخ رنگ کا' جیسے خون میں نہایا ہوا اور سمندر نارنجی رنگ کا ہوتا تھا۔ اس نے ایک بار بہت بڑے ماہر نفسیات کو بلاکر تصویریں دکھائی تھیں۔ اس نے یہ کہہ کر بھاری فیس ہضم کی تھی' کہ انوپ کمار بہت بڑا فن کار ہے۔ کسی دن وہ اپنی فنکاری سے دھوم مچادے گا۔ لیکن اس نے یہ بتانے سے گریز کیا تھا کہ اس نوجوان کا ذہن بہت ہی خطرناک اور سفاکانہ ہے۔

اور پھر اس کے پتی نے انوپ کمار کی اس حرکت کا ذکر کیا تھا' جس میں کسی طرح انوپ نے سولہ برس کی عمر میں ایک ہم عمر لڑکی کو بے عزت کیا تھا' اور اس کا خون پیا تھا۔ اس وقت شوہر

کے انکشاف سے چونکی نہیں تھی۔ لیکن اسے اس بات پر حیرت ہوئی تھی' اس کے شوہر نے کبھی اس سے بھولے سے اس واقعہ کا ذکر کیوں نہیں کیا تھا۔ انوپ کمار کی یہ حرکت فطری تھی۔ کیوں کہ اس کی رگوں میں ایک ناگ دیوتا کا خون تھا۔ وہ سو برس سے انسانی خون پی رہا تھا۔ اس خون کا اثر انوپ میں آنا فطری امر تھا۔

جب شانتی کو پتی کا لکھا یہ فقرہ یاد آگیا کہ انوپ عام آدمیوں کی طرح نہیں ہے' تو وہ ایک بار پھر ہنس پڑی تھی۔ اسے بھی اس بات سے اتفاق تھا' کہ انوپ دوسرے آدمیوں کی طرح نہیں ہے۔ اسے حیرت اس پر بھی تھی' کہ ایک ناگ کا بیٹا اس کی کوکھ سے آدمی کی صورت میں کیوں پیدا ہوا۔ پھر اسے یاد آگیا کہ اس ماہر نفسیات نے انوپ کی تعریف کی تھی' کہ وہ مستقبل کا مایہ ناز آرٹسٹ بنے گا۔ اس میں غیر معمولی صلاحیتیں موجود ہیں۔ ماتا بھی کتنی عجیب ہوتی ہے۔ ایک ناگ نما انسان کو جنم دینے کے باوجود وہ بیٹے سے محبت کرتی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس نے نو ماہ کوکھ میں پرورش کی تھی' اور بوجھ اٹھائے پھرتی رہی تھی۔ وہ ایک بڑا آرٹسٹ ہے' اور مزید اس کی کوکھ سے جنم لیا ہوا ہے۔ وہ کیسا آرٹسٹ ہے' اسے ابھی زیادہ علم نہیں تھا۔ پھر اس نے اس مسئلے کو ہمیشہ کے لیے طے کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ بیٹے کے اسٹوڈیو میں گئی۔ انوپ وہاں نہیں تھا۔ البتہ اس کے سامنے ایزیل پر ایک بڑا سا کینوس رکھا تھا۔ یہ ایک عورت کی نصف مکمل تصویر تھی' جو کہ نارنجی رنگ کی ریت پر لیٹی ہوئی تھی' اس کی ٹانگیں اور بازو پھیلے ہوئے تھے' اور نچلے دھڑ سے خون جاری تھا۔ حیرت زدہ خوف اور سکتے کی سی حالت میں شانتی اس تصویر کو دیکھتی رہی تھی۔ تجریدی آرٹ کے بارے میں جانتی تھی۔ لیکن یہ ماڈرن آرٹ تھا' کیسا ماڈرن آرٹ؟ مگر یہ تو شقی القلبی کا اظہار تھا۔ اس کے چہرے پر سختی کا تاثر ابھرا۔ انوپ کو اس قسم کی تصویر بنانے سے روکنا ضروری تھا۔ مگر وہ تھا کہاں۔

پھر شانتی کو وہ واقعہ یاد آگیا۔ جب اس کی ملازمہ سیڑھیوں سے پھسل کر زینے پر گر کر بے ہوش ہوگئی۔ اس کے زخم سے خون بہنے لگا' تو انوپ نے نہ صرف خون پی لیا تھا' بلکہ خون چاٹا بھی تھا۔ وہ متلاشی نظروں سے انوپ کو دیکھنے لگی۔

اسے بڑے وسیع ہال میں رام دیال کھڑا نظر آیا۔ وہ دو ایک برس سے نہیں' بلکہ پورے پچیس برس سے اس کی ملازمت میں تھا۔ اس کا پتی رام دیال کو سخت ناپسند کرتا تھا' اور اسے ملازمت سے نکال دینا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے پتی کی بات ماننے سے صاف انکار کردیا تھا' اور اسے سمجھایا تھا کہ آج کل ایسے بھروسے کے نوکر نہیں ملتے۔ وہ ایک بااعتماد ہے۔ اس کا انوپ کے ساتھ بھی بڑا اچھا سلوک تھا۔ اس کی ہر خدمت بجالاتا' اور ہر بات کا خیال رکھتا تھا۔ اس نے

کبھی انوپ کمار کو شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ اس کے پتی نے رام داس کو اس لیے بھی قبول کر لیا تھا' کہ وہ کبھی اس کی ہر قسم کی سرگرمیوں سے شانتی کو آگاہ نہیں کرتا تھا' بلکہ پردہ داری کرتا تھا۔ سروپ کمار کوٹھی کے ایک حصے میں رنگ رلیاں مناتا تھا۔ رام دیال نے بڑی وفاداری اور خلوص سے اس کی خدمت کی تھی۔ گزرتے برسوں کے درمیان شانتی اسے اپنا راز دار بناتی چلی گئی۔ لیکن اس نے کبھی بھولے سے رام دیال کو ناگ دیوتا اور اجیت کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اس سے وہ یہ مشورہ کرتی تھی' کہ شوہر کو کس طرح قابو میں رکھے' اور انوپ پر کس طرح سے اپنا کنٹرول کرے۔ رام دیال اسے جو مشورے دیتا تھا' وہ اسے پسند آتے تھے۔ وہ دخل اندازی نہیں کرتا تھا۔ وہ اس وقت اور اس صورت میں مشورے دیتا تھا' جب شانتی کو ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ نرملا چودھری چوں کہ بہت مصروف رہتی تھی' اس لیے وہ رام دیال سے مشورے کرتی رہتی تھی۔ بعد میں شانتی کو معلوم ہوا کہ رام دیال کی سب سے بڑی کمزوری شراب ہے۔ وہ عورت سے زیادہ اس کا رسیا ہے' وہ جانتی تھی کہ اپنی اس کمزوری کی وجہ سے رام دیال کی بقا کے لیے لازم تھا کہ اس کا ملازم رہے۔ اس نے گاہے بگاہے وہسکی کی ان بوتلوں کے بارے میں' جن میں ایک پیگ کی وہسکی رہ جاتی تھی' ان کے غائب ہونے کے بارے میں پوچھا۔ باز پرس نہیں کی۔ اسے بہت دن پہلے اس بات کا احساس ہو گیا تھا' کہ رام دیال کو اس طرح اس کی ضرورت ہے' جس طرح اسے رام دیال کی۔

"کیا تم نے انوپ کو دیکھا ہے' وہ کہاں ہے؟" شانتی نے پوچھا۔ "اسٹوڈیو میں موجود نہیں ہے۔ کیا وہ تمہیں بتا کر گیا ہے؟"

"وہ آپ کے پتی کے اسٹڈی روم میں ہے مالکن!" رام دیال نے جواب دیا' تو وہ بری طرح چونک گئی۔

"اسٹڈی روم میں؟" شانتی کے چہرے پر گہرا استعجاب اور ناگواری سی چھا گئی۔ "وہ وہاں کیا کر رہا ہے؟"

"مجھے کیا معلوم مالکن!" رام دیال نے جواب دیا۔ "میں ان سے کیسے پوچھ سکتا ہوں؟ میں اپنی اوقات سے آگاہ ہوں۔"

شانتی چہرے پر برہمی کے آثار لیے طویل راہ داری طے کر کے اسٹڈی روم میں پہنچی' پھر اس نے دروازے کے لٹو تھام کر اسے گھما کر دروازہ کھولا۔ پھر وہ وہیں رک گئی۔ دہلیز پار نہیں کی۔ یہ وسیع و عریض نہایت آراستہ کمرا اس کے پتی کی پناہ گاہ تھی۔ وہ اپنے کاروباری معاملات کو بڑے سکون و اطمینان اور یک سوئی سے نمٹاتا تھا۔ زمین و جائیداد کی خرید و فروخت

کرتا تھا' اور بڑی کامیابی سے اپنے حصص کے کاروبار کو کنٹرول کرتا تھا۔ اس کا فون پر ہر وقت کسی نہ کسی سے رابطہ رہتا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں بستر بھی تھا۔ دوسری طرف اس کا عشرت کدہ بھی ہوتا تھا۔ وہ یہاں ساری رات بھی گزار دیتا تھا۔

"یہ تم اپنے پتا جی کے اسٹڈی روم میں کیا کر رہے ہو؟" شانتی نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔ اس کی آواز کمرے میں گونج اٹھی۔ انوپ نے اس کی بات کا فوری جواب نہیں دیا۔ اپنی لمبی فنکارانہ انگلیوں میں پنسل دبائے چند لمحے کچھ لکھتا رہا۔ پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ پھر اس نے جھکا ہوا سر اٹھا کر مغرورانہ انداز سے ماں کی طرف دیکھا۔

"میرے پتا جی سورگ باشی ہو گئے ہیں۔ اب یہ میرا اسٹڈی روم ہے۔ بیٹا ہونے کے ناتے یہ میری ملکیت بن چکا ہے۔"

اس کی آواز اور لہجہ ایسا تھا' جیسے کوئی درندہ غرا رہا ہے۔ اس نے ماں کے تحکمانہ لہجے کا کوئی اثر نہیں لیا تھا۔

شانتی نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں خنجر کی سی نوک اترتی ہوئی محسوس کی۔ اس کے بیٹے نے کبھی اس لہجے اور انداز میں اس سے بات نہیں کی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ فرماں بردار بیٹا تڑ سے اس کے پتھر دے مارے گا۔

"اور تم اپنی دانست میں یہ کیا کر رہے ہو؟" دوسرے لمحے شانتی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ بپھر کر بولی۔ "سنو انوپ! تمہیں سب کچھ مجھ پر چھوڑ دینا چاہیے' اس لیے کہ پتی کی موت کے بعد پتنی کا حق ہوتا ہے کہ تمام معاملات کو دیکھے۔ تم ابھی بچے ہو' اپنے باپ کے کاروباری معاملات کو نہیں سمجھ سکتے' میں سمجھتی ہوں۔ اس لیے کہ میں نے کچھ عرصہ دفتر میں کاروباری معاملات کو سمجھا اور ڈیل کیا ہے۔ اگر تمہارے باپ نے احمقانہ طور پر اپنی دولت اور جائیداد تمہارے نام لکھ دی ہے' جب تک میں تمہاری رہنمائی نہیں کروں گی' اس وقت تک اسے سنبھال نہیں پاؤ گے۔ اس کاروبار' دولت اور جائیداد کے اُمور کو سنبھالنے کے لیے میری مدد اور تعاون بھی درکار ہو گا۔ کیوں کہ نظم و نسق سنبھالنے کے لیے صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر تمہیں اس سے دلچسپی ہے تو ہم مل کر کام کر سکتے ہیں۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہ بار مجھے اٹھانے دو۔ تم اپنی توجہ مصوری پر مرکوز رکھو۔ کاروبار' دولت اور جائیداد کے تمام اُمور میرے حوالے کر دو۔ اس لیے کہ صرف میں اس کی اہل ہوں۔"

"میں کوئی کام آپ کے ذمے نہیں کروں گا۔" انوپ کمار نے بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "اس لیے کہ اب تمہاری عمر ان کاموں کے لئے موزوں اور مناسب نہیں رہی

ہے۔ تمہارا دور گزر چکا ہے۔ اب میری باری ہے۔ میں تم پر یہ بات واضح کردوں کہ آج کے دن کے لیے میں بہت صبر کر چکا ہوں۔ اب میں مزید صبر نہیں کرسکتا۔ لہٰذا تم مجھ پر حاوی ہونے کی حماقت نہ کرو۔"

شانتی کو جیسے بجلی کا شدید جھٹکا لگا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ وہ ایک دم سے ہذیانی لہجے میں چیختی ہوئی بولی۔

"تمہیں اس طرح سے مجھ سے بات کرنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ کیا اس طرح سے بات کی جاتی ہے؟ تم کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو۔ انوپ! تم فوراً اپنے اسٹوڈیو میں جاؤ' ایک بات یاد رکھو۔ میں تمہاری ماں ہوں' نوکرانی نہیں' جو حکم چلاؤ۔"

انوپ کمار نے اس کی بات بڑے تحمل سے سنی تھی۔ شانتی اس پر برس کر خاموش تو ہوگئی' لیکن اس کے سینے میں سانسوں کا تلاطم ہچکولے کھانے لگا تھا۔ انوپ نے بڑے اطمینان سے پنسل ایک طرف رکھ دی۔ پھر میز پر دونوں ہاتھ رکھے اور قدرے اس کی طرف جھکا۔ اس کی آنکھیں کسی سانپ کی طرح چمکنے لگیں' اور ان میں کچھ ایسی پراسراریت اور وحشیانہ پن کا تاثر تھا' کہ وہ گھبرا کے ایک قدم پیچھے ہٹی تو دہشت سے اس کا چہرہ سفید ہوگیا۔ اس کا بیٹا اس وقت بالکل اس کے ماموں کی طرح نظر آیا تھا۔ جسے مرے ہوئے چالیس برس کا عرصہ ہو چکا تھا۔ وہ اسے بھولی نہیں تھی' کبھی بھول نہیں سکتی تھی۔ کیوں کہ ایسی تلخ' بھیانک اور گھناؤنی اور قبیح یاد وابستہ تھی' کہ جب وہ اسے یاد آجاتا تھا' تو اس کا جسم لرز کر رہ جاتا تھا۔ اس کی آتما کانپ جاتی تھی۔

انوپ کی طرف دیکھتے ہوئے ایک دھچکا سا لگا تھا۔ جب وہ واقعہ اس کے ساتھ پیش آیا تھا' وہ دس برس کی تھی۔ سندر لال نے جو اس کی ماں کا رشتے کا بھائی تھا۔ اس نے اس کی عزت پامال کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت اپنے بیٹے کو دہشت زدہ نظروں سے گھورتے ہوئے شانتی کو اس میں اور اپنے ماموں کی شباہت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوا۔ مبہم سے انداز میں وہ واقعہ جو پریشان کن تھا' آج یاد آ گیا تھا۔ اس کے والدین کسی تقریب میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ اس سے کہہ گئے تھے' کہ وہ گھبرائے نہیں' سندر لال اس کا خیال رکھے گا' اور اسے کھانے کے لیے باہر لے جائے گا۔ یہ بات سن کر وہ بہت خوش ہوگئی تھی۔ کیوں کہ ماموں بہت دلچسپ آدمی تھا' خوش مزاج بھی تھا۔ اس سے بہت چھیڑ چھاڑ کرتا تھا۔ گدگدیاں بھی کرتا تھا۔ گود میں اٹھا کر جھولے میں بھی بٹھا دیتا تھا۔ اور پھر اس کے رخساروں کو چوم لیتا تھا۔ وہ اس لیے تعرض نہیں کرتی تھی کہ وہ ماموں تھا۔ پھر اسے اس وقت پراگندہ خیالات کا کوئی احساس نہیں تھا۔ جب کہ دس برس کی عمر میں اس کی اٹھان کسی سیانی لڑکی کی طرح تھی۔ وہ چودہ برس کی دکھائی دیتی

تھی۔ سندر لال کا جسم چھریرا' قد لمبا اور بال گھنے بھورے تھے۔ وہ بالکل ایسا ہی لگتا تھا' جیسے اس وقت انوپ لگ رہا تھا۔ اسے بھی مصوری کا شوق تھا۔ اس کے دوست اسے خوش باش کہتے تھے' لیکن یہ بات غلط تھی۔ اس کے خدوخال میں لڑکیوں کے لیے بڑی کشش تھی۔ وہ دس برس کی تھی' لیکن وہ اسے ایک فلمی ہیرو کی طرح رومانٹک خیال کرتی تھی۔ وہ تینوں بہنوں میں سے اسے زیادہ پسند کرتا تھا۔ وہ دونوں اس سے بہت چھوٹی تھیں' اس کے والدین دونوں بہنوں کو لے گئے تھے' اسے کسی وجہ سے چھوڑ گئے تھے۔

ماموں سندر لال نے اس سے پوچھا تھا' کہ وہ لنچ کے لیے کہاں جانا پسند کرے گی۔ چھوٹی عمر ہونے کے باوجود شانتی کا ذوق نوجوان لڑکیوں جیسا تھا۔ وہ لباس بھی ایسا پہنتی تھی' کہ وہ نوجوان اور بڑی پُرکشش دکھائی دیتی تھی۔ سندر لال کی جیب ہر وقت گرم رہتی تھی۔ شانتی کو جتنے مہنگے مہنگے اور اعلیٰ قسم کے ریسٹورنٹ کے نام یاد تھے' اس نے گنوا دیئے۔ سندر لال کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر ابھر آیا' اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھر آئی۔ اس نے کہا۔

"سنو بے بی! جو لڑکیاں کسی مہنگے ترین ہوٹل میں پُرتکلف کھانے کھانے کی خواہش رکھتی ہیں' انہیں کھلانے والے کا خیال کرنا چاہیے؟"

"کیسا خیال......؟" اس نے معصومانہ لہجے میں پوچھا تھا۔ "میں آپ کو اس کا بدل کیا دے سکتی ہوں۔ میرے پاکٹ میں صرف دس روپے ہیں۔"

"تمہارے پاس دس روپے سے بھی زیادہ دولت ہے' وہ تو خرچ کرسکتی ہو۔ بڑی فیاضی سے۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

سندر لال نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا' اس پر وہ چونک پڑی تھی۔ اس لمحے اس نے سندر لال کو اجنبی سا پایا۔ پھر سندر لال نے اسے دبوچ لیا تھا۔ اس روز جو کچھ ہوا تھا' وہ یاد آنے پر ہولناک خواب بن کر ڈستا تھا۔ وہ ایک مضبوط اور صحت مند لڑکی تھی۔ اس نے سندر لال کا منہ نوچ لیا تھا۔ اس کی چیخیں سن کر پڑوسی گھر میں گھس آئے تھے۔ ایک پڑوسی تو ریٹائر انسپکٹر تھے۔ بڑی مشکل سے سندر لال کو اس سے الگ کر کے گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے تھے۔ اس نے فوراً ہی بیڈ روم کا دروازہ بند کرلیا تھا۔ پھر بعد میں اسے معلوم ہوا کہ سندر لال کو پاگل خانہ میں داخل کردیا گیا ہے۔ پھر سندر لال نے تین مہینے کے بعد خودکشی کر لی۔ اس کے والدین نے کبھی اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔

اور اب یہاں اس کا بیٹا بالکل اس طرح کے تاثرات چہرے پر لیے' اسے گھورتے ہوئے سندر لال کا عکس بنا بیٹھا تھا' پھر اسے یاد آیا کہ اس کے چچی نے خط میں کیا لکھا تھا۔ تمہیں یہ

احساس بھی نہیں ہو سکا کہ وہ دوسرے آدمیوں سے یکسر مختلف ہے۔ اس حقیقت کا انکشاف تم پر اس وقت ہوگا' جب وہ میری دولت اور جائیداد کا مالک بن جائے گا۔

اس وقت اپنے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے انوپ پر اس کے اقتدار کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ اس کے لئے اجنبی بن گیا ہے۔ اجنبی اور پاگل جیسے سندر لال تھا۔

''لو! اسے غور سے پڑھو۔'' انوپ نے ایک کاغذ اٹھا کر شانتی کی طرف بڑھا دیا۔ ''فیصلہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے۔ میں تمہیں کسی فیصلے کے لیے مجبور کروں گا' نہ جبر و زیادتی' بس اب جاؤ! اسے تحمل اور ٹھنڈے دل سے پڑھو۔''

کانپتے ہاتھوں سے شانتی نے کاغذ کو تھام لیا۔ پھر دھڑکتے دل اور ڈگمگاتے قدموں سے وہ لاؤنج کی طرف چل دی۔

رام دیال سفید چہرہ لیے اسٹڈی روم سے باہر دروازے سے کان لگائے خاموشی سے اور سانس روکے سب کچھ سنتا رہا تھا۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ دنیا نشیب و فراز سے بھری ہوئی ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں اچانک اور غیر متوقع واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ دولت جتنی اچھی ہوتی ہے' اتنی ہی خراب بھی۔ دولت کے حصول کے لیے دنیا میں کیا کیا نہیں ہوتا ہے۔ بھائی' بھائی کو' بیٹا باپ کو' باپ بیٹے کو راستے سے ہٹا دیتا ہے۔ اگر انوپ اپنی ماں کو دولت سے محروم کرنا چاہتا ہے' تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ اور پھر عورتیں جو جسم بیچتی ہیں' وہ صرف مجبوری کے تحت ہی نہیں' بلکہ دولت کے لیے۔ یہ فلمی اداکارائیں جن کے پاس دولت کی کمی نہیں ہوتی' وہ بھی تو دولت کے حصول کے لیے اپنا تن میلا کرتی ہیں۔

اے بھگوان! تو نے یہ دولت کیوں پیدا کی؟

پھر اس نے خیالات کی دنیا سے نکل کر شانتی کی طرف دیکھا۔ وہ اسے لاؤنج کی طرف جاتی دکھائی دی۔ اس عورت کی طرح' جو اپنا سب کچھ کھو کر ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح لٹی پٹی ہوتی ہے۔ سب کچھ کھو دینے کا احساس اسے گہرے صدمے سے دوچار کر دیتا تھا۔ شانتی کی تمکنت اور وقار سب ختم ہو گیا تھا۔ ایک مرجھایا ہوا پھول لگ رہی تھی۔ اپنی عمر سے کچھ بڑی دکھائی دے رہی تھی۔

بوڑھے رام دیال نے اسے اس وقت روکنا' اور پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ کیوں کہ اس نے سب کچھ سن لیا تھا' اور اسے اندازہ ہو گیا تھا' کہ اس کی مالکن پر کیسی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ یہ صدمہ جان لیوا بن گیا۔ اس لیے وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس نے وہسکی کی بوتل الماری سے نکالی۔ اسے نصف گلاس تک بھرا۔ پھر گلاس چڑھایا۔ پھر رومال نکال کر چہرے کا پسینہ

خشک کیا۔ اپنا لباس درست کیا۔ اور کمرے سے نکل کر لاؤنج کی طرف بڑھا۔ پھر وہ دروازے کے پاس رک گیا۔ شانتی اس وقت شاید اسے بلانے کے لیے کمرے سے نکلی۔ اسے دیکھ کر قریب آنے کا اشارہ کیا۔ پھر دونوں کمرے میں آ گئے تو رام دیال نے دروازہ بند کیا۔

''یہ دیکھو۔'' شانتی نے اس کی طرف وہ کاغذ بڑھایا' جو انوپ نے اسے دیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔ ''اسے غور سے پڑھو۔''

رام دیال نے انجان بن کر وہ کاغذ شانتی کے ہاتھ سے لے لیا۔ شانتی نے اسے دیکھا نہیں تھا' جب وہ اسٹڈی روم کے دروازے کے باہر کھڑا تھا۔

رام دیال کاغذ پر لکھی ہوئی عبارت کو پڑھنے لگا۔ اس پر جو ہدایات لکھی ہوئی تھیں' وہ اس مکرجی کا تیار کردہ ڈرافٹ تھا۔ رام دیال اس وکیل سے واقف تھا۔ وہ اس کے مالک کا وکیل اور قانونی مشیر بھی تھا۔ اس کاغذ میں لکھا ہوا تھا کہ شانتی کو اپنی مرضی کے مطابق انتخاب کا حق حاصل ہے۔ اس ضمن میں اس پر نہ تو جبر کیا جا سکتا ہے' اور نہ ہی مرضی مسلط کی جا سکتی ہے۔ وہ اپنے بیٹے کے نئے مکان میں اس کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ اسے گھر چلانے کی پوری ذمے داری سنبھالنی ہو گی' اور اس کی خدمات کے سلسلے میں اسے سالانہ پانچ لاکھ روپے دیئے جائیں گے' اور یہ انتظام اسے پسند نہ ہو تو پھر وہ جہاں چاہے' جہاں اس کا دل کرے رہ سکتی ہے۔ اس صورت میں اسے صرف پچاس ہزار روپے سالانہ ملیں گے۔ یہ رقم اس کی زندگی تک ملے گی۔ موجودہ مکان فروخت کر دیا جائے گا۔ دوسرے جو ملازم ہیں' انہیں فارغ کر دیا جائے گا۔ البتہ رام دیال چاہے تو رہ سکتا ہے۔ وہ بدستور خانساماں کی حیثیت سے کام کرے گا' اور اس کی مدد کے لیے صرف ایک ملازمہ رکھنے کی اجازت ہو گی۔ یہ ملازمہ انوپ کمار فراہم کرے گا۔ اس کی تنخواہ انوپ کمار دے گا۔ اگر اسے یہ شرائط اور ہدایات قبول نہ ہوں' تو وہ خود کو برطرف سمجھے۔ رام دیال کی تنخواہ میں ہزار روپے سالانہ اضافہ کیا جائے گا۔

''ایسا لگتا ہے کہ میرے بیٹے کا دماغ چل گیا ہے۔'' وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔ ''اب تمہی بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ میں کیا کر سکتی ہوں۔''

اس لمحے اسے اپنی آئندہ زندگی کا خیال آیا' اور وہ خود غرض سی بن گئی۔ وہ یہاں پچیس برس سے ایک طرح سے خواب ناک سی زندگی گزار رہا تھا۔ یہاں اس کے ہر طرح سے مزے تھے۔ اس کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں تھا۔ ایک تو اسے بڑھیا قسم کی وہسکی مفت میں ملتی چلی آ رہی تھی۔ دوسری بات یہ تھی' کہ وہ کئی نوجوان' کنواری' شادی شدہ اور بے حد پرکشش بچوں کی ماؤں ملازماؤں سے جی بہلاتا آ رہا تھا۔ ان کی کمزوری اور مجبوری غربت ہوتی تھی۔ وہ انہیں ایک

ناگ کی طرح ڈستا تھا۔ جو ملازمہ اس کی بات نہیں مانتی' تو وہ کسی نہ کسی بہانے سے انہیں برطرف کر دیتا تھا۔ کیوں کہ تمام ملازمائیں اس کے ماتحت ہوتی تھیں۔ مالکن نے اسے ہر طرح کا پورا پورا اختیار دے رکھا تھا۔ اس لیے ان پر صرف اس کی چلتی تھی۔ مفت کی تفریح ہو جاتی تھی' اور پھر اس کی تنخواہ میں ایک ہزار روپے سالانہ' ایک اضافی رقم تھی۔ مالکن کبھی کبھی وہسکی پیتی تھی۔ جب تک مالک زندہ تھا' وہ اس کی وہسکی پر ہاتھ صاف کر دیتا تھا۔ مالکن کبھی کبھی ازراہِ عنایت اسے وہسکی کی بوتل دے دیا کرتی تھی۔ لیکن وہ سب سے زیادہ خوف زدہ اس بات سے تھا کہ اگر مالکن نے بیٹے کی ان شرائط اور ہدایات کو مسترد کر دیا' تو وہ بیکار ہو جائے گا۔ بیکاری کا عذاب اسے نگل لے گا۔

"مالکن! دور اندیشی اور عقل مندی کا تقاضا یہ ہے' کہ حقیقت پسندانہ فیصلہ کیا جائے۔" اس بوڑھے رام دیال نے کہا۔ "جذبات کی رو اور انا پسندی سے جو بھی فیصلہ کیا جاتا ہے' اس پر پچھتانا پڑتا ہے۔ میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ آنکھیں بند کر کے ان شرائط کو قبول کر لیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا' کہ مجھے بہت پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا' کہ چھوٹے سرکار بہت پُراسرار ہوتے جا رہے ہیں' اور وہ نارمل نہیں ہیں۔ میرا کہنا ہے کہ ہم انتظار کریں' اور بہتری کی توقع رکھیں۔ یہ دیکھیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ عجلت بازی سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ مجھے جو کہنا تھا وہ میں نے کہہ دیا۔ آگے آپ کی مرضی۔"

وہ اپنے بچے کی نامناسب حرکتوں پر بھی کبھی اتنا پھوٹ پھوٹ کر نہیں روئی تھی' جتنا اس وقت رو پڑی تھی۔

ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی' وہ سات ماہ قبل کی تھی۔ ان مہینوں کے دوران وہ بڑا مکان فروخت کر دیا تھا۔ انوپ کمار' شانتی' رام دیال اور ایک سیاہ فام قسم کی مرہٹہ جواں سال عورت' جس کا نام روما تھا' باندرہ کے ایک ولا میں منتقل ہو گئے تھے۔ جو اس شہر کے سب سے بڑے اسٹیٹ ایجنٹ پرکاش آنند کی معرفت ملا تھا۔ یہ ایک فلم ساز نے اسے خصوصی طور پر بنایا تھا۔ فلم ساز یہ ولا فروخت کر کے دہلی چلا گیا تھا' تاکہ وہاں کوئی ٹی وی چینل کھول سکے۔ شانتی نے جب اس ولا کو دیکھا' تو وہ اس کی خوب صورتی پر عش عش کر اٹھی تھی۔ وہ تصور سے کہیں خوب صورت تھا۔ گراؤنڈ فلور پر ایک بیڈ روم اور ایک نشست گاہ تھی' جو اس کے پاس تھی۔ گراؤنڈ فلور پر ہی عقبی حصے میں۔ ایک بیڈ روم جس میں بیٹھنے کا حصہ بھی شامل تھا' وہ اس نے رام دیال کو دے دیا تھا۔ باورچی خانے کے پاس ایک چھوٹا سا سائیڈ روم تھا' اس ولا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ اس کے حصے کی بھی پوری کی پوری بالائی منزل انوپ کمار کے قبضے میں تھی' جس میں ایک

بڑا بیڈ روم' ایک بڑا رہائشی کمرا تھا' اور اس کے خیال میں جو بڑا سا کمرا تھا' شاید انوپ نے اسے اسٹوڈیو بنا رکھا ہو۔ ویسے شانتی کا خیال یہ تھا کہ باپ کی موت کے بعد اس ولا میں آنے کے بعد انوپ نے مصوری کا مشغلہ بند کر دیا ہے۔ یہ بات اس کے علم میں نہیں تھی' کہ انوپ کیسا آرٹسٹ ہے۔ زینے کے آخر میں لکڑی کا ایک بے حد موٹا دروازہ تھا۔ جو انوپ کمار کے رہائشی حصے میں لے جاتا تھا۔ اس کی چابی صرف روما کے پاس ہوتی تھی۔ اس حصے میں جو گراؤنڈ فلور تھا' اس میں روما کی رہائش تھی۔ ایک کچن' ڈائننگ ہال' ڈرائنگ روم اور دو بیڈ روم تھے' جس میں سے ایک بیڈ روم روما کو ملا ہوا تھا۔ روما کو بھی بالائی منزل پر جانے کی اجازت نہیں تھی' یہ بات شانتی کے علم میں نہیں تھی۔ وہ یہ سمجھتی تھی کہ انوپ کمار ہفتہ دس دن میں بالائی منزل کی صفائی روما سے کرواتا ہے۔ اس حصے کی ہر بات آہنی پردے کے پیچھے تھی۔

شانتی اور رام دیال نے بھی یہ بات محسوس کی تھی' کہ وہ سیاہ رنگ کی ہونے کے باوجود بے حد سیکسی ہے۔ وہ شاید بہت اونچا سنتی تھی۔ لیکن وہ بہری نہیں تھی۔ لیکن شانتی کے لیے اس کے بہرا ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس لیے وہ ان دونوں سے بات نہیں کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ انوپ نے روما کو صرف اس خامی کی وجہ سے نہیں' بلکہ سیکسی ہونے کی بنا پر بھی ملازم رکھا ہے۔ شاید اس کی داشتہ ہو' وہ شعلۂ مجسم ہے۔ اس کا قرب مرد کو جھلسا دینے والا ہے۔ لیکن اس میں بہت سی خوبیاں موجود ہیں۔

صرف جسمانی یا جنسی خوبیاں نہیں' وہ اپنا کام بہت اچھا انجام دیتی تھی۔ کھانا بہترین اور ذائقہ دار پکاتی تھی۔ اپنے خالی وقت میں ٹی وی دیکھتی ہے۔ صرف اس وقت باہر جاتی ہے جب اسے کچھ خریدنا ہوتا ہے۔ ہفتہ میں صرف ایک دفعہ اسے سہ پہر کے وقت رات تک چھٹی ملتی اپنے گھر جانے کے لیے۔ وہ ان دونوں سے بات کرنا بالکل پسند نہیں کرتی تھی۔ وہ ایک روبوٹ کی طرح تھی' جسے انوپ ریموٹ سے کنٹرول کرتا ہو۔ رام دیال نے شانتی سے کہہ دیا تھا' کہ وہ روما سے بات کرنے کی کوشش نہ کرے۔

انوپ کی زندگی شانتی کو بے حد پُراسراری دکھائی دیتی تھی۔ اس حصے میں جو کچھ ہوتا تھا' وہ اس بات کو نہیں جانتی تھی۔ اسے گاہے گاہے بیٹے کی جھلک نظر آتی تھی۔ گزشتہ مہینوں میں دونوں نے ایک دوسرے سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ رام دیال کو ہدایت کی گئی تھی' کہ روما جس روز چھٹی کرتی ہے وہ انوپ کا کھانا ایک ٹرے میں رکھ کر لائے' اور دروازے پر دستک دے اور ٹرے میز پر رکھ کر چلا جائے۔ انوپ گھر میں کھانا بہت کم کھاتا تھا۔ لنچ میں عموماً مچھلی یا آملیٹ پر مشتمل ہوتا تھا' اور رات کے کھانے میں زیادہ تر فش برگر یا چکن بروسٹ۔ کبھی کبھی رات کے یا دن

ڈوبتے ہی اپنے اسٹوڈیو سے نکلتا اور اپنی مرسڈیز میں بیٹھ کر کہیں چلا جاتا۔ شانتی کا قیاس تھا کہ وہ تصویر نہیں بناتا ہے۔ رام دیال نے ایک روز روما سے اشاروں میں دریافت کیا تھا' کہ کیا اوپر اسٹوڈیو ہے؟ مالک تصویریں بناتا ہے؟ روما نے اشاروں میں ہی اسے بتایا تھا کہ اسے کچھ خبر نہیں۔ کیوں کہ اسے اوپر جانے کی اجازت نہیں ہے' مالک بالائی منزل مقفل رکھتا ہے۔ شانتی کا اندازہ تھا کہ وہ پرکاش آنند کے ہاں جاتا ہے' رات واپس آتا ہے' تو روما کے ساتھ رات گزارتا ہے' چوں کہ دن بھر کی مصروفیت کے باعث تھکا ہوا ہوتا ہے' سو جاتا ہے۔

شانتی کو یہ حقیقت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہا تھا' کہ اب اسے اپنے بیٹے پر کوئی اختیار نہیں رہا ہے۔ لیکن اسے سالانہ پانچ لاکھ روپے کی آمدنی تو حاصل تھی۔ لیکن ایک اور بات جو اس نے رام دیال کو نہیں بتائی تھی' کہ اس کا بیٹا انسانی لہو کا پیاسا ہے' شہر میں جتنی لڑکیوں کے قتل ہوئے۔ ان میں جن لڑکیوں کی لاشیں ملیں' اور ان میں لہو کی ایک بوند بھی جو نہیں تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں انوپ نے قتل کیا اور ان کا خون پی گیا۔ یہ ناگ دیوتا کا بیٹا جو سو برس سے انسانی لہو پیتا آ رہا تھا۔

شانتی نے ایک طرح سے اپنے آپ کو شوہر کی زندگی میں مصروف رکھا تھا۔ اس نے ہمیشہ ایک سرگرم معاشرتی زندگی بسر کی تھی۔ وہ ایک بہترین اور مانی ہوئی برج کھلاڑی تھی۔ فلیش کے کھیل کے علاوہ رمی میں بھی اس کی قسمت نے ہمیشہ اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔ کلب میں اسے ایک امتیازی حیثیت حاصل رہی تھی۔ وہ تاش کے کھیل کی مہارانی کہلاتی تھی۔

اس کے حلقۂ احباب میں یہ خبر عام ہو چکی تھی' کہ باپ کی جائیداد' دولت اور کاروبار انوپ کمار کو ملا ہے۔ جب آبائی مکان فروخت کیا گیا' چہ مگوئیاں بھی ہوئیں۔ مگر شانتی نے بڑی خوب صورتی سے اس بات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ اس نے کہا کہ انوپ کو نوجوانی کے آغاز میں ہی مصوری کا شوق نہیں بلکہ جنون رہا ہے۔ لیکن اب اس کی کوشش ہے کہ وہ بہت بڑا مصور بن جائے۔ اس لیے اس نے یہ وِلا خریدا ہے کہ ایک بہت بڑا اسٹوڈیو بنا کر یکسوئی سے اس کی تنہائی میں کام کر سکے۔

روما نے رام دیال کو جو یہ بات بتائی تھی' درست تھی کہ انوپ بالائی منزل مقفل رکھتا ہے' اور اسے جانے نہیں دیتا۔ اس کی تصدیق شانتی نے ایک روز کر لی تھی۔ اسے اپنے حصے کی بالائی منزل سے ایک ایسی جھری مل گئی تھی' جس سے وہ صرف یہ دیکھ پائی تھی' کہ انوپ بالائی حصے میں داخل ہو کر اسے مقفل کر لیتا ہے' اور اسٹوڈیو کی طرف بڑھ جاتا ہے' اور دیر تک اس میں رہتا ہے۔ اس کا صاف اور واضح مطلب یہ تھا' کہ اسٹوڈیو میں جا کر وہ تصویر بناتا ہے' پوجا پاٹ نہیں

کرتا ہے۔ آخر وہ کس قسم کی تصویریں بناتا ہے' جو روما کو بھی اوپر جانے کی اجازت نہیں۔ شاید وہ قابل اعتراض مناظر کی تصویریں بناتا ہے۔ تعجب کی بات تو یہ تھی' کہ روما کے داشتہ ہوتے ہوئے بھی وہ تصویریں اسے کیوں نہیں دکھاتا ہے۔

شانتی جب کبھی بھی اپنی سہیلیوں کو دعوت دیتی تھی' تو گھر پر' لیکن اب یہ پارٹیاں اس نے سہیلیوں کے پسندیدہ ہوٹلوں میں دینی شروع کر دی تھیں۔ سہیلیاں جب اس سے یہ کہتیں کہ وہ پارٹیاں گھر کے بجائے ہوٹلوں میں کیوں دیتی ہے؟ جب کہ اس کا گھر بہت خوب صورت ہے۔ وہ یہ عذر پیش کرتی کہ اس کے بیٹے کو شور و غل بالکل پسند نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کی یکسوئی ہوتی ہے۔ اس کی سہیلیاں جب بھی آتی تھیں' ہلا گلا ضرور کرتی تھیں۔ لیکن وہ ذہنی کش مکش میں مبتلا ہو کر سوچتی تھی' کہ اس کا اسٹوڈیو میں آخر کیا کرتا ہے؟ اس کا تجسس بڑھ گیا تھا۔ دال میں کالا ہے۔ کیا کالا ہے وہ اندازہ نہ کر سکی تھی۔ جو جو اندازے کرتی رہتی تھی' اس میں وزن بالکل بھی نہیں ہوتا تھا۔ اندازے غلط بھی تو ہو سکتے ہیں۔

ایک دن اسے موقع مل گیا۔ پہلی تاریخ تھی۔ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو روما ماہانہ سودا سلف لینے جاتی تھی' تو وہ دوپہر سے پہلے واپس نہیں آتی تھی' ویسے اس نے ایک گراؤنڈ فلور میں ایک جھری سے رات کے وقت روما کو انوپ سے ہم آغوش دیکھا۔ وہ یہ منظر زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکی تھی' اور اس لیے دیکھنا نہیں چاہتی تھی' کہ اس کے زخم ہرے ہو جاتے۔ اسے ناگ دیوتا اور اجیت یاد آ گیا تھا۔ اور پھر اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی۔ اس کی دلچسپی اور تجسس اسٹوڈیو سے تھا۔ اس روز انوپ کے جانے کے تھوڑی دیر بعد روما نکلی تھی۔ معلوم نہیں کیوں اس قدر عجلت میں تھی کہ دروازہ مقفل کرنا بھول گئی۔ دروازہ بھڑا ہوا دیکھا' اس کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی تھی۔ شانتی نے رام دیال کو آواز دے کر بلایا تو وہ فوراً آ گیا۔

پھر وہ رام دیال کو لے کر انوپ کے گھر میں داخل ہو گئی۔ پھر اس نے رام دیال سے آہستہ سے پوچھا۔ "کیا تم اندر جا سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں مالکن!" رام دیال نے جواب دیا۔ "دروازے پر جو قفل لگا ہوا ہے' وہ عام قسم کا ہے' اسے کھولنے میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔"

رام دیال نے جیسا کہا تھا وہ ٹھیک ہی تھا۔ اسے تالا کھولنے میں پانچ منٹ بھی نہیں لگے تھے۔ بڑی آسانی سے اس نے تالا کھول لیا تھا۔ جب شانتی اسٹوڈیو کی طرف رام دیال کے ساتھ بڑھ رہی تھی' تو اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ ایک اَنجانا سا خوف محسوس کر رہی تھی۔ بالائی منزل کی راہ داری میں اس نے ایک عجیب سی پراسراریت محسوس کی۔ اسے ایسا لگ

رہا تھا' جیسے کوئی بدروح اسے آگے بڑھنے سے روک رہی ہے۔ پیر منوں بھاری ہو رہے ہیں۔ رام دیال ساتھ نہ ہوتا' تو شاید وہ لوٹ جاتی۔ لیکن دوسرے لمحے تجسس اس کے ہر خوف اوراحساس پر غالب آ گیا۔ پھر وہ اعصاب مضبوط کر کے بڑھنے لگی۔

دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔ انہیں ایسا معلوم ہوا' کہ جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھتے ہوئے وہ کسی ایسے غار میں آ گئے ہیں' جس میں بدروحیں انہیں دہشت زدہ کر رہی اور گھور رہی ہوں۔ شانتی کو یقین نہیں آیا' کہ یہ حقیقت بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا گئی۔ دھند چھٹی تو اس نے دیکھا کہ دیواروں پر بڑے کینوس کی ایسی بڑی تصویریں لٹک رہی تھیں' کہ اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اب وہ بس غش کھا کر گرنے والی ہو۔ ہر تصویر کی فکر بنیادی تقریباً ایک جیسی تھی۔ ایک عریاں لڑکی جس کے جسم کی تفصیلات بڑی مہارت اور وضاحت سے بنائی گئی تھیں' ساحل سمندر پر لیٹی ہے' سیاہ آسمان میں سرخ چاند نارنجی ریت پر چمک رہا ہے اور لڑکی کے جسم کو تراش کر' کاٹ کر ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

اسٹوڈیو کے ایک گوشے میں ایزل پر ایک قد آدم کینوس رکھا تھا' اور اس پر شانتی کی لائف سائز تصویر بنائی گئی تھی کہ اس کے خون لگے دانتوں میں کسی مرد کی ٹانگیں دبی ہوئی ہیں' ٹانگوں پر سرخ و سفید پٹیوں کی پتلون ہے۔ اس کا پتی عام طور پر ایسی ہی پتلون پہنتا تھا۔ اور اس کے سر پر دو سینگ اُگے ہوئے ہیں۔

شانتی دیر تک یہ تصویر دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ رام دیال اسے نیم غشی کے عالم میں اس کمرے سے نکال لے گیا۔ اسے اس کے کمرے میں چھوڑ کر رام دیال نے وہسکی کا ایک بڑا سا پیگ بنایا' اور اسے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ چند لمحوں کے بعد نہ صرف اس کا اعصاب' بلکہ سانسیں بھی بحال ہوئیں۔ پھر اس نے حواس اور طاقت جمع کیا' اور واپس جا کر دروازہ مقفل کر دیا۔

"اب ہم کیا کریں؟" شانتی نے مرتعش لہجے میں پوچھا۔ وہسکی پینے سے اس کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔ لیکن اس کے لہجے میں تشویش اُبھر آئی۔ "اوہ بھگوان! وہ بالکل پاگل ہو گیا ہے۔ شاید بے حد خطرناک اور خونخوار بھی۔"

"مالکن! میرا خیال ہے کہ ہم انتظار اور بہتری کی امید کریں۔ یہ دنیا اُمید پر قائم ہے۔ امید قائم رکھنے کے سوا ہمارے پاس کوئی اور راستہ بھی نہیں ہے۔" رام دیال نے جواب دیا۔ وہ نہیں بول رہا تھا' اس کی خود غرضی بول رہی تھی۔ ظاہر تھا کہ وہ شراب کی خاطر اس گھر سے رخصت ہونے کا مشورہ نہیں دے سکتا تھا' اور شانتی کو سالانہ پانچ لاکھ روپے کا لالچ یہاں سے جانے پر

آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ وہ انتظار کرنے لگے' کسی امید کے بغیر۔

اسی شام روشی کے بہانہ قتل کے بعد رام دیال پر ایک خوف ناک حقیقت منکشف ہوئی۔ وہ فوراً ہی شانتی کے پاس گیا۔ اس نے آج شانتی کو اس کی پسندیدہ ڈش مدراسی بریانی پکا کر کھلائی تھی۔ وہ اس وقت ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

"مالکن! آپ میرے ساتھ تہ خانے تک چلیں۔" اس نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

"تہ خانے تک؟" شانتی نے ٹی وی سے نگاہیں ہٹا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے دہرایا۔ اسے رام دیال کا لہجہ پُراسرار سا لگا۔ اس کا دہشت سے سفید ہوتا چہرہ دیکھ کر چونکی۔

"کیا بات ہے؟ تمہاری یہ کیا حالت ہو رہی ہے؟"

"مالکن!" رام دیال نے سراسیمگی سے کہا۔ "آپ تہ خانے میں آ جائیں تو معلوم ہو جائے گا۔ پلیز! آپ جلدی سے آ جائیں۔"

رام دیال بھی اس لمحے بڑا پُراسرار سا لگا تھا' اور اس سے زیادہ اس کی بات۔ وہ گھوم کر چلا گیا تو شانتی قدرے تامل کے بعد اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اس کی سانس بگڑنے لگی۔ زینے سے اتر کے وہ تہ خانے میں پہنچی۔ انوپ کی بالائی منزل اور نیچے جو زینہ تھا' وہاں سے بھی ایک راستہ تہ خانے میں جاتا تھا۔ وہ دروازہ انوپ مقفل رکھتا تھا۔

"وہ دیکھیے مالکن!" رام دیال نے سفید چہرے اور کانپتی انگلیوں سے مخالف سمت کی جگہ اشارہ کیا۔

شانتی نے ایک کونے میں پرانی میز کے قریب فرش پر پڑے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف دیکھا اور اس نے وہ جیکٹ پہچان لی' جو ایک روز ایک ملازم غلط فہمی کی بنا پر اس کے پتی کے نام پر راجہ ٹیلرز کے ہاں سے لے کر آیا تھا۔ اس نے انوپ کمار کے لیے یہ جیکٹ لے لی تھی' اور اس کی قیمت ادا کر دی تھی۔ اس نے روما کو یہ جیکٹ دے کر کہا تھا' کہ وہ اپنے مالک کو دے دے۔ روما نے دوسرے دن اشاروں سے بتایا تھا' کہ اس کے مالک کو یہ جیکٹ بہت پسند آئی ہے۔ شانتی نے دو ایک مرتبہ چھپ کر دیکھا تھا۔ انوپ یہ جیکٹ پہن کر نکلتا ہے۔ جیسے اسے گولف کے بٹنوں والی جیکٹ پسند آئی تھی۔ اس لیے وہ پہنے رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی بھورے رنگ کی پتلون' بادامی قمیص اور کالے رنگ کے جوتے بھی تھے۔ یہ تمام خون کے دھبوں سے سرخ ہو رہی تھیں۔ جیسے اس نے کوئی جانور کسی قصائی کی طرح ذبح کیا' تو اس کی جیکٹ' لباس اور جوتے بھی خون آلود ہو گئے ہوں۔ جیکٹ کے سینے پر پن کے ساتھ ایک چٹ لگی تھی' اس پر تحریر تھا۔ "ان کپڑوں اور جوتوں کو فوراً ضائع کر دیا جائے۔"

ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔شانتی ان خون آلود کپڑوں کو دیکھتے ہی لرز گئی تھی۔ اس کا سر چکرایا' تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔اس نے دیوار کا سہارا نہ لیا ہوتا' تو غش کھا کر گر پڑتی۔خون آلود کپڑے چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے جب مقتول کو قتل کیا جا رہا تھا' مقتول نے خود کو بچانے کے لیے بڑی جدوجہد کی تھی۔ اسی لیے کپڑے' جوتے اور جیکٹ خون آلود ہو گئے۔ ان خون آلود کپڑوں کو دیکھ کر جی متلانے لگا' تو اس نے خود کو سنبھالا اور بہ وقت تمام وہ کانپتے قدموں سے کسی نہ کسی کمرے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ پھر اس نے اپنا ذہن بٹانے کے لیے سوچا کیا کرے' اس نے اپنے آپ کو کرسی پر ڈھیر کر دیا' اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے سینے میں سانسیں پھول رہی تھیں۔ جیسے وہ دور سے دوڑتی ہوئی آ رہی ہو۔ اس کی رگوں میں لہو منجمد ہو رہا تھا۔

شانتی کے جانے کے بعد رام دیال نے تہ خانہ کا دروازہ بند کیا' اور اپنے کمرے میں آ گیا۔خون آلود کپڑے دیکھ کر اس کے اعصاب کشیدہ ہونے لگے تھے۔ اس نے وہسکی کا ایک بڑا سا پیگ بنایا۔ ایک پیاسے کی طرف پی گیا۔ جب اس کے اعصاب قدرے پُرسکون ہوئے' تو وہ شانتی کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔شانتی نے اس وقت ذہن بٹانے کے لیے ٹی وی آن کیا۔ جس وقت اسے رام دیال نے آ کر بلایا' تب رقص و موسیقی کا پروگرام دکھایا جا رہا تھا۔لیکن اب سریندر کپور کا پروگرام دکھایا جا رہا تھا۔ وہ روشی کے وحشیانہ قتل کی واردات کے بارے میں بتا رہا تھا۔

پولیس بڑی سرگرمی سے روشی قاتل کو تلاش کر رہی ہے۔ وہ ایک دیوانہ جنسی قاتل ہے۔ نفسیاتی مریض ہے۔ ایسے نفسیاتی مریض بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ ان کی مثال خوں آشامی درندے کو بھی شرما دینے والی ہوتی ہے۔گزشتہ چند مہینوں سے اس نے ایسی لرزہ خیز قتل کی وارداتیں کی ہیں' کہ سن کر نہ صرف رونگٹے کھڑے ہو گئے' بلکہ روح کانپ گئی۔ وہ نوجوان اور حسین لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر ان کی عزت کو نشانہ بناتا ہے۔ پھر انہیں بے ہوش کر کے بدن کے کسی حصے میں زخم کر کے خون پی جاتا ہے۔ پھر ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ویرانے میں پھینک دیتا ہے۔ کچھ سر بریدہ لاشیں ملی ہیں۔ کچھ ایسی لاشیں بھی ملی ہیں' جن کے بدن کے حساس اعضاء کٹے ہوئے تھے۔ کچھ لڑکیوں کی پراسرار گمشدگی ہوئی ہے' انہیں بھی اس نے شاید قتل کر کے ان کی لاشیں ضائع کر دیں یا دفن کر دیں۔

بعض توہم پرستوں کا کہنا ہے کہ یہ حرکت کسی بدروح کی ہے۔ وہ انتقامی کارروائی کے طور پر نوجوان لڑکیوں کو نشانہ بنا رہی ہے۔ اس لیے قاتل کا سراغ نہیں مل رہا ہے۔ اس بنیاد پر قیاس

آرائی کی جا رہی ہے کہ قاتل قتل کرنے کے بعد مقتولہ کا خون پی لیتا ہے۔ یہ فعل انسان کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔خون چڑیلیں اور بدروحیں پی جاتی ہیں' اور پیتی رہتی ہیں۔لیکن میں اس بات کو نہیں مانتا ہوں۔ نہ ہی اس بات پر یقین رکھتا ہوں' اور نہ آپ اس مفروضہ پر یقین کریں۔ وہ قاتل دندناتا پھر رہا ہے۔ضرور کوئی اس دیوانے جنسی قاتل کو پناہ دے رہا ہے۔ ورنہ وہ اب تک قانون کے ہتھے چڑھ چکا ہوتا (اسے ایسا لگ رہا تھا' سریندر کپور صرف اسے گھورے جا رہا ہو) میں بڑے خلوص سے انسانیت کے ناتے اس فرد سے' جو اس خطرناک قاتل کو پناہ دیئے ہوئے ہے۔ خواہ وہ اس کی پتنی ہو' ماں باپ اور بہن بھائی ہوں یا کوئی دوست ہی کیوں نہ ہو' درخواست کرتا ہوں کہ وہ فوراً پولیس سے رابطہ کر کے اسے قانون کے حوالے کر دیں۔ یہ جنسی قاتل جو جنونی بھی ہے' اور جس کے منہ خون لگ چکا ہے' جلد ہی کسی اور نوجوان اور معصوم کو نشانہ بنا سکتا ہے۔اس سے پہلے کہ وہ کوئی واردات کرے' اسے قانون کے حوالے کر دیا جائے۔ اس واردات کے بعد لڑکیوں اور عورتوں میں عدم تحفظ کا احساس بڑھ گیا ہے۔

بوڑھے رام دیال نے آگے بڑھ کر کو ٹی وی بند کر دیا۔ اس لیے کہ ان کی نظروں کے سامنے خود آلود کپڑے گھومنے لگے تھے۔

"لیکن میں یہ بات مان نہیں سکتی' کہ انوپ نے روشی کو لرزہ خیز قتل کا نشانہ بنایا۔" وہ کراہی۔" وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے کیا ضرورت پڑی ہے' کہ وہ لڑکی کو اغوا کر کے اس کی عزت سے کھیلے اور افشائے راز کے ڈر سے قتل کر دے۔ اس کے جو کپڑے' جیکٹ اور خون آلود ہوئے ہیں شاید اس نے شکار پر کسی جانور کو ذبح کیا ہو گا؟ وہ کبھی کبھی شکار پر بھی تو جاتا رہتا ہے۔"

اسے اپنی آواز ویران' کھوکھلی اور بڑی دور سے آتی سنائی دی۔ اس کے دل کے کسی کونے میں ایک نادیدہ آواز نے کہا۔تم کیا جھوٹ بول رہی ہو؟ انوپ ایسا کیوں نہیں کر سکتا؟ وہ ایک ناگ دیوتا کا خون ہے' کسی کو قتل کرنا' خون پی جانا' فطری فعل ہے۔کیا تم نے اسے ایک زخمی ملازمہ کا خون پیتے نہیں دیکھا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جو تم انوپ کی بنائی ہوئی تصویریں دیکھ کر آئی ہو' وہ کیا ہیں؟ کیا اس کے جنون کا اظہار نہیں ہیں؟ شانتی کا جسم کانپنے لگا۔

"رام دیال! ہمیں اپنا منہ بند رکھنا ہی چاہیے۔" شانتی نے مرتعش لہجے میں کہا۔" اس لیے کہ انوپ نے یہ حرکت کی ہے' تو اس فن میں جو ذلت اور رسوائی ہو گی' اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ سکوں گی۔ گھر سے باہر ہی نہیں نکل سکوں گی۔ میری جو سہیلیاں اور دوست ہیں' میرا ساتھ چھوڑ دیں گے۔اوہ بھگوان......"

"میں آپ کے خیال سے اتفاق کرتا ہوں۔" رام دیال پر بھی خودغرضی چھا گئی۔ جانے کیا

حالات پیدا ہو جائیں۔

"تب میری زندگی کیا سے کیا بن جائے گی؟ میں یہ سوچ کر کانپ رہی ہوں' کاش! انوپ نے ایسا نہیں کیا ہوتا' میرا دل گواہی دے رہا ہے' کہ اسے کیا ضرورت تھی' ایک آبرو باختہ لڑکی کی عزت سے کھیل کر اسے قتل کر دے۔ اس کے پاس اتنی دولت ہے' کہ وہ بڑی سے بڑی اور حسین سے حسین اداکاراؤں سے راتیں کالی کرے۔"

"اچھا آپ یہ بتائیں کہ جیکٹ' کپڑوں اور جوتوں کا کیا کروں؟" رام دیال نے پوچھا۔

"انہیں ابھی اور اسی وقت جا کر جلا دو رام دیال!" شانتی نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمارا خون پی جائیں۔"

یہ تھے وہ لمحات جب رام داس اور رنجیت نے آ کر اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا تھا' ان دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کی شکل دیکھی تھی۔



اگلی صبح رنجیت' راجہ کی دکان پر پہنچا۔ اس نے گولف بٹن والی ایک جیکٹ اس سے عاریتاً مانگ لی۔ پھر وہاں سے لے کر مہاراشٹرا ویلفیئر سنٹر پہنچا۔ اس سینٹر کے ڈپو کی انچارج ایک تیس برس کی بنگالی عورت مس اوشا مکرجی تھی۔ مس اوشا کو دیکھ کر اس نے دل تھام لیا۔ اس بنگالی ساحرہ کا کام دولت مندوں سے وصول ہونے والے تحائف ضرورت مندوں میں تقسیم کرنا تھا۔ اس تیس برس کی عورت میں ایسی جاذبیت' دل کشی اور سانولی رنگت میں نمک تھا' کہ وہ ریشہ خطمی ہو گیا۔ اس کی مرمریں عریاں کھلے گلے کے مختصر بلاؤز میں جو کہ سفید تھا اور سیاہ بارڈر والی سفید ساڑھی' پُر شباب گداز چھریرا بدن اور سیاہ ناگ جیسی لمبی چوٹی' جو اس کے بھرے بھرے کولہوں پر بل کھا رہی تھی' بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جس نے اسے قتل کر دیا تھا۔

"فرمایئے سر!"

وہ رنجیت کا کارڈ دیکھنے کے بعد دل کش آواز میں بولی۔

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔"

اتنا کہہ کر اس نے اپنا مرمریں سلونا ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا تھا' جس کی رنجیت کو توقع نہیں تھی۔ اس ہاتھ کے لطیف اور انوکھے لمس نے اس کے سارے بدن میں سنسنی بھر دی تھی۔ وہ اس وقت پولیس افسر نہیں' بلکہ ایک مرد کی طرح پیش آیا تھا۔ اوشا کے قرب کی خوشبو نے اسے مہکا دیا تھا۔ جب اس نے اپنے آنے کا مقصد اور جیکٹ دکھائی تو وہ جیکٹ دیکھتی ہوئی بولی۔

"سروپ کمار کے کپڑوں میں ایسی کوئی جیکٹ آئی ہوتی تو میں بھول نہیں سکتی تھی۔ کیوں کہ یہ عام قسم کی جیکٹ سے ہٹ کر ہے۔"

"یہ بہت ہی اہم اور اس قدر نازک معاملہ ہے مس اوشا!"

وہ اس کی نشیلی آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے بولا۔

"کیا آپ کو پورا پورا یقین ہے کہ مسز سروپ کمار نے جو کپڑے آپ کے سینٹر بھجوائے تھے، اس میں ایسی کوئی جیکٹ نہیں تھی۔"

"جی ہاں! مجھے پورا یقین ہے۔"

اس نے ساکت پلکوں سے جواب دیا۔

"مسز سروپ نے اپنے آنجہانی پتی کے جو کپڑے تحفتاً سینٹر کو بھجوائے تھے، وہ بہت قیمتی بھی تھے۔ گو استعمال شدہ تھے لیکن وہ استعمال شدہ نہیں لگتے تھے۔ میں نے سندھی مارکیٹ کی ریڈی میڈ گارمنٹس کی دکان کی مالکن مسز سرسوتی سوامی سے بات کی۔ اس نے ملبوسات دیکھنے کے بعد بہت ہی معقول قیمت دی تھی۔ میں نے ان کپڑوں سے موصول ہونے والی رقم فنڈ میں جمع کرادی۔ ایسی کوئی جیکٹ نہیں تھی۔ ہوتی تو وہ نظروں میں کیسے نہیں آتی۔"

رنجیت نے جب اس سے بنگلہ زبان میں بات کی تو اوشا خوش ہوگئی۔

"آپ کو بنگلہ آتی ہے، بہت خوب، میں تو بنگلہ بولنے کے لیے ترس جاتی ہوں۔" اوشا نے بنگلہ زبان ہی میں جواب دیا تھا۔

"کیا خیال ہے، کیوں نہ ایک کپ کافی پی لی جائے۔"



انسپکٹر رام داس جب موہن کے فلیٹ پر پہنچا، تو اس وقت ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ موہن آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اطلاعی گھنٹی کے بجنے پر وہ قدرے متعجب ہوا۔ اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سوچا کہ آج سویرے سویرے اس سے کون ملنے آ گیا؟ جب اس نے دروازہ کھولا تو رام داس کو دروازے پر کھڑا ہوا پایا۔ وہ ایک بار پھر خوف زدہ ہوگیا۔ دل میں سوچا کہ پولیس مصیبت نہیں، بلکہ ایک بلا ہوتی ہے، جو نہ تو وقت دیکھتی، اور نہ موقع محل۔ اس کا خیال تھا کہ چوں کہ اس کی جیکٹ کے تمام بٹن موجود تھے، اس لیے اسے پولیس کی مصیبت سے نجات مل گئی ہے، اور اب پولیس اسے پریشان اور ہراساں نہیں کرے گی۔

"نمسکار مسٹر موہن لعل!"

اس نے موہن لعل سے ہاتھ ملاتے ہوئے، بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"مسٹر راجہ نے بتایا ہے کہ وہ ہر جیکٹ کے ساتھ بٹنوں کا ایک اضافی سیٹ ضرور دیتا ہے۔ اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ بٹنوں کا اضافی سیٹ دیکھوں۔ کیا آپ اسے دکھانے کی زحمت فرمائیں گے۔"

"اضافی سیٹ؟"

موہن نے ذہن پر زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کرسکوں گا۔ اس لیے کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ مسٹر راجہ نے جیکٹ کے ساتھ کوئی اضافی سیٹ دیا ہو۔"

"مگر اس کا تو کہنا ہے کہ وہ ہر جیکٹ کے ساتھ ایک اضافی سیٹ بٹنوں کا اس لیے دیتا ہے کہ وہ عام قسم کے نہیں ہوتے ہیں اور نہ بازار میں دستیاب ہیں۔"

رام داس نے کہا۔

"بہتر ہے کہ آپ یاد کریں۔ شاید یاد آ جائے کہاں رکھا ہوا ہے۔"

"اس طرح کے اُمور تو میری پتنی دیکھتی بھالتی ہے۔" موہن نے کہا۔ "وہ دہلی گئی ہوئی ہے اپنے میکے۔ کیوں کہ اس کے والد کو دل کا دورہ پڑا تھا۔ اس کو معلوم اور یاد ہوگا۔ ابھی تو میں آفس جا رہا ہوں۔ واپس آ کر تلاش کروں گا۔ مجھے یاد نہیں آ رہا ہے کہ اس نے کوئی اضافی سیٹ دیا۔ اس نے دیا ہوتا تو یقیناً یاد رہتا۔ کیوں کہ وہ عام قسم کے بٹن نہیں ہیں۔"

"یہ بہت ضروری بات ہے مسٹر موہن لعل۔" رام داس نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔ "واپس آ کر دیکھنا اور مجھے ضرور بتانا۔"

"میں دفتر سے واپس آتے ہی سب سے پہلے اس کو تلاش کروں گا۔" موہن نے جواب دیا۔ "اس کے بارے میں فون کر کے بتادوں گا۔"

"جن جن لوگوں نے جیکٹ خریدی تھی، ان سب سے معلوم کر چکا ہوں۔" رام داس نے کہا۔ "ان میں کسی کا کوئی بٹن غائب نہیں ہے، ان کے پاس بٹنوں کا اضافی سیٹ موجود ہے۔ صرف اب آپ رہ جاتے ہیں، اس لیے مجھے بتانے میں آپ بالکل بھی دیر نہ کریں۔"

رام داس کے جاتے ہی موہن نے دروازہ بند کیا، پھر وہ بیڈ روم میں آ گیا۔ اس نے شوبھا کی الماری کھولی۔ الماری کے سب سے نیچے خانے میں وہ ایک بڑا سا اسٹیل کا بکس رکھتی تھی۔ جس میں سوئی دھاگوں کے علاوہ قمیص، پتلون، بلاؤز کے اور نہ جانے کس کس کے بٹن رکھتی تھی۔ وہ ایک سگھڑ اور سلیقہ مند عورت تھی، اس لیے کوئی چیز ضائع نہیں کرتی تھی۔ اس کے خیال میں وہ چیز کام آ جاتی ہے۔ یہ حقیقت بھی تھی۔ موہن نے الماری سے وہ بکس نکال کر بستر پر رکھا۔ پھر دھڑکتے دل کے ساتھ اس کا ڈھکن کھولا۔ بکس میں مختلف قسم کے کم و بیش تین درجن بٹن موجود تھے۔ جب اس نے ان میں گولف قسم کے بٹن دیکھے تو ٹھنڈا پسینہ آ گیا۔

راجہ ٹیلر نے سچ مچ بٹنوں کا ایک اضافی سیٹ دیا تھا، اور اس نے انسپکٹر سے صحیح کہا تھا۔ اس نے بکس سے گولف نما بٹن ایک ایک کر کے نکالے۔ اس نے وہ بٹن گنے، وہ آٹھ عدد تھے۔ ایک

بٹن نہیں ملا۔ اس نے پورا بکس الٹ دیا۔ مگر اسے نواں بٹن نہیں مل سکا۔ اگر وہ انسپکٹر کو بتا دے کہ ایک بٹن غائب ہے' تو پھر نہ صرف باقاعدہ تفتیش شروع ہو جائے گی۔ پولیس سوالات کی بوچھاڑ کر کے اس کا ناطقہ بند کر دے گی' [illegible]ں پر اس لڑکی کے قتل کو شبہ تو کیا جا سکتا ہے۔ اسے پولیس چاہے گرفتار کرے یا نہ کرے۔ لیکن اسے اپنے اور کلدیپ کور کے تعلقات کے بارے میں بتانا ہی پڑے گا' کہ وہ اس رات کلدیپ کور کے ساتھ ساحلی کیبن میں تھا۔ کلدیپ کور کی گواہی اسے قتل کے الزام سے بچا لے گی۔ لیکن رسوائی سے تو نہیں بچا سکتی؟

اس نے مرتعش ہاتھوں سے تمام بٹن دوبارہ بکس میں رکھے۔ پھر بکس الماری میں رکھ دیا۔ پھر کیا وہ ان آٹھ بٹنوں کو بھی ضائع کر دے؟ اس نے ایک پل کے لیے سوچا۔ اور سوگند کھا کر کہہ دے گا کہ اسے راجہ نے بٹنوں کا اضافی سیٹ دیا ہی نہیں تھا۔ لیکن پولیس سوگند وغیرہ کا یقین نہیں کرتی ہے۔ وہ ٹھوس ثبوت مانگتی ہے۔ لیکن اسے شوبھا کو بھی بتانا ہوگا' کہ پولیس مبادا اس کی پتنی سے سوال کر بیٹھے۔ شوبھا کو اس کے جھوٹ کی تائید کرنا ضروری تھا۔

مگر سوال یہ تھا کہ وہ شوبھا سے کیا کہے گا؟ اسے کوئی ایسا جھوٹ بولنا ہوگا' کہ سانپ بھی مر جائے لاٹھی بھی نہ ٹوٹے' وہ جھوٹ کیا ہوگا؟ اس نے ذہن پر زور دے کر سوچنے کی کوشش کی۔ اس کی نگاہ معاً دیوار گیر گھڑی پر پڑی۔ نو بجنے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔ وہ ایک دم سے چونک پڑا۔ آفس کو دیر ہو گئی تھی۔ اس نے آٹھ بٹن جیب میں ڈالے۔ پھر وہ فلیٹ مقفل کر کے نکلا۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر میوری روانہ ہو گیا۔

اس کے فرشتوں کو خبر نہیں ہو سکی تھی' کہ رام داس نے ہیڈ کوارٹر واپس پہنچتے ہی دہلی پولیس کوارٹر سے رابطہ کیا۔ شوبھا کے والد دہلی کے معروف ایڈووکیٹ تھے۔ پولیس ان سے بخوبی واقف تھی۔ کیوں کہ ان سے واسطہ پڑتا رہتا تھا۔

"شوبھا موہن! مسٹر دانیال کی بیٹی ہے۔ ہاں کیوں نہیں! میں اور ہمارا محکمہ بھی جانتا ہے۔" انسپکٹر ایچ آتا نے اسے بتایا۔

"ہمارے ان سے بڑے قریبی روابط قائم ہیں۔ وہ اسپتال میں آئی سی یو میں داخل ہیں۔ انہیں زبردست قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ ان کی بیٹی شوبھا موہن اسپتال میں موجود ہیں۔ وہ بہت پریشان اور افسردہ ہیں۔"

"میں مسز شوبھا موہن لعل سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" رام داس نے کہا۔ "مجھے اسپتال کا فون نمبر دے دو تا کہ ان سے رابطہ کر سکوں۔"

"کیا معاملہ ہے؟" انسپکٹر ایچ آتا نے ایک دم سے پوچھا۔

"خیریت تو ہے؟"

"ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔" رام داس نے جواب دیا۔ "ان سے دو ایک باتیں دریافت کرنی ہیں' رسمی قسم کی ہیں۔"

"اگر بہت زیادہ اہم نہ ہو تو انہیں پریشان مت کرنا۔" انسپکٹر ایچ آتا نے نمبر بتانے کے بعد کہا۔ "مسٹر دانیال کی طبیعت چوں کہ بہت نازک ہے اس لیے شوبھا بہت غمزدہ اور جذباتی ہو رہی ہیں۔ میں انہیں بہت دلاسا دے کر آیا ہوں۔"

"آپ بے فکر رہیں۔" رام داس نے کہا۔ "مجھے اندازہ ہے کہ لڑکیوں کو باپ سے کس قدر دلی اور جذباتی لگاؤ ہوتا ہے۔"

رام داس نے رابطہ دہلی سے منقطع کرنے کے بعد اس نے دوبارہ فون کیا۔ چند لمحوں کے بعد اس کا رابطہ شوبھا سے ہو گیا۔

"مجھے ان حالات میں زحمت دینے پر بہت افسوس ہے' آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"مگر ہم گولف کی گیند جیسے بٹنوں کے ایک سیٹ کا پتا لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ کے پتی کے پاس ایسے بٹنوں والی ایک جیکٹ ہے۔ میں ان سے بات کر چکا ہوں۔ مگر انہیں بٹنوں کے اضافی سیٹ کے بارے میں کچھ یاد نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس طرح کی باتوں کے متعلق آپ زیادہ جانتی ہیں۔ اس لیے میں نے آپ سے رابطہ کیا ہے۔"

وہ تمام رات جاگتی رہی تھی۔ اس نے پلک تک نہیں جھپکی تھی۔ اس کے پتا جی کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ وہ اور اس کی ماں غم سے نڈھال ہو رہی تھی۔ اسے پولیس کی یہ فون کال زہر لگی۔ یہ پولیس والے کس قدر شقی القلب ہوتے ہیں۔ انہیں کسی کے دکھ درد کا ذرا برابر بھی احساس نہیں ہوتا۔ بس اپنی تفتیش کی پڑی رہتی ہے۔ اس لیے لوگ پولیس سے شدید نفرت کرتے ہیں۔

"ہاں! ایک اضافی سیٹ بھی اس جیکٹ کے ساتھ آیا تھا۔" اس نے ناگواری سے جواب دیا۔ "آخر معاملہ کیا ہے؟ کیوں پریشان کیا جا رہا ہے؟"

"یہ صرف ایک رسمی اور معمول کی چیکنگ ہے۔" رام داس نے اس کے لہجے کی ناگواری کو محسوس کر لیا تھا۔ اسے ایک طرف خجالت سی ہوئی۔ لیکن دوسری طرف وہ اس تفتیش کے لیے مجبور تھا۔ یہ ایک لرزہ خیز قتل کی واردات تھی۔ اور پھر یہ جنسی جنونی قاتل جلد ہی کسی معصوم لڑکی کو نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس سے پہلے اسے قانون کی گرفت میں لینا تھا۔ پھر اس نے نرم اور بڑے شائستہ

لہجے میں پوچھا۔ ”کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ بٹنوں کا اضافی سیٹ کہاں رکھا ہوا ہے؟“

”میرے بٹن بکس میں جو الماری کے ایک خانے میں رکھا ہوا ہے۔“ وہ زہر خند بولی۔ ”مگر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر معاملہ کیا ہے؟“

”شکریہ مسز شوبھا موہن!“ رام داس نے اتنا کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ پھر اس نے رنجیت کی طرف جو ایکس ٹینشن پر گفتگو سن رہا تھا۔

”اب دیکھتے ہیں موہن لعل کیا جھوٹ بولتا ہے؟“ رام داس نے مسکراتے ہوئے فاتحانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔



موہن دفتر پہنچا‘ تو دس بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ ایک مرد اور دو عورتیں اس کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ کلدیپ کور ٹائپ کرنے میں مصروف تھی۔ اسے دیکھا‘ پھر گھڑی میں وقت دیکھا‘ اور معنی خیز انداز سے مسکرائی‘ پھر اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

”لگتا ہے کہ تمہاری پتنی کچھ زیادہ ہی مہربان ہے۔ کیا دیر تک دونوں جاگتے رہے ہو‘ جو صبح دیر سے آنکھ کھلی؟“

اس نے سوچا کہ کلدیپ کور کو بتا دے کہ اس کی بیوی گھر پر نہیں ہے۔ اس کے پتا جی کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ وہ دس بارہ دنوں کے لیے دہلی گئی ہوئی ہے۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا‘ تو وہ بولی۔ ”تمہاری ڈاک میں نے تمہاری میز پر رکھ دی ہے۔“

موہن کوئی ایک گھنٹے تک نئے گاہکوں کے ساتھ مصروف رہا تھا۔ جب وہ چلے گئے‘ تو اس نے ڈاک کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ وہ پہلا خط پڑھ رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ دوسری طرف رام داس تھا۔ وہ اس کی آواز سنتے ہی چونکا‘ بدن پر سنسنی دوڑ گئی۔

”کیا آپ کو وہ بٹن ملے؟“ رام داس نے پوچھا۔ ”آپ نے اسے تلاش کیا تھا؟“

”میں نے ان کے بارے میں بہت سوچا‘ مگر کچھ یاد نہیں آیا۔“ موہن نے جواب دیتے وقت خود کو اور اپنی آواز پر قابو رکھا تاکہ اسے احساس نہ ہو سکے کہ وہ فون آنے سے پریشان ہو گیا ہے۔ ”مسٹر راجہ کمار کو غلط فہمی ہو رہی ہے‘ مجھے یقین ہے کہ انہوں نے کوئی اضافی سیٹ نہیں دیا۔ اگر دیا ہوتا ضرور یاد آ جاتا۔ میں نے آپ سے کہا نا کہ دفتر سے واپس جا کر تلاش کروں گا۔“

”کیا آپ کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ راجہ کمار نے اضافی بٹن کا سیٹ نہیں دیا؟“ رام داس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”جی ہاں! مجھے بھی پورا یقین ہے۔“ موہن نے بڑے اعتماد سے لہجے کو ہموار رکھتے ہوئے جواب دیا۔

”شکریہ مسٹر موہن! تاہم گھر جائیں گے تو چیک کر لیجیے گا۔“ رام داس نے یہ کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

موہن دیر تک خلا میں گھورتا رہا۔ لیکن اس کے دماغ میں ایک ذہنی کش مکش ہو رہی تھی۔ وہ ایک دوراہے پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لیے کہ اس نے ایک خطرناک جھوٹ بولا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ کیا اس نے جھوٹ بول کر اچھا کیا؟ پولیس تو اس جھوٹ سے کہیں خطرناک ہوتی ہے‘ لیکن اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ یہ زیادہ مناسب ہوگا‘ کہ ابھی اور اسی وقت وہ شوبھا کو فون کر کے خبردار کر دے۔ یوں بھی اس نے ابھی تک شوبھا کو فون کر کے اس کے پتا جی کے بارے میں معلوم نہیں کیا ہے‘ اسے اصولی طور پر معلوم کرنا تھا۔ شوبھا بھی کیا سوچتی ہوگی‘ اس پر اتنا بڑا حادثہ گزرا ہے‘ اس نے ابھی تک خیر خبر نہیں لی۔ پھر اس نے شوبھا کو فون کیا۔ وہ اس وقت کسی کام سے تھوڑی دیر کے لیے پہنچی تھی۔

”ہیلو جانِ من! تمہارے پتا جی کی طبیعت اب کیسی ہے؟ ایشور کرے‘ وہ جلد ٹھیک ہو جائیں۔“ اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”حالت کافی نازک ہے‘ لیکن خطرے سے باہر ہے۔“ شوبھا نے بڑی افسردگی سے جواب دیا۔ ”وہ پوری قوتِ ارادی سے بیماری کا مقابلہ کر رہے ہیں‘ جس کی وجہ سے وہ خطرے سے باہر تو ہیں‘ لیکن ڈاکٹروں کے پینل کی رائے میں ففٹی ففٹی چانس ہے۔ انہیں پوری طرح سنبھلنے میں ابھی کچھ دن اور لگیں گے۔ میں کچھ بتا نہیں سکتی کہ کب تک گھر واپس آ سکوں گی۔ اس لیے بھی کہ امی کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا ہے‘ میں تمام رات ان کے ساتھ جاگتی رہتی ہوں‘ وہ بڑے کمزور دل کی واقع ہوئی ہیں۔“

وہ دونوں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ شوبھا کو اس بات کی بہت فکر تھی۔ احساس تھا کہ وہ ٹھیک سے کھا پی نہیں رہا ہوگا۔ لیکن موہن نے اسے مطمئن کر دیا۔ پھر اس نے غیر محسوس انداز سے گفتگو کو گولف کے بٹنوں تک پہنچا دیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے پیروں کے نیچے سے زمین سرکنے والی ہے‘ چند لمحوں کے بعد۔

”اوہ میری جان! میں تو تم سے یہ کہنا بھول ہی گئی تھی کہ ایک اہم بات ہوئی ہے۔“ اچانک شوبھا نے کہا۔ ”دو گھنٹے پہلے ممبئی پولیس ہیڈکوارٹر سے ایک آفیسر نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔ میں اس وقت اسپتال میں تھی۔ وہ تمہاری جیکٹ کے گولف بٹنوں کے بارے میں کرید

رہا تھا۔اس نے کہا تھا کہ وہ تم سے بھی اس موضوع پر بات کر چکا ہے۔"

موہن پر جیسے کوئی بجلی سی آ گری۔ اس پر سکتہ سا چھا گیا' اور اس کی زبان گنگ سی ہو گئی۔اس نے بولنے کی کوشش کی' تو اسے ایسا محسوس ہوا' جیسے اس کے حلق میں گولہ سا پھنس گیا ہو۔اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے رہ گیا۔

"وہ گولف نما بٹنوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" شوبھا نے اسے خاموش پا کر بھی اپنی بات جاری رکھی۔"میں نے اسے بتا دیا کہ میری الماری میں اسٹیل کے بکس میں دوسرے بٹنوں' دھاگوں اور سوئیوں کے ساتھ رکھے ہوئے ہیں' آخر معاملہ کیا ہے؟"

"ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے جو تم پریشان ہو رہی ہو۔" موہن نے جلدی سے کہا۔"تم اپنی ساری توجہ اپنی ماتاجی کی طرف رکھو۔ اس لیے کہ وہ پریشان ہیں' میں تمہیں پھر فون کروں گا۔میں دفتر میں ہوں' گاہک آ رہے ہیں' کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔"

اس نے ریسیور رکھا تو اس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔ کمرہ ائیرکنڈیشنڈ تھا۔اسے ایسا لگ رہا تھا' جیسے وہ تپتی دھوپ میں کھڑا ہوا ہے۔اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر انگلیوں سے بٹنوں کو محسوس کیا۔ اب وہ اس قدر پریشان اور ہراساں ہو گیا تھا' کہ اس کی سمجھ میں ایک ہی بات یاد آ رہی تھی۔ وہ ابھی اور اسی وقت یہاں سے سیدھا پولیس ہیڈکوارٹر جائے۔رام داس سے مل کر اسے سب کچھ بتا دے۔ اس جہنم سے تو نکلے۔ اس وقت کلدیپ کور اس کے کمرے میں آ گئی۔ دفتر میں ان دونوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ کلدیپ کور اس کی کرسی کے ہتھے پر بیٹھ گئی۔ پھر اپنے ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ تھام کر اس پر جھک گئی۔

کلدیپ کور اس وقت بڑی رومانٹک اور جذباتی ہو رہی تھی۔ موہن کو اس کی من مانی اور حرکتیں بڑی ناگوار سی لگیں' وہ بت بنا بیٹھا رہا۔ کلدیپ کور نے اسے جذباتی بنانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا بات ہے؟ تم ایسے نظر آ رہے ہو' جیسے تمہاری نظروں کے سامنے موت آن کھڑی ہوئی ہو۔" کلدیپ کور نے کہا۔"آج تم اتنے سرد کیوں ہو رہے ہو؟ برف کا تودہ بنے بیٹھے ہو۔"

موہن کو کسی نہ کسی کے سامنے تو دل کا بوجھ ہلکا کرنا تھا۔کلدیپ کور نے آج جس جذباتی پن کا اظہار کیا تھا' اور اس کے جذبات کو اُبھارنا چاہا تھا' اس سے اس کے دل کو کچھ سکون سا ملا تھا۔لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کے جذبات کی رو میں بہنے سے وہ قابو میں نہ رہ سکے گا۔ یہ دفتر تھا۔ کوئی گاہک کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔لیکن کلدیپ کور یہ سب کچھ سوچتی نہیں تھی۔ ہر وقت پیاسی ہوتی تھی۔ کلدیپ کور اس کی سردمہری سے ناراض سی ہو رہی تھی' اس لیے اس نے کلدیپ کور کا

ایک طویل بوسہ لیا' تو وہ خوش ہو گئی۔ پھر موہن نے کہا۔

"ایک کہانی سنو۔ بڑی سنسنی خیز اور خوفناک قسم کی ہے۔"

پھر اس نے بٹنوں کی ساری کہانی سنائی۔ کلدیپ کور بڑی توجہ سے اس کی کہانی سنتی رہی۔ درمیان میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

"ایک بٹن غائب ہے۔" آخر میں موہن نے کہا۔

"بٹن غائب ہوا تو کیا ہوا ہے۔" کلدیپ کور نے کہا۔"کیا تم اس لیے اس قدر ہراساں ہو رہے ہو؟"

"اس لڑکی کے قتل کے الزام میں پولیس مجھے گرفتار کر سکتی ہے۔" موہن نے کہا۔"جائے واردات سے پولیس کو ایک گولف نما بٹن کیا مل گیا ہے' اس نے ایک طوفان کھڑا کر دیا ہے۔ میں نے تمہیں بتایا نا کہ پولیس سے میں نے کہا تھا' کہ مجھے کچھ یاد نہیں پڑتا کہ جیکٹ کے ساتھ بٹنوں کا ایک اضافی سیٹ دیا تھا۔لیکن شوبھا نے بتا دیا کہ اضافی بٹنوں کا سیٹ میرے بکس میں موجود ہے۔ اب وہ کم بخت آج شام ہی وہ سیٹ دیکھنے کے لیے فلیٹ پر شیطان کی طرح آ دھمکے گا۔میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ دوسری طرف کل وہ بلیک میلر بھی آنے والا ہے۔کیا تم نے سوچا ہے کہ اسے کیا جواب دیا جائے گا۔"

"اس کی پروا مت کرو میری جان!" کلدیپ کور نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کیسے پروا نہ کروں؟" اس کا لہجہ بڑا بے جان سا ہو رہا تھا۔

"میں اس ذلیل اور کمینے بلیک میلر کو سنبھال لوں گی۔ وہ تمہارا بال تک بیکا نہیں کر سکتا' بس تم اپنے آپ کو سنبھالو۔ حوصلہ مت ہارو اگر کوئی حوصلہ ہے تو ......" اتنا کہہ کر اس نے موہن کا بوسہ لیا' اور بال اور لباس درست کرتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

موہن لعل نے بھی کھڑے ہو کر بال اور لباس کو درست کیا۔ پھر اس نے سوچا۔ کیا کلدیپ کور واقعی اس قدر حوصلہ مند ہے' جتنا اپنے آپ کو اس نے ظاہر کیا۔ اس نے جو حوصلہ ظاہر کیا تھا' اس نے موہن لعل کے دل کو بڑی تقویت پہنچائی تھی۔لیکن یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی' کہ وہ اتنی جنسی دیوانی کیوں ہے؟ وہ ایک دن بھی' جیسے کسی مرد کے بغیر نہیں رہ سکتی ہے۔ آخر اور بھی نوجوان لڑکیاں اور جواں سال شادی شدہ عورتیں ہوتی ہیں۔لیکن وہ اس کی جیسی تو ہوتی نہیں ہیں۔ وہ اپنی عزت یوں نچھاور کرتی پھرتی نہیں ہیں۔ وہ پستی کی طرف جا رہی ہے۔ انجام سے بے پروا ہو کر۔ کہیں کلدیپ کور اس کی ازدواجی زندگی تباہ نہ کر دے۔ وہ شوبھا

جیسی محبت کرنے والی پتنی کو کھو دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔



انسپکٹر رام داس، فوری طور پر عملی قدم اٹھانے کے لیے بے چین تھا۔ لیکن وہ اپنے افسرِ اعلیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے کہ کل کلاں ایسی کوئی بات نہ ہو جائے، جس سے اس کی ذات پر کوئی حرف آ جائے۔

اس لیے آج وہ ایس پی مکرجی سے اجازت لینے اور مشورہ کرنے آیا تھا۔ اس نے پوری رپورٹ ایس پی مکرجی کو سنائی۔

''مان لیا کہ موہن لعل جھوٹ بول رہا ہے۔'' ایس پی مکرجی نے جواب دیا۔ ''لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لڑکی کا قاتل ہے۔ وہ ایک مہذب اور شائستہ شخص ہے، اب تک جو پُراسرار انداز سے لڑکیاں غائب ہوئی ہیں، اور جن لڑکیوں کو درندگی سے قتل کیا گیا اور ان کا خون پیا گیا، اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یہ حرکت کسی جنسی دیوانے کی ہے۔ اگر ہم اسے یہ اعتراف کرنے پر مجبور کریں، کہ وہ اس وقت کلدیپ کور کے ساتھ ساحلی کیبن میں دادِ عیش دے رہا تھا، تو گویا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیں گے۔ رنجیت نے مہاراشٹرا ویلفیئر سینٹر میں جا کر معلوم کیا تھا۔ آفس انچارج مس اوشا کو پورا یقین تھا کہ وہ جیکٹ سروپ کمار کے کپڑوں میں نہیں تھی۔ موہن کے خلاف کوئی قدم اٹھانے سے پہلے مجھے کچھ اور معلومات درکار ہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم خود جا کر مسز سروپ کمار سے بات کرو۔ اس کا خانساماں تم سے جھوٹ بول سکتا ہے۔ لیکن تم اس عورت سے ہوشیار رہنا۔ محتاط انداز میں بات کرنا۔ وہ بڑا اثر و رسوخ رکھتی ہے۔ مشہور جرنلسٹ اور فری لانس رائٹر نرملا چودھری اس کی بچپن کی سہیلی ہے۔ تم نے مسز سروپ پر کوئی دباؤ ڈالا تو یاد رکھو۔ نرملا چودھری پولیس کے محکمہ کو ہلا کر رکھ دے گی۔''

رام داس اس کے حکم کی عدولی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسی وقت شانتی کے وِلا کی طرف روانہ ہو گیا۔ نرملا چودھری بڑی بولڈ قسم کی جرنلسٹ تھی۔ اس کا میڈیا میں بھی بڑا اثر و رسوخ تھا۔ اسے ہر بڑی سرکاری تقریبات میں مدعو کیا جاتا تھا۔

جب اس نے وِلا کی اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا، تو حسبِ سابق بوڑھے رام دیال نے دروازہ کھولا۔

''کیا شانتی سروپ موجود ہیں۔'' رام داس نے سپاٹ سے لہجے میں پوچھا۔ ''میں ان سے بات کرنا چاہتا ہوں، انہیں بتا دو۔''

شانتی اس روز کی طرح کواڑ کی آڑ میں کھڑی تھی۔ انسپکٹر رام داس کو دیکھ کر اس کے جسم پر

سنسنی سی دوڑ گئی۔ اس کے بدن پر پسینہ بہہ گیا۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے اپنے ملازم سے پوچھا۔ ''رام دیال! کیا بات ہے؟ کون آیا ہے؟''

''پولیس انسپکٹر آپ سے بات کرنے کے لیے آئے ہیں۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔ ''مالکن! ان سے کیا کہوں؟''

''ٹھیک ہے انہیں اندر بھیج دو۔'' شانتی نے ہموار لہجے میں کہا۔

پھر اس بوڑھے ملازم نے ایک طرف ہٹتے ہوئے رام داس کو اندر آنے کے لیے کہا۔ رام داس نے اندر داخل ہونے کے بعد شانتی کو دیکھا، تو اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔ اس کے خیال میں شانتی ایک بوڑھی چڑیل کی طرح تھی۔ اس نے شانتی کو دیکھا، تو دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا تھا۔ وہ اسے کسی نوجوان دوشیزہ کی طرح دکھائی دی۔ اس نے لمحے بھر کے لیے سوچا کہ کہیں یہ سروپ کمار کی بیٹی تو نہیں ہے؟ اس کے علم میں یہ بات تھی، کہ سروپ کمار کا صرف ایک بیٹا ہے، وہی اکلوتی اولاد ہے۔ حیران کن اور ناقابلِ یقین بات یہ تھی، کہ وہ عورت نہیں لگتی تھی۔ اس کے پُرشباب بدن میں ایک عجیب سا گداز اور پکے پھل جیسا رسیلا پن تھا، چھریرے اور متناسب بدن نے اس کی عمر کو اپنی آغوش میں چھپا لیا تھا۔ وہ ایک جوان لڑکے کی ماں نہیں، بلکہ لڑکے کی چھوٹی بہن کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ بجلی بھرا بدن تھا، اور انگ انگ سے مستی اُبل پڑتی تھی۔ چہرے کے تیکھے تیکھے نقوش میں اتنی دل کشی اور جاذبیت تھی، کہ اسے دل میں اترتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ شانتی کا حسن صرف دل فریب ہی نہیں تھا، بلکہ انوکھا بھی تھا، اس کے بال سفید نہیں ہوئے تھے۔ اس عمر میں ایک چاندی کا تار بھی سر کے بالوں میں دکھائی نہ دینا حیرت کی بات تھی۔ ایسا بھی نہیں تھا، کہ اس نے بالوں کو رنگا ہوا ہو۔ جب کہ چالیس برس کی عمر میں ہندوستانی عورت کے سر کے بالوں میں چاندی کے تار نظر آنا شروع ہو جاتے تھے۔ اگر اس کے حصول کے لیے قتل اور خون خرابا ہو تو اس میں تعجب کی بات نہ تھی۔ یہ حیرت کی بات ہی تو تھی، کہ اتنی حسین اور غیر معمولی پُرکشش ہونے کے باوجود اس عورت نے شادی کیوں نہیں کی؟ شاید اس کی وجہ اس کا جوان بیٹا تھا۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ کیوں کہ وہ امیر کبیر عورت تھی، اس کے شادی کرنے سے کوئی قیامت نہیں آ جاتی۔ مردوں سے آشنائی کرنے کے مقابلے میں بہت بہتر تھا۔ ایک اور حیرت انگیز بات جو شانتی کے متعلق تھی، اور اس نے سنی تھی، وہ یہ تھی کہ شانتی کے اپنے پتی کے ساتھ تعلقات خوش گوار نہ تھے۔ ان کی ازدواجی زندگی میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔ سروپ کمار اس لیے غیر لڑکیوں کے ساتھ دل بہلاتا تھا۔ شانتی کے آشنا نوجوان لڑکے ہوتے تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی دنیا بسا رکھی تھی۔

اس لمحے ایک آوارہ سا خیال اس کے دل کے کسی کونے میں آیا' کہ ریما نے کسی وجہ سے اس سے علیحدگی اختیار کر لی' تو کیا وہ شانتی سے شادی کر لے گا؟ شانتی کے توبہ شکن جسم نے اسے برما دیا تھا۔ اس کے جذبات میں ایک ابال سا آیا تو اسے دبا دیا۔

"کیا بات ہے جناب!" شانتی نے پوچھا' تو اسے شانتی کی آواز بڑی شیریں سی محسوس ہوئی۔ "آپ نے کیسے زحمت کی؟"

"نا وقت زحمت دینے پر معذرت خواہ ہوں مسز سروپ کمار!" رام داس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "دراصل ہم ایک جیکٹ کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ جس میں گولف کی گیند جیسے بٹن لگے تھے۔ چوں کہ اس کا تعلق قتل کی ایک واردات سے ہے' اس لیے رات میں اپنے ماتحت کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔ مگر آپ کے اس ملازم نے بتایا تھا' کہ جیکٹ دوسرے کپڑوں کے ساتھ مہاراشٹرا ویلفیئر سینٹر بھیج دی گئی۔ مگر مس اوشا' جو اس طرح کے معاملات کی انچارج ہیں' ان کا کہنا ہے کہ انہیں ان کپڑوں کے ساتھ ایسی کوئی جیکٹ نہیں ملی۔ اس لیے ہم یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس جیکٹ کا کیا بنا؟"

"وہ جیکٹ جیسا کہ میرے خانساماں نے کہا' دوسرے کپڑوں کے ساتھ اس ویلفیئر سینٹر کو بھیج دی گئی۔ جہاں تک مس اوشا کا تعلق ہے' میں اسے خوب جانتی ہوں۔ اس نے وہ جیکٹ اپنے کسی بوائے فرینڈ کے لیے نکال لی ہوگی۔ اس کے مرد دوستوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ یا پھر اس نے کولکتا اپنے بھائی کو بھیج دی ہوگی' تا کہ وہ اسے استعمال کرے۔ لیکن میں یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اتنی سی معمولی بات کے لیے مجھے آپ کا پریشان کرنا بالکل اچھا نہیں لگا۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔"

"لیکن یہ بات سوچ لیں کہ آپ مس اوشا پر ایک سنگین الزام عائد کر رہی ہیں؟" رام داس نے اس کا چہرہ اور ہیجان خیز سراپا نظروں میں جذب کرتے ہوئے قدرے سرد لہجے میں کہا۔ لیکن وہ محتاط بھی تھا' کیوں کہ یہ عورت بااثر تھی۔

"کیسا سنگین الزام؟" شانتی نے تعجب سے کہا۔ "میں اس کی کردار کشی تو نہیں کر رہی ہوں۔"

"کیا یہ سنگین الزام نہیں ہے کہ جیکٹ تو بھیجی گئی تھی' لیکن مس اوشا نے اسے چرا لیا۔" رام داس نے کہا۔

شانتی کے ملازم کو ہلکی سی کھانسی کا دورہ پڑا۔ شانتی نے جیسے خطرے کی سرخ روشنی دیکھ لی۔

"دراصل آپ نے میری بات کا غلط مطلب لیا ہے۔" شانتی وضاحت کرنے لگی۔ "وہ

جیکٹ دوسرے کپڑوں کے ساتھ مہاراشٹرا ویلفیئر سینٹر کو بھیج دی گئی' پھر اس کا کیا بنا؟ یہ جاننا میرا کام نہیں' نہ ہی میں نے پوچھا کہ ان کپڑوں کا کیا کیا؟ ممکن ہے جو آدمی یہاں آ کر کپڑے اٹھا کر لے گئے تھے' انہوں نے یہ جیکٹ دیکھی' ان کی نیت میں فتور آ گئی ہو۔ کیوں کہ ایسی جیکٹ خریدنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ شاید انہوں نے چرالی ہو۔ ایک بات یاد رکھیں' اگر آپ مجھے بار بار پریشان کرنے سے باز نہیں آئے' تو پھر میں میئر سے آپ کی شکایت کر دوں گی۔ ان کی پتنی میری سہیلی ہے' اور وہ میری بڑی عزت اور خیال بھی کرتے ہیں۔"

"آپ نے مجھے ملاقات کا اعزاز بخشا' اس کا بہت بہت شکریہ مسز شانتی سروپ!" رام داس اس کے علاوہ کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ میئر اس کے خلاف سخت ایکشن لے سکتا تھا۔ کیا معلوم وہ شانتی پر ریشہ خطمی بھی ہو۔ اس لیے وہ اس کی عزت اور خیال کرتے ہیں۔

وہ جس وقت ہیڈ کوارٹر جا رہا تھا' شانتی پرانی شراب کے خمار کی طرح اس کے ذہن پر چھائی ہوئی تھی۔ اسے ریما کا خیال آیا۔ ریما گو تیس برس کی تھی' لیکن اس میں شانتی جیسی کوئی بات نہیں تھی۔ اور پھر اس نے شانتی جیسی پورے ممبئی شہر میں نہیں دیکھی تھی۔ ایک ایسی عورت جس کی عمر پچاس برس سے تجاوز کر چکی ہو' ایسی سیکسی ہکلد ہپ کور بھی سیکسی تھی۔ لیکن شانتی تو اس کے مقابلے میں ایٹم بم تھی۔ اس نے سوچا' شانتی کا حسن و شباب اور گداز بدن اور جوانی کسی اداکارہ میں بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ عورت جیسے روز بروز جوان ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے پاس ایسا کون سا نسخہ ہے' جس سے وہ دوشیزہ معلوم ہوتی ہے۔ کاش! وہ اسے ایک رات کے لیے مل جائے۔ دوسرے لمحے اس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ وہ ایک پولیس افسر ہو کر اپنے خیالات کو پراگندہ کیوں کر رہا ہے؟ تصور میں وہ اسے بے لباس دیکھ رہا ہے؟ یہ کس قدر نیچ سوچ ہے۔ پھر اس نے سوچا کہ اس میں دوش کس کا ہے؟ شانتی کا یا اس کا؟

اس نے ہیڈ کوارٹر پہنچ کر ایس پی مکرجی کو صورتِ حال بتا دی۔ "سر! اب آپ بتائیں' میں کیا کروں؟ شانتی جتنی حسین ہے' اتنی ہی بدمزاج بھی ہے۔ اگر میں جرح کرتا تو شاید وہ اسی وقت میئر کو فون کر کے میرے خلاف شکایت کر دیتی۔"

"بہرحال اب کیا کیا جائے؟" ایس پی مکرجی نے کہا۔ "اب تم ایسا کرو کہ رنجیت سے کہو کہ وہ ویلفیئر سینٹر جا کر ان ورکرز سے بات کرے جو کپڑے جمع کرتے ہیں' وصول کرتے ہیں۔" ایس پی مکرجی نے سگریٹ کا کش لینے کے لیے توقف کیا۔ آج اس کے پاس سگار نہیں تھا۔ اس نے رام داس کو ہدایات دیتے ہوئے کہا۔ "رنجیت سے کہو کہ وہ مس اوشا سے ضرور رابطہ کرے۔ میں اسے بہت قریب سے جانتا ہوں۔ وہ بڑی نفیس عورت ہے۔ وہ جیکٹ چوری

نہیں کر سکتی۔ وہ اس سینٹر کے لیے ایک مخلص کارکن ہے۔ ہاں! میں دراصل کچھ غلط کہہ گیا ہوں۔ ورکرز جو کپڑے جمع کرتے ہیں' وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ کتنے قیمتی ہیں۔ انہیں جیکٹ کے بارے میں بھی معلوم نہیں ہوگا کہ یہ کتنی قیمتی ہے۔ کیوں کہ یہ عام نہیں ہے۔ مس اوشا سے ملنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیوں کہ یہ بات شانتی تک نہ پہنچ جائے۔ وہ اپنی توہین خیال کر کے تمہارے خلاف کوئی قدم اٹھائے۔"

رام داس نے ایس پی مکرجی کی بات کا تجزیہ کیا۔ اس کا خیال تھا' کہ ایس پی مکرجی نے جو کہا' وہ اپنی جگہ درست ہے۔

"سردست شانتی سروپ کا معاملہ رہنے دو۔" ایس پی مکرجی نے کہا۔ "دوسرے ساتھیوں کی مدد کرو جو اس کیس پر کام کر رہے ہیں۔"



گنگولی اپنے بستر پر بیٹھا گرم گرم کافی کی چسکیاں لے رہا تھا۔ اس پر ایک خمار سا چھایا ہوا تھا۔ بستر کی چادر کی بے ترتیبی اور لاتعداد شکنیں رات کا فسانہ سنا رہی تھیں۔ سولہ برس کی مرہٹہ لڑکی جو سیاہ فام نیگرو لڑکی کی طرح تھی' اس نے رات گنگولی کے ساتھ گزاری تھی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی' جو اس نے گنگولی کی بڑی گرم جوشی سے سیوا کی تھی' اس کی قیمت وصول کر کے جا چکی تھی۔

آج جمعرات کا دن تھا۔ کل اسے انشورنس آفس کے ذیلی دفتر واقع میوری جانا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اسے مطلوبہ رقم مل جائے گی۔ اس لیے دونوں شکار اس کے جال میں پھنس چکے تھے۔ ان کے جال سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ یہ شہر چھوڑ کر مدراس یا بنگلور چلا جائے گا۔ بنگلور میں اس کی ملاقات ایک سندھی عورت سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے شوہر سے طلاق لے چکی تھی۔ اس کا ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور تھا۔ وہ چالیس برس کی تھی۔ گو بہت حسین تھی' لیکن اسے جواں مرد بہت پسند تھے۔ وہ سات دن تک اس کے ساتھ رہا تھا۔ پھر اس کے پرس سے سات ہزار کی رقم نکال کر مدراس چلا گیا تھا۔ اس نے کل اس عورت کو فون کیا' تو اس عورت نے کہا کہ اسے اس نے معاف کر دیا ہے۔ وہ چلا آئے۔ لیکن وہ جانا نہیں چاہتا تھا' اس لیے کہ اسے کلدیپ کور بہت پسند آئی تھی۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا۔ ہر ماہ موہن اور کلدیپ کور سے نہ صرف رقم وصول کرتے رہنا چاہتا تھا' بلکہ کلدیپ کور کے ساتھ مہینے میں کچھ راتیں گزارنے کا وہ خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کلدیپ کور اس کی کسی بات سے انکاری نہیں ہوگی۔

وہ کلدیپ کور کے ساتھ انجانے تصورات کی وادی میں بھٹک رہا تھا' بہک رہا تھا۔ اس جیسی لڑکی اس کی زندگی میں نہیں آئی تھی۔ اس نے پہلی بار جب کلدیپ کور کو نیم اندھیرے میں موہن کے ساتھ دیکھا تھا' تب ہی وہ اس سے مسحور ہو گیا تھا۔ تب اس کے خواب و خیال میں یہ بات نہیں تھی' کہ ایک لڑکی کے قتل کی واردات اسے کلدیپ کور سے قریب کر دے گی۔ وہ نہ

صرف اس کی دولت' بلکہ اس کے حسن و شباب سے بھی جی بھر کے فائدہ اٹھاتا رہے گا۔ کلدیپ کور کس قماش کی لڑکی ہے' اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ ایک نظر میں کسی لڑکی اور عورت کے بارے میں بتا سکتا تھا' کہ یہ کیسا شکار ہے۔ اس کے گرد گھیرا کیسے تنگ کیا جا سکتا ہے؟ جب اس نے کلدیپ کور کو دن کی روشنی میں دفتر میں دیکھا' تو اس کی رال کسی بھیڑیے کی طرح ٹپک پڑی تھی۔ ایک ٹکٹ میں دو مزے؟ اس پر ابھی سے کلدیپ کور کا خمار کسی پرانی شراب کی طرح چھا رہا تھا' دروازے پر دستک ہوئی' تو اس کے انجانے تصورات کے آبگینے پر جیسے ایک پتھر تڑ کے سے آ کر لگا۔ وہ جیسے کرچیاں ہو کر بکھر گیا۔ پھر اس نے یہ سوچ کر جا کر دروازہ کھولا کہ گیتی آئی ہو گی۔ رات جو لڑکی اس کے ساتھ اسے گیتی لائی تھی۔ گیتی اسے صبح ناشتہ اور کافی دے گئی تھی' اور جاتے جاتے کہہ گئی تھی کہ وہ کچھ دیر بعد آئے گی' تاکہ وہ دونوں وقت گزاری اور محبت بھری باتیں کریں۔ وہ دروازہ کھولتے ہی چونکا' دروازے پر گیتی تھی' نہ وہ لڑکی جو رات بھر رہی تھی۔ بلکہ ایک دراز قامت سفید بالوں والا آدمی ہاتھ میں مائیکروفون لیے کھڑا تھا۔

"مسٹر گنگولی!" اس آدمی نے بغیر کسی تمہید کے اس کا نام لے کر اسے شائستہ لہجے میں مخاطب کر کے اپنا تعارف کرایا۔ "میں سریندر کپور ہوں۔ شاید آپ مجھ سے واقف ہوں گے۔ میرا تعلق ایک نجی ٹی وی سے ہے۔ میں بھوپت لعل سے مل کر آ رہا ہوں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ تم روشنی نامی لڑکی کے قتل کے وقت مقام واردات سے بہت قریب تھے۔ ممکن ہے تم نے قاتل کو دیکھا ہو؟ کیا یہ بات درست ہے کہ قتل کی واردات سے چند لمحے پہلے یا بعد میں تم وہاں سے گزرے تھے۔ قتل کی یہ واردات کس قدر لرزہ خیز......"

"دفع ہو جاؤ" وہ درمیان میں چیخ کر ناگواری اور غصے سے بولا۔ پھر اس نے لات مار کر دروازہ بند کر دیا۔

سریندر کپور ایک جیپ میں تھا۔ وہ مسکراتے پیچھے ہٹا۔ اسٹیرنگ پر جو ساتھی تھا' وہ اس وقت اتر کے کھڑکی میں کیمرہ لے کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جب سریندر کپور نے دروازے پر دستک دی تھی۔ گنگولی نے اسے دیکھا نہیں تھا۔ کیوں کہ وہ تو کلدیپ کور کے رنگین تصور میں ڈوبا ہوا تھا۔

"کیا تم نے اس بن مانس کی تصویر اتار لی؟" اس نے کیمرہ مین سے پوچھا۔

"ہاں!" اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ "ایک نہیں کل تین تصویریں۔"



انوپ کمار نے اپنا ٹی وی کھولا اور وہسکی کا وہ گلاس لے کر بیٹھ گیا' جس میں انسانی خون کو اس نے سوڈے کی طرح ملایا ہوا تھا۔ سریندر کپور کا پروگرام وہسکی کی چسکی لیتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"پولیس کو باوجود کوشش کے ابھی تک کوئی ایسا سراغ نہیں ملا' جس کی مدد سے وہ جنسی دیوانے قاتل کو گرفتار کر سکے۔" سریندر بتا رہا تھا۔ "آج صبح مجھے اس بات کا علم ہوا کہ ایک نوجوان جو ان دنوں یہی کالونی میں رہ رہا ہے' قتل کے وقت مقام واردات کے آس پاس تھا' اس کا نام گنگولی ہے۔ میں نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی' لیکن وہ بدتمیزی سے پیش آیا۔" کیمرہ سریندر کپور سے ہٹ گیا۔ گنگولی پر مرکوز ہو گیا۔ گنگولی دروازے پر کھڑا صاف نظر آ رہا تھا' اور سریندر کی آواز گونج رہی تھی۔ "ممکن ہے کہ میرا اندازہ غلط ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ شخص قاتل کے بارے میں زیادہ جانتا ہو۔ جتنا وہ مجھے یا پولیس کو بتانے پر آمادہ ہو جائے۔"

انوپ کمار نے بڑے غور سے گنگولی کو دیکھا۔ اس کی دو اور تصویریں مختلف زاویوں سے دکھائی گئیں۔ اس نے گنگولی کا عکس ذہن پر منتقل کر لیا۔ گنگولی ایک ایسا شخص تھا' جسے ایک بار دیکھنے کے بعد ہزاروں میں بھی اور برسوں کے بعد پہچانا جا سکتا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک ظالمانہ مسکراہٹ اُبھری اور اس کی آنکھوں میں ایک سفاکانہ چمک۔ پھر اس نے خون میں ملی وہسکی کو دیکھا۔ اس کے دو گھونٹ لیے۔ اس نے آج تک کسی مرد کا خون نہ تو پیا تھا' اور نہ چاٹا تھا۔ اس لیے کہ جو بات لڑکیوں اور عورتوں کے خون میں ہوتی تھی' اس کے خیال میں مردوں کے خون میں نہیں۔ اس کے پاس خون کی کمی نہ تھی۔ لیکن اسے موضوع کی تلاش رہتی تھی۔ گنگولی اس کے لیے کوئی سنگین خطرہ بن سکتا تھا۔ لیکن وہ ایسا موضوع ضرور بن سکتا ہے' جس کی اسے کئی دنوں سے تلاش تھی۔



رام داس نے کاغذات سے بھری اپنی میز کو دیکھا۔ ابھی کم سے کم دو گھنٹے کا کام اور معلوم ہوتا تھا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی' پیٹ میں چوہے دوڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس لیے وہ بے حد چڑچڑا ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا۔ پیٹ بھر جائے' تو اس کا موڈ شاید اچھا ہو جائے۔

"میں کھانا کھانے جا رہا ہوں۔" اس نے رنجیت سے کہا' جو اس بنگالی ساحرہ کے تصور میں ڈوبا ہوا تھا۔ "میں دو گھنٹے میں واپس آ جاؤں گا۔"

اپنے مظاہرہ کرنے والے انداز میں' زور سے بریک لگا کر چیختے پہیوں کے ساتھ رام داس نے اپنے گھر کے سامنے گاڑی روکی۔ وہ اسی طرح اپنے ہمسایوں پر رعب ڈالتا تھا' اور ڈالتے رہنا چاہتا تھا' جو اس وقت عموماً اپنے باغوں میں کچھ کام کر رہے ہوتے تھے' یا برآمدوں میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہوتے تھے۔ وہ اپنی طوفانی آمد پر ان کی پھٹی پھٹی آنکھیں' اور کھلے ہوئے منہ دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔

اس نے دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے کے بعد بڑے میٹھے لہجے میں اپنی پتنی کو آواز دی۔ اس روز رات اس نے جو ریما کو قابو میں کر کے منع کر کے باوجود بے بس کیا تھا' تب سے ریما کا موڈ خوشگوار سا ہو گیا تھا۔ اس نے رام داس سے کہہ دیا تھا' کہ وہ اب اس کی کسی بات سے انکار نہیں کرے گی۔ اور پھر اس کے لیے اچھے اور خوش ذائقہ کھانے پکائے گی۔ ٹھنڈا کھانا نہیں دے گی۔

''کھانا تمہاری طرح ذائقہ دار' مزے دار اور گرم ہونا چاہیے۔'' رام داس نے شوخی سے کہا تھا۔

ریما اس وقت ایک خاص قسم کی نئی ڈش تیار کر رہی تھی' جو اس نے صبح ٹی وی پر دیکھی تھی۔ اس کا نسخہ ایک کاغذ پر نوٹ کر لیا تھا۔ وہ اپنے پتی کو سرپرائز دینا چاہتی تھی۔ یہ مرغی کی انوکھی اور مزے دار ترکیب تھی۔

ریما اس کی آواز سن کر آئی' تو رام داس نے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ اس لمحے ایسا محسوس ہوا کہ اس کے بازوؤں میں ریما نہیں شانتی ہے۔ اس نے ریما کو جیسے سچ مچ شانتی سمجھ لیا تھا۔ پھر وہ والہانہ انداز اور وارفتگی سے اس پر جیسے ٹوٹ پڑا تھا۔ من مانی کرنے لگا۔ اسے اس لمحے کسی بات کا جیسے ہوش نہیں رہا۔ اس نے پتی سے وعدہ کیا ہوا تھا' کہ وہ اس کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچائے گی۔ جذبات کی ایسی شدت' جو اس نے ایک عرصے بعد محسوس کی تھی' اس لیے وہ بھی جذبات کی رو میں بہنے لگی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے پتی نے اسے شانتی سمجھا ہوا ہے۔ ایک دم سے اسے خیال آیا' کہ چولہے پر ہنڈیا رکھی ہوئی ہے۔ وہ فوراً ہی اس کے بازوؤں سے نکل آئی' اور اپنے پتی سے بولی۔ ''دولہا میاں! تمہاری یہ محبت ہنڈیا نہ جلا دے۔ ساری محنت کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔''

رام داس کو بھی ہوش آ گیا۔ اس نے پوچھا۔ ''کھانے میں کیا ہے؟ میرے پاس صرف دو گھنٹے ہیں' کھانا کھا کر دفتر جانا ہے۔''

''تم کھانا کھانے آتے تھے یا مجھے......؟'' ریما نے بال اور لباس کو درست کرتے ہوئے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا۔

''کیا کروں جانی!'' رام داس نے ریاکاری سے کہا۔ ''تمہارا چہرہ اور سراپا مجھے بہکا دیتا ہے۔ تم ایک ایسی ڈش ہو' جسے دیکھ کر منہ میں پانی آ جاتا ہے۔ بھوک کھل اٹھتی ہے' کیا پکا رہی ہو؟'' رام داس نے یہ کہتے ہوئے دل میں سوچا کہ مرد کس قدر ریاکار ہوتا ہے۔ اگر وہ سچائی سے اسے بتا دے کہ تمہیں میں نے جب بازوؤں میں لیا' تو ایسا لگا تم شانتی ہو۔ اس لیے میرے

جذبات بھڑک اٹھے۔ لیکن سچائی بڑی زہرناک ہوتی ہے۔ کوئی بھی اسے قبول نہیں کر سکتا' اور نہ یہ زہر کا پیالہ پی سکتا ہے۔

''میں ایک نئی ترکیب سے ایک نئی ڈش مرغی کی تیار کر رہی ہوں' جو دس منٹ میں تیار ہو جائے گی۔'' ریما یہ کہہ کر کچن کی طرف بڑھی' تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ ''اتنی مزے دار ہو گی کہ تم انگلیاں چاٹ لو گے؟''

''کس کی تمہاری؟'' رام داس نے ہنس کر کہا۔ ''میں ویسے بھی تمہاری انگلیوں کو......''

''یہ بتاؤ کہ اس جنسی جنونی کا کچھ پتا چلا؟'' ریما نے موضوع بدل کر پوچھا۔

''ابھی نہیں۔'' رام داس نے جواب دیا۔ ''ہم بڑی سرگرمی سے اسے تلاش کر رہے ہیں۔''

''کیا کوئی سراغ بھی نہیں ملا؟'' ریما نے ہنڈیا میں چمچہ چلاتے ہوئے پوچھا۔

وہ دل میں تہیہ کر چکی تھی' کہ وہ اپنے پتی کو پولیس کمشنر بنا کر چھوڑے گی۔ گو وہ منزل دور تھی' لیکن وہ جانتی تھی کہ منزل کو پانے کے لیے جس میں جستجو' لگن اور عزم و حوصلہ ہوتا ہے' اس کے لیے منزل کبھی دور نہیں ہوتی۔ وہ جاسوسی کہانیاں پڑھتی تھی۔ فلمیں دیکھتی تھی۔ اس نے ان کہانیوں اور فلموں سے یہ جانا تھا' کہ کامیاب تحقیقات چھوٹے چھوٹے سراغوں کی مدد سے آگے بڑھتی ہے۔

''سراغ مل جائے تو بات کیا ہے؟'' رام داس نے کہا۔ ''اس مسئلہ کا کوئی نہ کوئی سراغ ملتا ہوتا ہے۔''

''میرے پاس تمہارے لیے تین اہم سراغ ہیں۔'' ریما نے بتی دھیمی کی' اور اس کی طرف مڑ کے دیکھا۔ ''جو بڑے سودمند ہوں گے۔''

''سراغ؟ ایک نہیں پورے تین اہم سراغ؟'' رام داس چونکا۔ ''کیا کہیں اخبار میں کوئی جاسوسی کہانی پڑھ لی تھی' یا جاسوسی فلم دیکھی! تمہارا کام اچھے اچھے کھانوں کا سراغ لگانا ہے۔ قاتلوں کے سراغ نہیں۔''

''تم نے میری پوری بات سنے بغیر ہی تبصرہ اور جرح شروع کر دی۔'' ریما بولی۔

''پہلے تم میری پوری بات تو سن لو جان!''

''اور اب میں سمجھا؟'' رام داس نے کہا۔

''تم یقیناً اس شرابی بڑھیا کے پاس گئی ہو گی' جو ہر وقت نشے میں دھت رہتی ہے۔''

''یہ آشا دیوی' شرابی اور احمق عورت نہیں ہے۔'' ریما نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''ہماری پولیس میں یہی سب سے بڑی خرابی ہے' کہ وہ اپنے آپ کو عقلِ کل کہتے ہیں۔ وہ نہ

صرف بہت ہوشیار اور ذہین ہے' بلکہ غیب دان بھی ہے۔ تمہیں یاد ہے نا اس نے گزشتہ برس ایک قاتل کی گرفتاری کے لیے دو اہم سراغ بتائے تھے' مگر تم نے سنی ان سنی کر دی۔ مگر بعد میں وہ سراغ ہی تھے' جنھوں نے قاتل کو گرفتار کرا دیا تھا۔ اگر تم نے اس کی بات کو اہمیت دی ہوتی' تو قاتل تمہارے ہاتھوں پکڑا جاتا۔"

رام داس کو اچانک کچھ یاد آیا۔ وہ برقی سرعت سے لپک کر بیڈروم میں گھس گیا۔ پھر اس نے وہ کیبنٹ کھولا' جس میں وہ شراب کی بوتل لا کر رکھتا تھا۔ کبھی کبھی وہ شغل کر لیتا تھا۔ ریما کو بھی پلا دیتا تھا۔ شراب اور شباب کا نشہ دوآتشہ بن جاتا۔ رات بڑی حسین اور رنگین بن جاتی تھی۔ اس نے کیبنٹ کھول کر دیکھا۔ اس کی پسندیدہ وہسکی کی بوتل غائب تھی' اس کا خون کھول کر رہ گیا۔ اس نے زور زور سے بڑبڑاتے ہوئے اور اس آشا دیوی کو برا بھلا کہتے ہوئے ٹائی کھول کر سنگار میز کے آئینے پر دے ماری' تو ایک شور سا گونجا۔ یہ شور اور اس کی بڑبڑاہٹ سن کر ریما کمرے میں آ گئی۔

"کبھی کبھی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے' کہ تمہاری تربیت تمہارے ماں باپ نے بڑے غلط طریقے پر کی ہے۔" وہ تنک کر بولی۔

یہ ایک ایسا غیر متوقع جملہ تھا' جس نے رام داس کو بھونچکا سا کر دیا۔ ریما کے تیور لڑائی کے سے تھے۔

"ایک بگڑے ہوئے اور لاڈلے بچے جیسی حرکتیں مت کرو۔" ریما نے اسے خاموش پا کر دوسرا وار کیا تھا۔

"میری وہسکی کی بوتل غائب ہے۔" رام داس نے کہا۔

"تم جانتی ہو میں رشوت میں نہیں لاتا ہوں' بلکہ خرید کے لاتا ہوں۔"

"تم اس کی اتنی فکر اور پروا مت کرو۔" ریما نے قدرے ٹھنڈے میٹھے لہجے میں کہا۔

"تمہاری مے نوشی بڑھتی جا رہی ہے اور تم مجھے بھی سونے نہیں دیتے ہو' اور دیر تک جگائے رکھتے ہو۔ اچھا میری بات ذرا غور اور توجہ سے سنو۔ غصہ تھوک دو۔ میں تمہارے فائدے کی بات کر رہی ہوں۔ تمہیں یہ سن کر حیرت اور خوشی ہونی چاہیے' کہ آشا دیوی نے اس جنسی دیوانے کا کیس حل کر دیا ہے۔ تم اسے حل کرنا چاہتے ہو کہ نہیں؟ میں چاہتی ہوں کہ تم جلد سے جلد ترقی کرتے کرتے پولیس کمشنر بن جاؤ۔ کیا پولیس کمشنر بنا تمہارا خواب نہیں ہے' یہ میرا بھی تو خواب ہے۔"

رام داس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام کر اپنے آپ کو بستر پر گرا دیا۔ اس نے ایک لمبا سانس لے کر طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اچھا اچھا! اس بوڑھی شرابن چڑیل نے کیس حل کر دیا ہے؟ اسے سراغ رساں رکھ لوں اپنے ہاں۔"

"ہاں!" ریما نے اس کے طنزیہ جملے کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "اس نے اپنے شیشے کے گولے میں دیکھ کر مجھے تین سراغ بتائے ہیں۔ اس نے کہا ہے کہ پہلے تمہیں خون کی طرح ایک سرخ چاند کو تلاش کرنا ہے' دوسرا سراغ ایک کالا آسمان ہے اور تیسرا نارنجی رنگ کا ساحل سمندر ہے۔ جب تک یہ تینوں چیزیں نہ ملیں وہ دیوانہ نہیں پکڑا جا سکتا۔"

رام داس نے سر اٹھا کر حیرت سے ریما کی شکل دیکھی۔ اسے لگا جیسے صرف اس کی پتنی کا ہی نہیں' بلکہ اس بوڑھی شرابن کا دماغ بھی چل گیا ہو۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ ورنہ وہ ابھی جا کر اس بوڑھی چڑیل کا گلا گھونٹ دیتا۔

"خون کی طرح سرخ چاند' کالا آسمان اور نارنجی ساحل سمندر؟" رام داس نے رک رک کر دہرایا۔

"ہاں!" ریما نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "آشا دیوی نے مجھ سے یہی کہا تھا' میں اسے لکھ کر بھی لائی ہوں۔"

"اچھا! یہ بتاؤ کہ اس نے میری وہسکی کی بوتل پینے کے بعد کہا تھا یا بعد میں؟" رام داس نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"آشا دیوی نے کوئی غلط بات کبھی نہیں کہی تھی۔" ریما بولی۔ "تمہیں اس کا احسان مند ہونا چاہیے' اس نے تمہاری کتنی بڑی مشکل حل کی ہے۔ ایک نہیں بلکہ تین انتہائی اہم سراغ مل گئے ہیں۔ اب تمہاری ذہانت پر منحصر ہے کہ تم انہیں کس طرح استعمال کرتے ہو۔ اس نے تو تمہارے بارے میں پیشین گوئی کی تھی کہ تم میری محبت میں دیوانے ہو کر مجھ سے شادی کرو گے۔"

"ایک مفت کی پوری بوتل وہسکی پینے کے بعد میں بھی ایسی خرافات بک سکتا ہوں۔" اس نے چڑ کر کہا۔ "کاش! اس کی پیشین گوئی شادی سے پہلے معلوم ہو جاتی۔ تم نے اسے کتنی وہسکی کی بوتلیں دان کی تھیں؟"

پھر اس نے ناک سکوڑ کر ریما کی طرف دیکھا۔ "یہ بو کیسی ہے؟ کیا قاتل کی آتما آ گئی ہے؟"

ریما ایک چیخ مار کر کچن کی طرف لپکی۔ کسی اندیشے سے رام داس کراہا۔ کچن سے ریما کی آواز آئی۔

"سارا گوشت جل کر کوئلہ ہو گیا ہے۔ اور یہ سب تمہارا قصور ہے۔ تم نے میری ساری

محنت غارت کر دی۔ تم بہت بولنے لگے ہو۔"

رام داس بھاری قدموں سے دھوئیں سے بھرے کچن میں داخل ہوا۔ ریما نے کھڑکی کھول دی تھی تا کہ دھواں باہر چلا جائے۔

"میں صبح سے لگی ہوئی تھی' اس محنت کا یہ حشر ہوا۔" ریما مٹر کا سربمہر ڈبہ کھولتی ہوئی بولی۔ "آخر تم کب خاموش رہنا سیکھو گے؟"

"تم مجھے دوش کیوں دے رہی ہو؟" رام داس نے کہا۔ "تم نے آتے ہی مجھے چھیڑ دیا۔ کھانا پکانے نہیں دیا۔"

"تم ایسی حالت میں سامنے آؤ گی' تو کیا میں مٹی کا تودہ ہوں' جو خود کو قابو میں رکھ سکوں۔" رام داس نے کہا۔ "کیا اب یہ کھانا کھانا پڑے گا۔ میں تو کھا نہیں سکوں گا۔ میں نے فریج میں مرغی کے تکے دیکھے تھے صبح' وہ کیا ہوئے؟"

"وہ اتوار کے لیے ہے۔" ریما نے جواب دیا۔ "میں مٹر فرائی کئے دیتی ہوں' اور ویجی ٹیبل سینڈوچز بنا دیتی ہوں۔"

"اتوار کا انتظار میں نہیں کر سکتا' اسے ابھی آنے میں دو دن باقی ہیں۔" رام داس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تم جانتی ہو میں کس قدر بے صبرا ہوں۔ مجھے گوشت پسند ہے' مرغوب ہے' سبزی سے کتنا دور بھاگتا ہوں۔"

"مجھے حکم دے کر بات مت کیا کرو۔" ریما نے جواب دیا۔ مگر ساتھ ہی فریج سے چکن تکے نکال لیے۔ "تم گوشت خور ہوتے جا رہے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اور تمہارا وزن بھی بڑھتا جا رہا ہے اور گھر کا خرچ بھی۔"

"تم ہمیشہ سے یہی کہتی ہو۔" جب وہ تکے رکھ کر ریک کی طرف مڑنے لگی' تو رام داس نے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ "ہاں! میں گوشت بہت کھاتا ہوں' کھاؤں گا۔ تم جو کر سکتی ہو کر لو۔ مجھے خرچ کی کوئی پروا نہیں' میں گھر کے بجٹ میں اضافہ کر دوں گا۔"

"میں نے جو تمہیں تین سراغ بتائے ہیں انہیں یاد رکھنا۔" وہ رام داس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔ "دیکھنا کہ کیس کیسے حل ہوتا ہے۔"

"ہاں! ضرور۔" رام داس نے جواب دیا۔ پھر اس کی نظروں میں شانتی کے رسیلے سرخ ہونٹ گھومنے لگے' تو وہ اس کے چہرے پر جھکنے لگا' ریما اس کے بازوؤں میں کسمساتی ہوئی بولی۔ "تمہیں بھوک لگی ہے۔ تم باز نہیں آؤ گے تو کھانا وقت پر نہیں ملے گا۔"



رات کے گیارہ بجے تھے۔ وہ بہت بے چین سا کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے کچھ زیادہ ہی شراب پی لی تھی۔ دفتر سے گھر آیا' تو وہ نہ صرف بے حد پریشان تھا' بلکہ بہت گھبرایا ہوا بھی تھا۔ اس نے سینے میں ایک عجیب سی وحشت محسوس کی تھی۔ اس کا دل کھانا تیار کرنے کو نہیں چاہا۔ وہ خوف زدہ سا ہو کر سوچ رہا تھا کہ اب کسی بھی لمحے اطلاعی گھنٹی بجے گی' اور رام داس بٹنوں کے بارے میں جرح کرنے کسی شیطاں کی طرح آ موجود ہوگا۔ اس نے شراب کی الماری سے اسکاچ وہسکی کی ایک بوتل نکالی۔ پھر وہ پینے بیٹھ گیا۔ اسے رام داس کو پوری رام کہانی سنانی پڑے گی۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور پھر یہ بات باہر بھی پھیل جائے گی۔ پھر وہ کم بخت گنگولی' وہ ضرور خط پوسٹ کر دے گا۔ کلدیپ کور کے لیے یہ کہہ دینا آسان تھا' کہ وہ اپنے باپ کو سنبھال لے گی' لیکن اس کا باپ اسے ضرور ملازمت سے برطرف کر دے گا' اور پھر شوبھا کا بھی مسئلہ تھا۔ اس کی زندگی تباہی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ گھر جو ایک آشیانہ تھا' اور اسے کتنے ارمانوں سے بنایا اور بسایا ہوا تھا۔ وہ بکھر جائے گا۔

ابھی وہ ان سوچوں میں غرق تھا' کہ اطلاعی گھنٹی بجی۔ لو شیطان آ گیا۔ اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ وہ شراب کا گلاس تپائی پر رکھ کر اٹھا اور ڈگمگاتے قدموں سے جا کر اس نے بیرونی دروازہ کھول دیا۔

"مجھے جلدی سے اندر آنے دو۔" کلدیپ کور سراسیمگی سے بولی۔ "ابھی تک مجھے کسی نے نہیں دیکھا ہے' ایک طرف ہٹ جاؤ۔"

اس کے کچھ کہنے اور ہٹنے سے پیشتر کلدیپ کور اسے ایک طرف تیزی سے ہٹا کر اندر گھس گئی' اور دروازہ بند کر دیا۔

"تم! تم یہاں کس لیے آئی ہو؟" خوف زدہ موہن کے منہ سے تحیر زدہ سی آواز نکلی۔ اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا۔

کلدیپ کور اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے بیڈ روم کی جانب بڑھ گئی۔ جب موہن اس کے پیچھے داخل ہوا تو وہ بولی۔

"معلوم ہوتا ہے کہ خوب پیتے رہے ہو۔ اس لیے ہوش میں نہیں لگ رہے۔"

"تم پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم یہاں کیوں اور کس لیے آئی ہو؟" موہن اپنی بوجھل پلکیں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ دیکھو میری جان!" کلدیپ کور نے اپنی بند مٹھی کھول دی۔ اس کی ہتھیلی پر ایک گولف گیند کا بٹن رکھا تھا۔

موہن نے چونک کر حیرت اور خوشی سے کلدیپ کور کا چہرہ دیکھا۔ اس کے رس بھرے تراشیدہ ہونٹوں پر تبسم بکھرا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ نقرئی آواز میں بولی۔

"کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ اس کا انتظام کر دوں گی۔"

"لیکن یہ آیا کہاں سے؟" موہن ابھی تک ششدر سا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا' جیسے وہ سپنے میں بٹن دیکھ رہا ہو۔

"میرے لیے اس کا حصول کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔" کلدیپ کور نے جواب دیا۔ "میں راجا ٹیلرز کی دکان پر گئی تو وہاں سب مصروف تھے۔ گاہکوں کا رش تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور جیکٹ سے بٹن نکال لیا' اور پھر باہر نکل گئی۔ کسی نے نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ جب وہ چیک کریں گے' تو سمجھیں گے کہ بٹن گر گیا ہے۔ اب تو خوش ہو نا۔"

موہن نے اس کے ہاتھ پر سے بٹن اٹھا لیا۔ چند لمحوں میں وہ خود کو بیس برس کا جوان محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنے رگ و پے میں نیا خون' نئی توانائی' اور ایک عجیب سا جوش و ولولہ محسوس کیا۔ کلدیپ کور نے اسے ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات دلا دی تھی۔

"اب اس خوشی میں کیا جشن نہیں مناؤ گے؟" کلدیپ کور اس کے گلے میں جھولتی ہوئی بولی۔ "تمہارا یہ بیڈ روم کسی خوب صورت اور خواب ناک ماحول کا ہے۔ شاید تمہاری پتنی نے آراستہ کیا ہوگا؟"



اطلاعی گھنٹی کی مسلسل آواز نے موہن کو گہری نیند سے بیدار کر دیا۔ یہ گھنٹی نہ بجتی تو جانے کتنی دیر تک سوتا رہتا۔ جاگتے ہی اسے یوں محسوس ہوا' جیسے سر میں دھماکے ہو رہے ہوں۔ گھنٹی بدستور کسی ضدی بچے کی طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخے جا رہی تھی' او بھگوان! معلوم ہوتا ہے کہ رات میں نے بہت زیادہ پی لی تھی۔ اس وقت کون آیا ہے؟ کیا بجا ہے؟ بستر کے سرہانے رکھی ہوئی میز کی گھڑی پر سوا آٹھ بج رہے تھے۔ اس نے کپڑے پہننے کے بجائے قریب رکھا ہوا گاؤن پہن لیا۔

"یہ کون اس بدتمیزی سے مسلسل گھنٹی بجا رہا ہے؟" بستر پر لیٹی ہوئی کلدیپ کور نے پوچھا۔

"کیا اس نے تمیز نہیں سیکھی؟"

کلدیپ کور کی آواز سن کر چونک کر اس کی طرف گھوما۔ وہ تو اس کے بارے میں سب کچھ بھول گیا تھا۔ اب اسے بستر پر بیٹھے دیکھا' تو اسے رات کی ایک ایک بات یاد آ گئی۔ اسے یاد آیا کہ کلدیپ کور رات بٹن لے کر آئی' تو اس نے کہا تھا کہ اس خوشی میں وہ زبردست جشن منائیں گے۔ پھر وہ دونوں ساتھ ساتھ بستر پر آئے تھے۔ کلدیپ کور نے نہ صرف اسے خوب شراب پلائی تھی' بلکہ خود بھی اس نے بہت زیادہ پی تھی۔ شباب کا نشہ جو شراب سے بھی کہیں تیز تھا۔ کلدیپ کور نے مہربان ہونے میں جو فیاضی دکھائی تھی' وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ شراب اور شباب کے نشے نے اسے ایسا بدمست کیا تھا' کہ اسے ٹھیک سے یاد نہیں رہا تھا' کہ کیا کیا ہوتا رہا تھا۔ مگر وہ اتنا تو اندازہ لگا سکتا تھا' کہ کلدیپ کور میں اور ایک حیوان میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ آخر اسے کیا ہوتا جا رہا ہے۔ وہ کیوں کلدیپ کور کو شوبھا کے بستر پر لایا تھا۔ وہ میلا کر دیا تھا۔ اسے نشست گاہ میں لے جاتا۔ کلدیپ کور اس لائق نہیں تھی' کہ اسے شوبھا کے بستر پر لایا جائے' جوان کی محبت اور قرب کی خوشبو سے مہکتا ہوا تھا۔ ایک چڑیل نے اس بستر کو آلودہ کر دیا تھا۔ ایک ایسی ذلیل حرکت کرنے کے احساس نے موہن کے ہوش ٹھکانے لگا دیے۔

"معلوم نہیں کہ کون آیا ہے؟" موہن نے گھبرا کر تیزی سے کہا۔ "ایسا کرو کہ جلدی سے کہیں چھپ جاؤ۔ کہیں تم نظر میں نہ آجاؤ۔"

"بے چارہ بدنصیب موہن۔" کلدیپ کور نے بستر سے اترتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "جب دیکھو خوف زدہ سا نظر آتا ہے۔"

پھر اس نے بستر سے نکل کر اپنے بکھرے ہوئے کپڑے اٹھائے۔ موہن پھر تیزی سے بیڈروم سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔ باہر رنجیت اور رام داس کھڑے تھے۔ دھماکے اور تیز ہو گئے تھے۔ موہن کو اچانک غصہ آنے لگا۔

"اب آپ کیا چاہتے ہیں؟" موہن نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "کیا یہ پولیس کا کوئی اصول ہے کہ صبح صبح اس کی نیند حرام کی جائے۔"

"ان بٹنوں کے بارے میں مزید پوچھنے کے لیے آئے ہیں۔" رام داس غور سے موہن کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار بھرا ہوا تھا۔ وہ پلکیں جھپکا رہا تھا۔ وہ یہ بات سوچے بغیر نہیں رہ سکا' کہ موہن شاید رات بھر گھر سے باہر رہا ہو۔ کسی عورت کے ساتھ رات گزار کے آیا ہو۔

موہن نے اپنا غصہ ضبط کیا۔ اس نے دل میں کہا۔ اسے محتاط رہ کر بات کرنا ہے۔ یہ ہندوستان ہے۔ ہندوستان کی ہی نہیں دنیا کی ہر پولیس میں ایک سے ایک سؤر اور حرامی قسم کا افسر ہوتا ہے۔ پولیس کے نزدیک کوئی اصول نہیں ہوتا۔ کوئی قانون اور ضوابط نہیں۔ یہ ایک راکھشش کی طرح ہوتے ہیں۔ سیاہ سفید کے مالک۔ شریف آدمیوں کو پھنسانا ان کے لیے کچھ مشکل نہیں ہوتا ہے' اور پھر اس کے فلیٹ میں کلدیپ کور موجود ہے۔ اس کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی اس نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

"میں کچھ دیر بعد آپ کو فون کرنے والا تھا۔ مجھے بٹن مل گئے ہیں' مجھے چوں کہ دفتر جانے میں دیر ہو رہی ہے' کیا آپ پھر نہیں آسکتے؟"

"بٹن مل گئے ہیں؟" رام داس کو اس جواب کی کوئی توقع نہیں تھی۔ کل کی گفتگو کی روشنی میں۔

"ہاں!" موہن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "وہ میری بیوی کی الماری میں بٹن' سوئی دھاگے کے بکس میں تھے۔ تلاش کیا تو مل گئے؟"

"کیا میں انہیں ایک نظر دیکھ سکتا ہوں۔" رام داس نے کہا' اور ایک قدم آگے بڑھایا۔

موہن دروازے کے پاس سے ہٹ گیا' تا کہ وہ اندر داخل ہو سکے۔ اس کے پیچھے رنجیت

بھی آ گیا۔ وہ انہیں لاؤنج میں لے آیا۔ پھر وہ بیڈروم میں گھس گیا۔ الماری میں سے بٹن نکالنے لگا تھا' کہ اسے یاد آیا کہ بٹن تو اس کی جیب میں موجود ہیں۔ وہ لاؤنج میں آ کر بولا۔

"رات میں نے انہیں تلاش کرنے کے بعد کہیں رکھ دیا تھا۔ ایک منٹ۔ میں انہیں لے کر ابھی حاضر ہوتا ہوں۔"

اس نے بیڈروم کا دروازہ قدرے کھلے رہنے دیا۔ کلدیپ کور سامنے کہیں نہیں تھی۔ شاید واش روم میں ہو۔ اس نے سوچا۔ جیکٹ کرسی پر پڑی تھی۔ وہ اسے اٹھا رہا تھا کہ رام داس دروازے تک آ گیا۔ اس نے بستر کی چادر کو بے ترتیب اور اس کی شکنوں سے اندازہ کر لیا کہ اس پر دو افراد سوتے رہے ہیں۔ وہ جیکٹ کی جیب سے بٹن نکال کر آگے بڑھا' تو رام داس کو دروازے سے ہٹنا پڑا۔

رام داس نے اس کے ہاتھ سے تمام بٹن لے کر انہیں شمار کیے۔

"ٹھیک ہے بٹن پورے ہیں۔" رام داس نے کہا۔ "زحمت نہ ہو تو اب جیکٹ دکھا دیں۔"

موہن تیزی سے گھوم کر بیڈروم میں گیا۔ جیکٹ لے کر باہر آیا۔ رام داس نے جیکٹ لے کر اس میں لگے ہوئے بٹن چیک کیے' وہ پورے تھے۔

"شکریہ۔" رام داس نے کہا۔ "آپ اب بے فکر رہیں۔ میں آپ کو پریشان کرنے نہیں آؤں گا۔"

"اب پھر سے آنے کی کوئی وجہ بھی تو نہیں ہے۔" موہن نے شکایتی لہجے میں کہا۔ "آپ نے مجھے کچھ زیادہ ہی پریشان کر دیا ہے۔"

"یہ چوں کہ قتل کی ایک تحقیقات ہے مسٹر موہن! اس لیے بعض اوقات کسی نہ کسی کو پریشان کرنا پڑتا ہے۔" رام داس نے جواب دیا۔ "بڑی عجیب عجیب باتیں پیش آ رہی ہیں۔ میں جیکٹ اور بٹنوں کا اضافی سیٹ لے جاؤں تو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ میں انہیں جلد ہی واپس کر دوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

"لے جائیں۔" موہن نے بے زاری سے کہا۔ "میں یہ منحوس جیکٹ دوبارہ دیکھنا اور پہننا نہیں چاہتا ہوں۔ اسے کہیں پھینک دینا۔"

رام داس اور رنجیت کے باہر نکلتے ہی موہن نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر وہ بیڈروم میں آ گیا۔ کلدیپ کور۔ شوبھا کے کنگھے سے بال کو سنوار رہی تھی۔ موہن کو بہت ہی ناگوار لگا۔ لیکن وہ کیا کہہ سکتا تھا۔ خاموش رہ گیا۔

"کیا تمہارے بن بلائے مہمان مطمئن ہو کر چلے گئے؟" اس نے آئینے میں موہن کو

دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں کل رات نشے میں تھا۔'' وہ خجالت سے بولا۔ ''تمہاری وجہ سے شوبھا کا بستر اور میں بھی آلودہ ہوگیا۔ میں اس کا مجرم بن گیا۔''

''اچھا! اچھا!'' کلدیپ کور ہنسی۔ ''مجھے اپنے ضمیر کا مجرم مت بناؤ۔ تم نے ساری رات مجھے سونے نہیں دیا۔ میں کھلونا بنی رہی۔''

موہن کا جی چاہا کہ اس کا گلا گھونٹ کر مار دے۔ یہ زہریلی ناگن اسے ساری رات ڈستی رہی تھی۔ اسے آلودہ کرتی رہی تھی۔ اس میں اور ایک طوائف میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اب بھی وہ پیاسی دکھائی دیتی تھی۔ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہی تھی، کہ وہ پھر سے بہک جائے اور پھر رات کی حالت میں تھی، جو اسے ورغلانے کے لیے تھا۔ وہ جلدی سے غسل خانے میں گھس گیا۔ نہانے کا وقت نہیں رہا تھا۔ اس لیے اس نے جلدی جلدی شیو بنا کر لباس تبدیل کیا۔ کلدیپ کور کچن میں انڈوں کا سینڈوچز اور کافی بنا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر سینڈوچز اور کافی لے آئی۔ میز پر بیٹھ کر ان دونوں نے سینڈوچز کھائے اور کافی پی۔ اس نے کافی اچھی بنائی تھی۔

''آؤ چلیں!'' موہن نے اپنی کافی ختم کرنے کے بعد اس سے کہا۔ ''دفتر کا وقت ہو رہا ہے، کہیں دیر نہ ہو جائے۔''

''احمق آدمی! پہلے ذرا جھانک کر تو دیکھو۔'' کلدیپ کور نے تیزی سے کہا۔ ''تم مجھے بغیر کسی کی نظر میں لائے یہاں سے کیسے لے جاؤ گے؟ تم نے یہ سوچا نہیں، چلنے کے لیے کہہ رہے ہو؟''

پھر کلدیپ کور نے اسے ترکیب بھی بتا دی۔ وہ جلدی سے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لیٹ گئی اور استعمال شدہ کپڑوں کی گٹھڑی اپنے اوپر رکھ لی۔ موہن گاڑی لے کر نکلا، اور تب تک اس کا دل دھک دھک کرتا رہا، جب تک وہ ایک سنسنان سڑک پر نہ آ گئی۔ اس سڑک پر ٹریفک بہت کم تھا۔ کلدیپ کور گٹھڑی ہٹا کر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ گاڑی دفتر کے سامنے رکی تو کلدیپ کور نے اس سے کہا۔

''تم جا کر دفتر کھولو اور ڈاک دیکھو۔ میں کپڑے خود ہی ڈرائی کلینرز کو دے کر آتی ہوں۔''

موہن نے دفتر کا مقفل دروازہ کھولا۔ فرش سے ڈاک سمیٹی اور پھر اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے شوبھا کی آواز آئی۔ یہ آواز موہن کے دل پر ایک کوڑے کی طرح لگی۔

''ڈارلنگ! پتا جی کی طبیعت بہت خراب ہے۔'' شوبھا نے دل گرفتہ لہجے میں بتایا۔

''ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے۔ ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں رہی ہے۔ وہ تمہیں مسلسل پوچھ رہے ہیں۔ میرا دل بہت دکھ رہا ہے۔''

''گھبراؤ نہیں جانی!'' موہن نے اسے دلاسا دیا۔ ''میں پہلی فلائٹ سے آ رہا ہوں۔ ایشور ان پر دیا کرے۔''

''میں نے فلائٹس چیک کی ہیں۔'' شوبھا نے کہا۔ ''ایک فلائٹ ساڑھے دس بجے کی ہے۔ کیا تم اس سے آ سکتے ہو ڈارلنگ؟''

''ہاں! میں پوری پوری کوشش کروں گا۔'' موہن نے اسے امید دلائی۔

''دیدی اور بہنوئی بھی آ رہے ہیں اور میں بھی تمہیں ایئر پورٹ پر مل جاؤں گی۔'' شوبھا بولی۔

موہن نے لمحے بھر کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ شوبھا کے پتا جی سے اپنے پتا جی کی طرح محبت کرتا تھا۔

موہن ریسیور رکھ رہا تھا، کہ کلدیپ کور آ گئی۔ اس نے موہن کو پریشان دیکھ کر پوچھا۔

''اب کیا ہوا؟''

''میرے سسر کی حالت بہت خراب ہے۔'' موہن نے جواب دیا۔ ''ڈاکٹروں نے ان کی زندگی سے مایوسی کا اظہار کر دیا ہے۔ وہ مجھے بلا رہے ہیں۔ مجھے ہر حال میں جانا ہوگا کیوں کہ میں ان سے باپ کی طرح محبت کرتا ہوں۔ کوشش کروں گا کہ پیر تک واپس آ جاؤں۔''

''تم بھول رہے ہو کہ وہ بلیک میلر گنگولی رقم کا مطالبہ کرنے آئے گا۔'' کلدیپ کور نے کہا۔ ''کیا تم شام کی یا کل کی فلائٹ سے نہیں جا سکتے؟''

''وہ خبیث نرک میں جائے۔'' موہن نے جھنجھلا کر کہا۔ ''ساڑھے دس کی فلائٹ ہے۔ وقت بہت کم ہے۔ ایئر پورٹ پہنچنا ہے۔''

پھر وہ کلدیپ کور کے جواب کا انتظار کیے بغیر بھاگتے ہوئے دفتر سے نکل گیا۔



گیتی آگ کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کی تپش محسوس کر رہی تھی۔ کالونی میں صبح کا ناشتہ کر لیا گیا تھا۔ بیشتر ہپی یا تو تیرنے یا کچھ کمائی کرنے جا چکے تھے۔ اسے یہ وقت بہت سہانا لگتا تھا۔ اس لیے بھی کہ موسم خوشگوار اور فرحت بخش ہوتا تھا۔ کالونی پر رات کی سی خاموشی مسلط ہو جاتی تھی، جس سے ایسا لگتا تھا کہ کالونی میں کوئی موجود ہی نہیں ہے۔ کالونی ویران اور سنسنان پڑی ہوئی ہے۔

گنگولی اب ناشتا کرنے آتا ہی ہوگا۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے سوچا۔ وہ اس وقت آتا تھا۔ گیتی نے اس کے لیے پہلے ہی ایک پلیٹ میں سالچ الگ نکال کر رکھ دی تھی۔ انڈے ختم ہو گئے تھے۔ ایک انڈا بھی نہیں رہا تھا۔ اب شام کے وقت انڈے والا انڈے دینے آئے گا۔ اس لیے اس نے توس تلنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ وہ پھر گنگولی کے بارے میں بڑے محبت بھرے انداز سے سوچنے لگی' جو اس سے بار بار کہتا تھا' کہ لوگوں کو تمہاری ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ کیوں کہ تم ان کی ضرورت اور کمزوری بن چکی ہو۔ کسی نے اس سے پہلے کبھی اتنی اچھی بات نہیں کہی تھی' اور نہ ہی کبھی اس کے دل میں یہ بات آئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس بات میں سچائی بالکل بھی نہیں ہے۔ مگر گنگولی جیسے نوجوان کے منہ سے یہ بات نکلنا بڑی بات تھی۔ بہرحال اس بات نے صرف اس کا دل ہی نہیں' بلکہ رُواں رُواں تک خوش کر دیا تھا۔ اس نے یہ بات بڑی سنجیدگی سے کہی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کے سوا کسی اور لڑکی کی طرف نہیں دیکھے۔ اس نے کل رات گنگولی کو خوش کرنے کے لیے ایک نوعمر لڑکی کو گنگولی کے کیبن میں بھیج دیا تھا۔ حالانکہ گنگولی نے اسے بلایا تھا۔ لیکن اس نے اس رات ایک پرانے آشنا سے معاملہ طے کر لیا تھا۔ وہ اسے بڑی معقول رقم کے علاوہ تحفہ بھی دیتا تھا۔ پہلی رات اس نے جو گنگولی کے ساتھ گزاری تھی' اس کے عوض گنگولی سے رقم لینا نہیں چاہا تھا۔ وہ تو اس پر مفت میں مہربان تھی۔ اس لیے کہ اسے گنگولی سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ گنگولی سے ناشتے کے پیسے بھی نہیں لیتی تھی۔ اس نے آج ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اب روز ہی رات گنگولی کے کیبن میں رہے گی۔ دونوں میاں بیوی کی طرح زندگی گزاریں گے۔ اسے بڑی خوشی ہوگی' جب وہ ماں بن جائے گی۔ گنگولی اس کے بچے کا باپ ہوگا۔ وہ تصور میں خود کو گنگولی کی آغوش میں محسوس کرنے لگی۔ اس کی نس نس میں خون رقصاں ہو گیا۔ ماں بن کر وہ کیا محسوس کرے گی؟

"کیا سو رہی ہو گیتی!؟" اس کے کانوں میں ایک مانوس مردانہ آواز گونجی' تو سپنوں کی حسین دنیا سے نکل کر حقیقی دنیا میں آ گئی۔ اس نے جلدی سے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ سامنے بھوپت لعل کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ اسے بھی پسند کرتی' اور کبھی کبھی اس کے کیبن میں بھی چلی جاتی تھی۔

"سو نہیں رہی تھی' بلکہ ایک بہت ہی سندر سپنا دیکھ رہی تھی۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "ایسا سپنا کبھی کبھی دیکھنے کو ملتا ہے۔"

"کیا سپنا دیکھ رہی تھیں؟" بھوپت لعل مسکرا دیا۔ "عورتیں سوئے اور جاگتے میں بھی سپنے دیکھتی رہتی ہیں۔"

"بعض سپنے بتانے کے نہیں ہوتے' اس لیے کہ یہ عورتوں کے سپنے ہوتے ہیں' کیوں کہ بتانے سے انہیں نظر لگ جاتی ہے۔" گیتی نے ہنس کر جواب دیا۔ "کیا تم سپنے دیکھتے ہو؟ وہ تمہیں نظر آتے ہیں؟ مرد شاید سپنے نہیں دیکھتے ہیں۔"

"سپنا کون نہیں دیکھتا۔ مرد ہو یا عورت۔ لڑکی ہو یا لڑکا۔ ہر شخص اپنی عمر کے لحاظ سے سپنا دیکھتا ہے۔" وہ بولا۔

"اس وقت کیسے آنا ہوا؟" گیتی نے پوچھا۔ "تم اس وقت تو نہیں آتے ہو؟ کیا مجھے ساتھ لے جانے آئے ہو؟"

"تم سے ایک اہم بات کہنے آیا تھا۔" بھوپت لعل نے کہا۔

"میں بہت فکرمند ہوں۔ کیوں کہ ہم لوگوں کا ٹی وی آنا اچھا نہیں ہوا۔ ممکن ہے ہمیں یہاں سے بیدخل کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہوا' تو پھر ہم یہاں سے کہاں جائیں۔ اب کہیں بھی ایسی جگہ نظر نہیں آتی ہے۔"

"رہنے کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی جگہ ملتی رہی ہے' اور پھر کوئی نہ کوئی اور کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گی۔" گیتی نے فلسفیانہ لہجے میں جواب دیا۔ "اس قدر فکرمند ہونے اور تشویش کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ! اس وقت کیا بجا ہے؟"

وہ بہت بے پروا اور بڑی رجائیت پسند بھی تھی' اور کسی بھی جگہ خوش رہ سکتی تھی۔ اس لیے بھوپت لعل کی پریشانی کا کوئی اثر نہیں لیا۔ بس اسے پکانے کے لیے کوئی معقول اور کشادہ جگہ مل جائے۔ وہاں آگ کا بھی بندوبست ہو۔

"دس بج چکے ہیں۔" بھوپت لعل نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھ کر بتایا۔ "ہم یہاں دو برس سے خانہ بدوشوں کی طرح ہیں۔ کیبن بنانے پر خرچ بھی کیا ہے۔ یہ جگہ چھوڑنی پڑی تو بڑی مشکل ہوگی۔ کہاں کہاں خوار ہوتے پھریں گے۔ خرچ کے لیے بڑی رقم کہاں سے لائیں گے۔"

گیتی نے اس کی بات جیسے نہیں سنی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی' چند لمحوں کے بعد جب گنگولی ناشتا کرنے آئے گا تو وہ اکیلی ہو۔ بھوپت لعل نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ "تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔ تم نے دو تین راتیں اپنی شکل نہیں دکھائی۔" یہ کہہ کر وہ اس کے چہرے پر جھک گیا۔ اس وقت وہ بھوپت لعل کو خوش کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ وہ اس کی من مانی پر تعرض کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی ناراضی کوئی لڑکی اور عورت مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ خودسپردگی سے مجبوری سے وہ اسے من مانی کرنے دیتی رہی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ گنگولی اسے بھوپت لعل کی آغوش میں دیکھ لے' وہ اس کے بازوؤں سے غیر محسوس انداز سے نکلتی ہوئی بولی۔

"کیا تم آج تیرنے نہیں جا رہے ہو۔ یہ تم دل بہلانے اس وقت کیسے آ گئے؟ کیا میں سحر کے وقت آ جاؤں تمہارے کیبن میں۔"

"کوئی آنے والا ہے کیا؟" وہ ہنس پڑا۔ "میں جا رہا ہوں ۔تم جب دل کرے آ جاؤ۔ گنگولی کہہ رہا تھا' کہ وہ کل چلا جائے گا۔"

"یہ بات تو اس نے مجھ سے بھی کہی تھی' مگر اس بات کا امکان ہے کہ وہ واپس آ جائے۔" گیتی نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا' اور اس کے چہرے پر گھٹا سی دیکھ کر بھوپت لعل کو افسوس ہوا کہ اس نے گنگولی کا ذکر کیوں چھیڑا۔

"ہاں! وہ ضرور واپس آ جائے گا۔ اس لیے اسے اتنی سستی رہائش کہاں ملے گی' اور پھر تم جیسی لڑکی جس کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کی لذت اور ذائقہ پورے ممبئی شہر میں کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے۔" بھوپت لعل نے کہا۔

یہ بات کہتے ہوئے اسے اندازہ تھا' کہ اب یہاں کے لوگ کبھی بھی گنگولی کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ اس لیے یہاں سے جو جاتے ہیں' وہ پلٹتے نہیں ہیں۔ پھر اس نے گیتی کا ایک طویل اور پُر جوش انداز سے بوسہ لیا۔ اس میں خلوص اور ہمدردی کے جذبے کا اظہار تھا۔ پھر وہ وہاں سے نکل کر سمندر کی طرف بوجھل بوجھل قدموں سے چل دیا۔ گیتی نے پہلے تو بال اور لباس کی شکنیں درست کیں۔ پھر بالوں کو بے ترتیب پایا تو کنگھی سے سنوارا۔ پھر اس نے پلاسٹک کے شیشے سے ساسیج نکالے اور فرائی پین میں ڈال کر اسے آگ پر رکھ دیا۔ پھر اس نے کچھ توس کاٹے اور مزید کچھ تیل ڈالتے ہوئے انہیں بھی فرائی پین میں تلنے لگی۔ جب وہ دونوں چیزیں مناسب طور پر پک گئیں' تو اس نے فرائی پین آگ سے اتار لیا۔ خاصی دیر ہونے پر گنگولی نہیں آیا تھا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ گنگولی کا ناشتا اس کے کیبن میں لے جائے۔ وہ کل لے گئی تھی۔ شاید وہ آج بھی ناشتے کا انتظار کر رہا ہو۔ ناشتا کرنے کے بعد وہ دونوں محبت بھری وادی میں بہت دور جا سکتے ہیں۔ یہ محبت کے لمحات بھی کیسے جادو بھرے ہوتے ہیں۔

پھر اس نے جلدی سے ایک رکابی میں ڈالے۔ چھری اور کانٹے کا اضافہ کیا' اور رکابی اٹھا کر گنگولی کے کیبن کی طرف چل دی۔ دروازے کے سامنے پہنچ کر اس نے مخصوص انداز سے دستک دی۔ چند لمحات انتظار کیا۔ جواب میں کوئی آہٹ سنائی نہیں دی۔ اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا' تو بھڑا ہوا دروازہ بغیر کسی چرچراہٹ کے کھل گیا۔

"ڈارلنگ!" گیتی نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "یہ دیکھو! میں تمہارے لیے کیسا زبردست ناشتہ لائی ہوں۔"

کھڑکی کے نیم وا پٹ سے تیز دھوپ اندر آ رہی تھی۔ سامنے ہی میز تھی۔ اس نے نگاہ اٹھائی۔ میز پر گنگولی کا کٹا ہوا سر رکھا تھا۔" پلیٹ گیتی کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑی اور اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

بھوپت لعل نے سمندر میں نہاتے ہوئے گیتی کی چیخیں سنی' پھر اس نے دل خراش چیخوں سے اندازہ لگایا کہ ضرور کوئی بھیانک واقعہ پیش آیا ہے۔ پھر وہ دیوانہ وار گنگولی کے کیبن کی طرف بھاگا۔



اشوک...... پولیس فوٹو گرافر گنگولی ٹکڑے ٹکڑے لاش کی تصویریں لینے کے بعد قریبی جھاڑیوں کی طرف دوڑا۔ جہاں اسے الٹی ہو گئی۔ جس بے دردی سے قاتل نے اس کے اعضاء کو ٹکڑے کیا تھا' شاید کوئی قصائی بھی جانور کے نہ کرتا ہو گا۔ لیکن وہ تو قصائی نہیں' بلکہ کوئی خون آشامی تھا۔ جس نے بھی اس لاش کو خون میں نہایا ہوا دیکھا' اس نے یہی سوچا تھا۔

نارائن' شرما اور رام داس جیسے سخت اعصاب کے مالک بھی کیبن میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں سکے۔ ان کی طبیعت غیر ہونے لگی تھی۔ صرف ڈاکٹر پرکاش اور اس کے دو مددگار اندر رہ گئے تھے تا کہ کارروائی کی جا سکے۔ ان کا بس چلتا تو وہ ایک لمحہ بھی اندر نہ ٹھہرتے۔

"یہ اس جنسی دیوانے کی حرکت معلوم ہوتی ہے' جس نے اب تک کتنی ہی لڑکیوں کو درندگی اور بہیمانہ قتل کا نشانہ بنایا۔" فرنانڈس نے کہا۔ "وہ لڑکیوں کی عزت سے کھیلنے کے بعد ان کے بدن کو کاٹ دیتا تھا۔ اس نے اس جوان کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔"

"لیکن اس قاتل نے مقتول کا خون نہیں پیا' ورنہ ایک قطرہ بھی موجود نہ ہوتا۔" نارائن نے کہا۔ "اس نے جس لڑکی کو بھی قتل کیا اس کی عزت کو پہلے نشانہ بنایا۔ پھر اسے کسی طرح بے ہوش کیا' اس کا خون پی گیا' پھر اس کے بدن کو چیر پھاڑ دیا گیا۔"

"مجھے تو سر! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے کسی درندے نے نہیں' بلکہ کسی نادیدہ خونی بلا نے نشانہ بنایا ہو۔" ایک سپاہی نے دہشت زدہ ہوتے ہوئے کہا۔ اس نے جو گنگولی کی لاش دیکھی تھی' تو اس پر ابھی تک خوف و دہشت سوار تھی۔

"کیا تم نے کل سریندر کپور کا پروگرام ٹی وی پر دیکھا تھا؟" فرنانڈس نے نارائن سے پوچھا۔ "سریندر کپور نے کہا تھا کہ گنگولی نے قاتل کو دیکھا ہو' مگر وہ کسی وجہ سے بتا نہ رہا ہو' غالباً یہ سن ہمارے دیوانے قاتل نے اسے افشائے راز کے خوف سے ٹھکانے لگا دیا۔"

"مگر اسے لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی کیا وجہ تھی؟" نارائن نے سوال کیا۔ "کیا اس

کے لیے ذبح کر دینا ہی کافی نہیں تھا؟"

"کیوں کہ وہ ہوش مند نہیں' بلکہ انتہائی پاگل ہے۔" فرنانڈس نے جواب دیا۔ "ایک پاگل جنون میں کچھ بھی کر سکتا ہے۔ یہ اس نے پہلا مرد قتل کیا ہے۔ اب تک جو اس نے وارداتیں کی ہیں وہ نوجوان اور بے حد حسین لڑکیوں کی تھیں۔"

اس لمحے ڈاکٹر پرکاش کیبن سے باہر آیا۔ اس کے ماتحت ایک طرف کھڑے ہو گئے' تو وہ تینوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیا رپورٹ ہے مسٹر پرکاش!" فرنانڈس نے سوال کیا۔ "آپ کس نتیجے پر پہنچے؟ کیا یہ حرکت ایک انسان کر سکتا ہے؟"

"انسان؟ انسان کیا کچھ نہیں کر سکتا؟ انسان تو خون آشامی درندوں کو بھی شرما دیتا ہے' اور اس کے نزدیک انسانی جان اور اس کا لہو تو پانی سے بھی ارزاں ہوتا ہے۔" ڈاکٹر پرکاش نے جواب دیا۔ "میرا اندازہ ہے کہ اسے دو بجے رات کے لگ بھگ قتل کیا گیا ہے۔ غالباً قاتل نے دروازہ کھٹکھٹایا ہو گا' اور جیسے ہی گنگولی نے دروازہ کھولا ہو گا' تو اس نے چشم زدن میں چاقو مار دیا۔ اس کی موت فوراً ہی واقع ہو گئی۔ لاش کے اوپر کسی چوڑے پھل والے وزنی چاقو سے وار کیے گئے ہیں۔ جس سے کھیتوں میں گنے یا درختوں کی موٹی موٹی شاخیں کاٹی جاتی ہیں۔ یا پھر گوشت کاٹنے کے کسی ایسے اوزار سے' جو عموماً قصائیوں کے پاس ہوتے ہیں۔ یہ چاقو یقیناً بہت تیز دھار کا تھا۔ قاتل نے اس کی دھار خطرناک حد تک اسے ذبح کرنے کے لیے بنائی یا بنوائی ہو گی۔"

"کیا آپ اسے کیبن سے باہر نکال سکتے ہیں؟" فرنانڈس نے کہا۔ "تاکہ ہم کیبن کا جائزہ لے سکیں۔ کسی فوری نتیجے پر پہنچ سکیں۔"

"وہ باہر کی فضا میں سانس لینے آئے ہیں' ابھی میرے مددگار نمٹا دیتے ہیں۔" ڈاکٹر پرکاش نے کہا۔ "صرف چھ سات منٹ کا کام رہ گیا ہے۔"

"میں بھوپت لعل سے بات کرتا ہوں۔" رام داس نے کہا۔ "گیتی نامی لڑکی' جس نے سب سے پہلے لاش دیکھی تھی' اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہے۔ وہ سردست کچھ بتانے اور بولنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ نہ میں اس حالت میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

اس وقت ایک دوسری ایمبولینس بھی آ گئی' جو نارائن نے ڈاکٹر کے کہنے پر فون کر کے بلوائی تھی۔

"میں اسے مارینا کا انجکشن دے کر ہسپتال لے جاتا ہوں۔" ڈاکٹر پرکاش نے کہا۔ "اس

کے لیے سکون اور نیند بہت ضروری ہے۔"

ڈاکٹر پرکاش' گیتی کی طرف بڑھ گیا' جو ریت پر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے لیٹی تھی۔ اسے اسٹریچر پر ڈال کر دوسری ایمبولینس میں لے جایا گیا۔ بھوپت لعل ریت پر خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کیا گیتی یہی سپنا دیکھ رہی تھی؟ یہ حقیقت کتنی بھیانک ہے؟

"ڈاکٹر پرکاش کے بیان کے مطابق گنگولی کو رات دو بجے قتل کیا گیا تھا؟" رام داس نے کہا۔ "کیا آپ نے اس کی آواز سنی تھی؟"

"میں نے سنی تھی۔" بھوپت لعل کے بجائے ایک دبلا پتلا ہپی آگے بڑھا' اور اس نے جواب دیا۔ لوکس بھی آ گیا۔ اس نے جیب سے نوٹ بک نکالی۔

"تم کون ہو؟" رام داس نے اس ہپی نوجوان کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرا نام نریندرا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "گزشتہ رات میں پیشاب کے لیے اٹھا تھا۔ تب پونے تین بجے تھے۔"

"تمہیں اس وقت' وقت کا اندازہ کیسے اور کیوں کر ہوا؟" رام داس نے سوال کیا۔

"میرے پاس ایک دستی گھڑی ہے' جو میرے پتا جی نے مجھے میری بیسویں سالگرہ کے موقع پر دی۔" وہ بولا۔ "وہ گھڑی چوں کہ بہت خوب صورت بھی ہے' قیمتی بھی ہے' میں اسے بار بار دیکھتا رہتا ہوں۔"

"اچھا تو تم پیشاب کے لیے اٹھے تھے۔" رام داس نے سر ہلا دیا۔ "پھر کیا ہوا؟"

"اس وقت معاً میری نگاہ گنگولی کے کیبن کی طرف اٹھی۔ اس کے کیبن میں روشنی ہو رہی تھی۔" وہ بتانے لگا۔ "میں نے سوچا کہ اگر کوئی اتنی دیر تک جاگتا ہے' جاگنا چاہتا ہے تو مجھے کیا' میں نے سوچا کہ شاید اس کے ساتھ کوئی لڑکی ہو گی۔ دو رات قبل میں نے اس کے کیبن میں روشنی دیکھی۔ اس کی کھڑکی کا پٹ قدرے کھلا ہوا تھا۔ پھر میں نے ایک لڑکی کی دبی دبی ہنسی کی آواز سنی۔ اس پر لڑکیاں بہت فدا تھیں۔ وہ دن اور رات میں ان کے ساتھ مزے لوٹتا تھا۔ میں دبے پاؤں گیا۔ ایک تیرہ چودہ برس کی مرہٹہ لڑکی اور وہ دونوں غلاظت کے دلدل میں تھے۔ یہ لڑکی میوری کے بازار کے پاس رہتی ہے۔ رات مردوں کے ساتھ اور دن میں گھر میں سو کر گزارتی ہے۔ وہ اپنی بھابی کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا بھائی دہلی میں ملازمت کرتا ہے۔ نند اور بھابی دھندا کرتی ہیں۔"

"کیا تم نے اس وقت جا کر یہ نہیں دیکھا کہ آج کی رات اس کے کیبن میں کون سی لڑکی موجود ہے؟" رام داس نے پوچھا۔

''نہیں!'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیوں نہیں دیکھا؟'' رام داس زیرلب مسکرا دیا۔ ''یہ ایک ایسی حقیقی فلم ہوتی ہے' جو ہر آدمی دیکھنے کے لیے تڑپتا ہے۔''

''اس لیے کہ وہ ایک طاقت ور بن مانس کی طرح تھا۔'' اس نے جواب دیا۔ ''میرے دل میں اس بات سے خوف پیدا ہوا کہ اس نے آہٹ سن لی' یا پھر مجھے جھانکتے ہوئے دیکھ لیا' تو میری خیر نہ ہوگی۔ آپ سچ کہتے ہیں مجھے تجسس سا ہوا تھا۔ اس رات میں چھپ کر بڑی تک ان دونوں کو جذبات کی رو میں بہتا دیکھتا رہا تھا۔ جب میں نے خوف کو بالائے طاق رکھ کر بڑھنے کا ارادہ کیا' تو کچھ سنا ضرور' کھٹاک' کھٹاک' دو آوازیں' ایسی آوازیں' جو اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب کوئی قصاب ہڈی اور گوشت کاٹ رہا ہو۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ ہڈی والا گوشت کاٹنے پر کیسی آواز پیدا ہوتی ہے؟'' رام داس بولا۔

''اس لیے کہ میرے پتا جی کی پولٹری فارم کی مرغیوں کا گوشت بیچنے کی دکان ہے۔ ساتھ میں ایک بکرے کے گوشت کی دکان ہے۔'' اس نے کہا۔ ''میں ان سے پیسے لینے جاتا تھا' تو وہاں کچھ دیر گاہکوں کی وجہ سے کھڑا رہتا تھا۔ بکرے کا گوشت کٹتے دیکھتا تھا۔''

''تمہیں اچھی طرح سے یاد ہے کہ یہ پونے تین بجے کا وقت ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم اس وقت گہری نیند کی حالت میں تھے؟''

''ہاں! اس وقت پونے تین ہی بجے تھے۔ جب میں بیدار ہوتا ہوں تو سب سے پہلے گھڑی اور وقت دیکھتا ہوں۔''

''رام داس نے سوچا کہ اس سے کم سے کم قتل کے وقت کا تعین ضرور ہو جاتا ہے۔ اس لڑکے نے جو دو آوازیں سنیں۔ وہ یقیناً گنگولی کے سر کاٹنے کی تھیں۔ اس لڑکے کو اندازہ نہیں ہو سکا۔ یہ غریب قیاس بھی کیسے کرسکتا تھا۔ ہاں! اگر وہ تجسس کے زیر اثر چلا جاتا' تو وہ قتل اور قاتل کو بھی دیکھ لیتا۔''

''پھر کیا ہوا؟'' رام داس نے پوچھا۔

''کیا تم نے یہ جاننے اور سمجھنے کی کوئی کوشش نہیں کی کہ یہ کھٹاک کی آوازیں کیا تھیں؟''

''پھر میں اپنے بستر پر جا کر سو گیا۔'' اس نے جواب دیا۔ پھر سوچا کہ وہ کیوں نہ بتا دے کہ وہ برابر کے کیبن میں چلا گیا' جس میں سونی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کا بوڑھا شوہر جو ممبئی گیا تھا وہ رات رک گیا تھا' اور اب صبح آنے والا تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ پولیس اسے خوامخواہ تنگ کرے گی۔

''روشنی جب تم بستر پر جا کر دراز ہوئے تھے' اس وقت بھی روشن تھی؟''

''ہاں!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں نے تھوڑی دیر بعد کھڑکی سے جھانکا تو روشنی اس کے کیبن سے جھانک رہی تھی۔''

''کیا تم مزید کچھ اور بتا سکتے ہو' جس سے ہم قاتل تک پہنچ سکیں۔ کوئی سراغ مل جائے؟'' رام داس بولا۔

''مجھے جتنا کچھ معلوم تھا' وہ میں نے بتا دیا۔'' وہ کہنے لگا۔ ''مجھے اس بات کا افسوس ہو رہا ہے کہ میں اس کے کیبن کے پاس چلا کیوں نہیں گیا۔ اسی طرح وہ سفاک ترین قاتل گرفتار ہو جاتا۔ میں گنگولی کو اس لیے پسند کرتا تھا' کہ وہ مجھ سے بہت اچھی طرح ملتا تھا۔''

اسے واقعی اس بات کا افسوس ہو رہا تھا۔ لیکن وہ کیا کرتا کہ سونی اپنے کیبن میں اس کے انتظار میں روشنی کر کے سو رہی تھی۔ اس نے گنگولی کے کیبن کی طرف جانے سے پہلے سونی کے کیبن میں جھانکا تھا۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ جاگ رہی ہے' یا سو رہی ہے۔ وہ سو رہی ہے' تو گنگولی کے کیبن تک چلا جائے۔ لیکن وہ سو تو رہی تھی' لیکن ایسی حالت میں کہ اس سے رہا نہ گیا' پھر وہ اس کے کیبن میں گھس گیا تھا۔

''اچھا تم اس کالونی میں کب تک رہو گے؟'' رام داس نے پوچھا۔ ''کہیں ایسا تو نہیں کہ اس سنگین واردات کے باعث چلے جاؤ۔''

''میرا ارادہ ہے کہ میں یہاں کم سے کم ایک مہینے تک رہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

''ایک مہینہ؟ وہ کس لیے؟'' رام داس نے کہا۔ ''کیا تم اکیلے یہاں رہتے ہو؟ بور اور بیزار تو نہیں ہو جاؤ گے؟''

''اس لیے کہ یہ جگہ مجھے بہت پسند ہے۔'' وہ کہنے لگا۔

''یہاں بڑا سکون ہے۔ ساحل سمندر ہے۔ شور شرابا اور شہر کی سی گھٹن نہیں ہے۔''

اس نے سوچا کہ کہہ دے کہ سونی اور دو ایک لڑکیاں ہیں' وہ ایک مہینے تک ان سے دل بہلا کر چلا جائے گا۔ اس کا دل گیتی پر بھی آیا تھا۔ لیکن اب گیتی کا خیال سونی نے رات ہی بھلا دیا تھا۔ رام داس تہ میں پہنچ گیا تھا۔

''میں تم سے دوبارہ بات کروں گا۔'' رام داس نے کہا۔

''اور ہاں! میری بات ذرا غور اور توجہ سے سنو! یہ بات اپنی حد تک رکھنا' گنگولی ٹی وی پر آ گیا تھا' اور قاتل نے اسے اس لیے قتل کر دیا۔ تم کسی سے بھی' اپنی محبوبہ یا اس عورت سے بھی

جس سے تمہارے تعلقات ہوں' اور خاص طور پر پریس اور ٹی وی والوں سے ایک لفظ نہ کہنا۔ ورنہ گنگولی کے جیسا انجام ہوگا۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ قاتل میرے پیچھے بھی آئے گا؟" وہ خوف زدہ ہوگیا اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

"بس اپنا منہ بند اور میری نصیحت یاد رکھنا۔" رام داس نے اسے سمجھایا۔

اتنا کہہ کر اس نے قدرے فاصلے پر کھڑے دوسرے بیروں کی طرف دیکھا۔

"کیا تم میں سے کسی نے کوئی بات دیکھی یا سنی ہے؟"

سب نے نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ بری طرح سہمے ہوئے تھے۔ اس قتل کی بہیمانہ واردات نے ان کے چہرے فق کر دیئے تھے۔ ان پر سکتہ سا طاری تھا۔ وہ بے جان مجسمے لگ رہے تھے۔ رام داس نے شرما کو اس لڑکے کے کیبن کا پتا نوٹ کرنے کی ہدایت کی' اور گنگولی کے کیبن کی طرف بڑھ گیا۔ اسکواڈ کے آدمی اور فنگر پرنٹ کیبن میں اپنے کام میں مصروف تھا۔ فرنانڈس ایک طرف کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔ وہ دو مرتبہ اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنا چکا تھا۔ رام داس نے اس بیہی لڑکے سے ہونے والی گفتگو سنا دی۔

"گویا اس لڑکے کی باتوں سے تمہیں مقتول کی موت کا یقینی وقت معلوم ہوگیا۔" فرنانڈس نے کہا۔ "یہ بہت ہی امید افزا بات ہے۔"

مقامی تھانے کا سب انسپکٹر جو گنگولی کے کیبن میں تھا' وہ کیبن سے باہر آیا۔ اس کے ہاتھ میں دو لفافے تھے' جو اس نے رام داس کی طرف بڑھا دیئے۔ "یہ گنگولی کے بیگ سے برآمد ہوئے ہیں؟" اس نے بتایا۔

رام داس اور فرنانڈس نے دیکھا۔ ایک لفافے میں مسز شوبھا موہن کا نام لکھا ہے اور دوسرے پر جسونت سنگھ کا نام۔ انہوں نے لفافوں کے اندر دو خطوط بھی دیکھے' جو گنگولی نے موہن اور کلدیپ کور کو دکھائے تھے۔

"تو گنگولی انہیں بلیک میل کر رہا تھا؟" فرنانڈس نے خط واپس لفافوں میں رکھ دیئے۔ "یہ ہی قتل کا مقصد بھی تو ہوسکتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔ مگر میں تصور نہیں کرسکتا کہ موہن لاش کے یوں ٹکڑے ٹکڑے کرسکتا ہے۔ یہ یقیناً کسی دیوانے کا کام ہے۔ موہن ہرگز ہرگز دیوانہ نہیں ہے۔"

"اس بات کا تم کیسے اندازہ کرسکتے ہو؟ تمہیں کیا معلوم اس شخص کے دماغ میں کیسے خیالات ہیں؟" فرنانڈس نے تکرار کے انداز میں کہا۔

"آدمی اندر سے کیا ہوتا ہے' ہم کچھ نہیں کہہ سکتے؟ یہ خط ایس پی صاحب کو دکھانا' دیکھو وہ کیا خیال کرتے اور کہتے ہیں۔"

رام داس نے دفتر پہنچ کر رنجیت سے دریافت کیا۔ "ایس پی صاحب کیا کر رہے ہیں؟ وہ اندر موجود ہیں؟"

"وہ میئر سے ملنے گئے ہوئے ہیں۔" رنجیت نے جواب دیا۔ "مسٹر راجہ کا فون آیا تھا۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا آپ مجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں؟" رام داس نے رابطہ ہونے پر دریافت کیا۔

"خیر تو ہے؟ کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔ "ان گولف کے گیندوں جیسے بٹنوں کے بارے میں۔ دراصل میرے پاس ایک جیکٹ باقی تھی۔ ایک گاہک نے اسے پسند کرلیا۔ جب میں نے اسے پیک کرتے ہوئے دیکھا' تو اس کا ایک بٹن غائب ہے۔"

رام داس اس کی بات سن کر چونکا۔ "شاید ٹوٹ کر گر گیا ہوگا؟ آپ نے اچھی طرح سے دیکھ لیا دکان کے اندر؟"

"وہ اس قدر مضبوطی سے ٹانکا جاتا ہے کہ اس کے ٹوٹ کر گرنے کا سوال ہی پیدا ہی نہیں ہوتا ہے' اور نہ ہی گر سکتا ہے۔" راجہ نے جواب دیا۔ "ہم نے ہر جگہ اسے تلاش کیا۔ کاؤنٹر کے نیچے اور الماری بھی چیک کرلی۔ لیکن وہ نہیں ملا۔"

"پھر آپ کے خیال میں وہ کیسے غائب ہوگیا؟" رام داس نے کہا۔ "پُراسرار حالت میں کیا کسی نے اسے غائب کیا؟"

"ایک طرح سے پراسرار حالت ہی میں کاٹا گیا ہے۔" راجہ نے جواب دیا۔ "میرے ہاں بٹن اتنے کم زور نہیں لگائے جاتے۔"

"میں وہ جیکٹ دیکھنا چاہوں گا۔" رام داس نے کہا۔ "کیا میں ابھی اور اسی وقت دکان پر آجاؤں۔"

"مگر میں نے وہ جیکٹ بیچ دی۔" راجہ نے جواب دیا۔ "اس میں دوسرا بٹن لگا دیا تھا۔"

"کس کے ہاتھ بیچی ہے؟" رام داس نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا وہ تمہارے مستقل گاہکوں میں سے ہے؟"

"وہ کوئی بڑا شریف اور مہذب آدمی تھا۔" راجہ نے جواب دیا۔ "وہ پہلی بار دکان پر آیا تھا۔ اس نے کوئی مول تول نہیں کیا تھا۔"

"کیا آپ نے اس کا نام پتا رسید بک میں نوٹ کیا؟" رام داس بولا۔ "اس کا فون نمبر وغیرہ؟"

"وہ دہلی کسی کام سے آیا تھا،" راجہ نے کہا۔ "اس نے رسید لینے سے انکار کر دیا۔ جو لوگ تیارشدہ جیکٹ خریدتے ہیں، وہ رسید نہیں لیتے، ہم اس کا نام پتا نوٹ نہیں کرتے۔ یوں بھی وہ دوسرے شہر سے دو ایک دن کے لیے آیا ہوا تھا۔"

"مسٹر راجہ!" رام داس کہنے لگا۔ "آپ ایک منٹ کے لیے یہ بات فرض کریں کہ وہ بٹن کسی نے کاٹ لیا ہے، اور وہ اسے اپنی جیکٹ پر لگا لیتا ہے، یا اضافی سیٹ میں شامل کر دیتا ہے، تو کیا آپ پہچان سکتے ہیں کہ وہ اس جیکٹ کا ہے یا اسے کاٹ کر لگایا گیا ہو؟"

"میں کیسے بتا سکتا ہوں۔" راجہ نے جواب دیا۔ "اس لیے کہ ہر بٹن، بٹن ہوتا ہے، ایک رنگ اور ایک ہی سائز کا، گولف نما۔"

رام داس کے منہ سے ایسی آواز نکلی، جیسے گوشت پیسنے والے آلے کا بلیڈ گوشت کے بجائے ہڈی سے ٹکرایا ہو۔

"یہ کیسی آواز تھی؟ مسٹر رام داس!" راجہ نے چونک کے حیرت سے پوچھا۔ "خیریت تو ہے۔ یہ کیا ہوا؟ جلدی سے بتائیں۔"

"نہیں! پریشانی والی بات نہیں ہے۔ بہت بہت شکریہ مسٹر راجہ!" رام داس نے اتنا کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

پھر اس نے راجہ سے ہونے والی گفتگو رنجیت کو سنائی۔ رنجیت نے کہا۔ "یہ بٹن جو جیکٹ سے کاٹا گیا ہے کس کا کارنامہ ہو سکتا ہے؟"

"جس کا کارنامہ بھی ہے، وہ جلد سامنے آ جائے گا۔" رام داس نے کہا۔ "حیرت کی بات ہے کہ راجہ یا اس کی دکان کے کسی ملازم نے جیکٹ سے بٹن کو کاٹ کر لے جاتے نہیں دیکھا۔ تم ایسا کرو۔ موہن کی جیکٹ اور اس کے اضافی بٹنوں کا سیٹ پولیس لیبارٹری میں لے جاؤ۔ اور ان سے کہو کہ وہ ان کی جانچ کر کے بتائیں کہ کیا تمام بٹن ایک ہی سانچے سے بنے ہیں اور ایک ہی وقت میں بنائے گئے ہیں۔"

جب رنجیت چلا گیا تو رام داس کچھ دیر کسی گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر اس نے ریسیور اٹھا کر راجہ کو فون کیا۔

"میں ایک اور سوال کرنے کی زحمت دے رہا ہوں مسٹر راجہ! کیا گزشتہ دو دنوں میں مسٹر موہن لعل تمہاری دکان پر آئے تھے؟"

"مسٹر موہن لعل، جی نہیں! ان سے تو کئی ہفتوں سے سامنا نہیں ہوا، وہ میرے مستقل گاہک بھی نہیں ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

رام داس نے ایک ٹھنڈی سانس لی، پھر اس نے راجہ کا شکریہ ادا کر کے ریسیور رکھ دیا۔ اس نے جو خیال کیا تھا، وہ غلط تھا۔

ایس پی مکرجی ٹھیک بارہ بجے میئر سے ملاقات کرنے کے بعد ہیڈ کوارٹر آ گیا تھا۔ پھر نارائن، فرنانڈس اور رام داس اس کے کمرے میں تبادلہ خیال اور رپورٹ پیش کرنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

"اوکے مسٹر فرنانڈس تم نے کیا معلوم کیا؟" ایس پی مکرجی نے اپنا سگار سلگاتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ وقت جب قاتل نے گنگولی کا سر کاٹا تھا، اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس کی مدد سے ہم مشتبہ افراد کے بارے میں یقینی طور پر بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں، کہ ان کا موقع واردات سے عدم موجودگی کا عذر درست ہے یا غلط۔ کیبن میں بے شمار انگلیوں کے نشانات ہیں۔ ان میں لڑکیوں اور عورتوں کے بھی ہیں۔ گنگولی کی کمزوری لڑکیاں، لڑکیوں کی کمزوری وہ تھا۔ انہیں چیک کیا جا رہا ہے، لیکن اس میں وقت لگے گا۔ ہمارا مجرم ہوشیار ہوتا جا رہا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس نے گنگولی کو قتل کرتے وقت شاید کپڑے اتار دیئے ہوں، تاکہ کپڑے خون آلود نہ ہو جائیں۔ اس کے کپڑوں پر خون کے چھینٹوں کا آ جانا یقینی تھا۔ ملحق واش روم دیکھنے سے لگا تھا کہ بعد میں اس نے غسل کیا تھا۔ اس کی تمام دیواروں اور فرش پر خون کے چھینٹے پڑے تھے۔ اس نے بلیک میل کرنے کے لیے دو خط لکھے۔ ان سے قتل کا سراغ مل سکتا ہے۔ ممکن ہے موہن نے مجبور ہو کر گنگولی کو قتل کیا ہو۔"

"آپ نے کیا معلوم کیا؟" ایس پی مکرجی نے رام داس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا کوئی سراغ ملا یا اس کی امید ہے؟"

رام داس نے اسے راجہ کی فون کال کے بارے میں، اور اس سے ہونے والی گفتگو کی تفصیل بتائی۔ پھر اس نے کہا۔

"ممکن ہے دکان میں راجہ اور اس کا جو ایک ملازم ہے، وہ دونوں رش کی وجہ سے مصروف ہوں۔ موہن دکان میں داخل ہوا، تو اتفاق سے اس پر ان کی نگاہ نہ پڑی ہو۔ موہن نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور کمال ہوشیاری سے جیکٹ سے بٹن کاٹ لیا ہو۔ میں نے اس کی جیکٹ اور اضافی بٹنوں کا دوسرا سیٹ پولیس لیبارٹری بھجوا دیا ہے۔ رپورٹ آنے کے بعد ہی کسی نتیجے پر پہنچا

جا سکتا ہے۔"

"اب میں بھی تمہیں کچھ بتاؤں؟" ایس پی مکرجی نے سگار کا لمبا سا کش لے کر فضا میں چھوڑا۔ "مسٹر راگھوناتھ جاننا چاہتے تھے کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ اور کہاں تک پہنچے ہیں؟ میں نے انہیں موہن اور کلدیپ کور کے بارے میں بھی بتایا۔ وہ تو جیسے غصے سے کھول اٹھے۔ ان کا کہنا ہے کہ سوائے اس صورت کے، ہمارے پاس قطعی طور پر ناقابل تردید ثبوت موجود ہیں، کہ موہن جنسی دیوانہ قاتل ہے۔ ہم اس کا نام بھی زبان پر نہ لائیں۔ جسونت سنگھ شہر کے تعمیری اور فلاحی کاموں کے لیے بہت خطیر رقم دے رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی پہنچ صدر اور وزیراعظم تک ہے۔ برسراقتدار سیاسی پارٹی اس کی پشت پر ہے۔ اگر ہم نے اس کی بیٹی کلدیپ کور کے بارے میں کوئی اسکینڈل شروع کیا تو سر کٹا کے گر پڑیں گے۔ چنانچہ ہم موہن پر کوئی دباؤ نہیں ڈالیں گے۔ یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں۔"

"موہن! بڑا مؤثر مقصد قتل رکھتا ہے۔" فرنانڈس نے کہا۔

"تم بھول رہے ہو کہ قاتل کو مقصد، دراصل سریندر نے فراہم کیا ہے۔ اس نے غیر مبہم انداز میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی، کہ گنگولی نے قاتل کو دیکھا تھا۔ اسے قتل کرنے کی وجہ بھی یہی تھی۔" ایس پی مکرجی نے کہا۔ "سریندر کپور کو اس بات کا ذکر ٹی وی پر نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"اس سے آخر کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی نا کہ موہن لعل جان توڑ کوشش کر رہا ہے کہ کلدیپ کور کے ساتھ تعلقات سامنے نہ لائے جائیں۔" ایس پی مکرجی نے تیزی سے جواب دیا۔ "اس سے پہلے کہ ہم موہن لعل پر ہاتھ ڈالیں، ہمیں اس سے کہیں زیادہ ثبوت درکار ہوں گے، اور ہم اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے، جب تک ہمیں یہ ثبوت نہ مل جائیں۔ ورنہ میڈیا ناک میں دم کر کے رکھ دے گا۔"

"گویا تو ہم وہیں کے وہیں ہیں، جہاں سے ہم چلے تھے؟" فرنانڈس نے منہ بنایا۔

"نہیں! ایسا نہیں ہے۔" ایس پی مکرجی نے کہا۔ "آپ لوگوں نے اپنی ساری توجہ موہن، کلدیپ کور، موہن کے جیکٹ اور اس کے اضافی بٹنوں کے سیٹ پر مرکوز کی ہوئی ہے، اور شانتی سروپ کی جیکٹ کے بارے میں معلوم نہیں کر سکے ہیں۔ مسز شانتی سروپ اور اس کا خانساماں کہتے ہیں کہ جیکٹ مہاراشٹرا ویلفیئر سینٹر کو دے دی گئی تھی۔ جب کہ مس اوشا کہتی ہے کہ اس نے کبھی جیکٹ وصول ہی نہیں کی۔ مس اوشا سوگند تک کھانے کو تیار ہے۔ میں اسے جانتا ہوں، وہ بڑی نفیس، معتبر اور مخلص عورت ہے۔ اور پھر وہ دو آدمی، جو ایسی چیزیں جمع کرتے ہیں، انہیں کچھ یاد نہیں کہ کوئی جیکٹ بھی تھی، مگر اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ ان دونوں میں سے کسی ایک

نے جیکٹ خود رکھ لی ہو یا کسی کو دے دی ہو۔" ایس پی مکرجی نے توقف کر کے دیکھا۔ "موہن لعل کی جیکٹ لیبارٹری سے واپس لے کر اسے سریندر کے پاس لے جاؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ جیکٹ ٹی وی پر دکھائی جائے اور پھر اس کی تصویر کھینچ کر تمام اخبارات کو اشاعت کی غرض سے ارسال کر دی جائیں۔ اس لیے کہ اس سے اس جیکٹ کو پہننے والے کا کوئی نہ کوئی سراغ یقیناً مل جائے گا۔"

رام داس خوش ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ سریندر کپور سے کہے گا، کہ جیکٹ کو وہ ٹی وی پر خود دکھائے گا۔ ریما کو یہ بات بہت پسند آئے گی۔ تمام ہمسائے اس کے بارے میں چرچا کریں گے کہ رام داس ٹی وی پر آ رہا ہے۔

شانتی سروپ؟ رام داس کے دل میں اس کا خیال آتے ہی اس کی نظروں میں اس کا چہرہ اور ہیجان خیز سراپا ابھر آیا۔ کاش! اس نے ایک سرد آہ بھری۔ اس نے سوچا۔ ایک بار اسے شانتی سے ملنے کا کسی نہ کسی بہانے موقع مل جائے۔ وہ ابھی تک شانتی کو نہیں بھولا تھا۔ رات جب ریما اس کے بازوؤں میں ہوتی تھی، وہ اسے شانتی ہی تصور کر لیتا۔ وہ سوچتا...... کاش! اس کی ملاقات شانتی سے نہ ہوئی ہوتی، کیا ظالم چیز ہے۔



لیبارٹری انچارج انسپکٹر نرنجن نے رام داس کو بڑی ناپسندیدہ نظروں سے اس طرح سے دیکھا، جیسے کوئی رقیب روسیاہ کو دیکھتا ہے۔ نرنجن پولیس کی ملازمت کرتے کرتے بوڑھا ہو گیا تھا۔ وہ ایک چھ فٹ چار انچ کی قامت کا تھا۔ دبلا پتلا جیسے فاقہ زدہ رہتا ہو۔ سر پورا چٹیل میدان کی طرح تھا، گنجان بھنویں۔ یہ اس کا ایسا حلیہ تھا، جو اس کی خصوصیات تھا۔ وہ اس شہر میں سب سے ماہر اور تجربے کار لیب مین خیال کیا جاتا تھا۔

"وہ جیکٹ جو رنجیت آپ کو پہنچا گیا تھا، کیا اس کا معائنہ کر لیا گیا؟" رام داس اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اس کا مسئلہ بٹن تھے نا؟" نرنجن نے پوچھا۔

رام داس نے بے قراری سے اپنا وزن ایک پیر سے دوسرے پیر پر منتقل کیا۔ "ہاں! سردست بٹنوں کی فکر مت کرو۔ مجھے وہ جیکٹ چاہیے کیوں کہ میں ابھی اس کے ساتھ ٹی وی پر آ رہا ہوں۔"

"رنجیت نے مجھے یہ دیکھنے کے لیے کہا تھا، کہ کیا ان میں سے ایک بٹن دوسروں سے مختلف ہے۔" نرنجن نے ایسے سکون سے کہا، جیسے وہ اس کا تمسخر اُڑا رہا ہو۔ "تمہیں کچھ پتا ہے رام داس؟"

"تم ہیڈ کوارٹر والے اپنی آنکھیں بالکل استعمال نہیں کرتے۔" نرنجن کے لہجے میں طنز تھا۔ "ایسا لگتا ہے کہ سب ہی نابینا ہو۔"

رام داس بحث کے موڈ میں نہیں تھا، اور نہ ہی وہ اس سے الجھنا چاہتا تھا۔ "تمہیں اس کی چنتا کرنے کی ضرورت نہیں، وہ جیکٹ دے دو۔"

"تم لوگ صرف اپنی آنکھیں تھکاتے رہتے ہو۔" نرنجن نے پھر چوٹ کی۔ اسے جیسے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل رہا تھا۔ اس لیے رام داس پر طنز کے تیروں کی بوچھاڑ کر رہا تھا۔

"اگر تم نے اپنی آنکھیں استعمال کی ہوتیں تو معلوم ہو جاتا کہ تمام بٹنوں پر ترتیب وار نمبر پڑے ہوئے ہیں۔ کیا آنکھوں کے ساتھ ساتھ عقل بھی ماری گئی ہے؟"

"کیا تم سچ بیان کر رہے ہو؟" رام داس نے اسے گھورا۔ وہ جانتا تھا کہ نرنجن ہیڈ کوارٹر والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔

"اگر تم نے بٹنوں کو غور سے دیکھا ہوتا تو میرا وقت ضائع نہ ہوتا۔" اس نے زہرخند کہا۔

"میں کوئی اور شبھ کام کر لیتا۔"

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو، ہم واقعی آنکھوں سے کام نہیں لیتے، تم مجھے وہ منحوس جیکٹ دے دو۔" رام داس بولا۔

"ان میں سے ایک بٹن نہ تو موہن کی جیکٹ والے بٹنوں سے ملتا ہے اور نہ ہی اضافی سیٹ کے بٹنوں میں سے، میرا مشورہ ہے کہ تم اس بٹن کے نمبر شمار کر لو اور راجہ کی دکان پر جا کر موجودہ بٹنوں سے ان بٹنوں کو ملا کر دیکھ لو۔"

"اس سے ثابت ہو جائے گا کہ موہن یا کسی اور نے وہ بٹن جیکٹ سے کاٹ کر موہن کے بٹنوں میں شامل کر دیا ہے۔ یہی نا۔" نرنجن نے پھر سے کہا تھا۔ پھر وہ مسکرانے لگا تھا۔ اس کے احساسِ برتری کی یہ مسکراہٹ دیکھ کر رام داس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہو گا کہ تمہارا مطلوبہ قاتل موہن ہے۔" نرنجن نے جلتی پر تیل گرا دیا۔

"تو پھر؟" رام داس کبھی آنکھیں بند کر رہا تھا، اور کبھی پھاڑ کر اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"جو بٹن مجھے فرنانڈس نے دیا تھا۔" نرنجن نے جواب دیا۔ "اور جو مقام واردات پر پایا گیا تھا، اس پر ایک مختلف نمبر پڑا ہے۔ وہ نہ تو موہن کے بٹنوں سے ملتا ہے اور نہ راجہ کے بٹنوں سے ملے گا۔ اس طرح تم محض اپنا وقت ضائع کرو گے۔"



"تمہاری بات تو ٹھیک ہے۔ مجھے اس بات کی تنخواہ دی جاتی ہے۔" رام داس ٹی وی پر آنے کے علاوہ کوئی اور بات نہیں سوچ رہا تھا۔ وہ چشم تصور میں اپنے آپ کو ٹی وی اسکرین پر دیکھ رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ پورا شہر ہی نہیں' بلکہ سارا ہندوستان اسے دیکھ رہا' اور اس کی بات سن رہا ہے۔ سریندر کپور کا پروگرام ہندوستان بھر میں مشہور تھا' مقبول تھا۔ اس لیے ہر ایک شوق اور تجسس سے دیکھتا تھا۔ "وقت گزرتا جا رہا ہے۔ وہ جیکٹ کہاں ہے؟"

"تم ہیڈ کوارٹر والوں میں یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ ہر وقت پبلسٹی کے پیچھے بھاگتے ہو۔" نرنجن نے کہا۔ "شاید اس لیے کہ ریٹائر ہونے کے بعد کسی سیاسی جماعت کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لے کر کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ شہرت کام آئے گی۔ ایسے خواب تو شیخ چلی دیکھا کرتا تھا۔ شیخ چلی کا نام سنا ہے نا؟ جب میں ایک معمولی پولیس آفیسر تھا تو......"

"ہاں! میں جانتا ہوں۔" رام داس نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم اور شرلاک ہومز جب لندن میں تھے' گہرے دوست تھے' اور تم دونوں نے مل کر بڑے کارنامے انجام دیئے۔ کیا تم وہ لعنتی جیکٹ دینا نہیں چاہتے ہو؟ صاف صاف بتاؤ' باتوں میں نہ الجھاؤ۔"

نرنجن نے ایک سرد آہ بھری۔ پھر اس نے ایک الماری کھول کر جیکٹ نکال لی' تو رام داس نے جیسے اسے دیکھ کر جھپٹ لیا۔ پھر وہ اس طرح سرعت سے کمرے سے نکل آیا' جیسے وہ جیکٹ اس کے ہاتھ سے کوئی عفریت آن کر چھین نہ لے۔

زینے سے اترتے ہوئے اس کی نظر فون بوتھ پر پڑی' تو اسے یاد آیا کہ اس نے ابھی تک ریما کو یہ خوشخبری نہیں سنائی ہے۔ پھر وہ فون بوتھ میں گھس گیا۔ پھر اس نے فوراً ہی سکے ڈال کر اپنے گھر کا نمبر ملایا۔

جب ریما نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا' تو رام داس نے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "جانی! تم اپنے کان فوراً کھڑے کر لو۔"

"کیا یہ تم ہو رام داس۔" درمیان میں ریما نے تلخ لہجے میں پوچھا۔ "یہ تمہاری آواز کو کیا ہوا؟ کانپ کیوں رہی ہے؟" رام داس کے حلق سے ایسی آواز نکلی' جیسے کوئی شاٹ گن سے فائر کر رہا ہو۔

"تمہارے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟ کیا وہ دودھ والا جس کی آواز سے سارا محلہ جاگ پڑتا ہے؟" وہ بگڑ کر بولا۔

"رام داس! تم میرے پتی ہی نہیں' بلکہ ایک پولیس افسر بھی ہو' لہٰذا یہ بے تکی آوازیں نکالنا بند کرو۔" ریما بولی۔ "کوئی اس قدر چیخ کر بات کرتا ہے۔ تمہاری آواز نے میرے کان کا پردہ ہی پھاڑ دیا۔ یہ تمہیں ہو کیا گیا؟"

"سنو! میں پولیس افسر ہوں' اگر اس لہجے میں بات نہ کروں' تو یہ مجرم اور بدمعاش ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں گے۔" وہ بولا۔

"اس وقت میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ اچھا اب تم دھیان اور غور سے میری بات سنو! میں۔"

"لیکن پہلے تم میری بات سنو۔" ریما نے فوراً ہی اس کی بات کاٹی۔ "تم نے آشا دیوی کے بتائے ہوئے سراغوں کے بارے میں کیا کیا؟ اس بے چاری نے کتنی مشکل سے ان سراغوں کا پتا چلایا؟"

"مجھے یاد ہے میری جان!" رام داس نے دل پر جبر کر کے اسے پیار بھرے انداز میں مخاطب کیا تھا۔ آشا دیوی جو اس کی دھمکی ہضم کر گئی تھی' اس کی تلخی اس کے ذہن میں ابھی بھی موجود تھی۔ "خونی چاند' کالا آسمان' نارنجی ساحل۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے انہیں یاد رکھا۔" ریما خوش ہو کر بولی۔ "تم نے یہ نہیں بتایا کہ ان کی مدد سے کہاں تک پہنچے؟ میرا خیال ہے کہ شاید تمہیں کوئی ان کی مدد سے پیش رفت ہوئی ہے۔ اس لیے تم نے فون کیا ہے اس وقت؟"

"میں ان پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا ہوں۔" رام داس نے جواب دیا۔ "لیکن تم بہت ہی اہم بات تو سنو؟ سن کر خوش......"

"کیا مطلب ہے تمہارا کہ تم ان پر غور کر رہے ہو؟" ریما برہمی سے بولی۔ "اس غریب کی محنت پر پانی پھیر رہے ہو؟"

"تم میری بات سنو گی یا نہیں؟" رام داس چیخا۔ "پہلے تم میری بات سن لو۔ پھر جو بکواس کرنا ہے جی بھر کے کر لینا۔ بات یہ ہے کہ آج سریندر کپور کے پروگرام میں' میں ٹی وی پر آ رہا

ہوں۔ وقت ہے ٹھیک نو بجے۔"

"سچ میری جان!" ریما کی آواز ایک دم شہد کی طرح میٹھی ہوگئی۔ "یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ کیا سچ مچ تم ٹی وی پر آرہے ہو؟"

"ہاں! ہاں! ٹی وی پر۔ بیوی کی زندگی میں تو بہت پہلے آچکا ہوں' لیکن ٹی وی کی دنیا میں پہلی بار۔" وہ خوش دلی سے بولا۔ "ٹھیک نو بجے۔ تمام پڑوسیوں کو بتا دو' جلدی کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ محلے کے سارے لوگ پروگرام دیکھیں۔ پورے محلے میں سنسنی پھیل جائے گی کہ تمہارا پتی سریندر کپور کے پروگرام میں آرہا ہے۔ جب تم کسی کام سے نکلو گی' محلے کی عورتیں تمہیں رشک بھری نظروں سے دیکھیں گی' ایک دوسرے سے کہیں گی۔" سنا تم نے ریما کا پتی ٹی وی پر آیا تھا۔"

"ویسے بتانے کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے' لیکن میں انہیں بتا کر اور جلاؤں گی؟" ریما نے کہا۔ "ٹھیک نو بجے کا وقت ہے نا؟"

"ویسے بتانے کی ضرورت کیوں نہیں ہے؟" رام داس نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ جب سریندر کپور کا پروگرام ٹی وی پر آتا ہے' تو گلیاں اور سڑکیں ویران ہو جاتی ہیں۔" ریما نے جواب دیا۔ "سبھی ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ کیوں کہ اس کا پروگرام خصوصی نوعیت کا ہوتا ہے۔ جب سے شہر میں نوجوان لڑکیوں کے قتل کی پراسرار اور خوفناک وارداتیں پیش آرہی ہیں' اور شہر خوف و ہراس اور دہشت کی فضا میں مبتلا ہوگیا ہے' تب سے اس پروگرام کی مقبولیت اور شہرت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ میں بھی آٹھ بجے سے ہی ٹی وی کے سامنے بیٹھ جاؤں گی۔"

"اس خوشی میں آج کی رات منہ تو میٹھا کرو گی نا؟" رام داس شوخی سے بولا۔ "اور پھر ہم جشن منائیں گے' کیوں پیاری؟"

"تم ایک رات کی بات کر رہے ہو' جتنی راتیں کہو گے' جشن مناؤں گی۔" وہ خودسپردگی کے لہجے میں بولی۔ "کوئی اچھی سی ڈش بھی۔"

"لیکن تم سے اچھی ڈش دنیا میں کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ اس کا مزا' ذائقہ اور لذت۔" رام داس نے ہنس کر کہا۔

رام داس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ ریما کے ہاتھ کی ڈش کھا کر رات کا لطف کرکرا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی بات اور ہی تھی۔ وہ محبت کی شادی کی سزا عمر قید بھگت رہا تھا۔ ریما چونکہ بہت حسین اور پرکشش تھی' اس لیے وہ اسے برداشت کرتا چلا آرہا تھا۔ وہ ایسی پھوہڑ اور بدسلیقہ ہوگی' اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی۔

رام داس فون بوتھ سے نکل کر گاڑی کی طرف اس طرح سے لپکا' جیسے کسی خونی قاتل کے پیچھے لپک رہا ہو۔ پھر وہ تھوڑی دیر بعد ٹی وی اسٹیشن کے استقبالیہ کمرے میں تھا۔ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی لڑکی نے دل کش مسکراہٹ سے استقبال کیا۔

"مسٹر رام داس!" لڑکی نے کہا۔ "مسٹر سریندر کپور اپنے دفتر میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ دوسری منزل پر ہیں' ان کا کمرہ دائیں جانب ہے۔ اس پر صرف دو سو دس نمبر درج ہے۔"

"شکریہ بے بی!" رام داس نے کہا۔ اس کی ٹی وی پر پہلی آمد تھی۔ "مجھے میک اپ کرنے کی ضرورت تو نہیں ہوگی؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کسی بات کی چنتا نہ کریں۔" لڑکی نے کہا۔ "کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ سب انتظام ہو جائے گا۔ مسٹر سریندر کپور کر دیں گے۔"

رام داس دوسری منزل پر پہنچا۔ سریندر کپور اپنے دفتر میں دو آدمیوں سے بات کر رہا تھا۔ رام داس جیکٹ لیے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ وہ دو آدمیوں سے بات کرنے کے بعد رام داس کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ بروقت آگئے؟" سریندر کپور نے اس کا ناقدانہ نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔"

"مجھے تاکید کی گئی ہے کہ جیکٹ اپنے ہاتھ میں رکھوں۔" رام داس نے اسے جیکٹ دکھاتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں انسپکٹر!" سریندر کپور نے کہا۔ "آیئے! آپ میرے ساتھ چلیں۔ جیکٹ اپنے ہاتھ میں رکھیں۔"

"مجھے میک اپ وغیرہ کی ضرورت تو نہیں ہوگی؟" رام داس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"کیا آپ مجھے میک اپ روم لے جائیں گے؟"

"آپ جیسے بھی ہیں' ٹھیک ہیں۔" سریندر کپور نے کہا۔ "میک اپ کی ضرورت شاید نہ پڑے۔ آیئے چلیں۔"

سریندر کپور اسے اسٹوڈیو میں لے گیا' جہاں روشنیاں اور کیمرے تیار تھے۔ کچھ ٹیکنیشن بھی اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔

"آپ کا نمبر پہلا ہے۔" سریندر کپور نے اس سے کہا۔ "آپ کو صرف اتنا کرنا ہے کہ جیکٹ کو ہاتھ میں تھامے رہیں۔ جو کچھ کہنا ہے' وہ میں کہوں گا۔ آیئے جلدی سے ایک ریہرسل کر

لیں۔ اس میز کے پیچھے کھڑے ہو جائیں اور جیکٹ اٹھائے رکھیں۔''

''پلیز! ایک منٹ۔'' رام داس نے جلدی سے کہا۔ ''کیا میں اپنا ہیٹ پہنے رہوں؟ جیسا آپ کہیں؟''

''پولیس والے ہیٹ تو پہنتے ہیں۔'' سریندر کپور نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''آپ پہنیں یا نہ پہنیں' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

رام داس میز کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔ دو آدمیوں نے اسے بتایا کہ جیکٹ کس طرح پکڑنا چاہیے۔ پھر کیمرے کچھ آگے بڑھے۔ رام داس تن کر کھڑا ہو گیا۔ یہ اس کی زندگی کا ایک اہم ترین لمحہ تھا' اس نے سوچا جو ساری زندگی کے لیے یادگار بن جائے گا۔

''او کے! اطمینان سے کھڑے رہیں۔ جب ضرورت ہو گی' میں اشارہ کر دوں گا۔'' سریندر کپور نے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر اس سے کہا۔ ''بس اب پروگرام شروع ہونے والا ہے۔''

وہ ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ ایک دوسرے کیمرے نے اسے فوکس میں لے لیا۔ رام داس انتظار کر رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ سریندر کپور نے بولنا شروع کر دیا ہے۔ مگر اس وقت اس کا ذہن کہیں اور تھا' وہ اپنی پتنی اور ہمسایوں کے بارے میں سوچ رہا تھا' کہ اس وقت وہ سب اپنا ٹی وی کھولے دیکھ رہے ہوں گے۔ تب اچانک اس نے سریندر کپور کی آواز سنی۔

''یہ وہ جیکٹ ہے' جسے پولیس شناخت کرنا چاہتی ہے۔''

ایک فرنچ داڑھی والے نے رام داس کو اشارہ کیا۔ رام داس یہ طے کر نہیں پا رہا تھا' کہ اس وقت اس کے چہرے پر کیسے تاثرات ہونے چاہئیں۔ اس نے سخت تاثرات پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیمرہ آگے بڑھا تو اس نے چہرے پر سختی پیدا کر لی۔ داڑھی والے نے اسے یوں ہی رہنے کا اشارہ کیا' اور رام داس نے سختی کو نرمی سے بدل ڈالا' بلکہ باقاعدہ مسکرانے لگا۔

''کیا کوئی اس جیکٹ کو پہچان سکتا ہے؟'' سریندر کپور کہہ رہا تھا۔ ''اس جیکٹ کے بارے میں' جسے جو بات بھی معلوم ہو' بظاہر وہ معمولی یا غیر اہم کیوں نہ لگتی ہو' وہ فوراً پولیس کوارٹر سے رابطہ کرے۔''

کیمرہ پیچھے ہٹ گیا۔ داڑھی والے نے رام داس کو کارروائی ختم ہونے کا اشارہ کیا اور رام داس نے اطمینان کی گہری سانس لی' اور پھر وہ جیکٹ تہہ کرنے لگا۔ ایک چاق و چوبند اور نوجوان سی لڑکی نے اس کا بازو چھوتے ہوئے اسے دروازے سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ سریندر کپور اب بھی بول رہا تھا' مگر اب رام داس کو اس کی پروا نہیں تھی۔ اسے شہرت کا ایک منٹ مل گیا

تھا۔ وہ اپنا قد دس فٹ طویل محسوس کرتے ہوئے نیچے اترا' اور پھر اس نے ایک فون بوتھ میں داخل ہو کر گھر کا نمبر ملایا۔

ایک لمحہ کا انتظار بھی اس کے لیے ایک صدی بن گیا۔ اس کی بے قراری پل پل میں بڑھتی رہی۔ ریما نے چند لمحوں کے بعد فون اٹھا کر اسے ہیلو کہا تو اس نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''میری جان من! کیا تمہیں پسند آیا یہ پروگرام؟''

''کیا پسند آیا؟'' ریما نے جھنجلا کر تیز لہجے میں پوچھا۔ ''کیا تم نے اتنی سی بات کے لیے فون کیا ہے؟''

''سنو! زیادہ اتراؤ نہیں۔'' رام داس نے جواب دیا۔ ''یہ بتاؤ کہ میں کیسا لگ رہا تھا؟ کسی فلمی ہیرو کی طرح۔''

''تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے دو ایک سہیلیوں اور ان کے شوہروں سمیت ٹی وی دیکھنے کے لیے مدعو کیا تھا۔'' وہ بتانے لگی۔ ''اس وقت وہ سب تمہاری دارجلنگ والی وہسکی پر وحشیوں کی طرح ٹوٹ پڑے ہیں۔ کسی پیارے اونٹ کی طرح' جو کسی ریگستان میں پانی کی پیاس بجھانے کے لیے بھٹک رہا ہو۔ اب صرف ایک بوتل رہ گئی ہے' اب اس کی عزت پر بھی سب حملہ کر سکتے ہیں۔ میں اسے بچانے سے رہی۔ تمہیں اس میں سے شاید ایک بوند بھی نہ ملے۔ اس کی عزت بچ نہیں سکتی۔''

''وہ جائیں بھاڑ میں۔'' وہ تن کر بولا۔ ''میں' میری جان یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میں کیسا لگ رہا تھا؟ بس یہ بتا دو۔''

''میں کیا بتا سکتی ہوں۔'' ریما نے جواب دیا تو اس کی آواز میں بے دلی سی تھی' اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ غصے میں بھی ہے۔

''بھگوان کے لیے۔'' رام داس نے نرم پڑتے ہوئے دریافت کیا۔ ''صرف اتنا بتاؤ کہ تم نے سریندر کپور کا پروگرام دیکھا کہ نہیں؟''

''کیوں نہیں دیکھا؟ ضرور دیکھا۔'' ریما نے جواب دیا۔ ''نہ صرف میں نے دیکھا بلکہ ہم سب نے بھی دیکھا۔''

''تو تب تم نے مجھے بھی دیکھا ہو گا۔'' رام داس کو ایسا محسوس ہو رہا تھا' جیسے اس کے دل کی دھڑکن رکنے لگی ہو۔ ''کہیں ایسا تو نہیں کہ میری وہسکی پی کر اتنا نشہ ہو گیا تھا' کہ مجھے دیکھا ہی نہیں ہو؟''

''ہم میں سے کوئی نشے میں نہیں تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی نے کیوں نہیں دیکھا' یہ میں

بتاتی ہوں۔'' ریما نے جواب دیا۔ ''ہمیں جو کچھ بھی نظر آیا' وہ صرف ایک جیکٹ کا کلوزاپ تھا' جسے تمہارے دو ہاتھوں نے تھام رکھا تھا۔ اگر وہ تمہارے ہی ہاتھ تھے' تو پہلے انہیں اچھی طرح سے دھولینا تھا۔ وہ بے حد گندے نظر آ رہے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ کیمرہ مین یا پروڈیوسر نے اس بات کو محسوس نہیں کیا تھا۔ نہ ہی تم نے اس بات کا احساس کیا تھا۔ اگر ناظرین کے علم میں یہ بات آ جاتی کہ یہ ہاتھ کسی مہتر یا مزدور کے نہیں' بلکہ ایک اعلیٰ پولیس کے افسر کے ہیں' تو انہیں حیرت ہوتی کہ ایک پولیس افسر کے ہاتھ اتنے گندے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ تو بھگوان نے بڑی کرپا کی کہ ٹی وی پر بتایا نہیں گیا کہ یہ کس کے ہاتھ تھے' اور کس نے جیکٹ تھامی ہوئی تھی۔''

''صرف ہاتھ اور کچھ نہیں؟'' رام داس نے بڑے کرب سے دہرایا۔

اور تب اس کی سمجھ میں آیا کہ اس کے لیے میک اپ کی ضرورت کیوں محسوس نہیں کی گئی۔ جب اس سے کہا گیا تھا' کہ میک اپ کی کوئی ضرورت نہیں' اسے تعجب ہوا تھا۔ کیوں کہ کیمرے کے سامنے بہرحال میک اپ ہی میں آنا پڑتا تھا۔ اس لیے سریندر کپور کو اس بات کی پروا نہیں تھی' کہ وہ ہیٹ پہنے رہتا ہے یا نہیں۔ اس نے ایک سرد سانس بھری۔

''اچھی بات ہے میں اس پاجی اور سؤر کی اولاد سے سمجھ لوں گا۔'' رام داس نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

''تم جتنا جلد ہو سکے گھر پہنچنے کی کوشش کرو۔'' ریما اس سے کہہ رہی تھی۔ ''مجھے یہاں تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی۔ دیر نہ کرنا جانی!''

''ٹھیک ہے' میں جتنا جلد ہو سکے تمہارے پاس آنے کی کوشش کروں گا۔'' اس نے محسوس کیا کہ اس کی آواز پست ہو رہی ہے۔ رام داس کو مایوسی اور افسردگی اتنی زیادہ تھی' کہ اس سے مزید بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

ریما نے شاید اس کی دلی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا' اس لیے اس کے لہجے میں نرمی آ گئی۔ آخر وہ اس کی پتنی جو تھی۔

''مجھے افسوس ہے میری جان! غم اور صدمہ نہ کرو' تمہیں یہ موقع آج نہیں کل ضرور ملے گا۔'' ریما نے بڑے محبت بھرے انداز سے اسے دلا سا دیا۔ ''میں نشست گاہ میں جا رہی ہوں تاکہ تمہاری بوتل کو ان پیاسے اونٹوں سے بچا سکوں۔''



رام داس جیسے ہی ہیڈ کوارٹر میں داخل ہو کر ہال نما کمرے میں داخل ہوا' تو حیرت کے ساتھ دروازے ہی میں رک گیا۔ سراغ رساں محکمے کے تین آدمی اور ان کے علاوہ رنجیت اور

سب انسپکٹر اور سب کے سب ریسیور پکڑے باتیں کر رہے تھے اور بے حد مصروف دکھائی دیتے تھے۔ نارائن نے اس کے ہاتھ سے جیکٹ لے لی۔

''آپ بھی فون سنبھالیں۔'' نارائن نے کہا۔ ''سریندر کپور کے پروگرام کے ٹیلی کاسٹ ہوتے ہی اور جیکٹ کے دکھاتے ہی اس پروگرام نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس پورے شہر میں ہر شخص اس جیکٹ کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتا ہے' ہمیں اس ایمرجنسی روم میں شاید ساری رات جاگنا پڑے گا۔ کیوں کہ کسی نہ کسی کال سے کوئی اہم سراغ مل جائے گا۔''

رام داس کی میز پر جو اس کا فون رکھا تھا' اس کی گھنٹی بھی بجنے لگی۔ اس نے پیڈ اور پنسل اور پھر ریسیور اٹھا لیا۔

''انسپکٹر رام داس' پولیس ہیڈ کوارٹر۔'' اس نے دوسری طرف سے ہیلو کی آواز سنتے ہی کہا۔

''میں مسز بملا پٹیل شانتی نگر سے بول رہی ہوں۔'' دوسری طرف سے ایک عورت نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ابھی میں نے وہ جیکٹ سریندر کپور کے پروگرام میں دیکھی ہے۔ عوام سے کہا گیا ہے کہ وہ پولیس سے رابطہ کریں۔ اس لیے میں نے آپ کو زحمت دی ہے۔''

''درست ہے شریمتی جی۔'' رام داس نے کہا۔ ''زحمت تو آپ نے کی ہے' اس تعاون کے لیے شکر گزار ہوں۔''

''آئندہ ہفتے میرے شوہر کی سالگرہ ہے۔'' اس عورت نے کہا۔ ''اس کے لیے تحفہ منتخب کرنا مشکل ہو رہا ہے' تحفہ کا انتخاب کتنا مشکل امر ہے۔''

''کیا آپ کے پاس اس جیکٹ کی کچھ معلومات ہیں محترمہ؟'' رام داس نے خود کو پرسکون رکھنے کی بڑی کوشش کی۔

''نہیں! مجھے تو آپ سے معلومات درکار ہیں۔'' اس عورت نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ''پولیس کے بارے میں ایک خیال اور عام تاثر ہے کہ اس سے ہر قسم کی معلومات حاصل کی جا سکتی ہے۔ پولیس پبلک کی خدمت گار ہے' میں غلط تو نہیں کہہ رہی ہوں؟''

''مجھے معلومات آپ سے درکار ہیں۔'' رام داس نے کہا۔ ''آپ کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی' وضاحت کریں۔''

''میں اس جیکٹ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتی ہوں جو ٹی وی پر دکھائی گئی۔'' وہ بولی۔

''کتنی خوب صورت جیکٹ تھی۔ اس کے بٹن کتنے خوب صورت' پیارے اور انمول قسم کے تھے۔ گولف کی گیند کے مانند۔ میں نے کبھی ایسے خوب صورت بٹن نہیں دیکھے۔ ان بٹنوں نے جیکٹ

کی خوب صورتی اور اہمیت بڑھا دی۔ میرے خیال میں میرے پتی کے لیے اس سے خوب صورت تحفہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ ایسی جیکٹ میں نے کسی دکان پر نہیں دیکھی۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ جیکٹ کس دکان پر ملے گی؟''

''نرک کی دکان پر۔'' رام داس نے منہ سے ایسی آواز نکالی' جو کسی عفریت کی ہو' اور عورت کو خوف زدہ کرسکتی تھی۔ پھر اس نے ریسیور زور سے کریڈل پر پٹخ دیا۔ ''گدھی کہیں کی؟'' وہ زیرلب بڑبڑایا۔



آنت گپتا نے ایک لمبا سانس اس طرح سے لیا' جو سگریٹ نوشی کرنے والے سگریٹ کا لمبا سا کش لے کر اس کا دھواں فضا میں چھوڑتے ہیں۔ اس نے اپنا سانس اس طرح چھوڑ دیا۔ اتنی گہری کہ سامنے رکھے ہوئے کئی کاغذات اُڑ کر نیچے گر گئے۔ وہ اس وقت اپنے خوب صورت اور وسیع وعریض آفس میں بیٹھا تھا' لیکن آج اس کا موڈ کچھ زیادہ ہی افسردہ سا تھا۔

ساحلی علاقے میں ایک شرابی دھونی کو مے نوشی میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ وہ معلومات کا انسائیکلوپیڈیا تھا۔ وہ اس شہر کے ہر معروف بلکہ غیر معروف لوگوں کے بارے میں بھی خوب جانتا تھا۔ اس نے آنت گپتا کی ان الفاظ میں تعریف کی تھی۔

وہ ایک لمبا' بھاری بھرکم اور عجیب سے مزاج کا آدمی ہے۔ اس کی عمر ساٹھ برس کی نہیں تو نہ اس سے زیادہ ہوگی' لیکن وہ ساٹھ برس کا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ گہرے بھورے بالوں کی وگ پہنتا ہے' جو اس کے بھینسے جیسے سر پر فٹ نہیں آتی ہے۔ اس لیے وہ ہلکے گلابی رنگ کی لپ اسٹک لگاتا ہے' اس کا سر بالکل گنجا ہے' چٹیل میدان کی طرح اور اس پر انڈے کا گمان ہوتا ہے' اور شاید اسے چھپانے کے لیے وِگ استعمال کرتا ہے۔

جب کبھی بھی وہ اپنی کسی گاہک عورت سے ملتا ہے' تو وہ وگ اس طرح اٹھاتا ہے' جیسے انگریز لوگ کسی خاتون کو دیکھ کر احتراماً ہیٹ اٹھاتے ہیں۔ ناک نہ صرف لمبی ہے' بلکہ بہت موٹی بھی ہے۔ نتھنے نیپالی مرد اور عورتوں کی طرح پھولے ہوئے' ایسا لگتا ہے کہ وہ منگولی قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی بھوری مائل تھیں۔ موٹے چہرے کے ساتھ وہ کسی سرمائی مچھلی کی طرح دکھائی دیتا تھا' اگرچہ مسخرا ہے۔ مسخری حرکات بھی کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس کی سب سے بڑی خوبی اور انفرادیت یہ تھی' کہ وہ قدیم اور نادر اشیاء کا ماہر ہے۔ قیمتی پتھروں' جواہرات' زیورات اور فن مصوری کے بارے میں اس کی معلومات حیرت انگیز تھیں۔ پورے شہر میں کیا پورے ہندوستان میں اس کے پائے کا جوہری اور قدر شناس کوئی نہ تھا۔ سٹی ایریا کے کمرشل

مارکیٹ میں جو بہت بڑی گیلری تھی' وہ اس کا اکلوتا مالک تھا۔ کئی امیرزادوں نے اسے حصہ دار بنانے کی پیش کش کی تھی' جو اس نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اسے پارٹنر شپ بالکل بھی پسند نہ تھی۔

اپنی اس بے پناہ آمدنی دینے والی آرٹ گیلری کے علاوہ آنت گپتا چوری کی نادر اشیاء خریدتا اور بیچتا بھی تھا۔ یہ کام اسے حالات کے تحت کرنا پڑتا تھا۔ مثال کے طور پر نایاب چیزیں جمع کرنے کا کوئی شوقین اس کے پاس آتا ہے' اور اسے بتاتا ہے کہ اسے فلاں قدیم اور نایاب اشیاء پسند ہیں' مگر اس کا مالک اسے کسی قیمت پر فروخت کرتا نہیں۔ پھر وہ اس چیز کے حصول کے لیے اتنی بڑی قیمت کی پیش کش کرتا کہ آنت گپتا کو لالچ آجاتا۔ وہ کسی ایسی چیزوں کے حصول کے لیے کسی ماہر چور سے رابطہ کرتا۔ پھر وہ چیز چوری ہوجاتی اور کانپ گپتا بھاری قیمت پر اس خواہش مند کو فروخت کر دیتا۔ وہ گاہک خوش ہوجاتا۔ کیوں کہ نادر اشیاء اس کی کمزوری ہوتا تھا۔

آج اس روشن' سہانی اور چمکیلی صبح کو اپنے چھ ماہ کے گزشتہ منافع کا حساب لگا رہا تھا۔ چوں کہ وہ کاروباری تھا' اس لیے حساب کتاب کرتا رہتا تھا۔ لیکن وہ اپنی آمدنی سے قطعی مطمئن نہیں تھا۔ کیوں کہ اس کی بڑی آمدنی کا بڑا حصہ خفیہ گاہکوں کے توسط سے آتا تھا۔ یہ اس کا ذریعہ تھا۔ اس کے لیے یہ بڑا نازک مسئلہ تھا۔ کیوں کہ اس کے اصل گاہک عمر رسیدہ ہوتے تھے۔ اور ان کی جان نشین نئی نسل کو ان نایاب اشیاء سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی تھی۔ وہ شو بزنس کی پُرشباب اور نوجوان لڑکیوں کے ساتھ انہیں نادر اشیاء سمجھ کر دل بہلاتے تھے۔

آنت گپتا اپنے مال دار ایسے گاہکوں کی فہرست دیکھ رہا تھا' جو اس کے مستقل گاہک تھے۔ اسے سروپ کمار کا نام نظر آیا۔ سروپ کمار اس کے اچھے اور معتبر گاہکوں میں سے تھا۔ اس نے سروپ کمار کو منہ مانگی قیمت پر اس کے ہاتھوں قیمتی چیزیں فروخت کر کے بڑا منافع کمایا تھا۔ مگر اب اس کا دیہانت ہوچکا تھا۔ اب ایسا منافع کسی سے مل نہیں سکتا تھا۔

وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اس کا ہیڈ سیلز مین مرلی اندر آیا۔ لوگ اسے مذاق میں مولی کہتے تھے۔ کیوں کہ وہ دیکھنے میں بالکل مولی کی طرح دکھائی دیتا تھا' اور اس پر کسی چھڑی کا سا گمان ہوتا تھا۔ کیوں کہ وہ تھا ہی دبلا پتلا۔ اس کی عمر کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن آنت گپتا جانتا تھا کہ اس کی عمر تیس اور چالیس برس کے درمیان ہے۔ اس کے بال' لمبے اور موٹے اور اخروٹی رنگ کے تھے۔ پتلا اور بے رونق چہرہ' چھوٹی آنکھیں اور باریک ہونٹ' جو یہ تاثر دیتے تھے کہ وہ کوئی چوہا ہے۔

’’کیا تم جانتے ہو کہ کون آیا ہے؟‘‘ مرلی نے آہستہ سے کہا۔ لیکن اس میں سرگوشی تھی‘ اورآنت گپتا نے اس کا لہجہ پراسرار سا محسوس کیا۔ ’’انوپ کمار؟ وہ روغنی رنگ خرید رہا ہے۔ میں نے اسے جو جو رنگ دکھایا ہے‘ اس کے بارے میں سوچا کہ تمہارے علم میں لے آؤں۔ تاکہ تم بعد میں مجھ سے شکایت نہ کرو‘‘

’’یہ تو تم نے بہت اچھا کیا؟‘‘ آنت گپتا ایک جھٹکے سے کھڑا ہوگیا۔ ’’کیا حسن اتفاق ہے‘ میں ابھی اس کے سورگ باشی باپ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ خود آ گیا۔ جب کہ میرے وہم وگمان میں نہ تھا‘ آئے گا۔‘‘

’’وہ جس طرح سے اور جس انداز سے دکان پر آیا ہے‘ اسے لگا جیسے کوئی بادبانی کشتی چلی آئی ہو۔‘‘ مرلی نے کہا۔

’’تم نے بڑی عقل مندی کی ہے‘ جو مجھے بتا دیا۔‘‘ آنت گپتا نے کہا۔ ’’ابھی میں جا کر اس کا سواگت کرتا ہوں۔‘‘

’’ہیلو مسٹر انوپ کمار!‘‘ اس نے بڑی خوش دلی سے کہا۔ ’’آپ نے میری دکان پر آ کر بڑی عزت بخشی ہے۔‘‘

اس کی آواز سن کر انوپ کمار اس کی طرف گھوما‘ اس کے بال گندمی رنگ کے تھے‘ اس کا چہرہ زرد تھا‘ کسی ایسے آدمی کی طرح‘ جس نے کبھی دھوپ نہ دیکھی ہو‘ اور خدوخال موزوں و مناسب تھے۔ مگر اس کی آنکھوں نے آنت گپتا کو بری طرح چونکا دیا‘ اور وہ اوپل پتھر کی سی سفید اور دھندلائی ہوئی تھیں۔ ان میں اور اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا‘ وہ سپاٹ سا تھا۔

’’میرا نام آنت گپتا ہے۔‘‘ اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ ’’مجھے آپ کے پتا جی کی برسوں خدمت کرنے کا شرف حاصل ہے۔ لٰہذا اس لیے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی‘ جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔‘‘

انوپ کمار نے سر ہلا دیا۔ نہ ہی وہ مسکرایا‘ اور نہ اپنے ہاتھ کو حرکت دینے کی کوشش کی۔ مگر اس کے سرد رویے کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس کا واسطہ کبھی کبھی ایسے دولت مندوں سے بھی پڑ جاتا تھا‘ جو اسے بڑا حقیر خیال کرتے تھے۔ لیکن وہ ان باتوں کی کبھی کوئی پروا نہیں کرتا تھا‘ اور نہ ہی وہ ان کی کسی بات کا دل و دماغ پر کوئی اثر لیتا تھا۔ اس لیے بھی کہ وہ ان سے خوب منافع کماتا تھا‘ اور دونوں ہاتھوں سے غیر محسوس انداز میں ایک لٹیرے کی طرح لوٹتا تھا۔ وہ ایک کاروباری شخص تھا۔ اسے صرف پیسوں سے غرض ہوتی تھی۔ ہر قسم کے گاہک آتے تھے۔ اسے صرف اور صرف پیسے سے غرض ہوتی تھی‘ اس لیے ان کا رویہ برداشت کر لیتا تھا۔

’’میں کچھ روغنی رنگ خریدنے آیا تھا؟‘‘ انوپ کمار نے اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر کہا۔

’’امید ہے کہ آپ کو ضرورت اور پسند کی اور ہر چیز باآسانی مل گئی ہو گی؟‘‘ آنت گپتا نے جواب دیا۔

’’ہاں! بے شک۔‘‘ انوپ کمار نے بڑی بے پروائی سے سر ہلا دیا۔ اور اس نے جو جو رنگ خریدے تھے‘ انہیں پیک کرنے کی ہدایت کی۔ ’’یہ آپ کی واحد دکان ہے‘ جس میں اعلیٰ قسم کے رنگ و روغن مل جاتے ہیں۔‘‘

’’مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ آرٹسٹ ہیں۔‘‘ آنت گپتا نے کہا۔ ’’اس کے باوجود مجھے شرف ملاقات کا موقع نہیں مل سکا۔‘‘

’’اس لیے کہ مجھے دوسرے آرٹسٹوں کے کام سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی۔‘‘ انوپ کمار نے کہا۔ ’’میں صرف اپنے کام سے سروکار رکھتا ہوں‘ اس لیے اسٹوڈیو میں صرف اپنی پسند کا کام کرتا ہوں۔‘‘

’’ٹھیک کہا آپ نے! بڑے آرٹسٹوں کی یہی پہچان ہوتی ہے۔‘‘ آنت گپتا نے فوراً ہی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ’’اگر کبھی مجھے آپ کا کوئی فن پارہ دیکھنے کا نیاز حاصل ہوا‘ تو بڑی خوشی ہو گی۔ ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے امرلال جی سے ملاقات ہوئی تھی‘ اس نے بتایا کہ آپ کی ماتا جی نے اس سے آپ کے فن پاروں کے متعلق رائے پوچھی تھی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ وہ آرٹ کا بہت بڑا نقاد ہے۔ اس نے آپ کی بہت ساری تصویریں دیکھیں‘ بہت کم نقاد ایسے ہوتے ہیں‘ جو آرٹ کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ امرلال جی ان میں سے ایک ہے۔‘‘

یہ سراسر جھوٹ تھا‘ کیوں کہ آنت گپتا کے نزدیک امرلال جی جعلساز اور دھوکے باز نہیں تھا‘ بلکہ وہ سرے سے نقاد ہی نہیں تھا۔ ’’اس نے مجھے بتایا کہ تمہاری تصاویر بہت نمایاں‘ شان دار اور فن کی اعلیٰ نمونہ ہیں۔‘‘

ایک اور جھوٹ کیوں امرلال جی نے کہا تھا کہ انوپ کمار کا کام نہ صرف غیر صحت مند بلکہ کاروباری اعتبار سے قطعی بے کار ہے‘ اور اسے ایک آرٹسٹ کہا نہیں جا سکتا۔

’’اس نے مجھے بتایا۔‘‘ وہ انوپ کمار کی تعریف میں مسلسل بولے جا رہا تھا۔ ’’آپ کے کام میں بھرپور توانائی۔ بہترین تصورات اور رنگوں میں ایسا بہاؤ موجود ہے‘ جو بہت کم نظر آتا ہے‘ اور جب کوئی بڑا نقاد کسی آرٹسٹ کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرے‘ تو میں اس کی محنت اور فن کو عوام تک پہنچانے کے لیے بے چین ہو جاتا ہوں۔ کیا آپ مجھے اپنی تصویروں کی نمائش کرنے کا موقع دے سکتے ہیں؟ یہ میرے لیے نہ صرف بڑی مسرت بلکہ اعزاز کی بات بھی ہو گی۔ پلیز!

آپ انکار نہ کریں۔"

آنت گپتا نے دل کے کسی کونے میں لمحے کے لیے سوچا کہ اگر یہ تعریف اس مچھلی کے لیے چارہ نہ بن سکے تو اس پر لعنت ہے۔

"میرا کام بہت ہی مخصوص نوعیت کا ہے۔" انوپ کمار نے جواب دیا۔ "اس کا اندازہ ہر کوئی نہیں کر سکتا۔"

وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا' کہ بے شک اس کی ماں نے امرلال جی کو چند تصویریں دکھائی تھیں۔ مگر یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے اس کی محنت کو ایسے شاندار الفاظ میں پذیرائی کی تھی۔ اسے شدت سے خواہش ہوئی کہ دنیا اسے ایک عظیم آرٹسٹ کی حیثیت سے پہچانے۔ اس کے پاس اپنی خفیہ خوف ناک تصویروں کے علاوہ کچھ دوسری تصویریں بھی تھیں۔ بلاشبہ اس کا فن بہت خاص تھا۔ آنت گپتا نے اسے ہچکچاتے ہوئے دیکھ کر کچھ اور مکھن لگایا۔

"شاید آپ کو خود اپنی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں ہے۔" آنت گپتا نے کہا۔ "امرلال جی جیسا نقاد کبھی غلطی نہیں کہہ سکتا۔ مجھے ایک موقع ضرور دیں۔ ذرا آپ ٹھنڈے دل سے سوچ بچار کریں کہ آپ جیسا عظیم مصور اپنے فن پاروں کی نمائش سے ہچکچا رہا ہے' تو یہ دنیا کی آرٹ کا کتنا بڑا نقصان ہوگا۔ اور پھر اس شہر میں جتنے قدردان ہیں وہ کہیں اور نہیں ہیں۔"

"لیکن میرا خیال ہے کہ دنیا ابھی میرے فن کے استقبال اور پذیرائی کے لیے تیار نہیں۔" انوپ کمار اب بھی جھجک رہا تھا۔ "وہ بہت ایڈوانس اور ترقی یافتہ ہے' جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ تاہم میں اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کروں گا' اس لیے مجھے وقت درکار ہے۔"

"میں آپ کے احساسات سمجھ رہا ہوں۔ لیکن آپ کا فن کس معیار کا ہے؟ چوں کہ فیصلہ کرنا میری ذمے داری ہے' آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ چلیں نمائش نہ سہی' لیکن آپ ایک تصویر عنایت فرما دیں تاکہ میں اسے دکان کے شوکیس میں رکھ سکوں۔ تاکہ آرٹ کے شائقین سے اس محظوظ ہو سکیں۔"

آنت گپتا یہ سمجھ رہا تھا کہ مچھلی نہ صرف چارہ بلکہ کانٹا بھی نگل گئی ہے۔ لیکن وہ مایوس نہیں ہوا تھا۔ اس کے پاس ترپ کے پتے اور بھی تھے۔ تاہم اس نے انوپ کمار کے بشرے سے اندازہ کر لیا تھا' کہ مچھلی اس کے کانٹے میں پھنس رہی ہے۔ پھر اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ پوری ایمان داری سے کام لوں گا۔ عوام و خواص کا جو بھی ردِعمل ہو' تصویر کے بارے میں بلاکم و کاست بتا دوں گا۔ آپ خود ہی دیکھ لیں گے کہ دنیا کس طرح ایک بڑے

اور عظیم آرٹسٹ کو ہاتھوں ہاتھ لیتی ہے۔ آپ صرف بہت خوش ہی نہیں' بلکہ حیران بھی ہو جائیں گے۔"

انوپ کمار کا اپنا خیال یہ تھا' کہ اس کا فن بہت نمایاں ہے۔ لیکن اسے اس بات کا یقین نہیں تھا' کہ اس غدار شہر میں جو دولت مند ہیں' اس کے کام کی حقیقی قدر کر سکیں گے۔ پھر بھی آزمانے میں حرج ہی کیا ہے۔ کون سا نقصان ہوگا۔ اس نے بالآخر فیصلہ کر لیا۔

"اچھی بات ہے۔" اس نے چند لمحوں کے بعد اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "کسی آدمی کو میری وِلا بھیجنا' میں اسے اپنی ایک تصویر دے دوں گا۔ تم اسے نمائشی کھڑکی پر رکھنا لیکن یہ بات اچھی طرح سے جان لو کہ تصویر پر میرا نام نہیں لکھا جائے گا۔ کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ وہ تصویر میں نے بنائی ہے۔ اگر کسی نے کوئی دلچسپی نہیں لی تو تب میری تصویر واپس کر دینا۔ اگر اس کے برعکس ہوئی پھر میں تمھیں اپنی تصویروں کی نمائش کرنے دوں گا۔"

"بہت بہتر جناب!" آنت گپتا نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ "آپ مطمئن رہیں۔ میں آپ کی ہدایات پر پوری طرح عمل کروں گا۔"

"لیکن ایک بات بہت اچھی طرح یاد رکھنا کہ کسی کو بھی یہ علم نہ ہو کہ اس تصویر کا خالق کون ہے؟ سمجھ گئے نا؟ اگر کسی نے کوئی دلچسپی نہیں لی تو پھر اسے میری وِلا بھیج دینا۔" انوپ کمار نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر اپنی بات دہرائی۔ "جب تصویر پسند کی جائے گی جبھی اور تصویریں نمائش کے لیے دوں گا۔"

انوپ کمار کے لہجے میں ایسی کوئی بات تھی کہ آنت گپتا کے سارے بدن میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔

"بہت بہتر۔" آنت گپتا نے جواب دیا۔ "میں آپ کی بات سمجھ گیا۔ آپ مجھ پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہیں۔"

اس کے سیلز مین نے مختلف خریدے گئے رنگوں کا پارسل بنا کر دے دیا۔ انوپ کمار اسے اٹھا کر قیمت ادا کر کے آگے بڑھا۔ دکان میں بہت ساری چیزیں برائے فروخت رکھی ہوئی تھیں وہ ایک چھوٹے سے شوکیس کے سامنے رک گیا۔ اور وہ اس چیز کو غور سے دیکھنے لگا جو شوکیس کے اندر سفید مخمل پر رکھی ہوئی تھی۔ لیکن اسے کچھ اندازہ نہ تھا کہ اس چیز نے آخر اسے کیوں اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ یہ چیز چاندی سے بنائی گئی تھی۔ اس پر بڑی نفاست سے کندہ کاری کی گئی تھی۔ اسے زمرد ہیرے کے چھوٹے چھوٹے نگوں سے آراستہ کیا ہوا تھا۔ اس کی شکل کسی خنجر کی طرح تھا اور اس کی لمبائی چار انچ سے زیادہ ہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" انوپ کمار نے اس سے دریافت کیا۔

"یہ ایک نایاب لاکٹ ہے۔" آنت گپتا نے جواب دیا۔ "ایک منٹ۔ میں نکال کر دکھاتا ہوں۔"

پھر اس نے شوکیس کا کور اٹھا کر لاکٹ کو نکال لیا۔ پھر اس نے انوپ کمار کے ہاتھ میں تھما دیا تو وہ اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

"یہ کس قسم کا لاکٹ ہے؟" انوپ کمار نے الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ اس لاکٹ کی نقل ہے جو کسی زمانے میں سلیمان اعظم پہنا کرتا تھا۔" آنت گپتا نے بتایا۔ "کیوں کہ اسے ہر وقت اپنی جان کا خطرہ رہتا تھا۔ یہ اس کی حفاظت کا پوشیدہ ذریعہ تھا۔ اور بلا شک وشبہ کہا جا سکتا ہے کہ جھٹکے سے برآمد ہونے والا پھل کے چاقوؤں میں یہ پہلی اور منفرد ایجاد ہے۔ یہ ایجاد صرف میری دکان پر دستیاب ہے۔"

"جھٹکے سے برآمد ہونے والا پھل؟" انوپ کمار نے پوچھا۔

"جی ہاں! اصل لاکٹ 1560ء میں سلیمان پہنا کرتا تھا۔ یہ بات مشہور ہے کہ اس خنجر نے ایک حملہ آور سے اس کی جان بچائی تھی۔ یہ نایاب لاکٹ ایک یورپی سیاح نے لا کر میرے ہاتھ فروخت کیا تھا۔"

آنت گپتا نے اپنے سیلزمین کو بلا کر لاکٹ اس کی گردن میں ڈال دیا۔ پھر قبضہ کے اوپر لگے ہوئے ایک ہیرے کو دبایا۔ چاندی کے نیام سے ایک پتلا اور باریک پھل اچھل کر باہر نکلا۔

"یہ پھل استرے سے زیادہ تیز اور سخت بھی ہے۔" آنت گپتا نے کہا۔ "یہ قطعی ایک نایاب اور انمول شے ہے۔"

انوپ کمار نے چار انچ لمبے چمک دار پھل کو دلچسپی سے دیکھا۔ اسے ایسا لگا جیسے اس کے جنسی جذبات اُبھرنے لگے ہوں۔ یہ ایک ایسی چیز تھی' جسے وہ ہر صورت میں حاصل کرنے کا خواہش مند ہو گیا۔

"آپ اس کی قیمت کیا مانگ رہے ہیں؟" انوپ کمار نے دریافت کیا۔

"یہ ایک نایاب چیز ہے۔ کسی بھی میوزیم میں رکھے جانے کے لائق۔" آنت گپتا نے کاروباری لہجے میں کہا۔

"آپ اس کی قیمت بتائیں؟" انوپ کمار سپاٹ لہجے میں بولا۔

"پچاس ہزار روپے۔ دنیا میں اس جیسا نادر لاکٹ نہیں۔ میں اس لیے بھی آپ کو رعایتی قیمت پر دے رہا ہوں کہ آپ کے پتا جی میرے پرانے کرم فرما اور مستقل گاہک تھے' میں بھاؤ

تاؤ نہیں کرتا۔ میوری میوزیم نے ساٹھ ہزار روپے کی پیش کش کی تھی' لیکن میں نے انکار کر دیا۔"

"مجھے منظور ہے۔" انوپ کمار نے کہا۔

آنت گپتا نے نیام کی نوک پر رکھا ہوا ایک زمرد دبایا اور پھل اندر چلا گیا۔ اسے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ انوپ کمار پچاس ہزار روپے پر فوراً ہی تیار ہو جائے گا۔ اگر وہ ایک لاکھ روپے بھی بتاتا' تو شاید تیار ہو جاتا۔ وہ دل میں کفِ افسوس ملنے لگا۔ اس نے یہ کیا قیمت کی۔ انوپ کمار جیسے دو لاکھ روپے بھی دے سکتے تھے۔ اگر وہ مول تول کرتا تو شاید بیس ہزار میں سودا ہو جاتا۔ پچاس ہزار روپے دینے کے لیے فوراً ہی تیار ہو جانا' اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

اس نے سیلزمین کے گلے سے لاکٹ اتار کر انوپ کمار کی طرف بڑھا دیا۔ "ایسی نادر اشیاء ہندوستان میں کہیں نہیں ملے گی؟"

انوپ کمار نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے چاندی کی زنجیر کو پکڑ کر اپنے گلے میں ڈال لیا۔

پھر اگلے لمحے وہ قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا ناقدانہ نظروں سے جائزہ لینے لگا۔ دل میں سوچ رہا تھا کہ اسے یہ کام اور اپنے مطلب کی چیز مل گئی۔ اگر وہ اس کی قیمت دو لاکھ روپے بھی بتاتا تو اسے خرید لیتا۔ اس کا اس دکان پر آنا بڑا فائدہ مند ہوا تھا۔ لیکن وہ حیران تھا کہ جب وہ گزشتہ مرتبہ آیا تھا' تو اس کی نظر اس پر کیوں نہیں پڑی؟ پھر اسے یاد آیا کہ اس کی نظر پڑی تھی' شاید لیکن اس نے توجہ نہیں دی تھی۔ دیر آید درست آید۔

آنت گپتا اسے دیکھ رہا تھا' اور سوچ رہا تھا کہ آج اس نے بڑا زبردست منافع کمایا ہے۔ اسے ایسا منافع شاید ہی کبھی مل سکے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ یہ اس اصلی لاکٹ کی نقل تھا' جو سلیمان اعظم پہنا کرتا تھا۔ آنت گپتا نے اس کی تصویر ایک انگریزی رسالے میں دیکھی تھی' اور پھر اس نے کسی خیال کے تحت اپنے بہترین کاری گر سے اس کی نقل کرا لی تھی۔

اس نقل پر صرف تین سو روپے کی لاگت آئی تھی۔ جو ہیرے اور زمرد اس پر جڑے ہوئے تھے' وہ تھے تو نقلی' لیکن اصلی کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ ہر کوئی پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ نقلی ہیں۔ صرف جوہری ہی بتا سکتا تھا۔

انوپ کمار نے ہیرا دبایا' پھل باہر آ گیا۔ پھر اس نے زمرد دبایا تو پھل اندر چلا گیا۔ اس نے کوئی دو مرتبہ اندر باہر کیا۔

"اس کی قیمت میرے حساب میں لکھوا کر بل بنا کر بھیج دینا۔" انوپ کمار نے کہا۔

پھر وہ دکان سے باہر نکل آیا۔ لاکٹ اس کی گردن میں اِدھر اُدھر جھول رہا تھا۔

مرلی، جواب تک بڑی خاموشی سے دیکھ رہا تھا، اس نے انوپ کمار کو دیکھا، جو نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اس کے پاس آ کر کہا۔

"سیٹھ صاحب! آپ نے تو کمال کر دیا۔ آپ بڑے ہوشیار سیلز مین ہیں۔ آج مجھے اندازہ ہوا۔"

"اس آدمی میں کوئی عجیب سی......؟" آنت گپتا کہتے کہتے رک گیا۔

چند منٹ میں اس نے انچاس ہزار اور سات سو روپے کا منافع کما لیا تھا۔ پھر وہ انوپ کمار کے بارے میں سوچ کر اس قدر پریشان اور ہراساں کیوں ہو رہا ہے۔ اتنا منافع تو اسے کبھی خواب میں بھی نہیں مل سکتا تھا۔

"دیکھو مرلی!" اس نے کہا۔ "آج سہ پہر انوپ کمار کے گھر جا کر اس کی ایک تصویر لے آؤ، ہم اس کی نمائش کریں گے۔ اگرچہ میں امرلال جی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے خیال میں انوپ کمار کے کام کی کوئی کاروباری اہمیت نہیں ہے۔ لیکن وہ پھر بھی ہمارا گاہک بن گیا ہے۔ ہم آئندہ بھی اس بے وقوف سے کماتے رہیں گے۔"



ایک سو ستر فون کال اور اٹھارہ ذاتی ملاقاتوں کے بعد ممبئی شہر کی دلچسپی گولف کی گیند جیسی بٹنوں والے جیکٹ سے کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گئی۔ یہ سب کچھ لاحاصل ہی رہا تھا۔

مگر انہوں نے جو کچھ معلومات فراہم کی تھیں، انہیں اکٹھا کرنا اور ترتیب دینا بہرحال ضروری تھا۔ انہیں کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس صبح رام داس اور رنجیت اپنی اپنی میزوں پر مصروف تھے۔

گزشتہ رات ایک بجے کے بعد رام داس گھر پہنچا تھا۔ وہ بے حد تھکا ماندہ بھی تھا۔

ٹی وی لاؤنج بڑا گندا اور بے ترتیب ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ گھر میں مہمان نہیں، بلکہ ڈکیت گھس آئے تھے۔

اس کی مارک وہسکی کی بوتل میز پر خالی رکھی تھی۔ استعمال شدہ گلاس۔ سگریٹ کے ٹوٹوں سے بھری ہوئی ایش ٹرے اور پلیٹیں جگہ جگہ رکھی تھیں، اسے وحشت سی ہونے لگی۔

ریما گہری نیند سو رہی تھی۔ مگر اس کی سانسوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس نے بھی کافی شراب پی تھی۔ اس نے شراب پی نہیں ہوتی، تو اس کے انتظار میں جاگ رہی ہوتی، اس کی نیند بڑی کچی تھی۔ وہ اس کی آہٹ پر بیدار ہو جاتی۔ وہ سمجھ گیا کہ ریما ٹی وی کے واقعہ سے دل گرفتہ تھی۔ ورنہ اس کے چہرے پر دکھ اور کرب نہ ہوتا۔

رام داس لباس تبدیل کر کے اس کے برابر لیٹ گیا۔ اسے اپنی آغوش میں لے کر اس کے چہروں پر بوسوں کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ ذرا سی کسمسائی۔ اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا، کہ ریما نے خوب پی ہے۔ اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی تھی۔ پھر اس نے ریما کو آغوش سے نکال کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے جلد ہی نیند نے آغوش میں بھر لیا۔

صبح جب وہ بیدار ہوا تو ریما تب بھی گہری نیند سو رہی تھی۔ پھر وہ آفس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ تھکن طاری تھی، مگر وہ کسی نہ کسی طرح صبح ساڑھے

سات بجے دفتر آ گیا تھا۔

رنجیت اور نارائن بھی آ گیا تھا۔ اب وہ تینوں مل کر رپوٹوں کو ترتیب دینے لگے۔ درمیان میں کسی کام سے نارائن چلا گیا تھا۔

دس بجے تک تمام رپورٹیں دیکھی جا چکی تھیں۔ مگر ان سب سے ملنے والی معلومات صفر تھیں۔ انہیں موہن کا' شیام کمار اور منکڈ رام کا حلیہ ضرور مل گیا تھا۔ ان تینوں کو وہ جیکٹ پہنے دیکھا گیا تھا۔ مگر چوتھا جیکٹ جسے سروپ کمار نے خریدا تھا' اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں تھی جب کہ اس کی معلومات کی بہت ضرورت تھی۔ نارائن بھی اس وقت تک لوٹ آیا تھا۔

''کوئی ایک بات بھی نہیں جو قابلِ غور ہو۔'' رام داس نے کہا۔ ''کیا تم دونوں کو کچھ معلوم ہوا جس پر سوچا اور غور کیا جائے؟''

''او کے نارائن! تم جا کر ان دو کپڑے والوں سے بات کرو۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی جھوٹ بول رہا ہو؟'' رام داس نے ان دونوں کے نفی میں سر ہلانے پر کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ شاید کوئی مفید بات علم میں آ جائے؟''

نارائن نے سر ہلایا اور کمرے سے چلا گیا۔ رنجیت پھر ایک بار ان رپورٹوں کا جائزہ لینے لگا۔

رام داس کو ایک اور خیال پریشان کر رہا تھا' جس کا پولیس کے کام سے دور دور تک ذرا سا بھی تعلق نہیں تھا۔

اگلے مہینے ریما کی سالگرہ تھی' اور اسے اس وقت اس کی تاریخ یاد نہیں آ رہی تھی۔ یہ بات کئی دنوں سے اس کے ذہن میں چبھ رہی تھی' اور پھانس کی طرح اس کے سینے میں گڑھی ہوئی تھی۔ وہ ریما سے کسی بہانے پوچھنا نہیں چاہتا تھا' کیوں کہ یہ سرپرائز ہوتا تھا۔ ریما کو اس کی تاریخ پیدائش یاد تھی۔ اسے صرف مہینہ یاد تھا۔ وہ ریما کے لیے ایک تحفہ خریدنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے تاریخ یاد نہیں آئی' تو ریما سے کئی دنوں تک اس کا جھگڑا چلتا رہے گا۔ اسے پاس آنے بھی نہیں دے گی۔ اسے کچھ مبہم سا یاد تھا' کہ گزشتہ برس وہ ریما کو اس کے پسندیدہ گراں خرچ ریسٹورنٹ میں لے گیا تھا۔ ممکن ہے وہاں کا ہیڈ ویٹر اسے صحیح تاریخ بتا سکے۔ کیوں کہ ہیڈ ویٹر نے اسے شناخت کر لیا تھا۔ لیکن پھر اسے یاد آیا' کہ وہ اس ریسٹورنٹ کا نام بھول گیا ہے۔ ذہن پر بہت زور دیا۔ لیکن اسے کچھ یاد نہ آیا۔

پھر اس نے جھنجھلا کر اپنی میز پر ایک گھونسا دے مارا۔

''کیا آپ کو کوئی بات پریشان کر رہی ہے۔'' رنجیت نے چونک کر اس کی طرف سوالیہ

نظروں سے دیکھا۔

وہ ایسی علامتوں کو خوب پہچانتا تھا' اور پھر وہ رام داس کے مزاج سے بہ خوبی واقف بھی تھا۔

''ہاں!'' رام داس نے سر ہلا دیا۔ ''میں ریما کی تاریخ پیدائش کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں' وہ یاد آ نہیں رہی ہے۔''

''میں بتاتا ہوں۔'' رنجیت نے مسکراتے ہوئے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے بتایا۔ ''وہ تاریخ پرسوں ہے' اب یاد آ گیا ہوگا؟''

رام داس نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

''مذاق کر رہے ہو؟'' رام داس نے کہا۔ ''اس کی سالگرہ آئندہ مہینے ہے۔ یہ مجھے بہت اچھی طرح سے یاد ہے۔''

''نہیں! میں مذاق کیوں کروں گا۔'' رنجیت نے کہا۔ ''مجھے کیا بھابی کے مزاج کا اندازہ نہیں ہے۔ پرسوں دن ہے' یعنی بارہ تاریخ۔ میں تاریخ پیدائش نوٹ رکھتا ہوں' اس لیے آپ کو صحیح بتا رہا ہوں۔''

''کیا رکھتے ہو؟'' رام داس اسے مسلسل گھورے جا رہا تھا۔ ''غلط تو نہیں بتا رہے ہو؟''

''ہم لوگ جو پونا شہر سے تعلق رکھتے ہیں' وہ بڑے جذباتی ہوتے ہیں۔'' رنجیت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''چوں کہ میرا باپ بنیا تھا' اس لیے مجھے پتا ہے کہ ہمیں کنجوس کہا جاتا ہے۔ میرے پتا جی بنیا تھے' لیکن کچھ پڑھے لکھے تھے۔ میرے والد برتھ ڈے کی ایک نوٹ بک رکھا کرتے تھے۔ ہم اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو مبارک باد کے کارڈ یا کوئی تحفہ بھیجا کرتے ہیں۔ چوں کہ ریما پڑوسن بھی رہی ہے۔ ہم دونوں گھرانوں میں آمد و رفت بھی رہی ہے۔ میں نے تو اس کے لیے پرفیوم کی شیشی تحفے میں دینے کے لیے خرید بھی لی ہے' جو پرسوں اسے مل جائے گی۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ اس کا یوم پیدائش واقعی پرسوں ہے؟'' رام داس نے ایک گہرا سانس لیا۔ ''تم نے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا۔''

''بالکل ہے! سو فیصد ہے۔'' رنجیت نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''میں کل آپ کو برتھ ڈے نوٹ بک لا کر دکھاؤں؟''

''اوہ میرے بھگوان! میں تیری سوگند کھا کر کہہ سکتا تھا' کہ اس کی اگلے مہینے سالگرہ ہے۔'' رام داس نے کہا۔ ''تم اسے تحفے میں پرفیوم دے رہے ہو؟ مگر میں اسے کیا دوں؟ میری

سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔"

"کوئی اچھا سا پرس دے دو۔ خوش نما بھڑکیلا سا لباس خرید لاؤ' یا پھر کوئی زیور' عورت کی کمزوریاں' لباس' زیور اور پرس بھی۔" رنجیت نے جواب دیا۔ "لیکن اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ کتنا خرچ کرنے کی سکت رکھتے ہیں۔"

"سوال یہ نہیں ہے کہ میں کتنا خرچ کرسکتا ہوں۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کتنا خرچ کرنے کے قابل ہوں۔" رام داس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ویسے کوئی اچھا سا چرمی بیگ خریدنا ممکن بھی ہے۔ ٹھیک ہے میں اسے پرس ہی دے دوں گا۔ اس لیے بھی کہ اس کے پاس کوئی اچھا سا چرمی پرس نہیں ہے۔ وہ پرس دیکھ کر بہت خوش ہو جائے گی۔ مجھ سے کئی بار کہتی رہی ہے کہ پرس کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔"

"اگر آپ دونوں آپس میں باتیں ختم کر چکے ہیں' تو کیا تھوڑی سی توجہ مجھے بھی دینا پسند کریں گے؟"

ایک آواز نے کہا۔ آواز کسی لڑکی کی تھی' بہت میٹھی اور سریلی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا' سر بول رہے ہوں۔

رنجیت اور رام داس نے چونک کر دیکھا۔ سامنے مدراسن جیسی سیاہ فام لڑکی کھڑی تھی۔ لڑکی کیا تھی' قیامت تھی۔ اس کا شباب اپنے پورے جوبن پر تھا۔ دونوں جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ لڑکی کا رنگ ایک ایسی کافی کی طرح تھا' جس میں کریم ملادی گئی ہو۔ اس نے بڑے تنگ و چست کپڑے پہنے ہوئے تھے' جس نے اس کے جسمانی نشیب و فراز کو بہت نمایاں' بلکہ ایک طرح سے بے حجاب کر دیا تھا۔

رام داس نے آج تک کوئی ایسی متناسب جسم رکھنے والی لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے خدوخال بھی غضب کے تھے۔ آنکھیں سیاہ اور زندگی سے بھرپور حرارت سے چمکتی ہوئیں۔ خوب صورت رسیلے ہونٹ' جو بہت سے ان کہے وعدے کرتے محسوس ہو رہے تھے۔

"یس مس!" رام داس نے اسے مخاطب کیا۔

رام داس کو ایسا محسوس ہو رہا تھا' کہ اس کے جذبات میں ایسا ہیجان پیدا ہو گیا ہے' جیسا کہ ایک شادی شدہ آدمی ہوتے ہوئے نہیں ہونا چاہیے۔

"میں اس جیکٹ کے سلسلے میں آئی ہوں' جسے کل رات ٹی وی پر دکھایا گیا تھا۔" لڑکی نے رسیلی آواز میں کہا۔ آواز کا ترنم فضا میں بکھر گیا۔

"آؤ بیٹھو۔" رام داس نے کہا۔ "اور بتاؤ کہ کیا کہنا چاہتی ہو؟"

لڑکی اس کی میز کے دوسری جانب کرسی پر بیٹھ گئی۔ رام داس نے پہلی ہی نگاہ میں انداز کرلیا کہ لڑکی تجربہ کار' زمانے کے سردوگرم سے آشنا اور نشیب و فراز سے گزر چکی ہے۔

"کیا میں آپ کا نام معلوم کرسکتا ہوں مس؟" رام داس نے پنسل اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"میرا نام روپا اشوک ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "میں آشا محل اپارٹمنٹ 165 میں رہتی ہوں جو ماہم میں ہے۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ میرا ایک مدراسی عاشق' جس سے میرے تعلقات تھے' اس کے نتیجے میں' میں نے اپنے باپ کا نام اپنے نام کے ساتھ لگا رکھا ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ مسکرانے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ "یہ میرا پس منظر ہے۔ اگر آپ مزید کچھ جاننا چاہتے ہیں تو پوچھ سکتے ہیں۔"

رام داس نے آہستہ سے سیٹی بجائی۔ وہ آشا محل کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا' اور پورا شہر ہی جانتا تھا۔ ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔

یہ وہ علاقہ تھا جہاں مہنگی قسم کی کال گرلز رہتی تھیں' گویا یہ لڑکی بھی کال گرل ہے۔ اس نے سوچا۔ اگر اس کی عمر پانچ برس کی ہوتی' اور شادی شدہ نہ ہوتا' وہ اس 165 اپارٹمنٹ کی طرف اس طرح لپکتا' جس طرح ایک چھپکلی مکھی کی جانب لپکتی ہے۔

"تو آپ کے پاس کچھ معلومات ہیں مس روپا اشوک؟" رام داس نے پوچھا۔

"ہاں! ہو بھی سکتی ہیں اور نہیں بھی' کل رات ایک آدمی وعدہ کرنے کے باوجود نہیں آیا' شاید بیمار پڑ گیا۔ چنانچہ میں نے ٹی وی آن کر دیا۔ میں عام طور پر ٹی وی نہیں دیکھتی ہوں۔ بہت بور ہوتا ہے۔ بوریت کم کرنے کے لیے دیکھنا پڑتا۔"

"تو آپ نے ٹی وی پر جیکٹ کو دیکھا تھا' ٹھیک ہے۔" رام داس نے کہا۔

رام داس کوشش کر رہا تھا کہ وہ لڑکی کے قیامت خیز جسم کے بارے میں نہیں سوچے' لیکن نگاہ تھی کہ ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"ہاں! اس وقت آپ بالکل اکیلی تھیں' اور آپ نے اس وقت ٹی وی پر وہ جیکٹ دیکھی؟"

"جیسے ہی میں نے اسے دیکھا مجھے فوراً یاد آ گیا۔" روپا نے رنجیت پر نگاہ ڈالی' جو آنکھیں پھاڑے اسے گھورے جا رہا تھا۔ "کیا یہ بھی سراغ رساں ہے؟ اچھا لگ رہا ہے۔ خوب صورت اور ہینڈسم' فلمی ہیرو کی طرح۔"

"اس کی ماں کا بھی یہی خیال تھا' وہ کہتی تھی کہ میرا بیٹا اتنا سندر ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی

اتنا سندر ہو۔" رام داس نے کہا۔ "اصل بات کریں مس روپا! جیکٹ دیکھ کر تمہیں کیا یاد آیا؟"

"مجھے یاد آ گیا کہ اسے پہلے کب دیکھا تھا؟" روپا نے جواب دیا۔

"کب دیکھا تھا؟" رام داس نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"پانچ تاریخ کو۔"

رام داس چونک گیا۔ پانچ تاریخ وہ تھی' جب روشی کو قتل کیا گیا تھا۔

"کیا آپ کو تاریخ ٹھیک یاد ہے؟" رام داس نے کہا۔ "کوئی اور تاریخ تو نہیں تھی؟"

"تاریخ ٹھیک یاد ہے۔" روپا نے اثباتی انداز میں سر ہلا دیا۔

"یقینی طور پر اور اس کی وجہ بھی بتاتی ہوں۔" وہ لمحاتی توقف کے بعد بولی۔ "اس دن آکاش کا برتھ ڈے تھا۔ آکاش میرے کتے کا نام ہے۔ میں اسے بلیوایکس ریسٹورنٹ لے گئی' کیا آپ کتوں کو پسند کرتے ہیں مسٹر انسپکٹر!"

رام داس نے بہ مشکل اپنا غصہ ضبط کیا' وہ کتوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اتنی نفرت دنیا میں شاید کسی سے کبھی نہیں رہی تھی۔

"جب آپ اپنے پیارے کتے کو بلیوایکس ریسٹورنٹ لے گئی تھیں' اس وقت کیا بجا تھا؟" رام داس نے دریافت کیا۔ "ذہن پر زور دے کر صحیح وقت بتائیں؟"

"لنچ ٹائم میں' میں آکاش کے لیے دیوانی ہوں' اور وہ میرا دیوانہ ہے' بلکہ اسی طرح جس طرح لیلیٰ مجنوں ایک دوسرے کے دیوانے تھے۔ وہ میرا بہترین دوست ہے۔ انسان بڑا خودغرض ہوتا ہے' لیکن جانوروں میں یہ بات نہیں ہوتی ہے۔ جب میں تھکی ہوئی گھر آتی ہوں' وہ میرا انتظار کر رہا ہوتا ہے' اور دیکھتے ہی مجھ پر چڑھ جاتا ہے۔" روپا نے ایک ہی سانس میں جواب دیا۔

"جب تم اپنے کتے کے ساتھ چل رہی تھیں تب کیا ہوا؟" رام داس نے سوال کیا۔

"وہ شخص میرے پاس آیا۔" روپا نے جواب دیا۔ "آپ جانتے ہیں کہ آدمی میرے پاس آتے ہی رہتے ہیں' وہ نہ تو میرے بغیر رہ سکتے ہیں' اور نہ میں ان کے بغیر۔"

"اس شخص نے گولف کی گیند جیسی جیکٹ پہن رکھی تھی؟" رام داس نے پوچھا۔

روپا جو سگریٹ پی رہی تھی' اس کا آخری کش لے کر ایش ٹرے میں مسل دیا' پھر اس نے دوسرا سلگایا۔

"میں رک ہی نہیں سکتی۔" اس نے کہا۔ "شاید اس لیے کہ میں ٹینشن کی وجہ سے عام طور پر نروس رہتی ہوں۔" اس نے ایک لمبا کش لینے کے لیے توقف کیا۔

"آپ کے خیال میں سگریٹوں کے صحت کے لیے خطرناک ہونے کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے' وہ سچ ہے کیا؟"

"ہوسکتا ہے۔" رام داس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اگر اس کی جگہ مرد ہوتا' تو وہ اس قسم کی فضول گفتگو کرتا' تو شاید وہ اسے دھکے دے کر نکال باہر کرتا۔ چونکہ بات جیکٹ کی تھی' اس لیے وہ اسے برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

"ہاں تو وہ تمہارے پاس آیا؟" اگر اس خوب صورت اور قیامت لڑکی کے بجائے کوئی اور ہوتا تو وہ اب تک چیخنے لگتا۔

"کیا وہ جیکٹ پہنے ہوئے تھا؟"

"نہیں تو۔" روپا نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"مگر ہم جیکٹ کے بارے میں بات کر رہے ہیں' گولف کی گیند جیسے بٹنوں والی۔" رام داس نے اسے یاد دلایا۔

"میں بھی اس کے بارے میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔ مگر آپ ہیں کہ درمیان میں مجھے بار بار ٹوک رہے ہیں۔" روپا نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

"خیر تو میں اس آدمی سے بات کر رہی تھی۔ وہ صرف مجھے پچاس روپے پیش کر رہا تھا۔ آپ ذرا تصور کریں کہ صرف پچاس روپے' یہ بھکارنیں بھی پچاس روپے میں کسی مرد کے ساتھ نہیں جاتی ہیں۔ کیا اس نے اس طرح میری توہین نہیں کی تھی؟"

رام داس کے لیے اب برداشت کرنا' ضبط کرنا' مشکل تر ہو رہا تھا۔ اگر وہ بولنے کی کوشش کرتا تو یک لخت کسی آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑتا۔ اس لیے اس نے ضبط کرنے اور خاموش رہنے میں بہتری سمجھی۔

"آکاش! جب ایک درخت پر پیشاب کرنے گیا۔" روپا اپنی رو میں کہتی جا رہی تھی۔

"تب وہ جیکٹ والا قریب سے گزرا۔"

"اچھا تو اس کا حلیہ کیا تھا؟" رام داس کا غصہ قدرے کم ہوا۔

"مگر میں نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا' کیوں کہ میں پچاس روپے والے کو بُری طرح متاثر کر رہی تھی۔"

"کیا اس نے ویسی ہی جیکٹ پہنچ رکھی تھی' جیسی ٹی وی پر دکھائی گئی تھی؟" رام داس بولا۔

"جی ہاں! بالکل ویسی ہی' ایسا لگا تھا کہ جیسے وہ وہی جیکٹ پہن کر چلا آیا ہو۔"

"اور یہ لنچ کے وقت کی بات ہے؟"

"جی ہاں!"

"اچھا تو اب یہ بتائیں کہ وہ لمبا تھا' درمیانہ قد تھا' یا پھر پستہ تھا؟" رام داس نے سوال کیا۔

"وہ دراز قد تھا' میں لمبے قد کے آدمیوں کو پسند کرتی ہوں' وہ آپ سے بھی لمبا تھا' مگر زیادہ نہیں تھوڑا سا۔"

"موٹا تھا یا دبلا پتلا؟"

"اس کے کندھے چوڑے چکلے تھے۔ جسم کمر کی طرف سے پتلا ہوتا گیا تھا' مجھے ایسے ہی نوجوان اچھے لگتے ہیں۔"

"کیا اس نے ایسا ہیٹ یا ٹوپی پہن رکھی تھی' جو دھوپ کے باعث پہنی جاتی ہے؟"

"نہیں۔" روپا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "مگر اچھا ہی کیا اس نے۔ ورنہ میں اس کے بال دیکھ نہ پاتی' نہ دیکھ سکتی تھی۔ جو مجھے بہت پسند آئے تھے۔ رنگ بھی اچھا تھا اور کٹ بھی۔ مجھے شاعروں اور فن کاروں کی طرح لمبے لمبے بال رکھنے والے بہت اچھے لگتے ہیں' بالوں کا رنگ گندمی تھا۔"

"اس سے متعلق کوئی اور چیز بھی نوٹ کی تھی؟"

"پتلون ہلکے نیلے رنگ کی تھی' جو اس کے شارک اسکن جیکٹ کے ساتھ اچھی لگ رہی تھی۔ پیروں میں گوسی جوتے تھے۔ جوتے میں نے اس لیے نوٹ کر لیے تھے کہ مجھے گوسی جوتے بہت زیادہ پسند ہیں۔" روپا نے بتایا۔

رام داس نے ایک گہری سانس لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کسی بھی سراغ رساں پر یہ بڑا ظلم ہے کہ اسے روپا جیسی لڑکی سے سوال و جواب کرنا پڑے۔

"اس کی چال کیسی تھی؟" رام داس نے پوچھا۔ "کیا وہ لنگڑا کر چل رہا تھا؟"

"نہیں!" روپا نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس کی چال بڑی باوقار تھی۔ اس میں تمکنت بھی تھی۔"

"مس روپا! یہ بہت اہم بات ہے۔ آپ پوری توجہ سے سنیں۔ یہ پہلا سراغ ہے' جو ہمیں روشی اور گنگولی کے قاتل کے بارے میں ملا ہے۔ آپ نے ان کے بارے میں خبریں تو پڑھی ہوں گی۔ اس سے پہلے لڑکیوں کی پراسرار گمشدگی اور وحشیانہ قتل کی وارداتیں ہوئی ہیں' جن کا سراغ ہمیں نہیں مل سکا' لیکن اب گھپ اندھیرے میں ایک کرن نظر آئی ہے۔"

"میں اس لیے یہاں آئی ہوں کہ اس جیکٹ کے بارے میں بتاؤں' میں سریندر کپور کا شو

ضرور دیکھتی ہوں' اس وقت' جب میں مصروف نہیں ہوتی ہوں۔" روپا نے بتایا۔ "ویسے مجھے اس کا شو بہت پسند آتا ہے۔"

"ہم اس آدمی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات چاہتے ہیں۔" رام داس نے کہا۔ "کیا آپ کچھ اور بتا سکتی ہیں؟"

دوسرا سگریٹ اس نے ایش ٹرے میں مسل کر تیسرا سگریٹ سلگایا۔

"اس کے ہاتھ؟" وہ ایک لمبا سا کش لے کر ایک لمحے تک سوچتی رہی۔ "میرے نزدیک بڑی اہمیت رکھتے ہیں' انسپکٹر صاحب! آپ جانتے ہیں کہ جو لوگ میرے پاس آتے ہیں' ان کے ہاتھ' میرا مطلب سمجھ رہے ہیں نا آپ! تو میں نے اس کے ہاتھ دیکھے۔ وہ بڑے خوب صورت تھے' لمبی لمبی انگلیاں' بالکل مصوروں اور آرٹسٹوں کی طرح۔"

"ایک سرجن کے ہاتھ بھی ایسے ہی ہوتے ہیں' جیسا آپ بتا رہی ہیں۔" رام داس نے کہا۔

"مگر اس کے ہاتھ کسی مصور کی طرح تھے۔" روپا نے تکرار کے انداز میں کہا۔

رام داس نے اسے مزید کریدا۔ مگر اس سے زیادہ وہ کچھ معلوم نہ کر سکا۔

"آپ نے ہماری بڑی مدد کی مس روپا اشوک۔" رام داس نے کہا۔ "اگر تم دوبارہ اس آدمی کو پشت کی جانب سے دیکھو گی تو پہچان لو گی؟"

"سو فیصد پہچان لوں گی۔" روپا نے جواب دیا۔

"شکریہ! مس روپا اشوک! ایک بات کا خیال رکھنا' آپ نے ہمیں جو کچھ بتایا ہے اس کا ذکر کسی اور سے مت کرنا۔ کیوں کہ وہ بے حد خطرناک آدمی ہے۔ اگر یہ بات عام ہو گئی کہ تم اسے شناخت کر سکتی ہو تو وہ......" اس نے اپنا جملہ نا تمام چھوڑ دیا۔

"آپ کا یہ کہنا ہے کہ وہ مجھے بھی اس لڑکی کی طرح قتل کر دے گا؟" روپا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں! بالکل کر سکتا ہے۔" رام داس نے کہا۔

"تو پھر اسے جلد سے جلد پکڑ لیں۔ جب تک وہ پکڑا نہ جائے گا' میں خود کو غیر محفوظ سمجھوں گی۔" وہ پریشان ہو کر بولی۔

"آپ جب تک اپنا منہ بند رکھیں گی' اس وقت تک اس قاتل کی دست رسائی سے محفوظ رہیں گی۔" رام داس نے کہا۔

"آپ کے خیال میں مجھے کسی باڈی گارڈ کی ضرورت تو نہیں ہو گی؟" روپا نے پوچھا۔

"اوّل تو اس کی اس لیے بھی ضرورت نہیں پڑے گی' کہ آپ کسی کو نہیں بتائیں گی' اور قاتل کے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں ہوگی کہ آپ نے یہاں آ کر اس کے حلیے کے بارے میں بتایا ہے۔ اور اس نے اگر آپ کو دیکھا ہوتا' تو وہ آپ کو نظر انداز نہیں کرتا۔ آپ کو ہر صورت میں لے جاتا۔ کیوں کہ وہ ایک جنسی جنونی ہے۔ وہ عزت سے کھیلنے کے بعد آپ کو کسی نہ کسی طرح بے ہوش کر دیتا۔ پھر آپ کا سارا خون پی جاتا۔ آپ کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہیں پھینک دیتا۔ اگر میرے چیف نے اس کی ضرورت محسوس کی' تو ہم ایک باڈی گارڈ ضرور مقرر کر دیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں' اور کسی بات کی چنتا نہ کریں۔" رام داس نے اسے دلاسہ دیا۔

جب روپا اشوک چلی گئی تو رنجیت نے ایک گہری اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"اس قاتنہ نے اپنا پتا کیا بتایا تھا؟" رنجیت نے رام داس سے پوچھا۔

"اس کا معاوضہ کم سے کم پانچ سو روپے ہوگا۔" رام داس نے جواب دیا۔ "کیا ایک معمولی سراغ رساں افسر ایک کال گرل پر پانچ سو روپے خرچ کر سکتا ہے؟ پولیس میں جو کالی بھیڑیں ہیں' وہ اس پر پانچ ہزار روپے بھی لٹا سکتے ہیں۔ کیوں کہ وہ چیز ہی ایسی ہے' کہ دھرم اور دل و دماغ خراب کر دے۔"



سریندر کپور کے شو کا جیسے ہی اختتام ہوا' رام دیال نے ٹی وی بند کرتے ہوئے شانتی کی طرف دیکھا۔ ان دونوں نے گنگولی کے قتل کی خبر سنی تھی' جو سریندر کپور نے بڑی تفصیل سے بتائی تھی۔ لرزہ خیز قتل کی واردات جس نے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے۔

"اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ جنسی خونی دیوانہ ابھی تک اس شہر میں موجود ہے' اور شکار کی تلاش میں دندناتا پھر رہا ہے۔" سریندر کپور نے آخر میں کہا تھا۔ "یہ اس لیے ہوشیار رہیں۔ خصوصاً حسین' نوجوان' پُرکشش اور آزاد قسم کی لڑکیاں جو رنگین تتلیوں کی طرح کلبوں' ہوٹلوں اور ساحلوں پر اکیلی اڑتی پھرتی ہیں' جب تک وہ پکڑا نہیں جاتا' کوئی عورت اور لڑکی محفوظ نہیں ہے۔"

"میں یقین نہیں کر سکتی کہ انوپ ایسا کر سکتا ہے؟" اس نے لمحے کے لیے سوچا کہ اپنے اس ملازم کو اعتماد میں لے کر بتا دے کہ اس نے ملازمہ کے زخم سے بہتے خون کو پیتے اور چاٹتے دیکھا تھا۔ ملازمہ چوں کہ بے ہوش تھی' اس لیے اسے خبر نہ ہو سکی تھی۔ لیکن وہ کسی وجہ سے خاموش رہی۔

رام دیال برانڈی لانے شراب کے کیبنٹ کی طرف بڑھا۔ اس کی نظر معاً کھڑکی سے باہر پڑی۔ اس نے انوپ کمار کو اپنی مرسڈیز گاڑی میں جاتے دیکھا۔ انوپ کمار اس وقت آنت گپتا کی آرٹ گیلری کی طرف جا رہا تھا۔

"وہ جا رہا ہے مالکن!" اس نے شانتی کو بتایا۔

"موقع اچھا ہے۔" شانتی نے کہا۔ "ابھی اور اسی وقت جاؤ' جا کر اس کا اسٹوڈیو دیکھ آؤ۔"

رام دیال نے پہلے تو خود وہسکی پی اور پھر اس نے برانڈی میں تھوڑا سا سوڈا ملا کر برانڈی دی تا کہ وہ قدرے پرسکون ہو جائے۔ چند لمحوں کے بعد اوپر جانے کے لیے زینے پر چڑھ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ شانتی توقع کر رہی تھی کہ یہ قتل اس کے بیٹے نے نہیں کیا ہے۔ کیوں کہ کچھ اور خون آلود کپڑے ضائع کرنے کی ہدایت کے ساتھ اسے نہیں ملے تھے۔ مگر تیزی سے دھڑکتا ہوا دل اس دلیل سے کسی بھی طرح مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ یہ خود فریبی تھی۔ وہ اس نتیجے میں ہونے والی رسوائی اور بدنامی سے خوف زدہ تھی۔

زندگی ختم ہو کر رہ جائے گی۔ بھلا کون ایسے دیوانے کی ماں سے روابط رکھنا پسند کرے گا؟ وہ ہر کسی کی ہی نہیں' بلکہ خود اپنی نظروں میں گر جائے گی' آج شام بھی اسے ایک پارٹی میں جانا تھا' یہ پارٹیاں ہی اس کی زندگی تھیں' اس کی زندگی پر کیسا گہرا پردہ پڑا تھا۔ وہ ساحل سمندر پر اپنے پتی کے ساتھ چاندنی رات میں آزادی کی حالت میں نہا رہی تھی' اس کے بدن کی چاندنی پر ناگ دیوتا مر مٹا تھا۔ انوپ کمار اس کا خون تھا۔ اس نے مخلص' ہمدرد اور بے لوث رام دیال کو نہیں بتایا تھا۔ نرملا چودھری کو بھی نہیں بتایا تھا۔ پھر ساحل سمندر پر مچھلی کا شہزادہ آیا تھا۔ جس نے اسے اسیر کر کے اس کا سارا خون چوس لیا تھا۔ اس بات سے بھی رام دیال بے خبر تھا۔ پھر نرملا چودھری حقیقت جاننے کے لیے کچھ دن اس کی اسیر رہی تھی۔ آخر کار ایک مسلمان بزرگ سے ان دونوں کو نجات ملی تھی۔ صحت یاب ہونے کے بعد اس نے ان پارٹیوں کو زندگی کا محور بنا لیا تھا' جس سے نہ صرف اس کا وقت کٹ جاتا تھا' بلکہ اس کی آتما کو ایک عجیب سی شانتی ملتی تھی۔

وہ ان سوچوں میں غلطاں تھی' کہ آہٹ سن کر اس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ رام دیال کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سفید دھلی چادر کی طرح ہو رہا تھا۔ "کیا ہوا رام دیال؟" شانتی نے حیرت اور خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ اسے احساس ہو گیا تھا' کہ رام دیال کے پاس اچھی خبر نہیں ہے۔

"وہ ایک کٹے ہوئے سر کی تصویر بنا رہا ہے مالکن!" اس کی آواز ویران اور کھوکھلی تھی' جو شانتی کو دور سے آتی سنائی دی۔

شانتی نے فوراً ہی کانپتے ہاتھوں سے برانڈی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

''ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔'' وہ قدرے حوصلہ بحال ہونے پر بولی۔ ''جاؤ اپنا کام کرو' یہ سمجھو کہ کوئی ڈراؤنا خواب تھا۔''

''تو کیا ہوا؟ ایک آبرو باختہ اور ایک ہپّی کی پروا کون کرتا ہے۔'' شانتی نے بے پروائی کے انداز سے کہا' لیکن اس کے لہجے میں تیزی تھی۔ ''کیا تم اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا چاہتے ہو؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس کے گھر سے نکل جانا پسند کروں گی؟ انوپ جو چاہے کرے' اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں؟ یاد رکھو ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہم اندھے' بہرے اور گونگے ہیں۔''

''مالکن! وہ حد سے خطرناک ہو گیا' وہ آپ پر حملہ کر سکتا ہے۔'' رام دیال نے دانستہ اپنا نام لینے سے گریز کیا۔

''وہ مجھ پر حملہ کرے گا؟ اپنی ماں پر؟ فضول باتیں مت سوچو' میں نے کہا نا کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔'' شانتی نے ایک ہی سانس میں برانڈی کا گلاس خالی کرتے ہوئے کہا۔



ایس پی مکرجی اپنی میز پر بیٹھا تھا۔ فرنانڈس' نارائن اور رام داس بیٹھے ہوئے تھے۔ کافی کا دور چل رہا تھا۔

''ہم اس پاگل آدمی کے قریب پہنچتے جا رہے ہیں۔'' ایس پی مکرجی نے کہا۔ ''ہمیں چوتھی جیکٹ کے سلسلے میں بہت ہی اہم باتیں معلوم ہیں۔ اس آدمی کا جو حلیہ معلوم ہوا ہے' وہ باقی تین جیکٹ خریدنے والوں سے نہیں ملتا۔ یہ چوتھی جیکٹ ضرور وہی ہوئی ہے' جس کے بارے میں مسز سروپ کمار نے کہا تھا کہ وہ خیراتی ادارے کو دے دی گئی ہے۔ ہم اس کا سراغ لگانا چاہتے ہیں۔ اس آدمی کے بارے میں جو باتیں معلوم ہوئی ہیں' ان سے اندازہ ہوتا ہے' کہ وہ کوئی ایسا فرد نہیں ہو سکتا' اس ادارے کی مدد کا ضرورت مند ہو۔ وہ جو گوسی جوتے پہنتا ہو۔ اپنے لیے ایک کیا دس عدد جیکٹ بھی خرید سکتا ہے۔''

''شہر میں ایسے نقلی دولت مند بھی ہیں' جن کی جیب خالی رہتی ہے۔'' نارائن نے کہا۔ ''مگر وہ دولت مندوں کی طرح بڑے ٹھاٹ باٹ سے رہتے ہیں۔ خاص طور پر نوسرباز زیادہ۔ وہ جو ادھیڑ عمر کی عورتوں کو اپنا شکار بناتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ایسا ہی کوئی آدمی ہو' جس نے وہ جیکٹ جو اس ادارے سے چرائی ہو' یا پھر معمولی قیمت دے کر خرید لی ہو۔ اس طرح کے گوسی جوتے بھی چرائے ہوں' لیکن یہ سب کیسے ہو سکتا ہے؟''

''ہر بات ممکن ہے۔'' ایس پی مکرجی نے سر ہلایا۔ ''مناسب ہوگا کہ ہم ملبوسات فروخت

کرنے والی دکانوں کو چیک کریں۔ میرے خیال میں یہ کام تم سنبھالو رام داس! معلوم کرو کہ کوئی ایسا ڈیلر تو نہیں ہے' جس نے گوسی جوتے فروخت کئے ہوں' اگر بیچے ہیں تو کیسے؟''

اس وقت شرما آفس میں داخل ہوا۔

''سر! میرا خیال ہے کہ مجھے کوئی خاص بات معلوم ہو گئی ہے۔'' اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ''میں نے اس ادارے کے دو کارکنوں کو چیک کیا' جو گھوم پھر کے کپڑے جمع کرتے ہیں' میں اس ٹرک ڈرائیور شرد کو ساتھ لے آیا ہوں۔ اس کے باپ کا نام ٹونی ہے۔ وہ بھنڈی بازار میں پرانے کپڑے فروخت کرتا ہے۔ میں اس کے گھر گیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ادارے کے ٹرک سے وہاں کچھ کپڑے اتارے جا رہے ہیں۔ شرد نے اعتراف کیا کہ وہ کبھی کبھی کچھ کپڑے باپ کو دے دیتا ہے' تاکہ اپنی دکان پر فروخت کر دے۔''

یہ سنتے ہی فرنانڈس جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

''میں اسے دیکھتا ہوں سر۔'' اس نے کہا اور باہر چلا گیا۔ رام داس بھی اس کے ساتھ تھا۔ شرد ایک بنچ پر بیٹھا تھا' اور گشتی پولیس کا ایک کانسٹیبل اس کے سر پر سوار تھا۔ فرنانڈس کرسی پر بیٹھ گیا۔ رام داس کھڑا رہا۔

''تم کسی بھی پریشانی میں پھنس سکتے ہو؟'' فرنانڈس نے شرد کو مخاطب کیا۔

''پریشانی؟'' شرد چڑ کر بولا۔

''کیا آپ پاگل ہو گئے ہیں؟ کیسی پریشانی؟ وہ کپڑے لوگوں نے دے دیئے ہیں۔''

''ہاں! لوگوں نے اس ادارے کو دیئے ہیں' تم خود انہیں لینے کا حق نہیں رکھتے۔''

''اچھا! بھلا ادارہ ان کا کیا کرتا ہے؟ وہ انہیں کسی کو دے دیتا ہے' اگر میں نے اپنے باپ کو دے دیئے تو کیا غلط کیا؟ فرق کیا پڑا؟''

''ایسا تم کب سے کر رہے ہو؟''

''شاید چھ ماہ سے۔ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں اور نہ میں پروا کرتا ہوں۔''

''مگر تمہیں کرنا چاہیے۔ تم رفاہی ادارے کے کپڑے چراتے ہو' تمہیں تین مہینے کی سزا ہو سکتی ہے۔''

''آپ مجھ پر الزام عائد نہیں کر سکتے۔ میں اپنے حقوق جانتا ہوں' لوگ مجھے کپڑے دیتے ہیں' ٹھیک ہے میں ان میں سے چند کپڑے نکال کر اپنے باپ کو دے دیتا ہوں' ٹھیک ہے میں اس ادارے کو دے دیتا ہوں' اس وقت تک یہ ادارے کی ملکیت نہیں بنتے' جب تک میں ان کے حوالے نہ کر دوں۔''

"وہ کپڑے اس لمحے اس ادارے کی ملکیت بن جاتے ہیں' جب تم اس ادارے کے ٹرک میں رکھتے ہو؟" فرنانڈس نے کہا۔

"اگر چہ درست ہے تو پھر سن لو کہ وہ ٹرک میرا ہے۔" شرد نے کہا۔ "میں رضا کارانہ طور پر اس ادارے کی مدد کرتا ہوں۔ ٹرک کے پٹرول کا خرچ بھی میری جیب سے جاتا ہے' اس کی انشورنس پالیسی کا پریمیم بھی میں ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ مجھے اس بات کا ادھیکار ہے' کہ ان اخراجات کے بدلے اپنے باپ کو کچھ کپڑے دوں۔"

فرنانڈس نے گہری سانس لی۔ وہ سمجھ گیا کہ شرد کو مرعوب نہیں کیا جا سکتا۔

"چلو چھوڑو۔" وہ بولا۔ "ہمیں صرف اس نیلی جیکٹ سے دلچسپی ہے' جس میں گولف کے گیند جیسے بٹن لگے تھے۔ کیا تم نے ایسی کوئی جیکٹ اپنے باپ کو دی تھی؟ اچھی طرح سے یاد کر کے بتاؤ؟"

"میں کیا بتا سکتا ہوں؟" شرد نے کہا۔ "اس لیے کہ میں ہر کپڑا نہیں دیکھتا۔ پتا جی کو ایک بنڈل دے دیتا ہوں۔ وہ اس میں سے اپنی پسند کے کپڑے رکھ کر باقی مجھے واپس کر دیتا ہے۔ اور پھر میں انہیں لے جا کر اس ادارے کو دے دیتا ہوں۔"

فرنانڈس نے بڑی بے بسی سے رام داس کی طرف دیکھا' تو رام داس اپنے کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"آپ اس کے پتا جی سے پوچھیں۔" فرنانڈس نے رام داس سے کہا۔ "شاید وہ بتا سکے؟"

"اب تم جا سکتے ہو۔" فرنانڈس نے شرد کو جانے کی اجازت دے دی۔



ٹونی بھی اپنے بیٹے کی طرح دراز قد تھا۔ اس کی دکان استعمال شدہ کپڑوں سے بھری ہوئی تھی۔ رام داس دکان میں داخل ہوا تو ٹونی ایک بہت ہی فربہ اندام شخص کا ناپ لے رہا تھا' تا کہ اس کے سائز کی پتلون نکال سکے۔ جب تک یہ خریداری مکمل نہیں ہو گئی' رام داس کو انتظار کرنا پڑا۔

رام داس سادے لباس میں تھا' لیکن ٹونی نے اس کی وضع قطع' چہرے مہرے اور چہرے کی سختی سے محسوس کر لیا تھا' کہ اس کا تعلق پولیس سے ہے۔ رام داس نے اس کا شک دور کرنے کے لیے اپنا شناختی کارڈ دکھایا۔ "ہم ایک نیلی جیکٹ کی تلاش میں ہیں۔" وہ بولا۔

"جس میں گولف کی گیند جیسے بٹن لگے ہیں' ایسی کوئی جیکٹ تمہارے پاس تو نہیں ہے؟"

ٹونی اس کی بات سن کر ذہن پر زور دے کر چند لمحوں تک سوچتا رہا' پھر اس نے کہا۔

"ہاں! کچھ کچھ یاد تو آ رہا ہے کہ ایک ایسی جیکٹ میرے پاس تھی۔ آپ نے نیلے رنگ کی بتائی ہے؟"

"ہاں!" رام داس چونک کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "میں نیلے رنگ کی جیکٹ کے بارے ہی میں پوچھ رہا ہوں۔"

"مگر وہ جیکٹ کئی رنگ کی تھی۔ یہ تقریباً دو برس کی بات ہے' ممکن ہے اس بات کو تین برس ہو چکے ہوں۔ وہ اس لیے بھی یاد ہے کہ اس کے بٹن اتنے غیر معمولی تھے کہ یادداشت میں محفوظ رہ گئے ہیں۔"

"مگر میں جس جیکٹ کی بات کر رہا ہوں' وہ نیلی تھی۔" رام داس نے کہا۔

"نہیں!" ٹونی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "تو میں نے اسے نہیں دیکھا۔"

"تمہارے اسٹاف میں سے شاید کسی کو یاد ہو کہ وہ کس رنگ کی تھی؟" رام راس بولا۔

"شاید وہ "

"میرے پاس کوئی اسٹاف نہیں ہے۔" ٹونی نے اس کی بات کاٹ دی۔

رام داس شدید مایوسی کی حالت میں دکان سے بڑبڑاتا ہوا نکل آیا۔ جس وقت وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا' تب اسے اچانک یاد آ گیا کہ ریما کے لیے ایک بیگ خریدنا ہے۔ مگر ہفتے کی سہ پہر کو وہ بیگ کہاں سے خریدے۔ اگر اس نے تحفہ نہیں دیا' تو ریما دوسرے کمرے میں جا کر سو جائے گی۔ اسے مزید جلانے کے لیے شب خوابی کے لباس میں میک اپ کر کے بدن پر پرفیوم سے نہا کر گزرے گی۔ رام داس کو شاپنگ سے اس قدر نفرت تھی' کہ کوئی دوسرا اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ شادی کے بعد ایک بار بھی ریما کو شاپنگ پر نہیں لے گیا تھا۔

"ہیلو انسپکٹر!" ایک رسیلی نسوانی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

رام داس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو کلدیپ کور کھڑی تھی۔ رام داس نے اس کے سراپا کا جائزہ لیا۔ انگ انگ سے مستی ابل پڑتی تھی۔ پکے پھل جیسا رسیلا بدن تھا' کیا لڑکی ہے' کیا شباب ہے' اس نے دل میں کہا۔ وہ جس کی بھی جھول میں گرتی ہو گی' اس کو مزے آ جاتے ہوں گے۔

"ہیلو! مس کلدیپ کور!" اس نے کلدیپ کور کو نظروں میں جذب کرتے ہوئے پوچھا۔ "آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"لنچ کھا کر آ رہی ہوں اکیلی۔" وہ بولی۔

"میرا باس تو چلا گیا ہے اور مجھے کام کرنے کے لیے چھوڑ گیا ہے۔ ادھر کسی کام سے آئی تھی۔"

"کیا مسٹر موہن کہیں باہر گئے ہوئے ہیں؟" رام داس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"ہاں! اس کے سسر صاحب شدید بیمار ہیں۔" کلدیپ کور نے جواب دیا۔ "اب وہ پیر کے دن دفتر آئیں گے۔ قتل کی تفتیش کیسی چل رہی ہے؟"

"بس ہو رہی ہے۔" رام داس نے جواب دیا۔ اسے ایک خیال اچانک آیا۔ "اگر آپ کے پاس وقت ہے تو میری کچھ مدد کر سکتی ہیں؟"

"آپ کے لیے تو میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔" کلدیپ کور نے پیاسی نظروں سے دیکھتے ہوئے پلکیں جھکائیں' تو اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔

"مجھے اپنی بیوی کو اس کی سالگرہ پر تحفہ دینے کے لیے ایک پرس خریدنا ہے۔" رام داس نے کہا۔ "آپ بتائیں کہ میں کیا کروں؟"

"کس طرح کا پرس' پرس کی بھی قسمیں ہوتی ہیں۔" کلدیپ کور نے کہا۔

"معلوم نہیں! بس دیکھنے میں دیدہ زیب ہو' اچھا ہو۔" وہ بولا۔

"میری بیوی کو مشکل سے ہی کوئی چیز پسند آتی ہے۔"

"بہت سی عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔" کلدیپ کور ہنسنے لگی۔

"سوال یہ ہے کہ آپ کتنا خرچ کر سکتے ہیں' لگ بھگ پانچ چھ سو روپے؟"

"نہیں!" رام داس نے سر کھجایا۔ "اتنا مہنگا نہیں' میرا خیال سو ڈیڑھ سو روپے تک کا ہے۔ میں غریب پولیس والا ہوں۔"

"تو پھر آپ سندھی مارکیٹ کے قریب جو سمترا بوتیک ہے' اس میں دیکھ لیں۔" کلدیپ کور نے جواب دیا۔

"سمترا کو اپنی پسند اور متوقع قیمت بتا دینا۔ وہ خریداری میں آپ کی مدد کر دے گی۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔ مجھے ایک کام نمٹا کر دفتر میں پہنچنا ہے۔"

اور پھر وہ اپنے بھرے بھرے کولہے مٹکاتی' چمکتی' تھرکتی اور مستانہ خرامی سے رام داس کے دل پر قیامت ڈھاتی گزر گئی۔ رام داس جب تک سندھی مارکیٹ کے قریب نہیں پہنچا' اس کے دل و دماغ پر کلدیپ کور کا پرشباب بدن چھایا رہا۔ اسے روپا اشوک بھی یاد آ گئی تھی' جو کال گرل تھی' اس نے رخصت ہوتے وقت کہا تھا' کہ اگر اسے خدمت کا موقع دیا جائے' تو وہ خوب سیوا کرے گا۔ تب اس نے کہا تھا کہ وہ ایک حسین اور نوجوان پتنی کا پتی ہے۔ قیمتی اشیاء کی دکانیں ہفتہ کی سہ پہر کو کھلی رہتی تھیں۔ وہ اپنی گاڑی پارک کر کے لمبی سڑک پر آگے بڑھ گیا۔ اسے سمترا کے بوتیک کی تلاش تھی۔ ابھی اس نے چند قدموں کی مسافت طے کی تھی' کہ اس نے آنت گپتا کی آرٹ گیلری دیکھی۔ اور چوں کہ وہ ہر دکان کی شوونڈو دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس لیے آنت گپتا کی دکان کے شوونڈو میں رکھی ہوئی انوپ کمار کی بنائی ہوئی تصویر دیکھ لی۔ اس کے قدم آپ ہی آپ رک گئے۔ اسے اپنے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوئے محسوس ہوئے۔

خون کی طرح سرخ چاند' کالا آسمانی' نارنجی ساحل سمندر' اس نے کچھ اور قریب جا کر اس تصویر کو گھورا۔

"اوہ بھگوان!" اس نے سوچا۔ "اس بوڑھی جادوگرنی نے تو یہی پیش گوئی کی تھی۔"

اسے یاد آیا کہ گزشتہ برس جب وہ ایک قاتل کو تلاش کر رہا تھا' تو اس بوڑھی شرابی عورت نے بتایا تھا کہ قاتل کو سنتروں میں تلاش کرو۔ جب وہ قاتل پکڑا گیا' تو سنترے فروخت کر رہا تھا۔ تو کیا اس مرتبہ بھی اس کی پیش گوئی سچی ہے؟

اسے اچانک کال گرل روپا اشوک کی بات یاد آ گئی' اس نے بتایا تھا کہ جس آدمی کو اس

نے وہ جیکٹ پہنے گزرتے دیکھا تھا' اس کے ہاتھ آرٹسٹوں جیسے تھا۔ کیا جس مصور نے یہ تصویر بنائی ہے' وہی قاتل ہے' جسے تلاش کیا جا رہا ہے۔

وہ چند لمحے تک کھڑا سوچتا اور ہچکچاتا رہا۔ پھر دکان میں گھس گیا۔



مرلی بہت بور ہو رہا تھا۔ اس کے خیال میں آنت گپتا کا یہ اصرار کہ دکان ہفتے کی سہ پہر تک کھلی رکھی جائے' ایک بیکار کی زحمت تھی' اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ باقی سیلز مین چھٹی کرتے تھے۔ ہیڈ سیلز مین ہونے کی وجہ سے صرف اسے ہی دکان میں موجود رہنا پڑتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ تقریباً آٹھ ہفتے قبل ایک بوڑھی مال دار عورت گھومتے پھرتے ان کی دکان میں آ گئی تھی' اور اس نے ایک نایاب چیز جو کہ نقلی تھی' ساٹھ ہزار میں خریدی تھی۔ مگر اس کے بعد آج تک کوئی گاہک ہفتے کی سہ پہر کو نہیں آیا تھا۔ جب کہ آنت گپتا کا کہنا تھا۔ کیا پتا سہ پہر کے وقت کوئی اور احمق گاہک آ جائے۔ آخر تمہیں جمعرات اور اتوار کی چھٹی بھی تو ملتی ہے اور کیا چاہتے ہو؟

مرلی کو مزید غصہ یہ بھی تھا' کہ اسے انوپ کمار کے گھر جا کر تصویر بھی لانا پڑی تھی۔ تصویر بھی بڑی واہیات۔

"یہ کوئی تصویر ہے جو شو ونڈو میں رکھی جائے' ہم اسے رکھ نہیں سکتے؟"

"کیوں نہیں رکھ سکتے' یہ ایڈوانس آرٹ ہے۔" آنت گپتا نے جواب دیا تھا۔

"آپ اسے ایڈوانس آرٹ کہتے ہیں؟" مرلی نے تکرار کی۔ "یہ آرٹ کی توہین ہے؟ یہ کسی آرٹ کا نام نہیں ہے۔"

"تم اسے کھڑکی میں رکھ دو۔" آنت گپتا نے جواب دیا۔ "میں نے اس کی تصویر کی نمائش کا جو وعدہ کیا' وہ ہر صورت میں پورا کرنا ہے۔"

یہ کہہ کر آنت گپتا اپنی دکان کے آفس میں چلا گیا۔

مرلی فلمی ستاروں کا ایک میگزین دیکھ کر اس کی رنگین اور نیم عریاں تصویریں دیکھ کر خود کو بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ رام داس دکان میں داخل ہوا۔ وہ ہر پولیس آفیسر کو پہچانتا تھا' اور اسے معلوم تھا کہ رام داس بڑا ہوشیار آدمی ہے۔ اس نے اپنے پیر سے خفیہ بٹن دبایا۔ آنت گپتا نے اپنی میز پر سرخ بلب جلتے دیکھا اور سمجھ گیا کہ دکان میں کوئی پولیس والا آ گیا ہے۔ اس وقت گیلری میں کوئی قابل گرفت چیز نہیں تھی۔ اس لیے وہ گھبرایا تو نہیں' لیکن حیران ضرور ہوا۔ کسی پولیس والے نے گزشتہ چھ ماہ سے اس کی گیلری کا رخ نہیں کیا تھا۔ اور پولیس نہ ہی اس کے گاہکوں میں سے تھی۔ وہ آہستہ سے کرسی سے اٹھا' اور دروازے سے جھانک کر دیکھا۔

"ہیلو شری رام داس!" آنت گپتا نے آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔

"آپ نے تو ادھر کا رخ کرنا ہی چھوڑ دیا۔ ایک منٹ' مجھے اندازہ لگانے دیں۔ آپ ضرور اپنی پتنی کے لیے کوئی تحفہ خریدنا چاہتے ہیں۔ میرے پاس ایک بہت ہی اچھی چیز ہے' وہ میں آپ کو دکھاتا ہوں۔"

رام داس اس انداز کے استقبال سے کچھ متعجب تھا۔ مرلی نے ایک الماری کھولی' اور بروچ کا ایک سیٹ نکالا۔

"اسے دیکھو۔" مرلی نے کہا۔ "یہ سولہویں صدی کی ایک نایاب چیز ہے۔ آپ کی پتنی اسے پہنے گی تو لوگ رشک کریں گے۔ عام گاہکوں کے لیے اس کی قیمت ایک ہزار روپے ہے لیکن میں آپ کو پانچ سو روپے میں دے دوں گا' آپ ایسی خوشی کا اندازہ کریں' جو آپ کی پتنی اسے پا کر محسوس کریں گی۔"

رام داس نے سنبھل کر مرلی کو سخت نظروں سے گھورا۔ اس کی سیلز مین شپ اسے سخت ناگوار لگی تھی۔

"تمہاری شو ونڈو میں وہ تصویر کیسی ہے؟" رام داس نے تیزی سے کہا۔ "وہی جس کا چاند سرخ ہے۔"

"کیا بات ہے؟" مرلی نے باچھیں پھاڑ دیں۔ "یہ آپ کمال کی نظر رکھتے ہیں۔ آپ کے گھر کی دیوار پر وہ تصویر آپ کی یاد پتنی کو ہمیشہ دلاتی رہے گی کہ کیسی نادر تصویر سے اسے سجایا ہے۔"

"میں اسے خریدنا نہیں چاہتا۔" رام داس نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ تصویر کس نے بنائی ہے؟"

آنت گپتا نے فیصلہ کیا کہ اب موقع ہے' اسے ظاہر ہو جانا چاہیے۔ ایک موٹی آسامی پھنس رہی ہے۔

"ارے مسٹر رام داس! آج آپ کہاں راستہ بھول پڑے؟" اس نے رام داس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"آپ ہمارے ونڈو میں رکھی ہوئی تصویر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟"

"اس کا مصور کون ہے؟" رام داس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

ماڈرن آرٹ سے آپ کی دلچسپی' آپ کی عقل مندی کی دلیل ہے۔ آج ایک تصویر خرید' چند برسوں کے بعد اس کی چوگنی قیمت باآسانی مل جائے گی۔ اس لیے لوگ ماڈرن آرٹ کی

تصویریں خریدتے ہیں۔

رام داس کے منہ سے ایسی آواز نکلی' جیسے کوئی بھاری ہتھوڑا ننگے فرش پر گرا ہوا۔

"یہ پولیس کا معاملہ ہے۔" رام داس نے تیزی سے کہا۔

"اسے کس نے بنایا ہے؟"

"کس نے بنایا ہے؟" آنت گپتا نے سوچنے کی اداکاری کی۔

"آپ نے مجھے بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ مجھے بالکل بھی یاد نہیں ہے۔" اس نے رک رک کر کہا۔

"کیا مطلب ہے کہ بالکل بھی یاد نہیں؟" رام داس نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اسے ایک مصور ہمارے پاس فروخت کی غرض سے دے گیا تھا۔ تصویر اچھی ضرور ہے' مگر زیادہ قیمتی نہیں ہے' میں نے سوچا چلو! اسے کھڑکی میں رکھنے میں کیا حرج ہے' شاید کوئی عجیب چیز ہی خرید لے۔ میں اسے دو سو روپے میں فروخت کر دوں گا۔"

"میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ اس کا مصور کون تھا؟" رام داس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے اس نے نہ ہی کوئی نام پتا چھوڑا اور نہ ہی تصویر پر اپنا نام لکھا۔"

"وہ تصویر کب دے گیا تھا؟"

"چند ہفتے پہلے۔"

"اس کا حلیہ کیا تھا؟"

"اس کا حلیہ؟" آنت گپتا نے دہرایا۔

"معلوم نہیں۔ میں نے اس سے بات نہیں کی تھی؟ مرلی کیا تم نے کی تھی؟"

"میں نے بھی اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔" مرلی نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"پھر کس نے کی تھی؟" رام داس کو غصہ آ گیا۔

"شاید کسی دوسرے سیلز مین نے۔" آنت گپتا نے جواب دیا۔

"بہت سے مصور آتے رہتے ہیں' میرے یا مرلی کے لیے ان سب سے بات کرنا مشکل ہے۔"

"میں تم سے پھر کہتا ہوں کہ یہ پولیس کا معاملہ ہے' لیکن تمہاری کھوپڑی میں بات نہیں آ رہی ہے۔" رام داس نے برہمی سے کہا۔

"ہمارے پاس یہ یقین کرنے کی وجہ موجود ہے کہ جس شخص نے بھی یہ تصویر بنائی ہے' اس کا روشنی اور گنگولی کے قتل سے گہرا تعلق ہے۔"

آنت گپتا کو ایسا لگا' جیسے اس کے دل کی دھڑکن رک گئی ہو۔ مگر اسے اپنی دلی کیفیت اور تاثرات چھپانے میں بڑی مہارت تھی۔

"آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"اس بات کی پروا مت کرو۔" رام داس نے جواب دیا۔ "مجھے اس آدمی کا حلیہ چاہیے۔"

آنت گپتا کو انوپ کمار کا خیال آیا' اور اسے یہ بھی یاد آیا کہ انوپ کمار پر پچاس ہزار کی رقم واجب ہے۔

"میں اپنے اسٹاف سے پوچھوں گا۔" آنت گپتا ٹالنے کی غرض سے بولا۔

"آج ہفتہ ہونے کی وجہ سے وہ چھٹی پر ہیں۔"



’’تم میری بات غور سے سنو۔ میں تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں کہ اصل معاملہ کیا ہے۔‘‘ رام داس نے کہا۔ اسے یقین تھا کہ آنت گپتا سراسر جھوٹ بول رہا ہے۔ ’’ہمیں جس آدمی کی تلاش ہے‘ اس کے بال گندمی رنگ کے ہیں‘ اس کا قد تقریباً چھ فٹ کا ہے۔ ہاتھ اور انگلیاں آرٹسٹوں کی طرح ہیں۔ آخری مرتبہ اسے ایک نیلی جیکٹ پہنے دیکھا گیا تھا۔ جس کے بٹن گولف کی گیند کے جیسے ہیں‘ اور وہ گوسی کے جوتے پہنتا ہے۔ گزشتہ دنوں بہت سی نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کے جو وحشیانہ قتل ہوئے ہیں‘ اور ابھی ان چار دنوں میں جو دو وحشیانہ قتل ہوئے‘ جن کے بارے میں تم اخبارات میں پڑھ چکے ہوگے‘ یہ اسی نے کئے ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ کسی اور کی بھی جان لے لے۔ اس لیے اب میں تم سے آخری بار کہہ رہا ہوں‘ بلکہ پوچھ رہا ہوں کہ کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو‘ جس نے تصویر بنائی ہے؟‘‘

آنت گپتا ایک پل کے لیے گھبرا گیا‘ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا جسم پسینے میں بھیگ رہا ہو۔ رام داس نے اس کی گھبراہٹ اور چہرے پر پسینے کو دیکھ لیا تھا۔ انوپ کمار کے طرزِ عمل اور اس کا تاثرات میں ایسی کوئی خوف ناک چیز تھی‘ جو آنت گپتا کے ذہن کو بار بار پریشان کر رہی تھی۔ کیا وہ قاتل ہوسکتا ہے؟ اور اگر اس نے انوپ کمار کے بارے میں بتا دیا‘ تو کیا انوپ کمار کو گرفتار کرلیا جائے گا؟ اور اس کی پچاس ہزار کی رقم ماری جائے گی۔ اگر سلیمان اعظم کا لاکٹ واپس بھی مل گیا‘ تو اسے دوبارہ اتنے منافع کے ساتھ بیچنا مشکل ہوگا۔

’’مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ اس قدر نازک اور سنجیدہ نوعیت کا معاملہ ہے۔‘‘ آنت گپتا نے جواب دیا۔ ’’مجھ پر آپ اعتماد کریں۔ جب پیر کے روز میرا اسٹاف آئے گا‘ تو میں اس سے پوچھوں گا کہ...... بلکہ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ آپ خود ان سے پوچھ لیں۔‘‘

’’شاید یہ بات تم بہت اچھی طرح سے جانتے ہوگے کہ جو قاتل کو بچانے کی کوشش کرتا ہے‘ وہ خود بھی جرم چھپانے کا مجرم بن جاتا ہے۔‘‘ رام داس نے کرخت لہجے میں کہا۔

’’اس کی سزا کیا ہوتی ہے کیا میں تمہیں وہ بھی بتا دوں؟ اسے بھی پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب میں پیر کے دن آؤں گا‘ صبح کے وقت‘ اگر تم نے کسی سیلزمین کے بارے میں یہ کہا کہ وہ کسی وجہ سے نہیں آیا‘ تو میں تمہیں اس کے گھر لے جاؤں گا‘ اب تو میں جا رہا ہوں۔ میری اور مصروفیت نہ ہوتی تو تمہیں اسٹاف کے گھروں پر لے جاتا۔‘‘

اتنا کہہ کے رام داس دکان سے نکل گیا۔ رام داس نے اسے دانستہ خوف زدہ کیا تھا‘ تاکہ وہ راہِ راست پر آ جائے۔ اس کا دماغ درست ہو جائے۔ اس نے جو جھوٹ بولا تھا‘ اس بات نے رام داس کو تپا دیا تھا۔

رام داس کے باہر نکلتے ہی آنت گپتا نے اپنی عرق آلود پیشانی رومال سے پونچھی‘ اور مرلی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

’’آپ اس معاملے میں مجھے ملوث مت کریں۔‘‘ مرلی نے کہا۔ ’’آخر آپ نے اسے بتا کیوں نہیں دیا؟‘‘

’’کیسے بتا دیتا......؟‘‘ آنت گپتا نے غصے میں اپنی وِگ اتار پھینکی۔ ’’مجھے اس سے چالیس ہزار کی رقم وصول کرنی جو ہے۔‘‘

’’آپ جو چاہیں کریں‘ مگر میں نے کہہ دیا کہ مجھے پھنسانے کی کوشش مت کرنا‘ کیوں کہ ساری ذمے داری آپ کی اپنی ہے۔‘‘ مرلی نے جواب دیا۔ وہ دل میں اس لیے بھی خار کھا رہا تھا کہ اس کا مالک کس قدر خود غرض اور کمینہ ہے‘ بے پناہ منافع کماتا ہے‘ جب ضرورت کے وقت دو تین سو روپے ایڈوانس مانگو تو صاف انکار کر دیتا ہے‘ اس کی آنکھوں میں سؤر کا بال آ جاتا ہے‘ وہ کیوں اور کس لیے تعاون کرے۔

◈ ◊ ◈

کلدیپ کور نے آخر کسی نہ کسی طرح اپنا سارا کام نمٹا ہی لیا۔ موہن کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ہفتے کی پوری سہ پہر ضائع ہوگئی تھی۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ شام کے چھ بجے تھے۔ اسے اپنے باپ کا خیال آیا۔ وہ اپنے کچھ پرانے بوڑھے دوستوں کے ساتھ اپنی لانچ پر ہوگا‘ جس میں دس بیڈروم بھی تھے‘ جسے وہ ایک چھوٹا بحری جہاز کہتا تھا۔ صرف ایک بار وہ اس بحری جہاز پر گئی تھی۔ ان میں کوئی بھی ساٹھ ستر برس کی عمر سے کم نہ تھا۔ سات دوست تھے۔ ان سات بوڑھوں نے باری باری اسے کسی نہ کسی بہانے سے چوما تھا۔ سویٹ بے بی کہہ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ پھسلتا گیا تھا۔ رقص کے دوران بھی رقص کم اور ہاتھ زیادہ بہکتے رہے تھے۔ وہ ایک ہی مچھلی تھی‘ جسے ہر کوئی اپنے کانٹے میں پھانسنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ مرد

کبھی بوڑھا نہیں ہوتا' لیکن یہ بوڑھے مرد نہیں رہے تھے۔ انہیں ان کی عیش کی زندگی نے ختم کر دیا تھا۔ اس روز کے بعد سے وہ پھر کبھی بھولے سے بھی نہیں گئی تھی۔ لیکن اس مرتبہ اس کے باپ نے اسے بھی مدعو کیا تھا' کہ اس کے دوست بہت یاد کرتے ہیں۔ وہ جانتی تھی کہ اس میں کون سا جذبہ کارفرما ہے۔ کلدیپ کور نے کام کی زیادتی کا بہانہ تراش دیا تھا۔ وہ وہاں جا کر بے کیف بدمزا اور صرف ہاتھوں کا کھلونا بننا نہیں چاہتی تھی۔ اگر ان میں ایک بھی کسی لائق ہوتا' تو وہ چلی جاتی اور اس پر مہربان ہو جاتی۔ وہ جانتی تھی کہ بوڑھا کسی بھی جوان لڑکے سے بہتر ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ایک کھلونے سے دل کیسے بہلایا جاتا ہے' یہ اس کا تجربہ تھا۔

اس نے اپنے باپ کو یہ بھی بتایا تھا کہ موہن اپنے سسر کی علالت کی وجہ سے گیا ہوا ہے' اور وہ اکیلی کام کر رہی ہے۔ یہ سن کر اس کے باپ نے پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے باپ کو کام اور پیسہ دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔ بہرحال اس نے جلد ہی خلافِ توقع کام نمٹا لیا تھا۔

کلدیپ کور نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سوچا کہ اب وہ وقت گزاری کے لیے کیا کرے؟ موہن کے بعد اسے اب تک کوئی نیا شکار نہیں ملا تھا۔ اب اسے ضرورت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ مصیبت یہ تھی کہ جب تک اس کا ڈرائیونگ لائسنس بحال نہ ہو جائے گا' وہ گاڑی چلا نہیں سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ وہ باقی دن اپنے ساحلی کیبن میں گزارے' لیکن کسی آدمی کے بغیر رات' جوانی اور شباب اور شراب بے لطف رہے گی۔ اس لیے اس نے سوچا کہ اسے کوئی شکار تلاش کرنا ہوگا۔ لیکن کہاں اور کیسے؟

اس نے کئی مرد دوستوں کے بارے میں سوچا۔ لیکن وہ ان کے بارے میں جانتی تھی' کہ وہ جمعہ کے دن سب کے سب کسی نہ کسی کے حصے میں آ چکے ہوں گے۔ کیوں کہ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ سنیچر کی رات کسی ساتھی کے بغیر گزر نہ جائے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کرے۔ ایک خیال کوندا بن کر ذہن میں لپکا' کیوں نہ وہ ایک نیا تجربہ کرے' کسی سے لفٹ لے کر دیکھے۔ شکار اسے شکار کرے گا۔ ممکن ہے اس کی پسند کا شکار مل جائے۔ پھر بڑی اچھی تفریح رہے گی۔ اس ممبئی شہر میں شکار کی کیا کمی ہے۔ اسے صرف ایک اشارے پر کئی شکار مل سکتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک مصروف ترین سڑک پر کھڑی تھی۔ وہ کنارے پر کھڑی ہو کر گزرتی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔ ٹریفک جام کی وجہ سے گاڑیاں آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔ سنیچر کی شام عموماً ٹریفک کچھ زیادہ ہی جام ہو جاتا تھا۔ ایک فیٹ گاڑی سامنے سے گزری تو اسے گزر جانے دیا۔ کیوں کہ اس میں ایک بہت ہی موٹا اور بے ڈول سا آدمی تھا۔ اس شخص نے اسے اس خیال سے دیکھا تھا' جیسے وہ لفٹ لینا چاہتی ہو۔ اسے موٹے آدمیوں سے نفرت تھی۔ اس لیے اس نے

منہ پھیر لیا۔ فورڈ' مرسڈیز' واکس ویگن' مداس' اور کیڈلک گاڑیاں بھی گزرتی رہی تھیں' مگر اسے جو شکار من بھایا اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی لڑکی موجود تھی۔ وہ کچھ مایوس سی ہونے لگی تھی کہ ایک مرسڈیز کو آتے دیکھا۔ اتفاق سے اس وقت روڈ بلاک ہوگئی تھی۔ مرسڈیز ٹھیک اس کے سامنے آ کر رک گئی۔ اس کے ڈرائیور پر نظر ڈالنے میں وہ ذرہ برابر بھی نہیں ہچکچائی' اس کے بال گندمی رنگ کے تھے' خوب صورت تھا' سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اکیلا تھا۔ کلدیپ کور نے آگے بڑھ کر اسے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے لفٹ مانگی۔

انوپ کمار نے اسے بڑے غور اور ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔

اس کے ذہن میں جو پہلا خیال ابھرا' وہ یہ تھا کہ یہ لڑکی اس کی تصویر کے لیے بڑا اچھا ماڈل بن سکتی ہے۔

جب اس نے لڑکی کی مسکراہٹ میں دعوت دیکھی' تو اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔

''آپ کا راستہ کون سا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔ کلدیپ کور اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''میوری کے ساحل سمندر پر جانا ہے۔'' کلدیپ کور نے بتایا۔

''مگر وہاں تو ہپّی کریک کالونی ہے؟''

''ہاں!''

''لیکن آپ تو کسی بھی لحاظ سے ہپّی معلوم نہیں ہوتی ہیں۔''

''اس کالونی کے قریب میرا ایک کیبن ہے۔'' کلدیپ کور نے جواب دیا اور پھر اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ پھر بولی۔ ''میں مس کلدیپ کور جسونت سنگھ ہوں۔''

''مس کلدیپ کور!'' انوپ کمار نے چونک کے اسے گھورا۔ ''وہ تو نہیں جن کی ایک انشورنس کمپنی ہے۔ وہ میرے پتا جی کے بہت ہی قریبی دوستوں میں سے تھے۔ وہ انہیں دو ایک مرتبہ اپنے بحری جہاز پر مدعو کر چکے تھے۔''

''ہاں! میں انہی کی بیٹی ہوں۔'' کلدیپ کور نے سر ہلا دیا۔ ''آپ کے پتا جی میرے پتا جی کے دوست تھے۔ آپ کون ہیں؟''

''میرا نام انوپ کمار ہے۔'' انوپ کمار نے تعارف کرایا۔ ''میرے والد سروپ کمار تھے۔ ان کا دیہانت ہو چکا ہے۔''

''اوہ تو آپ ان کے لڑکے ہیں۔'' وہ بولی۔ ''مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے پتا جی

سے مل چکی تھیں۔ یہ کتنا عجیب اتفاق ہے۔“

”جی ہاں!“ انوپ کمار نے ایک ہاتھ ڈرائیونگ وہیل سے اٹھا کر گردن میں لٹکے ہوئے سلیمان اعظم کے لاکٹ کو چھوا۔ جب سے اس نے یہ لاکٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اسے بار بار چھوتا رہے۔

”یہ کیا ہے؟“ کلدیپ کور نے پوچھا۔ اس نے لاکٹ دیکھ لیا تھا۔ ”کیا یہ اصلی ہے؟“

”ایک دکان میں نظر آیا' پسند آیا تو اسے میں نے خرید لیا۔“ انوپ کمار نے جواب دیا۔ ”مجھے راستے میں چند منٹ کا کام ہے' آپ کو عجلت تو نہیں ہے؟“

”آپ چنتا نہ کریں۔“ کلدیپ کور شوخی سے بولی۔ ”میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔“

انوپ کمار نے اس کی بات کا جواب اس لیے نہیں دیا تھا کہ سامنے سے ایک تیز رفتار ٹرک آ رہا تھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ تھا۔ جب ٹرک قریب سے گزر گیا' تو انوپ کمار نے کہا۔ ”آپ نے کیا کہا تھا' میں سن نہ سکا تھا۔“

”میں نے یہ کہا کہ میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔“ وہ بولی۔ ”میں فرصت ہی فرصت میں ہوں۔“

”اتفاق سے میں بھی فرصت ہی فرصت میں ہوں۔“ انوپ کمار نے کہا۔ ”ممکن ہے ہم دونوں کوئی مشترکہ دلچسپی تلاش کر لیں۔“

”تم نہ صرف بہت خوب صورت' بلکہ بڑے اسمارٹ نوجوان ہو۔“ کلدیپ کور نے کہا۔ ”ہمیں ضرور کوئی مشترکہ دلچسپی مل جائے گی۔“

انوپ کمار نے گاڑی کا رخ تیزی سے سندھی مارکیٹ کی طرف کر لیا۔

اس وقت دن ڈوب چکا تھا۔ سات بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ سندھی مارکیٹ کا علاقہ سنسان پڑا تھا۔ کیوں کہ تمام دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ انوپ کمار نے گاڑی آنت گپتا کی گیلری کے سامنے روک لی۔ جب سے اس نے مرلی کو اپنی تصویر دی تھی' تو وہ اسے اتنی مشہور گیلری کی نمائش کھڑکی میں رکھے جانے کے خیال سے بڑے جوش و خروش میں تھا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کی تصویر وہاں رکھی ہوئی کیسی لگتی ہے۔ بلاشبہ تصویر کھڑکی میں رکھی ہوئی تھی۔ اس کے دل میں فخر کا سا احساس پیدا ہوا۔

”اس تصویر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ انوپ کمار نے اپنی تصویر کی طرف اشارہ کر کے دریافت کیا۔

تصویر کو دیکھ کر کلدیپ کور کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اس نے ناگوار سا منہ بنایا۔ اس نے

انوپ کمار کو گھورا۔

”مجھے ماڈرن آرٹ کے بارے میں زیادہ معلوم نہیں۔“ کلدیپ کور نے بیزاری سے کہا۔ ”نہ ہی میں نے کبھی دلچسپی لینے کی کوشش کی۔ ویسے کچھ تصویریں میرے پاس ہیں' لیکن ان کا ماڈرن آرٹ سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔“

انوپ کمار کی انگلیاں اسٹیرنگ وہیل پر سخت ہو گئیں۔ وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے تصویر کو گھورے جا رہے تھے۔

”اگر کوئی تم سے اس تصویر کے بارے میں پوچھے گا تو تم اسے اپنی کیا رائے دو گی؟“ انوپ کمار نے پوچھا۔

”یہ تو ایک طرح کا مذاق معلوم ہوتی ہے۔“ کلدیپ کور نے ہنس کر جواب دیا۔ ”یا پھر ایسا لگتا ہے کہ آنت گپتا کا دماغ خراب ہو گیا ہے' جو اس نے اس تصویر کو شو ونڈوز میں رکھ دیا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی احمق بچے نے بنائی ہے۔“

”احمق بچے نے؟“ انوپ کمار نے دہرایا۔

”یا پھر کسی احمق آدمی؟“ کلدیپ کور ہنسنے لگی۔

”لیکن مجھے تم سے اختلاف ہے' میرا خیال ہے کہ تصویر بہت اچھی ہے۔“ انوپ کمار کی انگلیاں لاکٹ کو چھو رہی تھیں۔

”کیا تمہیں یہی تصویر دیکھنی تھی؟“ کلدیپ کور اس خوب صورت نوجوان کو اپنے کیبن میں لے جانے کے لیے بے قرار ہو رہی تھی۔ ”بس اب چل پڑیے۔“ شام تیزی سے گزرتی جا رہی ہے۔“

انوپ کمار نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا اور اسے وہاں سے نکال کر سڑک پر لے آیا۔

”اگر تمہیں واقعی ماڈرن آرٹ سے دلچسپی ہے۔“ کلدیپ کور نے کہا۔ ”میرا مطلب ہے کہ معیاری آرٹ سے' اس تصویر کو تھرڈ کلاس آرٹ سے نہیں تو آنت گپتا سے ملو' کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ آرٹ کسے کہتے ہیں۔“

”تھرڈ کلاس آرٹ' تو اس تصویر کے بارے میں تمہاری رائے ہے؟“ انوپ کمار سنجیدہ ہو گیا۔

”کیا تمہاری رائے نہیں ہے؟“

انوپ کمار کے دل میں ایک اشتعال سا پیدا ہوا۔ اس نے سوچا کہ ہیرے کا بٹن دبا کر اس لڑکی کو خنجر مار دے۔ برابر مارتا چلا جائے۔ پھر اس کا خون پیتا اور چاٹتا جائے۔ مگر وہ یہاں ایسا

نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے ضبط سے کام لیا۔ اپنے غصے پر قابو پالیا۔ اسے یہ پہلی لڑکی ملی تھی' جس کی رگ رگ میں شہد جیسا خون بھرا معلوم ہوتا تھا۔ اسے تو سکون و آرام اور اطمینان سے نشانہ بنانے کی ضرورت تھی۔

''تم نے کہا تھا کہ تمہارے پاس وقت ہی وقت ہے' اور فرصت میں ہوں۔'' انوپ کمار نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر قریب کرلیا۔ ''تمہارے خیال میں ہمیں اپنا یہ وقت کہاں اور کیسے گزارنا چاہیے۔'' اس کا ہاتھ سانپ کی طرح رینگتا رہا۔

''تم میرے کیبن چلو۔'' کلدیپ کور نے اس کا ہاتھ بڑے پیار سے تھام کر کہا۔ ''وہ تمہیں بے حد پسند آئے گا۔ کیوں کہ میں نے اسے خصوصی طور پر ایسا آراستہ کیا ہے' کہ جس سے ہر طرح کا خوب لطف اٹھایا جاسکے۔ میں نے پیسہ پانی کی طرح بہایا ہے۔''

کیبن پہنچنے تک دونوں خاموش رہے۔ گاڑی کیبن سے کچھ فاصلے پر چھوڑ دی گئی۔ وہ پیدل چل کر آئے تھے۔ ایک گھنے درخت کے نیچے گاڑی کھڑی کرتے ہوئے انوپ کمار نے پوچھا:۔

''کیا یہ وہی جگہ تو نہیں ہے' جہاں اس لڑکی کو قتل کیا گیا تھا' جو جسم فروش تھی۔''

''ہاں! یہ جگہ تو وہی ہے۔'' کلدیپ کور نے جواب دیا۔

''کیا تمہیں یہ راستہ چلتے ہوئے ڈر نہیں لگ رہا ہے؟'' انوپ کمار نے متعجب لہجے میں کہا۔

''تم جیسا آدمی سنگ سنگ ہو تو اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔'' کلدیپ کور نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

کیبن کے پاس پہنچ کر کلدیپ کور نے پرس سے چابی نکال کر دروازہ کھول دیا۔

''کیبن تو بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔'' انوپ کمار اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ ''کیا یہ یہی کالونی کے لوگ تمہیں پریشان تو نہیں کرتے ہیں؟''

''نہیں! وہ مجھے پسند کرتے ہیں' اور میں بھی انہیں بہت پسند کرتی ہوں۔'' کلدیپ کور نے جواب دیا۔

کلدیپ کور نے اندر داخل ہو کر تمام بتیاں روشن کر دیں۔ پھر اس نے کھڑکیوں کے پردے گرا دیئے۔

''تم کیا پینا پسند کرو گے؟'' کلدیپ کور نے پوچھا۔ ''میری شراب کی الماری میں ہر قسم کی شراب موجود ہے۔''

''صرف تمہیں پینا ہے۔'' انوپ کمار نے جواب دیا۔ ''وہ مشروب جو تمہارے سارے بدن میں نس نس میں بھرا ہوا ہے۔ جو گردش کرتا رہتا ہے اس کی سی لذت' کیف [illegible] دنیا کے کسی بھی مشروب میں نہیں ہوسکتا۔''

''پی لو۔'' کلدیپ کور ہنس پڑی۔

''میں ایک پکا ہوا پھل ہوں۔ میرا رس تمہیں مدہوش کردے گا۔''

انوپ کمار اس کے قریب آیا۔ پھر اس نے اس کا لباس اس طرح اتار دیا' جس طرح کسی پھل کا چھلکا اتارا جاتا ہے۔

پھر دونوں بہکتے چہکتے غلاظت کے دلدل میں جا گرے۔ انوپ کمار نے موہن کی کمی پوری کردی تھی۔ وہ جو خلا محسوس کررہی تھی اسے انوپ کمار نے پُر کردیا تھا۔ جب دونوں جذبات کی رَو سے نکل آئے تو کلدیپ کور نے وہسکی کے دو جام تیار کیے۔ پھر اپنا جام لے کر وہ کھڑکی کے پاس گئی۔ گلاس میز پر رکھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا' یہ دیکھنے کے لیے چاند نکل آیا کہ نہیں۔

انوپ کمار اس کے قریب آیا۔ اس نے پردہ چھوڑ دیا۔ انوپ کمار نے اس کے مرمریں گداز بازوؤں پر ہاتھ رکھا' اور اسے دوسری جانب گھما دیا۔ اب کلدیپ کور کی پشت اس کی جانب تھی' اور اس کی انگلیاں گردن سے کولہوں تک سہلا رہی تھیں۔ کلدیپ کور آنکھیں بند کیے کھڑی رہی۔ پھر وہ اس انداز میں بستر پر لیٹ گئی۔ انوپ کمار اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے کلدیپ کور کے چہرے اور پورے بدن پر نظر ڈالی۔ پورے بدن میں پکے پھل جیسا رسیلا پن تھا۔ انوپ کمار کی پیاس بڑھنے لگی۔ اس نے جذبات کی رو میں بہنے سے پہلے' جو لاکٹ اتار کر سرہانے والی میز پر رکھا تھا' اسے اٹھایا۔ پھر ہیرے کا نگ دبایا۔ خنجر کا پھل اچھل کر باہر آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں جو سفاکانہ چمک اُبھری تھی وہ بڑھ گئی۔ ہونٹ عجیب معنی خیز انداز میں مسکرائے۔ اگر وہ یہ سفاکانہ چمک اور مسکراہٹ دیکھ لیتی' تو غش کھا جاتی۔ وہ آدمی نہیں' بلکہ زہریلے ناگ کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اور پھر اس نے خنجر کا پھل شانوں کے درمیان رکھتے ہوئے نیچے تک ایک لکیر کھینچ دی۔ خون تیزی سے بہہ کر چادر پر گرنے لگا تو اس نے خون پینا' اور چاٹنا شروع کر دیا۔ شدید درد محسوس کرتے ہوئے کلدیپ کور پلٹی' اسے انوپ کور کا چہرہ خوفناک بلا کی طرح نظر آیا' اور تب اس نے اس کے ہاتھ میں پکڑے خون آلودہ خنجر کے پھل کو دیکھا۔

''یہ تم نے مجھے کیا کیا ہے؟'' وہ ہذیانی انداز سے چیخی۔ پھر اس کی نظر چادر پر پڑی تو اسے خون کی لکیر سی نظر آئی اور پھر انوپ کمار کے ہونٹوں پر خون لگا ہوا تھا۔ ''یہ کیا! تم میرا خون پی

رہے ہو؟"

"میں تمہارا خون نہیں' بلکہ دنیا کا سب سے بہترین' نفیس اور ذائقہ دار مشروب پی رہا ہوں۔" انوپ کمار نے جواب دیا۔ "کیا ذائقہ دار اور نشہ آور ہے۔" پھر وہ اس کے جسم اور حساس حصوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ "یہ جوانی اور شباب کا رس تو پینے دو۔"

پھر خوف و دہشت سے کلدیپ کور کی آنکھیں پھیل گئیں۔ منہ چیخنے کے لیے کھلا' مگر اب انوپ کمار اسے بازوؤں کی گرفت میں لے کر اس پر خنجر سے ایک وار کرتا' اور زخم پر منہ رکھ کر خون پیتا۔ کلدیپ کور کو لگا وہ کسی ناگ کی گرفت میں ہے' وہ بے ہوش ہو گئی۔ مگر اس نے بڑے سکون و اطمینان سے اس کا سارا خون پیا۔ جب اس نے کلدیپ کور کو آغوش سے نکالا تو وہ اب اس دنیا میں نہیں رہی تھی۔



سمترا بوتیک کی جاذب نظر اور بے حد پرکشش اور جوان سیلز گرل اپنے رسیلے سرخ ہونٹوں پر استقبالیہ مسکراہٹ لیے رام داس کی طرف بڑھی۔ "سر! کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتی ہوں؟" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں! مجھے ایک دستی بیگ یعنی پرس چاہیے۔" رام داس نے جواب دیا۔ "اس کی قیمت سو روپے سے زیادہ نہ ہو۔"

"کیا کسی کو تحفہ میں دینا ہے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"جی ہاں! اپنی پتنی کو۔" اس نے قدرے شوخی سے کہا۔ "اس عمر میں پتنی کے سوا کسی عورت کو تحفہ دینے سے رہا۔"

"میرے پاس مگرمچھ کے بچے کی کھال کا ایک پرس ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی بولی۔ "آپ کی پتنی اسے ضرور پسند کریں گی۔"

لڑکی نے پرس نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ "یہ دیکھیے! کتنا خوب صورت اور دل کش ہے۔"

پرس پر نگاہ پڑتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ ریما اسے پا کر خوشی سے اچھل پڑے گی' اس لڑکی نے اس پرس کی غلط تعریف نہیں کی تھی' لیکن اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا' وہ یہ تھی کہ ریما اس کے بعد ایک نئے لباس' سلکی ساڑھی' کان کے بندے اور نئے سینڈل کا مطالبہ کرے گی' اور وہ سب کے سب میچ کرتے ہوئے۔

"بہت عمدہ اور بہت ہی اچھا ہے۔" رام داس نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "مگر اس کی قیمت کیا ہے؟"

"صرف تین سو پچاس روپے؟" لڑکی نے جواب دیا۔

"قیمت زیادہ اور میری دسترس سے باہر ہے۔ میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو روپے تک کا پرس خرید سکتا ہوں۔"

"ایک اور پرس ہے' لیکن وہ اس جیسا نہیں ہے' دیکھا جائے تو تین سو پچاس روپے کوئی قیمت نہیں ہے۔"

لڑکی نے دو تین پرس اور دکھائے' لیکن اس کی نگاہیں تو پہلے پرس پر مرکوز تھیں۔

"کیا ایسا ممکن ہے کہ ڈیڑھ سو کی رقم نقد اور باقی دو سو روپے کا چیک لے لو۔" رام داس نے کہا۔

"سوری سر! ہم اجنبی لوگوں کے چیک نہیں لیتے۔" لڑکی نے کہا۔ اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑنے لگی تھی۔

"میں خفیہ پولیس کا انسپکٹر رام داس ہوں۔" اس نے اپنا شناختی کارڈ دکھایا۔

لڑکی کے ردعمل نے اسے حیران کر دیا۔ اس لڑکی کی خوب صورت آنکھیں آخری گوشوں تک پھیل گئیں۔

"مسٹر رام داس!" وہ بڑے پرجوش لہجے میں بولی۔ "میں آپ کے ساتھ رعایت کر سکتی ہوں' نہ منافع نہ نقصان' ایک سو ستر روپے کے بارے میں کیا خیال ہے' یہ ہماری خرید ہے' پیک کر دوں۔"

"رام داس نے چونک کر اسے حیرت سے دیکھا۔" "یہ دیا کس خوشی میں؟"

"میرا بھائی بھی محکمہ پولیس میں ملازمت کرتا ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "اس کا نام شرما ہے۔ وہ اکثر آپ کا ذکر کرتا ہے۔ آپ کا بڑا مداح ہے۔ بہت تعریف کرتا ہے' اس کا کہنا ہے کہ پولیس محکمے میں آپ کی طرح باصلاحیت اور ہوشیار سراغ رساں شاید ہی کوئی ہو۔"

"مجھے منظور ہے۔" رام داس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "اور مس! تمہارا بھائی شرما بھی ذہانت میں کسی سے کم نہیں ہے۔"

لڑکی نے پرس کو بڑی خوب صورتی اور نفاست سے پیک کر دیا۔ رام داس نے رقم گن کر اس کے حوالے کر دی۔

"شرما بڑا خوش نصیب ہے۔" رام داس نے کہا۔ "تم جیسی خوب صورت لڑکی اس کی بہن ہے۔"

"تعریف کا شکریہ مسٹر رام داس!" لڑکی نے کہا۔ "ذرا میرے بھائی کو اپنی رائے بتا

دینا۔"

"ضرور! مجھے پتا ہے کہ جتنا بہنیں بھائیوں کو پسند کرتی ہیں' اتنا بھائی بہنوں کو نہیں' مگر میں اسے تمہارے بارے میں ضرور بتاؤں گا۔" رام داس نے اس کا رخسار مشفقانہ انداز سے تھپتھپایا۔

رام داس نے دکان سے باہر آ کر گھڑی دیکھی۔ پونے دس بجے تھے۔ مزید کپڑوں کی دکانوں کو چیک کرنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ سب اپنی اپنی دکانیں بند کر کے جا چکے ہوں گے۔ وہ اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔ سگریٹ سلگا کر سوچنے لگا۔ اس بوڑھی عورت آشا دیوی جادوگرنی' شرابی نے کہا تھا کہ ان تین سراغوں کی مدد سے قاتل کا پتا چل جائے گا۔ خون کی طرح سرخ چاند' کالا آسمان' نارنجی ساحل سمندر' گزشتہ مرتبہ بھی اس کی پیش گوئی درست نکلی تھی۔

مگر وہ اس بات کا اعتراف کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر پتا یہ ہی تھا کہ اس عورت کی پیش گوئی بے وزن نہیں ہوتی تھی۔ اسے یہ تین سراغ ملتے ہی سمجھ لینا چاہیے تھا' کہ آشا دیوی کسی تصویر کے بارے میں کہہ رہی تھی۔ یہ محض اتفاق تھا' کہ اس نے آنت گپتا کی دکان میں یہ تصویر دیکھ لی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ آنت گپتا چوری کا مال بھی بیچتا ہے' اسے صرف منافع اور پیسے سے غرض ہوتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ مصور کا نام معلوم نہ ہونے کے بارے میں آنت گپتا جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ کسی کو چھپا رہا تھا۔ تب تک وہ یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ جب تک وہ اسے چھپا رہا تھا' وہ ظاہر نہ ہو جائے۔ اس کے دل کے کسی کونے میں ایک اور خیال بھی آیا تھا' کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کوئی دولت مند شخص ہو' جس کی ذات سے آنت گپتا کو بے پناہ فائدہ پہنچتا ہو؟

مگر وہ یہ بات اپنے چیف کو بتا نہیں سکتا تھا۔ نہ صرف ایس پی مکرجی' بلکہ اس کے محکمے اور ہیڈکوارٹر کے تمام عملے کے مذاق کا وہ نشانہ بن جاتا' اس لیے یہ تحقیقات اسے خود اپنے طور پر کرنی تھی۔ اس لیے اس ضمن میں سے کچھ نہیں کہنا تھا۔ وہ پیر کی صبح آنت گپتا کی دکان پر اس کے اسٹاف کے ایک ایک فرد سے پوچھ گچھ کرے گا۔ پھر دودھ کا دودھ اور پانی الگ ہو جائے گا۔

وہ یہ سوچ اور فیصلہ کر کے اپنے دفتر آیا۔ پھر اس نے اپنی رپورٹ ٹائپ کی اور ایس پی مکرجی کے سامنے رکھ دی۔

"اچھی بات ہے مسٹر رام داس!" اس نے کہا۔ "اب آپ گھر جائیں جلد یا بدیر ہمیں کوئی نہ کوئی مفید سراغ مل جائے گا۔"

رام داس گھر پہنچا تو سوا گیارہ بجے تھے۔ ریما ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ اس نے رام داس کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

"کھانا فریج میں رکھا ہوا ہے۔" ریما ٹی وی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

ٹی وی پر غصہ ہوتے ہوئے رام داس نے ٹھنڈا کھانا زہر مار کیا۔ لیکن کھانا کھاتے وقت اس کے ذہن پر سب سے پہلے روپا اشوک کا پُرشباب قیامت خیز بدن ابھرا۔ جسمانی نشیب و فراز اسے کسی زہریلی ناگن کی طرح ڈستے معلوم ہوئے۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ پولیس افسر نہ ہوتا' تو کسی بہانے سے اس قیامت کے پاس چلا جاتا۔ لیکن وہ پہلے آدمی ہے۔ ڈیوٹی کے وقت وہ پولیس افسر ہوتا ہے۔ جب بیوی بے رغبتی سے پیش آتی ہے' تو مرد اسی لیے دوسری عورت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کے ذہن میں اس کی جگہ کلدیپ کور نے لے لی۔ اس نے سوچا' وہ نہ جانے کس کی آغوش میں ہوگی۔ یہ بھی کیا چیز ہے۔ مردوں کا دماغ خراب کر دینے' اور جسم میں خون کی گردش تیز کر دینے والی۔ یہ سب سوچتے سوچتے اس کی نگاہ ریما کی طرف اٹھی۔ جو بستر پر آڑھی' ترچھی اور نیم دراز ہو کر ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ تیز روشنی میں اور شب خوابی کے مہین لباس میں اس کا جسم کسی شعلے کی طرح آنچ دے رہا تھا۔ وہ روپا اور کلدیپ کی طرح نوجوان نہیں تھی' لیکن جواں سال تھی۔ اس میں ایک ایسا گداز تھا' جو نوجوان لڑکیوں میں نہیں ہوتا تھا۔ ستائیس اٹھائیس برس کی اور شادی شدہ بچوں والی عورتوں میں ہوتا تھا' جو دل کو برما دیتا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوا' تو اس وقت ٹی وی پر ایک کمرشل دکھایا جا رہا تھا' جسے ریما مسکراتی ہوئی دیکھ رہی تھی۔ اس نے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔

"اوہ جانی! آج کا وقت کیسا گزرا؟ تم نے گھر آنے میں خاصی دیر لگا دی؟"

"دن کی بات چھوڑو' رات کی بات کرو' آج کی رات کیسے گزرے گی' یہ پوچھو۔"

"کیا......؟" ریما نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "تم دن بھر کے تھکے ماندے ہو' اور میں بھی' مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"تم کب تھکی ماندی نہیں ہوتی ہو' اور نیند نہیں آتی ہے۔" وہ اس کی طرف پرس کا پیکٹ اچھالتے ہوئے بولا۔ "بچے والی عورتیں اتنے نخرے نہیں کرتیں ہیں۔ وہ اپنے مرد کو ہر وقت خوش کرنے کے لیے تیار ہوتی ہیں۔ یہ تمہاری سالگرہ کا تحفہ ہے۔"

ریما نے اس پیکٹ کو تھام لیا۔ پھر اس نے کھول کر دیکھا' تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔

"میں تو یہ سمجھ رہی تھی کہ شاید تم بھول گئے ہو گے' اتنا خوب صورت اور قیمتی پرس؟ میں نے کیک کچن میں رکھا ہے' وہ لے آتی ہوں"۔

ریما پرس میز پر رکھ کر سراپا سمیٹ کر بستر سے اتری' اور کچن میں جانے کے لیے اس کے قریب سے گزری' تو اس نے ریما کو دبوچ لیا' تو وہ کسمساتی ہوئی بولی۔ "تم سے صبر نہیں ہوتا'

پہلے کیک تو کاٹ لوں' جو تمہارے انتظار میں نہ کاٹ سکی تھی۔"

"کیک کی ایسی کی تیسی۔" وہ اس کے چہرے پر جھکتے ہوئے بولا۔ "اس کیک کی بات اس کیک میں کہاں ہوگی؟"

رات اڑھائی بجے تک دونوں سہاگ رات کی یاد تازہ کرتے رہے۔ اس کی آنکھ لگی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا لاؤنج کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے ریسیور اٹھا کر تیز لہجے میں کہا۔ "ہیلو! کون ہے؟"

"سر!" دوسری طرف سے نارائن کی آواز آئی۔ "آپ جلدی سے یہاں پہنچیں' اس شیطان نے ایک اور قتل کر دیا ہے۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ مقتولہ کلدیپ کور' جسونت سنگھ کی بیٹی ہے۔"



شانتی کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے شان دار بیڈ روم کو دیکھا' اور اسے قدرے سکون ہوا۔ اس نے ایک بے حد ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ وہ ان دنوں مسلسل خواب دیکھ رہی تھی' کہ وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل کے لاؤنج سے گزر رہی ہے۔ اس کے تمام دوست لاؤنج میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ لیکن جب وہ اس کی طرف دیکھتے ہیں' تو نفرت سے منہ پھیر لیتے ہیں' اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگتے ہیں' وہ سرگوشیاں اس کے کانوں تک پہنچتی ہیں' اس کا بیٹا پاگل ہے' پاگل ہے۔ اور یہ سرگوشیاں کسی ہتھوڑے کی ضرب کی طرح اس کے سر میں دھماکے کرنے لگتی ہیں۔ وہ گھٹنوں کے بل گر کر اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیتی ہے۔ اور پھر جیسے فلم کو ریوائنڈ کر دیا گیا ہو۔ وہی منظر دوبارہ نظر آنے لگتا ہے۔ آنکھ کھلی تو وہ کانپ رہی تھی۔ سرہانے رکھی گھڑی دیکھتی' تو اس میں رات کے اڑھائی بجے تھے۔ بڑی مشکل سے بستر سے اٹھ کر واش روم میں گئی اور پھر نیند کی گولیاں کھا کر سوگئی۔ پھر اس نے ایک اور خواب دیکھا۔ ماضی خواب میں نظر آیا۔ وہ ناگ دیوتا ماضی کی یاد تازہ کر رہا تھا۔ اس سے کہہ رہا تھا۔ تم اس عمر میں بھی کیسی جوان ہو' تم میں کشش اور گداز پہلے سے کہیں زیادہ آ گیا ہے' میرا بیٹا' میرا خون وہ بھی انسانوں کا خون پی رہا ہے۔ جب وہ سوناریوں کا خون پی لے گا' تب ساری دنیا میں وہ دیوتا بن کر رہے گا۔ اس پر نہ کوئی آنچ آئے گی' اور نہ کبھی موت اسے اپنے آغوش میں لے گی۔ پھر ناگ دیوتا نے اسے بازوؤں میں بھر لیا۔ گو وہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ یہ خواب ہے۔ لیکن خواب میں اسے سب کچھ حقیقت کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جذبات کی رو میں بہہ کر سرشار کرتا رہا تھا۔ پھر اجیت آ گیا' اجیت نے بھی سرشار کر دیا تھا۔ پھر وہ خواب میں ہی بڑا سکون' فرحت اور کیف سا محسوس کرتی رہی تھی' جو کہ اسے بہت اچھا لگا تھا۔

جب وہ دوبارہ جاگی تو صبح کے پونے دس بجے کا وقت تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ اس نے ہوٹل والا جو خوفناک خواب دیکھا تھا' وہ جیسے نوشتہ دیوار بن گیا ہے۔ وہ جانتی تھی' کہ انوپ

کمار کے بارے میں معلوم ہو گیا' تو وہ تمام دوست اور سہیلیاں کھو بیٹھے گی۔ پھر اس کا کوئی مستقبل نہیں رہے گا۔ اس نے بیڈ کے ساتھ لگے ہوئے گھنٹی کے بٹن کو دبا کر رام دیال کو ہوشیار کیا' کہ وہ اٹھ بیٹھی ہے' اور اسے کافی کی ضرورت ہے۔ جب وہ دوسرے کمرے میں آئی' تو رام دیال کانپتے ہاتھوں سے کافی انڈیل رہا تھا۔ شانتی نے چونک کر اسے غور سے دیکھا' تو اسے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ نشے کی حالت میں ہے۔

"رام دیال!" شانتی نے کہا۔ "تم شراب کچھ زیادہ ہی پینے لگے ہو' احتیاط کیا کرو۔"

"درست ہے مالکن!" اس نے سر ہلا کر اقرار کیا۔ "کیا آپ ناشتہ کریں گی؟"

"نہیں! مجھے بالکل بھی بھوک نہیں ہے۔" شانتی نے جواب دے کر اس سے پوچھا۔ "انوپ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں ہے مالکن!" رام دیال نے کہا۔

"کیا وہ گزشتہ رات باہر گیا تھا؟"

"ہاں!" رام دیال نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میں نے اسے سہ پہر کے بعد جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"اور تم نے اسے واپس آتے ہوئے کب سنا تھا؟" شانتی نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "تمہیں وقت یاد ہے۔"

"وہ دس بجے کے بعد واپس آیا تھا۔" رام دیال نے جواب دیا۔

"اچھا! ذرا ٹی وی تو کھولو۔" شانتی نے کافی سپ کرتے ہوئے کہا۔ "اس وقت سریندر کپور شو آ رہا ہو گا۔"

ٹی وی پر پہلے سریندر کپور نمودار ہوا۔ پس منظر میں کلدیپ کور کا ساحلی کیبن اور پولیس نظر آ رہی تھی۔ پھر کلدیپ کور کا کلوز اپ دکھایا گیا۔ سریندر کپور کہہ رہا تھا۔ دیوانے قاتل نے اس مرتبہ کلدیپ کور جسونت کو اپنا شکار بنایا' جو ایک ارب پتی سرمائے دار کی بیٹی تھی۔ ایک ہفتے سے کم مدت میں یہ بے رحمانہ قتل کی تیسری واردات ہے۔ پولیس کو اس بات کا یقین ہے' کہ کوئی اس قاتل کو پناہ دیئے ہوئے ہے۔ مسٹر جسونت سنگھ نے گراں قدر انعام کا اعلان کیا ہے۔ اسکرین پر جسونت سنگھ کا چہرہ نظر آیا۔ جس فرد کی فراہم کردہ اطلاع پر قاتل کی گرفتاری عمل میں آئے گی' اسے دس لاکھ روپے کا انعام دیا جائے گا۔ جو شخص اطلاع دے گا' اس کی ذات اور اس کی دی ہوئی اطلاع کو مکمل رازداری میں رکھا جائے گا۔ اسے صرف پولیس کوارٹر فون کر کے اطلاع دینا ہو گی' اور اسے دس لاکھ کی رقم بغیر کسی پوچھ گچھ کے ادا کر دیئے جائیں گے۔

اس کے بعد سریندر کپور دوسرے موضوع پر بولنے لگا۔ پھر رام دیال نے ٹی وی بند کر دیا' دس لاکھ؟ شانتی نے سوچا۔ اگر انعام ایک کروڑ بھی ہو' تو وہ اپنی سوشل کو بھینٹ نہیں چڑھا سکتی۔ دوسری طرف رام دیال بھی انعام کی رقم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ اس کی آزادی کا موقع تھا۔ کوئی خدمت گزاری کا نہیں۔ پھر اسے اپنی مالکن کے نخرے برداشت کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ بس اسے پولیس کو صرف ایک کال تو کرنی ہو گی۔ وہ اس رقم سے اپنے گاؤں جا کر ایک مکان اور تھوڑی سی زمین خرید کر اپنی باقی عمر آرام سے گزار سکتا ہے۔ جتنی شراب کی خواہش ہو' پی سکتا ہے۔ اچانک اسے احساس ہوا' کہ مالکن اسے گھور رہی ہے۔

"رام دیال!" شانتی نے تیز لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ اسے بھی شبہ تھا' کہ وہ کیا سوچ رہا ہو گا۔ "ہمیں اپنا منہ بند رکھنا ہے۔ دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی ہے۔ ذرا میرا خیال کرو۔ میں تمہاری وفاداری پر بھروسا کر رہی ہوں۔"

"آپ فکرمند اور پریشان نہ ہوں مالکن!" رام دیال نے بات ٹالی۔ "کیا ایک اور کپ کافی بنا کر لے آؤں؟"

"نہیں! میں انوپ سے بات کروں گی کہ تمہاری تنخواہ اب دگنی ہونی چاہیے۔ انعامی رقم دس لاکھ روپے' اس افراطِ زر کے دور میں دس لاکھ کی رقم ہوتی کیا ہے؟ کتنے دن چل سکتی ہے' بس تم میرے وفادار رہنا' میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں کبھی اس پر پچھتانا نہیں پڑے گا۔ جب تمہاری تنخواہ دگنی ہو جائے گی' ہر ماہ ایک بڑی رقم پس انداز ہو جایا کرے گی۔" شانتی نے کہا۔

"مالکن! آپ مجھ پر بھروسا کر سکتی ہیں۔" رام دیال بولا۔ "میں بڑی لمبی مدت سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں۔"

"آج تمہاری مصروفیت کیا ہے؟" شانتی نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ کے لیے لنچ تیار کرنا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "اس کے بعد چونکہ موسم اچھا ہے' اس لیے موقع ملا تو گھومنے چلا جاؤں گا۔"

"آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" شانتی نے کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم گھر پر رہو' میں اکیلی رہنا نہیں چاہتی۔"

"جیسی آپ کی خوشی' میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" رام دیال نے کہا' اور پھر ٹرے اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔



دوسری طرف آنت گپتا نے بھی ٹی وی آن کیا۔ وہ مرغن اور پرتکلف ناشتہ کر کے بیٹھا

تھا۔ مگر سریندر کپور کے پروگرام نے اسے بدہضمی میں مبتلا کر دیا تھا۔ دس لاکھ؟ اس کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔ وہ ایک بنیا' مارواڑی اور یہودی سے کم نہیں تھا۔ اس نے خود انعام حاصل کرنے کے امکان پر غور کیا' مگر افسوس کے ساتھ محسوس کیا کہ اس کے پاس انوپ کمار کے قاتل ہونے کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا' کہ رام داس نے کیوں کہا کہ انوپ کمار کی تصویر کا تعلق قاتل سے ہے۔ اس نے جو مطلوبہ قاتل کا حلیہ بتایا تھا' وہ انوپ کمار پر سولہ آنے فٹ آتا تھا۔ مگر شہر میں ایسے ہزاروں دراز قد آدمی ہوں گے' جن کے بال گندمی رنگ کے بھی ہو سکتے ہیں۔ فرض کرو کہ انوپ کمار نے یہ ثابت کر دیا کہ اس کا تعلق ان وارداتوں سے کوئی نہیں ہے' اور فرض کرو کہ یہ بات باہر نکل گئی کہ اس نے (آنت گپتا نے) مخبری کی ہے' اس کے تمام گاہک جو اس پر بھروسا کرتے ہیں' چوری کا مال خریدتے یا فروخت کرتے ہیں' یہ جان کر ان کا یہ راز چھپا نہیں رہے گا۔ وہ سب اس سے بدگمان ہو جائیں گے۔ آئندہ کبھی اس سے کوئی معاملہ نہیں کریں گے۔ اس لیے انعام کی بھاری رقم کے باوجود یہ ہی بہتر ہے' کہ وہ کسی سے کچھ نہ کہے۔ پھر اسے مرلی کا خیال آیا۔ کیا وہ انعام کی اتنی بڑی رقم کے لالچ میں آ کر پولیس کو خبر نہیں کر دے گا۔ پھر اس نے مرلی کو فون کر کے کہا کہ وہ فوراً آ کر اس سے ملے۔

تیسری جانب انوپ کمار نے سریندر کپور شو دیکھ کر ٹی وی بند کیا۔ دس لاکھ؟ اس نے اس آوارہ لڑکی کو قتل کر کے غلطی کی۔ مگر جانتا کون ہے۔ صرف اس کی ماں یا رام دیال۔ ماں سے تو کوئی اندیشہ نہیں' رام دیال ضرور اس سے غداری کر سکتا ہے۔ وہ کچھ دیر تک لاکٹ کو انگلیوں سے چھوتے ہوئے سوچتا رہا۔ پھر دبے پاؤں اٹھ کر زینے تک آیا۔ درمیانی دروازہ کھولا۔ کچن سے برتن دھونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پھر نیچے اتر کر رام دیال کے کمرے میں گیا۔ اس کمرے کی کھڑکیوں کو لوہے کی سلاخوں سے بند کر دیا گیا تھا۔ اس کی ماں نے گراؤنڈ فلور کے ہر کمرے کی کھڑکیوں پر لوہے کی سلاخیں لگوا دی تھیں۔ اس نے فون کا ایک کنکشن دیکھا اور لاکٹ کے خنجر سے اس کا تار کاٹ دیا۔ دروازے کے قفل پر لگی چابی نکال لی۔ پھر کمرے سے نکل کر راہ داری میں آیا۔ اور وہاں رکھی ہوئی جھاڑو میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے اپنی خادمہ اوما دیوی کو ایک انجکشن سے بہری کر دیا تھا۔ کیوں کہ وہ سریندر کپور شو بہت دیکھنے لگی تھی۔ اوما کو اس نے یہ جو انجکشن دیا تھا' نیند کی حالت میں' جب وہ گہری نیند سو رہی تھی' اس کے منہ پر کلوروفام رکھ کر اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ اوما نے جب اس سے بہرا ہونے کی شکایت کی تو اسے کان میں ڈالنے کے لیے ڈراپس لا کر دیئے تھے۔ جو بے فائدہ تھے۔ اسے قتل کی وارداتوں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا' جن کا ذکر سریندر کپور کر رہا تھا۔ اور پھر اسے اس

کے بعد سے مقامی خبروں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ ورنہ وہ دس لاکھ کی انعام کی رقم کے بارے میں معلوم کر کے ضرور متاثر ہوتی۔ وہ اتوار کو چھٹی کرتی تھی۔ صبح سات بجے وہ پوجا پاٹ کرنے مندر گئی' اور وہاں سے واپس آ کر ٹی وی دیکھا' اور اس انتظار میں تھی کہ رام دیال کب کچن میں جاتا ہے۔ فریج میں رکھی ہوئی باقی مرغی اپنے لنچ کے لیے نکالنا چاہتی تھی۔ اس نے ٹی وی پر انعام کا اعلان ہندی اور انگریزی زبان پر لکھا پڑھ لیا تھا۔ اس نے بدستور انعام کے بارے میں سوچتے ہوئے دروازہ کھولا۔ اور اس طرح ایک دم سے پیچھے ہٹ گئی' جیسے اسے برقی جھٹکا لگا ہو۔ اسے انوپ کمار کی حرکات وسکنات نہ صرف بڑی عجیب' بلکہ پراسرار اور بے حد خوف ناک لگی تھیں۔ اس نے انوپ کمار کو رام دیال کے کمرے کے قفل سے چابی نکالتے اور پھر جھاڑو کی الماری کے پیچھے چھپتے دیکھ لیا تھا۔ چند لمحوں کے بعد رام دیال کچن سے نکلا' اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ چہرے پر الجھن کا تاثر لیے' اس نے انوپ کمار کو جھاڑو کی الماری سے باہر آتے دیکھا۔ وہ رام دیال کے کمرے تک گیا' اور باہر سے دروازے کا قفل بند کر دیا اور پھر چابی اپنی جیب میں رکھتے ہوئے وہ اپنی ماں کے کمرے کی طرف چل دیا۔



رام دیال نے وہسکی کا ایک بڑا پیگ بنا کر اسے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ وہ بھی انعام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ دس لاکھ کے انعام کی رقم نے اس کے دل میں فتور پیدا کر دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا' کہ اس کے پاس تمام ضروری ثبوت موجود ہیں۔ وہ خوفناک تصویریں' جو اسٹوڈیو میں رکھی تھیں' اور ان خون آلود کپڑوں کی راکھ جو اس نے جلائے تھے۔ اسے یقین تھا کہ پولیس ضرور اس راکھ سے مفید معلومات اور سراغ حاصل کر لے گی۔ گولف کی گیند جیسے بٹن تو پوری طرح جلے بھی نہیں تھے۔ پھر وہ آخر انتظار کیوں اور کس بات کا کر رہا ہے؟ وہ پولیس کو فون کیوں نہیں کرتا؟ پولیس پوری رازداری سے کام لے گی' اور انعام حاصل کرنے کے بعد اسے کسی بات کی کوئی پروا نہیں تھی' کہ مالکن اس کے بارے میں کیا کہتی ہے' یا کیا سوچتی ہے؟

اس نے فون کا ریسیور اٹھایا' اسے پولیس ہیڈ کوارٹر کا نمبر معلوم تھا۔ اگرچہ وہ کافی نشے میں تھا' مگر یہ تو جان ہی سکتا تھا کہ ریسیور سے ڈائلنگ ٹیون نہیں آ رہی ہے۔ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے کئی مرتبہ کریڈل پر ہاتھ مارا مگر لائن تو خاموش ہی رہی۔ کبھی کبھی فون خراب ہو جاتا تھا۔ وہسکی کا ایک اور گلاس پیتے ہوئے اس نے اپنی گھڑی دیکھی۔ دس بج کر چالیس منٹ ہو رہے تھے۔ اسے لنچ تیار کرنے کا خیال آیا۔ اگرچہ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مگر جب تک وہ یہاں ملازم ہے' کام تو اسے کرنا پڑے گا۔ اب اس غلامی سے نجات اور آزادی زیادہ

دور نہیں ہے۔

اس نے دوبارہ ریسیور اٹھایا' تب اچانک اس کی نظر کٹے ہوئے تار پر پڑی۔ اس کے جسم میں سردی کی ایک لہر سی اتر گئی۔ وہ ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے دروازے تک گیا۔ مگر دروازے نے کھلنے سے صاف انکار کر دیا۔ بڑھتے ہوئے خوف سے اسے احساس ہوا کہ اسے کمرے میں قید کر دیا گیا ہے۔



شانتی خوفزدہ ذہن کے ساتھ کلدیپ کور کے ساتھ سوچ رہی تھی۔ اس کے بیٹے نے اپنے پاگل پن میں اسے بھی قتل کر دیا تھا۔ یہ بات کھل گئی' تو وہ برباد ہو جائے گی۔ جسونت سنگھ بڑا سنگ دل اور سفاک ترین شخص ہے۔ وہ اس کے بیٹے کے ساتھ اس کا جو حشر کرے گا' اس خیال نے اسے لرزا دیا تھا۔ بیٹا تو پھانسی چڑھ جائے گا' اور اسے اس شہر سے نکال دیا جائے گا۔ اسے یقین تھا کہ رام دیال دس لاکھ روپے کے انعام کے لالچ میں اس سے غداری کرنے سے باز نہیں آئے گا۔ تب اسے دروازہ کھولنے کی آواز آئی۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو سامنے اس کا بیٹا کھڑا تھا۔

"تمہاری طبیعت کچھ خراب معلوم ہوتی ہے۔" انوپ دروازہ بند کر کے ایک کرسی پر اس کے سامنے بیٹھ گیا' اور اس نے اپنی نظریں ماں کے چہرے پر مرکوز کر دیں' اور اس کی انگلیاں لاکٹ کو چھو رہی تھیں۔

"مجھے یقین ہے کہ تمہارے ذہن کو بھی وہی خیال پریشان کر رہا ہے۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "جو میرے ذہن کو بھی پراگندہ اور پریشان کر رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آئندہ تمہیں رام دیال کے بغیر ہی گزارہ کرنا ہوگا۔ کیوں کہ اب ہم اس پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ دس لاکھ روپے کے انعام کا اعلان اسے بددیانتی پر آمادہ کر سکتا ہے۔ وہ غدار ثابت ہوگا۔"

شانتی نے جواب میں کچھ کہنا چاہا' لیکن الفاظ اس کے حلق میں پھنس گئے۔

"اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے دلاسا دیا۔ "سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔ گو کہ یہ کام افسوس ناک ہے لیکن ہم دونوں مجبور ہیں۔"

"آخر تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" آخر شانتی نے تنگ کر پوچھا۔

"کیا مطلب ہے اس بات سے؟"

"میں نے رام دیال سے نجات پانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" وہ مسکرا دیا۔ "اب وہ شرابی ایک فالتو پرزہ ہو کر رہ گیا ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟" شانتی کا سینہ دھک کر گیا۔

"آپ نے جان لیا ہے کہ میں جو کہہ رہا ہوں' اس کا مطلب کیا ہے؟"

"انوپ! میرے بچے۔" شانتی کی آواز لرزنے لگی۔

"تم اپنی ماں کی اور اس کی ممتا کی بات سنو جو تم سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ تمہیں جاننا چاہیے کہ تم بیمار ہو' تمہیں کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیے؟ ڈاکٹر پردیپ بھی تمہاری مدد کرے گا۔"

"ایں' وہ بڈھا ابھی تک زندہ ہے۔" انوپ کے ہونٹوں پر ایک شیطانی مسکراہٹ ابھری۔

"اس نے تو چچا کو پاگل خانہ بھجوایا تھا' لیکن اگر میں چلا بھی گیا' تو آپ پر کیا گزرے گی؟ اس کے بارے میں کیا سوچا' کچھ سوچا' کیا تم چاہتی ہو کہ تمہارے بیٹے کو تمہارے ماموں کی طرح ایک کال کوٹھری میں بند کر دیا جائے۔ اس کے بعد تمہارے کتنے دوست رہ جائیں گے۔ اس لیے یہ کام مجھ پر چھوڑ دو۔ میں رام دیال کی جگہ کوئی اور اچھا سا خانساماں رکھ لوں گی۔ تمہاری زندگی کی معمولات اسی طرح جاری رہیں گی۔"

اس موقع پر فون کی گھنٹی بجنے لگی' تو انوپ کمار نے پیشانی پر شکنیں ڈالتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔

"مسٹر انوپ کمار۔"

"کون ہے؟"

"میں آنت گپتا بول رہا ہوں۔"

"کیا تم یہ بتانا چاہتے ہو کہ تم نے تصویر فروخت کر دی؟" وہ ایک دم خوش ہو کر بولا۔

"میں نے تمہاری تصویر کے بارے میں بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ ایک پولیس آفیسر میری دکان پر آیا تھا' اور وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ تصویر کس نے بنائی ہے؟"

"پولیس؟" انوپ کمار چونکا۔ "اسے میری تصویر سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"بڑی عجیب بات ہے مسٹر انوپ کمار! مگر ایسا معلوم ہوتا ہے' کہ پولیس کے خیال میں تصویر کا تعلق ان وحشیانہ قتل کی وارداتوں سے ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ خیال اسے کیوں آیا؟ میں نے اس افسر سے کہہ دیا کہ میں تصویر کے مصور کو نہیں جانتا ہوں۔ مگر اسے شاید یقین نہیں آیا۔ اب وہ کل پھر آ کر میرے اسٹاف سے سوالات کرے گا۔ اگر میں اسے بتا دوں کہ وہ تصویر آپ نے بنائی ہے' کوئی حرج تو نہیں؟"

"تم پولیس کو میرے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے۔" انوپ کمار برہمی سے بولا۔ "جب تم نے وہ تصویر لی تھی' تو وعدہ کیا تھا کہ میں گمنام رہوں گا۔ اب تم اپنا وعدہ پورا کرنے کے ذمے دار ہو۔ اگر تم نے پولیس کو میرے بارے میں کچھ بھی بتایا' تو اپنے کاروبار سے ہاتھ دھو لو

گے۔" اتنا کہہ کر انوپ نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

یہ ساری گفتگو سنتے ہوئے شانتی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اس نے کانپتے ہوئے سوچا کہ اب پولیس تک بات پہنچ گئی ہے۔



دس لاکھ روپے کے انعام کے اعلان نے پولیس ہیڈکوارٹر میں ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ ہیڈکوارٹر کا ٹیلی فون ایکسچینج جام ہو گیا۔ لوگوں کی ایک لمبی قطار لگ گئی' جو پولیس کو اپنے خیال میں بڑی اہم اطلاع پہنچانے کے لیے بے تاب تھے۔ جہاں سے جو آدمی فارغ کیا جا سکتا تھا' فارغ کر کے لوگوں سے معلومات حاصل کرنے کے لیے لگا دیا گیا تھا۔ ان لوگوں میں سے نوے فیصد ایسے لوگ تھے' جن کے پاس کوئی مفید اطلاع نہیں تھی۔ ان سب کا کہنا تھا کہ انہوں نے ایک طویل قامت گندمی بالوں والے آدمی کو' جس نے گوبی جوتے اور نیلی جیکٹ پہن رکھی تھی' دیکھا تھا۔ مگر وہ کون تھا اور اب کہاں تھا' ان میں سے کوئی نہیں جانتا تھا۔ سب کے نام پتے لکھے گئے' مگر جیسے جیسے دن گزرتا گیا' کام کرنے والوں کو احساس ہو گیا کہ کوئی واقعی' اہم اور ٹھوس بات سامنے نہیں آئی ہے۔ ایک اطلاع جو کسی حد تک مفید ثابت ہوئی' ایک موٹے بدصورت آدمی کے ذریعے ملی۔ جس کا کہنا تھا کہ اس نے ہفتے کی شام کو کلدیپ کور کو لفٹ کی خواہش میں سب ہائی وے پر کھڑے دیکھا تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ وہ کلدیپ کور ہی تھی۔" اس نے رنجیت کو بتایا۔ "اس وقت تقریباً سوا سات بجے تھے۔ میں نے اسے لفٹ دینا چاہی' لیکن اس نے نظر انداز کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ وہ مجھ جیسے موٹے اور بدصورت آدمی سے لفٹ لینا نہیں چاہتی تھی۔"

اس رپورٹ سے ایس پی مکرجی کو اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ کلدیپ کور کو اپنی پسند کا کوئی آدمی مل گیا تھا' جس سے اس نے لفٹ لی تھی' اور بدقسمتی سے اس نے جس سے لفٹ لی تھی' وہ دیوانہ قاتل تھا۔ اس سے اسے کچھ مزید غور کرنے کا مواد مل گیا تھا۔ شام کے چھ بجتے ہی لوگوں کا ہجوم نہیں رہا تھا۔ اور پھر فون کالوں کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ ہیڈکوارٹر کے عملے نے سکون کا سانس لیا۔ کام کا اتنا ڈھیر سامنے موجود تھا' کہ انہیں رات بھر مصروف رکھ سکتا تھا۔ پولیس کا ایک شخص بھی اس مصروفیت کے باعث لنچ نہ کر سکا تھا۔ صرف چائے بسکٹ اور کافی پر گزارہ کرنا پڑا تھا۔ ایس پی مکرجی بھی موجود رہا تھا۔

"اچھا دوستو! ایک وقت میں دو دو آدمی جا کر کھانا کھا آئیں۔ مگر فوراً ہی واپس آنا ہے۔ پہلے رام داس اور رنجیت جائیں گے۔"

ہیڈکوارٹر سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع ریسٹورنٹ میں رام داس اور رنجیت نے سادہ سے کھانے کا آرڈر دیا۔

"میں نے ریما سے وعدہ کیا تھا' کہ اس کی سالگرہ کی خوشی میں ہم آج رات کھانا باہر کھائیں گے۔" رام داس نے ناگوار لہجے میں کہا۔ "مگر اب کیسے جا سکتا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر مستقل یہی حالات رہے تو کوئی پولیس کی ملازمت کرنا پسند کرے گا؟"

"میں سوچ رہا تھا۔" رنجیت نے کہا۔ "ہم چار نیلی جیکٹوں کا سراغ لگا رہے ہیں' ان میں سے تین جیکٹ والے قتل کے وقت جائے واردات کے علاوہ کہیں اور تھے۔ اس لیے اب ہماری توجہ چوتھی جیکٹ پر ہے' کیوں ٹھیک ہے؟"

"یہ کہنے کے لیے کسی خاص عقل کی ضرورت ہے۔" رام داس نے نوالہ چباتے ہوئے کہا۔

"چوتھی جیکٹ سروپ کمار کے پاس تھی۔" رنجیت نے بات جاری رکھی۔ "اس کی بیوہ کہتی ہے کہ رفاہی ادارے کو دے دی' مگر وہ اس سے لاعلمی کر رہے ہیں۔ اب میرا کہنا ہے کہ فرض کرو بیوہ جھوٹ بول رہی ہو؟"

"مگر وہ جھوٹ کیوں بولے گی؟" رام داس نے حیرت سے دیکھا۔

"ایک ایسی بات ہے' جو میں نے اپنی رپورٹ میں نہیں لکھی تھی' مگر اب وہ مسلسل کھٹک رہی ہے۔" رنجیت نے کہا۔ "جب میں نے دکان دار راجہ سے بات کی' اگرچہ اس نے کوئی مفید بات نہیں بتائی تھی' لیکن اس نے سروپ کمار کے خاندان کے بارے میں ضرور کہا تھا۔ چونکہ مجھے اس وقت صرف جیکٹ سے دلچسپی تھی' مگر اب میں ان باتوں پر غور کر رہا ہوں۔ اور سوچتا ہوں کہ انہیں نظر انداز کرنا نہیں چاہیے تھا۔"

"اس نے سروپ کمار خاندان کے بارے میں کیا کہا تھا؟"

"راجہ کے کہنے کے مطابق سروپ کمار کا ایک بیٹا ہے۔" رنجیت نے جواب دیا۔ "شانتی سروپ نے اپنی ساری توجہ بیٹے پر صرف کر دی۔ اور پتی کی جانب سے بے پروائی اختیار کر لی۔ میں نے راجہ سے بیٹے کے متعلق پوچھا کہ وہ کیا کرتا ہے۔ مگر راجہ کو نہ صرف کچھ معلوم نہیں تھا بلکہ اس نے بیٹے کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی۔ جہاں تک میرا خیال ہے کہ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔"

"اصل موضوع پر رہو۔" رام داس نے چھری کانٹا رکھ دیا۔ "تم نے کہا تھا کہ بیوہ نے ممکن ہے جھوٹ کہا ہو۔"

"فرض کرو کہ یہ بیٹا ہی قاتل ہو۔ فرض کرو جب اس نے روشی کو قتل کیا' تو اپنے باپ کی جیکٹ پہنی ہوئی تھی' تو کیا اس کی ماں اس کی جرم پوشی کے لیے جھوٹ نہیں بول سکتی؟"

"ممکن ہے تمہارا خیال درست ہو۔" رام داس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔ "اس طرح اب تک جیکٹ کا سراغ نہ ملنے کی وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔"

"اب اگر ہمیں جو حلیہ معلوم ہوا ہے وہ اس کے بیٹے پر صادق آتا ہو تو یہ بڑی اہم بات ہو گی۔"

"بیوہ راستے کی بڑی رکاوٹ بن سکتی ہے' کیوں کہ اس کے ایس پی مکرجی سے گہرے روابط ہیں۔"

"اس سلسلے میں کسی سے کچھ مت کہنا۔" رام داس کھڑا ہو گیا۔ "میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"سوچ رہا تھا۔" رنجیت نے گہری سانس لی۔ "شاید انعام مجھے مل جائے۔"

"تمہیں انعام مل جائے؟" رام داس نے منہ بنایا۔ "ذرا سوچ کر بتاؤ' کب کسی پولیس والے کو پبلک کا کوئی انعام ملا ہے؟"

"بس ایک یوں ہی آوارہ سا خیال آ گیا تھا۔" رنجیت نے کندھے اچکائے۔ "اب ہم کیا کریں؟ کیا چیف کو بتا دیں؟"

"ابھی نہیں! بس ذرا میں تحقیقات کر لوں۔ آؤ چلو! دیر ہو رہی ہے۔"

ریستورنٹ سے باہر نکلتے ہی رام داس نے رنجیت کی پشت تھپتھپائی۔

"ایک نہ ایک دن تم بھی شرلاک ہومز جیسے جاسوس بن جاؤ گے' میری طرح بھی۔" پھر وہ فون بوتھ دیکھ کر بڑھا۔ "ذرا ٹھہرنا' میں ریما کو فون کر دوں۔ ورنہ وہ میرے نہ آنے سے بور ہو رہی ہو گی۔"

رنجیت رک کر انتظار کرنے لگا۔ آخر رام داس باہر آیا تو وہ مسکرا رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے ریما نے بڑی معاملہ فہمی کا اظہار کیا ہے۔ قطعی ناراض نہیں ہوئی۔" اس نے بتایا۔ "ریما کہنے لگی کہ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ بھلا کتنی بیویاں ایسے مواقع پر ایسا کہہ سکتی ہیں۔"

"مجھ سے مت پوچھو۔" رنجیت نے جواب دیا۔ "کیوں کہ میں شادی شدہ نہیں ہوں۔"



انوپ کمار چلا گیا' تو شانتی دیر تک بیٹھی سوچتی رہی۔ وہ اپنے ضمیر سے جنگ کر رہی تھی۔ وہ سمجھتی تھی' کہ اسے پولیس کو فون کر کے بتا دینا چاہیے' کہ اس کا بیٹا ہی دیوانہ قاتل ہے' اور مزید

ایک قتل کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ مگر وہ اپنے اندر اتنا حوصلہ پیدا نہ کر سکی۔ آخر کار وہ میرا بیٹا ہے' وہ کسی کا خونی ہوا تو کیا ہوا۔ اس نے نو مہینے اسے پیٹ میں رکھ کر جنا ہے' ممتا اس سے محبت کرنے پر مجبور کرتی آ رہی تھی۔ اِس نے اپنے آپ کو قائل کرنے کی کوشش کی' اور رام دیال کیا ہے۔ ایک بوڑھا شرابی بن کر' وہ مر جائے' تو ممکن ہے انوپ مطمئن ہو کر بیٹھ جائے' اور وحشیانہ قتل کی وارداتوں کا سلسلہ بند ہو جائے۔ آج رات کسی وقت وہ رام دیال کو ٹھکانے لگا دے گا۔ کس طرح؟ شانتی نے اپنے ذہن کو سوچنے سے باز رکھا۔ آنت گپتا نے انوپ کو فون کیوں کیا تھا۔ اس کا پولیس سے کیا تعلق تھا؟

شانتی کھڑی ہو گئی۔ اب وہ اس گھر میں ایک پل بھی ٹھہر نہیں سکتی تھی۔ وہ سری لنکن ہوٹل چلی جائے گی۔ وہاں ہمیشہ اس کی خاطر مدارت کی جاتی ہے۔ وہ اس وقت تک وہاں قیام کرے گی' جب تک یہ معاملات سلجھ نہیں جاتے۔ وہ اپنے بیڈ روم میں گئی' اور اب اسے رام دیال کی ضرورت محسوس ہوئی' جو ہمیشہ اس کا سامان پیک کیا کرتا تھا۔ مگر اب اسے سوٹ کیس نکال کر ضروری چیزیں پیک کرنا پڑیں۔ وہ سوٹ کیس بند کر رہی تھی کہ انوپ کمار آ گیا۔

"بہت دور اندیشی سے کام لے رہی ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کہاں ٹھہرو گی؟"

"سری لنکن ہوٹل میں۔"

"ٹھیک ہے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔" انوپ کمار نے کہا۔ "میں جب بھی فون کروں تو واپس آ جانا۔"

"جب آنت گپتا کا فون آیا تھا' تب ہی کچھ باتیں میرے کان میں بھی پڑی تھیں۔" شانتی نے کہا۔ "وہ پولیس کے بارے میں کیا کہہ رہا تھا؟"

"ان باتوں کی چنتا میں تم اپنی صحت خراب مت کرو۔" انوپ کمار نے زہر خند کہا۔

"چلو! میں تمہارا سامان گاڑی میں رکھ دوں؟ تم میری مرسڈیز لے جانا۔ کیوں کہ مجھے کچھ دنوں تک اس کی کوئی ضرورت نہ ہو گی۔"

"انوپ! میرے بیٹے پلیز!"

انوپ کمار کی آنکھیں چمکنے لگیں' اور اس پل شانتی کو وہ جنسی جنونی ماموں کی طرح نظر آیا۔

"جلدی کرو۔" انوپ نے تیزی سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں یہاں سے تم جتنا جلد جا سکتی ہو' جاؤ اور یہ یاد رکھنا کہ تمہیں اپنا منہ بھی بند رکھنا ہے۔"

شکست خوردہ اور خوف زدہ شانتی بیٹے کے پیچھے مکان سے باہر آ گئی۔ انوپ کمار نے اس

کا سوٹ کیس اور دستی بیگ مرسڈیز کی ڈگی میں رکھ دیا' اور جب وہ اسٹیئرنگ پر بیٹھ گئی' تو اسے غور سے دیکھا۔

"میں دو ایک دن میں تمہیں فون کروں گا۔ کیوں کہ مجھے تمہارے لیے دوسرے خانساماں کا بندوبست کرنا ہے۔ اپنی زبان بند رکھو گی' تو فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔"

شانتی نے کانپتے ہاتھوں سے انجن اسٹارٹ کیا۔ پھر وہ گاڑی کو تیزی سے سڑک پر لے آئی۔



آنت گپتا اپنے اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا' اور مرلی بڑے غصے کی حالت میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔ آنت گپتا نے اس وقت اسے بلا کر اس کی ساری تفریح غارت کر دی تھی۔ وہ لڑکا کتنا خوب صورت اور نسوانیت سے بھرپور' اور ہر طرح سے آمادہ تھا۔ وہ چوں کہ اسے اپنی کھولی میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا' اسی لیے اسے بھگا دینا پڑا تھا۔

"میں نے صورتِ حال کی وضاحت کے لیے انوپ کمار کو فون کیا تھا۔" آنت گپتا نے کہا۔ "وہ سخت برہم ہوا۔ وہ کہنے لگا کہ اگر اس کا نام پولیس کو بتایا گیا' تو وہ میری آرٹ گیلری بند کرا دے گا۔ وہ ایسا کر سکتا ہے' اور اتنا امیر ہے کہ مجھے خرید سکتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ کچھ چھپا رہا ہے؟"

"معلوم ایسا ہی ہوتا ہے' مگر کیا چھپا رہا ہے' یہ میں جاننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ جب رام داس آئے گا' تو ہم کچھ نہیں بتائیں گے۔"

"قاتل کی گرفتاری کے لیے دس لاکھ روپے کے انعام کا اعلان کیا گیا ہے' کیا ہم اسے نظر انداز کر دیں؟"

"سنو احمق! ہمارے بزنس میں کسی کے خلاف مخبری نہیں کی جا سکتی۔ لوگوں کا اعتماد ختم ہو جائے گا۔ میں نے انوپ سے وعدہ کیا ہے' کہ کسی کو نہیں بتاؤں گا' کہ وہ تصویر اس نے بنائی ہے' اب اگر اس نے زبان کھولی' اور یہ بات ظاہر ہو گئی' تو وہ آئندہ ہم سے بزنس نہیں کرے گا۔"

"آپ انسپکٹر سے جھوٹ بولو گے۔ جانتے ہو یہ جھوٹ آپ کو قاتل کا شریک بنا دے گا۔"

"ہم نہیں جانتے کہ انوپ کا قتل کی ان وارداتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" آنت گپتا تیزی سے بولا۔ "رام داس کہتا ہے کہ اس کی تصویر ان وارداتوں سے منسلک ہے مگر کیسے؟ یہ اس نے نہیں بتایا۔ فرض کرو۔ ہم رام داس کو انوپ کے بارے میں بتا دیں۔ پولیس اسے پھر بھی قاتل ثابت نہ کرے' تب انوپ ہمیں تباہ کر دے گا۔ اپنی عقل استعمال کرو مرلی! ہم کسی سے کچھ نہیں

کہیں گے۔"

"میں اس معاملے میں ملوث ہونا نہیں چاہتا۔" مرلی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "آپ رام داس سے جھوٹ بولو یا نہ بولو۔ میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔"

"مرلی! تم بھول رہے ہو کہ اگر میں انوپ کے بارے میں پولیس سے مخبری کر سکتا ہوں' تو تمہارے بارے میں بھی کر سکتا ہوں۔" آنت گپتا نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کیا تم بھولو کو بھول گئے ہو؟ کتنی عمر تھی اس کی' صرف سات برس کی۔ پولیس آج بھی اس کے ساتھ زیادتی کرنے والے کو تلاش کر رہی ہے اور بھولو تمہیں شناخت کر سکتا ہے۔"

مرلی کو ایسا محسوس ہوا' جیسے اس کا سارا خون خشک ہو گیا ہو۔

"اپنے آپ کو سنبھالو۔" وہ مسکرایا۔

"ضروری ہوا تو تمہیں بھی رام داس سے جھوٹ بولنا ہی پڑے گا۔"

اس نے سر سے وگ اتاری' اور بالوں میں کنگھا کرنے لگا۔ اور مرلی جیب سے کنگھا نکال کر کانپتے ہاتھوں سے وگ کے بال سنوارنے لگا۔



موہن واپس آیا' تو اس کی سابقہ سیکرٹری ریوتی نے برانچ آفس میں اس کا استقبال کیا۔ ادھیڑ عمر کی ریوتی موجودہ حالات میں اسے قدرت کی طرف سے تحفہ معلوم ہوئی۔

"اب آپ کے سسر کی طبیعت کیسی ہے؟" ریوتی نے پوچھا۔

"بہت بہتر ہے' کسی کو ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی' مگر اب خطرہ ٹل گیا ہے"۔ موہن نے جواب دیا۔

"مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی' اور آپ کی پتنی کیسی ہیں؟"

"وہ میرے ساتھ واپس آ گئی ہیں۔ اب ان کی بڑی بہن اپنے باپ کے ساتھ ہے۔"

"کل جسونت سنگھ کی سیکرٹری نے مجھے فون کیا تھا' کہ اب مجھے یہاں کام کرنا ہے۔ بے چارہ باپ' اسے اپنی بیٹی پر بڑا فخر تھا' مجھے امید ہے' اس کا قاتل جلد ہی پکڑا جائے گا۔ جسونت سنگھ نے دس لاکھ روپے انعام دینے کا اعلان کیا ہے۔ کوئی نہ کوئی تو آگے بڑھ کر یہ انعام حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"ہاں! امید تو یہی ہے۔" موہن اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ "آپ ذرا ساری فائلیں دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کرو۔"

اتوار کسی خوف ناک خواب کی طرح گزرا تھا۔ اس نے گنگولی کے قتل کی خبر اخبار میں پڑھی تھی' اور اطمینان محسوس کیا تھا' کہ بلیک میلنگ کے عذاب سے جان چھوٹ گئی۔ بعد میں اس نے کلدیپ کور کے قتل کی خبر سنی۔ اس خبر نے اسے دہلا دیا۔ اور وہ اپنی سالی سے لڑ ہی بیٹھا تھا' جب اس نے کہا تھا' کہ وہ اسی کی مستحق تھی۔ ہپی کالونی کے قریب کیبن میں اکیلی رہتی تھی۔ مجھے کوئی تعجب نہ ہوگا' کہ آوارہ لڑکی ایک فاحشہ کی زندگی بسر کر رہی ہو۔ پھر موہن نے پرسی کے خیال سے اس کے باپ کو فون کیا' مگر رابطہ نہ ہو سکا۔ البتہ اس کی سیکرٹری نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے پیر کے دن آفس پہنچنے کی ہدایت کی' اور اسے یہ بھی بتایا کہ اس کی سیکرٹری ریوتی ہوگی۔

دوسری طرف ڈاکٹر نے بھی شوبھا کو فون کر کے جلد از جلد ڈیوٹی پر آنے کے لیے کہا۔ چونکہ سسر کی حالت بہت بہتر تھی' اس لیے دونوں میاں بیوی ساتھ واپس آ گئے۔

اور جب وہ ہوائی جہاز میں سفر کر رہے تھے' تب گم شدہ بٹن کا معمہ حل ہو گیا۔ شوبھا اپنے پرس میں لپ اسٹک دیکھ رہی تھی کہ اسے بٹن نظر آ گیا۔

"یہ دیکھو تمہارا بٹن مل گیا۔" وہ بولی۔

موہن کو اپنا خوف یاد آیا۔ یاد آیا کہ کلدیپ کور نے کس طرح دوسرا بٹن لا کر دیا تھا۔ یاد آیا کہ وہ اس وقت شراب کے نشے میں دھت تھا' یاد آیا کہ وہ کس طرح کلدیپ کور کو خواب گاہ میں لے گیا تھا۔ یہ سب کچھ یاد آیا' تو موہن کو اپنے ہونٹوں پر جوابی مسکراہٹ سجانے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ اب اس نے اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے' دوبارہ اس اتوار کے واقعات کا جائزہ لیا۔ کلدیپ کور مر چکی تھی۔ گنگولی مر چکا تھا۔ اپنی شادی شدہ زندگی کی پہلی لغزش ایک گزری یاد بن گئی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں قسم کھائی تھی کہ اب آئندہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔



شہر کے دوسرے حصے میں رام داس نے اپنی گاڑی آنت گپتا کی آرٹ گیلری کے سامنے پارک کی' اور دکان میں داخل ہوا' تو مرلی سے ملاقات ہوئی' تو وہ اپنے زرد چہرے پر مسکراہٹ لیے کھڑا ہوا تھا۔

"آنت گپتا آپ کا انتظار کر رہے ہیں؟" مرلی نے کہا۔

اپنے کمرے میں آنت گپتا نے احترام کے مصنوعی مظاہرے کے ساتھ کرسی سے اٹھ کر رام داس سے ہاتھ ملایا' مگر رام داس کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔ اس نے پھیلے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر دیا۔

"آپ نے اپنے اسٹاف سے پوچھا؟" اس نے سوال کیا۔

"تشریف رکھیں مسٹر رام داس!" آنت گپتا کی مسکراہٹ کافور ہو گئی۔ "ہم یہ گفتگو شریفانہ انداز میں کریں گے۔ پہلے آپ یہ سمجھ لیں کہ مجھے اپنے گاہکوں کا تحفظ کرنا پڑتا ہے۔ آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس تصویر کا مصور کون ہے؟ پولیس کی جانب سے یہ سوال درست ہے۔ مگر اس مصور نے مجھ سے وعدہ لیا ہے' کہ میں کسی کو اس کا نام نہیں بتاؤں گا۔ کئی آرٹسٹ گمنام رہنا پسند کرتے ہیں۔ ممکن ہے یہ بات آپ کو عجیب معلوم ہو' مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا ہوتا ہے۔"

"گویا آپ جانتے ہیں کہ وہ کون ہے؟" رام داس نے اسے گھورا۔

اس نے اپنی وِگ اتاری اور اسے یوں دیکھنے لگا' جیسے اسے کوئی جوں نظر آنے کی توقع ہو۔ پھر دوبارہ سر پر رکھ لی۔

''ہاں مسٹر رام داس! میں اس کا نام جانتا ہوں۔'' وہ اپنی کرسی پر کچھ آگے کی جانب جھکا۔ ''اگر آپ یہ وضاحت کر سکو گے کہ آپ کیوں یہ خیال کرتے ہو کہ اس آرٹسٹ کا ان قتل کی وارداتوں سے کوئی تعلق ہے' اور پھر مجھے مطمئن کردو کہ آپ کے پاس اس کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت موجود ہے۔ تب میں آپ کو اس کا نام بتا دوں گا۔''

رام داس نے اپنی کرسی پر پہلو بدلا۔ وہ اس موٹے آدمی کو کیسے بتائے کہ وہ بوڑھی عورت آشا دیوی کون ہے؟ اور اس نے کیا پیش گوئی کی ہے؟ وہ یہ بات ایس پی مکرجی کو بھی بتا نہیں سکتا۔ سرخ چاند' کالا آسمان اور نارنجی ساحل سمندر۔ رام داس کی ہچکچاہٹ دیکھ کر اس نے تیزی دکھائی۔

''شاید یہ بہتر ہوگا کہ آپ کے بجائے ایس پی مکرجی مجھ سے بات کریں۔ کیوں کہ میں نے انہیں ہمیشہ معاملہ فہم پایا ہے۔'' وہ بولا۔

''اس لیے میرا مشورہ ہے کہ آپ پہلے اپنے چیف سے بات کریں' اور پھر وہ مناسب سمجھیں' اجازت دیں تو میرے پاس آئیں۔''

یہ محسوس کرتے ہوئے آنت گپتا کی اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہے' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم کسی وجہ سے مجھے کوئی بات بتانا نہیں چاہتے۔'' اس نے غصے سے کہا۔ ''لیکن ایک بات یاد رکھو' تم پر مصیبت آئی تو بہت حقیقی ہوگی۔''

وہ اتنا کہہ کر تیز قدم اٹھاتا ہوا دکان سے نکل گیا۔ مرلی جو تمام باتیں سنتا رہا تھا' اندر آیا۔

''تم نے دیکھا۔ یہ احمق پولیس والا ہمیں بلف کر رہا تھا۔''



رات دس بجے موہن نے تمام کام نمٹا دیا۔ فون پر اپنے سیلز ڈائریکٹر سے بھی بات کر لی' اور فیصلہ کر لیا کہ اب وہ نئے گاہکوں کی تلاش میں نکلے گا۔ وہ اپنی کرسی سے کھڑا ہو رہا تھا' کہ دیوتی نے اسے آکر بتایا کہ انسپکٹر رام داس سراغ رساں اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کی اجازت پر رام داس کمرے میں آیا' تو چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

''ہیلو مسٹر موہن!'' اس نے کہا۔ ''میں آپ کا جیکٹ لے آیا ہوں۔''

''شکریہ!'' موہن زبردستی مسکرا دیا۔ ''امید ہے کہ اب آپ کو کوئی اور سوال تو کرنا نہیں ہو

گا؟'' رام داس نے جیکٹ میز پر رکھ دیا۔

''بٹنوں کا اضافی سیٹ جیکٹ کی جیب میں رکھا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''شکریہ۔''

''آپ کو بار بار زحمت دینے پر معذرت خواہ ہوں۔'' رام داس نے کہا۔ ''اس بات کا کچھ خیال نہ کرنا۔''

''کوئی بات نہیں۔'' موہن نے کہا۔ ''آپ نے اپنی ڈیوٹی انجام دی' اور فرض شناسی کا ثبوت دیا۔''

''کلدیپ کور کی موت کی خبر سن کر آپ نے گہرا صدمہ محسوس کیا ہوگا؟'' رام داس نے کہا۔

''جی ہاں۔'' موہن نے جواب دیا۔

''کیا آپ صرف جیکٹ واپس کرنے آئے تھے' یا کچھ اور بھی کام ہے۔ میری غیر حاضری میں بہت سارا کام پڑا ہوا ہے۔ اسے پہلی فرصت میں نمٹانا بھی ہے۔ شاید رات ہو جائے گی۔''

''میں امید کرتا ہوں کہ شاید آپ کچھ مدد کر سکیں۔'' رام داس نے کہا۔

''کیا سروپ کمار کا نام آپ کے لیے کوئی اہمیت رکھتا ہے؟''

''بے شک وہ ہمارے گاہک تھے۔'' موہن نے قدرے چونکتے ہوئے جواب دیا۔ ''وہ تو سورگ باشی ہو چکے ہیں۔''

''کیا انہوں نے آپ کے کارپوریشن سے انشورنس کرائی تھی؟'' رام داس نے سوال کیا۔

''جی ہاں! میں نے بتایا نا کہ وہ ہمارے بڑے گاہکوں میں سے تھے۔'' موہن نے جواب دیا۔

''کیا ان کے بعد ان کی بیوہ نے ان کی پالیسی کو جاری رکھا تھا' یا پالیسی ختم کر دی تھی؟''

''اس پالیسی کی تجدید از خود ہو جاتی ہے' اگر اس کا کلیم داخل نہ کیا جائے۔''

''ان کا ایک بیٹا بھی ہے۔'' رام داس بولا۔ ''کیا آپ اس سے واقف ہیں؟''

''میرا اس سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔'' موہن نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''نہ ہی میں نے کبھی اسے دیکھا ہے' لیکن ان سوالوں کا کیا مقصد ہے؟ میں آپ کی بات سمجھ نہیں پایا ہوں۔''

''میں ابھی وضاحت کرتا ہوں مسٹر موہن!'' رام داس نے جواب دیا۔ پھر اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ ''ہمیں گولف کی گیند جیسا ایک بٹن مقامِ واردات پر ملا تھا۔ ہم نے

معلوم کیا کہ شہر میں اس جیسے بٹنوں والی چار جیکٹس فروخت کی گئی ہیں۔ ہم نے آپ کی جیکٹ سمیت تین جیکٹوں کے بارے میں چیک کرلیا کہ کسی کا بھی روشی کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بیوہ سروپ کمار نے ہمیں بتایا کہ چوتھی جیکٹ ان کے پتی کے دوسرے پرانے کپڑوں کے ساتھ رفاہی ادارے کو دے دی گئی تھی۔ ہم نے اس جیکٹ کا سراغ لگانے کی کوشش کی۔ رفاہی ادارے سے پتا چلا کہ انہیں ایسی کوئی جیکٹ نہیں ملی۔ چنانچہ اب ہم سوچ رہے ہیں کہ بیوہ سروپ کمار نے ہم سے جھوٹ تو نہیں بولا تھا؟

کہیں اس کے پُراسرار بیٹے نے باپ کی جیکٹ تو نہیں رکھ لی تھی' اور روشی کے قتل والے دن اسے پہنے ہوئے تھا۔ ہمیں ایک آدمی کا حلیہ معلوم ہوا ہے' جسے روشی کے قتل کے روز جیکٹ پہنے دیکھا گیا تھا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس آدمی کا قد لمبا ہے۔ بال گندمی رنگ کے ہیں اور وہ گوسی جوتے استعمال کرتا ہے۔ ہمیں مزید معلوم ہوا کہ وہ آرٹسٹ بھی ہے اور تصویریں بناتا ہے۔ یہ آدمی نہ صرف روشی' گنگولی بلکہ کلدیپ کور کا بھی قاتل ہے۔ کیا اب تک میری بات سمجھ میں آ رہی ہے؟"

"ہاں! مگر ان باتوں کا مجھ سے کیا تعلق ہے؟" موہن نے اُلجھ کر کہا۔

"یہ جو کچھ میں نے آپ کو بتایا' وہ میرا اندازہ ہے۔ ہمیں یقینی طور پر معلوم نہیں کہ سروپ کمار کا بیٹا ہی وہ آدمی ہے' جس کی ہمیں تلاش ہے۔ مسز سروپ کمار اس شہر میں بڑے اثر ورسوخ کی مالک ہے۔ میئر سے اس کے بہت ہی قریبی تعلقات ہیں۔ ہم یقینی طور پر معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا بیٹا آرٹسٹ ہے۔ قد لمبا اور بال گندمی رنگ کے ہیں' اور وہ گوسی جوتے پہنتا ہے۔ اگر ان باتوں کی تصدیق ہو جائے' تو ہم تب ہی اس کے بیٹے سے پوچھ گچھ کر سکتے ہیں' ورنہ نہیں۔"

"میرا خیال یہ ہے کہ اس کا ایک نہایت آسان طریقہ یہ ہے۔" موہن نے کہا۔ "آپ مسز سروپ کمار سے جا کر ملیں' اور ان سے کہیں کہ ان کا بیٹا کہاں ہے؟ اس سے ملا دیں' اس میں قباحت کیا ہے۔"

"یہ اگر اتنی آسان سی بات ہوتی' تو آپ کا قیمتی وقت ہرگز خراب نہ کرتا۔" رام داس کہنے لگا۔ "مگر ایسا نہیں ہے کیوں کہ مسز سروپ کمار عجیب عورت ہے۔ فرض کریں کہ اس کے بیٹے کا ان وارداتوں سے کوئی تعلق نہ ہو۔ فرض کریں کہ وہ اپنے بیٹے سے بات کرنے کی اجازت نہ دیں' اور ہم سے مطالبہ کریں' کہ ہم اس کے بیٹے سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ چونکہ ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے میں آپ سے جو تعاون چاہتا ہوں۔ وہ

یہ ہے کہ کیا آپ مسز سروپ کے گھر جا کر اس کے بیٹے سے مل سکتے ہیں؟ آپ اس سے کہہ سکتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے' کہ آپ کے پاس قیمتی تصویریں جو ہیں کیا آپ انہیں انشورنس کرانا پسند کریں گے' ہمیں لازمی طور پر معلوم ہونا چاہیے کہ وہ آرٹسٹ ہے' اور اس کا حلیہ اس شخص سے ملتا ہے۔"

"میں اس معاملے سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا۔" موہن نے نفی میں سر ہلایا۔ "آپ مجھے یہ سمجھانے کی کوشش مت کریں کہ آپ خود انوپ کمار سے نہیں مل سکتے؟ آخر آپ مجھے کانٹوں میں کیوں گھسیٹ رہے ہیں۔"

"میں بتانے کی کوشش کرتا ہوں۔" رام داس نے پہلو بدلا۔

"ممکن ہے ہم غلطی کر رہے ہوں۔ ممکن ہے' ہمیں جس قاتل کی تلاش ہے' وہ انوپ کمار نہ ہو۔ سروپ کمار خاندان کا قانونی مشیر اس شہر کا مانا ہوا وکیل ہے۔ اگر انوپ کمار کے بارے میں ہمارا اندازہ غلط نکلا' یہ وکیل پولیس پر مقدمہ کر سکتا ہے' اور کروڑوں کا ہتک عزت کا دعویٰ' میں آپ سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ آپ انوپ کمار کو ایک نظر قریب سے دیکھ لو۔ اگر اس کا حلیہ قاتل سے نہیں ملتا' تو بات ختم ہو جائے گی۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے' کہ آپ اسے انشورنس پالیسی فروخت کر سکو اور اس کا حلیہ وہی ہے' جو ہمیں قاتل معلوم ہوا ہے تب ہم اسے گرفتار کر لیں گے۔"

"میں نے کہہ دیا نہ میں اس معاملے سے کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتا۔" موہن نے پھر صاف انکار کر دیا۔

تب ایک شاطرانہ مسکراہٹ سے رام داس نے اپنا ٹرمپ کارڈ استعمال کیا۔

"آپ ایک اہم بات بھول رہے ہیں مسٹر موہن! اگر انوپ کمار ہی قاتل ہوا اور ہم نے تمہاری مدد سے اسے شناخت کر لیا' تو آپ اس انعام کے حق دار ٹھہرو گے' جس کا اعلان مسٹر جسونت سنگھ نے کیا ہے؟ یعنی دس لاکھ روپے۔"

"دس لاکھ روپے؟ مجھے......؟" موہن کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "آپ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں انسپکٹر!"

"ہرگز نہیں! میں یقین دلاتا ہوں' کہ اگر آپ نے انوپ کمار کو اس شخص کی حیثیت سے شناخت کر لیا' جس کی ہمیں تلاش ہے' تو یہ انعام آپ کو یقیناً ملے گا۔"

دس لاکھ روپے' جوش کی ایک لہر موہن کے جسم میں اتر گئی' اتنی بڑی رقم سے وہ کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کے ذہن میں ایک اچھے رہائشی علاقے میں ایک شان دار مکان کی تصویر ابھری۔ اس مکان کو فروخت کر کے اس میں دس لاکھ کی رقم ملا کر دوسرا مکان لیا جا سکتا ہے۔ یا

زندگی کی پُر آسائش سہولتیں' شوبھا کو ملازمت کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ وہ بھی ملازمت ترک کر کے کوئی بزنس شروع کر سکتا ہے۔ اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے' رام داس نے سمجھ لیا کہ مچھلی کانٹا نگل چکی ہے۔

"اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ انوپ کمار کو شناخت کرنے پر دس لاکھ روپے کا انعام مجھے ملے گا' تو میں تعاون کرنے کو تیار ہوں۔" موہن نے جواب دیا۔

"آپ بتائیں کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

رام داس کو اندازہ تھا کہ اگر انوپ کمار ہی قاتل ہے' تو موہن ایک خطرے سے دوچار ہو گا۔ مگر اس نے یہ بات زبان سے نہیں کہی کہ کہیں موہن خوف زدہ ہو کر پیچھے نہ ہٹ جائے۔ لیکن ظاہر تھا اس کی حفاظت کرنا نہایت ضروری بھی تھا۔



"میں اس کا انتظام کر دوں گا۔" وہ بولا۔ ریسیور اٹھا کر ہیڈ کوارٹر کا نمبر ڈائل کیا' اور پھر رنجیت سے ملانے کے لیے کہا۔ چند لمحوں کے بعد اس کا رنجیت سے رابطہ ہو گیا۔

"میں رام داس بول رہا ہوں۔ تم نے جو اندازہ لگایا' وہ کارگر ہو سکتا ہے' اب تم سٹی انشورنس کارپوریشن میوری کے ذیلی آفس پر پہنچو۔"

"مگر میرے پاس بہت کام ہے۔" رنجیت نے کہا۔

"پروا مت کرو۔" رام داس نے کہا۔

"جلدی سے آؤ' میں انتظار کر رہا ہوں۔"

رام داس نے ریسیور رکھ دیا۔ پھر مسکراتے ہوئے موہن کی طرف دیکھا۔ "ہم آدھے گھنٹے میں روانہ ہو جائیں گے' اور تمہیں جو کچھ بھی کرنا ہے' وہ یہ ہے۔"

موہن اس کی باتیں سن رہا تھا' مگر اس کا ذہن دس لاکھ روپے کے انعام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔



رام داس اپنی گاڑی میں رنجیت کیساتھ اور موہن اپنی گاڑی میں اس کے پیچھے آتے ہوئے' منزل پر پہنچے۔ رنجیت بڑا فکر مند تھا۔

"ایشور کرے جو کچھ تم کر رہے ہو' اور اسے سمجھ بھی رہے ہو؟" رنجیت بولا۔

"ہم اپنا سر اوکھلی میں دے رہے ہیں' اگر کچھ بھی گڑبڑ ہوئی' تو چیف ہماری کھال ادھیڑ دے گا۔ اس میں بھس بھر دے گا' آپ کو اس سے اجازت لے لینی چاہیے تھی۔"

"گھبراؤ مت! تم بھی جانتے ہو' اور میں بھی کہ اگر ہم چیف کو بتاتے تو وہ ہرگز اجازت نہیں دیتے' جب کہ ہم دونوں مل کر اس کیس کو حل کر سکتے ہیں۔"

"اور موہن! فرض کرو کہ وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا تب؟ فرض کرو انوپ کمار ہی قاتل ہو' تب ہم کیا کریں گے؟"

"زیادہ جذباتی اور جوش میں آنے کی ضرورت نہیں۔" رام داس نے اطمینان دلانے کے لیے کہا۔ حالانکہ وہ خود بھی گھبرا رہا تھا۔ "ہم موہن کی حفاظت کریں گے' میں نے اسی لیے تمہیں بلایا ہے۔"

"کیا موہن کو اس بات کا احساس ہے' کہ وہ کس خطرے سے دوچار ہے۔" رنجیت نے کہا۔ "آپ نے اسے بتا دیا ہے؟"

"موہن کو انعام کا لالچ ہے' اور وہ اسی لیے تعاون پر آمادہ ہوا ہے۔" رام داس نے اسے بتایا۔ اگرچہ وہ بھی دل میں سمجھ رہا تھا' کہ اسے موہن کو خبردار کر دینا چاہیے تھا۔ "وہ جانتا ہے کہ اگر اس نے انوپ کمار کو شناخت کر لیا' تو انعام اس کو ملے گا۔"

"مر جائے گا تو کیسے ملے گا؟" رنجیت نے جواب دیا۔ "مزید یہ کہ آپ نے اسے جیکٹ پہنا کر اچھا نہیں کیا۔"

"اگر انوپ کمار ہی ہمارا مطلوبہ آدمی ہے' تو وہ جیکٹ دیکھ کر بوکھلا سکتا ہے اور اگر وہ قاتل نہیں ہے تو اس کے لیے جیکٹ بے معنی ہو گا۔ نفسیاتی ذہنی مریض تھوڑے سے دباؤ میں اپنی قوتِ مدافعت کھو بیٹھتے ہیں۔ وہ بھی جرم کا اعتراف کر سکتا ہے۔ بہر حال دس لاکھ روپے کا انعام ہر کسی کو یوں ہی نہیں مل جاتا۔ جہاں تک احتیاط کا سوال ہے' تو میں نے اسے تاکید کر دی ہے' کہ وہ کسی صورت میں گھر کے اندر نہ جائے۔ دروازے کے باہر کھڑا رہے تاکہ ہم اسے دیکھتے رہیں۔"

وہ اس علاقے میں پہنچ کر جیسا کہ طے ہوا تھا کہ موہن اپنی گاڑی انوپ کمار کی وِلا سے سو گز پہلے روک لے۔ اس کے رکنے کے بعد رام دیال اور رنجیت اس کے پاس آئے۔

"جائیں جا کر آپ اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبائیں۔" رام داس نے کہا۔ "مگر یاد رکھنا' وِلا کے اندر نہ جانا۔ خانساماں سے کہنا کہ مجھے انوپ کمار سے ملنا ہے۔ اگر وہ آپ کو اندر آنے کے لیے کہے تو جواب دینا کہ آپ نے اپنی گاڑی غلط جگہ کھڑی کی ہے' اس لیے دیکھتے رہنا چاہتے ہو کہ کوئی چالان تو نہیں کرتا۔ پھر یہ کہ تمہیں جو بات کرنا ہے' اس میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگے گا' اور جیسا تمہیں معلوم ہے تمہیں صرف انوپ کمار پر ایک نظر ڈالنا ہے۔"

"وہ خطرناک بھی تو ہوسکتا ہے؟" موہن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔" رام داس نے اسے دلاسا دیا۔ "گھر میں خانساماں ہوگا۔ ممکن ہے مسز سروپ کمار بھی ہوں۔ ان کی موجودگی میں کیا خطرہ ہوسکتا ہے؟ یوں بھی تمہیں مکان کے اندر نہیں جانا۔ دروازے پر کھڑے رہنا' جہاں سے ہم تمہیں دیکھ سکیں۔"

"اگر مجھے گھر جانا پڑے تو تب؟"

"تم اوپر نہیں جاؤ گے۔" رام داس نے تیزی سے کہا۔ "اگر انوپ کمار ہی قاتل ہے' تو وہ خانساماں اور اپنی ماں کی موجودگی میں کچھ نہیں کرے گا۔ اور تمہیں انعام بھی مل جائے گا۔ مزید یہ کہ ہم تمہاری مدد کے لیے قریب ہی موجود ہوں گے۔"

موہن اتر کر سروپ ولا کی طرف چلا۔ رنجیت اور رام داس اس کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ موہن نے رام داس کے کہنے پر وہ جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ وہ سیڑھیوں پر چڑھا' تو اس نے دیکھا کہ رام داس اور رنجیت دائیں طرف جھاڑیوں میں چھپ گئے ہیں۔ اس نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ادھر گھنٹی بجی سنائی دی' مگر جواب میں کچھ نہ ہوا۔ بڑھتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے دوسری مرتبہ بٹن دبایا۔ پلٹ کر دیکھا تو رنجیت اور رام داس نظر نہیں آئے۔ شاید گھر میں کوئی نہیں ہے۔ موہن نے سوچا اور اسے کچھ اطمینان ہوا۔ اگرچہ ساتھ میں مایوسی کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ جھاڑیوں میں پوشیدہ رام داس نے اسے اترتے دیکھا۔ پھر وہ رکا۔ پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ جہاں چھپا تھا' وہاں سے صرف دروازہ ہی نظر آتا تھا۔ اس نے موہن کو دوبارہ سیڑھیاں چڑھتے دیکھا۔ دروازہ بھی کھلا نظر آیا۔ مگر دروازے کی دوسری طرف کوئی کھڑا تھا' تو وہ نظر نہیں آیا تھا۔

دروازہ کھلنے پر جو پہلی چیز موہن کو نظر آئی' وہ گوسی کے جوتے تھے' تب نگاہ اٹھاتے ہوئے اس نے خود کو ایک طویل قامت نوجوان کے سامنے پایا' جس کے بال گندمی رنگ کے تھے' دراز قد' گندمی رنگ' گوسی جوتے' یہ وہی آدمی تھا' جس کی پولیس کو تلاش تھا۔ موہن کے منہ میں خشکی دوڑ گئی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ پلٹ کر بھاگ نکلے' مگر وہ بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا۔ جس طرح کوئی مینڈک سانپ کی آنکھوں سے سحرزدہ ہو جاتا ہے۔

"کیا بات ہے؟" انوپ کمار نے نرم اور شائستہ لہجے میں کہا۔

"نادقت زحمت دینے پر معذرت خواہ ہوں۔" موہن نے خود کو سنبھالا۔ "کیا آپ انوپ کمار ہیں؟"

"آپ نے یہ جیکٹ تو بڑی اچھی پہن رکھی ہے؟" انوپ کمار نے کہا۔ "میرے پتا جی کے

پاس بھی ایک بالکل ایسی جیکٹ تھی۔ بہرحال آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ میں آپ کو اس وقت بلاوجہ زحمت دے رہا ہوں۔" موہن نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "اس لیے پھر کبھی حاضر ہو جاؤں گا۔"

وہ ایک سیڑھی نیچے اترا تھا کہ رک گیا' اسے انوپ کمار کے ہاتھ میں ایک ریوالور نظر آیا تھا' جس سے اس نے موہن کو زد میں لے رکھا تھا۔

"جیسا میں کہتا ہوں ویسا کرو۔" انوپ کمار نے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر گولی کھانا نہیں چاہتے ہو تو اندر آؤ۔" اتنا کہہ کر وہ پیچھے ہٹ گیا۔

موہن کو رام داس اور رنجیت کا خیال آیا' جو چھپ کر اسے دیکھ رہے تھے۔ رام داس نے اسے تاکید کی تھی' کہ وہ گھر کے اندر نہ جائے' مگر ریوالور کو سامنے دیکھ کر اندر جانے کے سوا چارہ نہیں رہا تھا۔ بھاری قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے وہ لابی میں آ گیا۔

"بہت اچھے! اب دروازہ بند کر دو۔" انوپ کمار نے دوسرا حکم دیا۔

موہن کو وہی کرنا پڑا' جو اس سے کہا جا رہا تھا۔

"اب زینے پر چلو۔"

جنگلے کا سہارا لیتے ہوئے موہن سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ انوپ کمار اس کے پیچھے آ رہا تھا۔

"داہنی طرف گھوم کر کمرے کے اندر جاؤ۔"

موہن اس کمرے میں داخل ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" انوپ کمار نے ریوالور سے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ موہن نے حکم کی تعمیل کی۔ انوپ کمار اپنی میز کے ایک کونے پر ٹک گیا۔

"ریوالور کا خیال مت کرنا۔" انوپ کمار نے کہا۔ "مجھے اپنے اغواء ہونے کا خطرہ رہتا ہے' اس لیے محتاط رہتا ہوں' تم کون ہو؟"

"میرا نام موہن ہے۔" موہن نے جواب دیا۔ "میں سٹی انشورنس کمپنی کا نمائندہ ہوں۔ میں آپ سے اس لیے ملنے آیا تھا کہ شاید آپ اپنی تصویروں کی انشورنس کرانا پسند کریں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ میں بے بالکل بے ضرر آدمی ہوں۔"

"میری تصویروں کی انشورنس؟" انوپ کمار نے اسے گھورا۔ "آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوا کہ میں تصویریں بناتا ہوں' کیا آپ کو آنت گپتا نے بتایا تھا؟"

موہن مزید خوف زدہ ہو گیا۔ رام داس نے اس سے تصدیق کرنے کے لیے کہا تھا' کہ وہ مصور ہے یا نہیں۔ اب یہ حقیقت تھی کہ اس نے مصور ہونے کا اعتراف کر لیا تھا۔ نیز اس کا حلیہ

بھی رام داس کے بتائے ہوئے حلیے سے ملتا تھا' تو اس بات میں شک نہیں رہا تھا' کہ انوپ کمار ہی دیوانہ قاتل تھا' جس نے کلدیپ کور کو بھی قتل کیا تھا' اور اب تک لڑکیوں کی جتنی پراسرار گمشدگیاں اور وحشیانہ اور بربریت ناک قتل کی وارداتیں ہوئیں' ان سب کا یہ دیوانہ قاتل تھا۔

موہن کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کا چہرہ سفید پڑتا چلا جارہا ہے۔

"کیا آپ کو آنت گپتا نے بتایا تھا کہ میں تصویریں بناتا ہوں۔" انوپ کمار نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں! اس نے کہا تھا کہ آپ کے پاس کچھ قیمتی تصویریں ہیں۔" موہن کو جان بچانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لینا پڑا تھا۔

"وہ بے شک بے حد قیمتی ہیں۔" انوپ کمار نے جیب میں ریوالور رکھ لیا۔

"تو کیا آپ ہماری کارپوریشن سے ان کی انشورنس کرانا پسند کریں گے؟" موہن نے قدرے اطمینان سے کہا۔

"مگر اس سے پہلے ان کی قیمت کا تعین بھی تو کرنا ہوگا؟"

"ضروری نہیں! آپ انہیں جتنا قیمتی خیال کرتے ہیں' وہ ہمیں بتا دیں' ہم اس قیمت کی بنیاد پر انشورنس کرلیں گے۔"

"آپ شاید انہیں دیکھنا پسند کریں گے مسٹر موہن!" انوپ کمار کھڑا ہوگیا۔

"میں کوئی جج نہیں ہوں۔" موہن بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ یہاں سے جلدی سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ "اس لیے میں آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ آپ جو ان کی قیمت مناسب سمجھتے ہیں' بتا دینا اس کے حساب سے پریمیم طے کردیا جائے گا۔"

"اس میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگے گا؟" انوپ کمار نے اصرار کیا۔ "میں ایک خاص تصویر پر کام کررہا ہوں جو آپ کو ضرور دکھانا چاہتا ہوں۔" اور یہ کہتے ہوئے اس کی انگلیاں سلیمان اعظم کے لاکٹ سے کھیل رہی تھیں۔

"چونکہ اس وقت مجھے کہیں اور بھی جانا ہے' لہٰذا پھر کسی وقت آکر دیکھ لوں گا۔" موہن بے بسی سے بولا۔ "کہیں تو کل آجاؤں گا۔"

موہن دروازے کی طرف بڑھا۔ مگر انوپ کمار نے اپنی چمکتی آنکھوں سے ایک جست لگا کر اس کا راستہ روک لیا۔



جھاڑیوں کی آڑ میں رنجیت کے ساتھ چھپے ہوئے رام داس نے موہن کو ولا میں داخل

ہوتے دیکھا۔

"وہ احمق آدمی منع کرنے کے باوجود اندر چلا گیا۔" رام داس نے غصے سے کہا۔ "میں نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ دروازے پر ہی رہے۔"

"پھر اب ہم کیا کریں؟" رنجیت نے پوچھا۔ "اتنی دیر میں دروازہ بھی بند کرلیا گیا۔"

"ہم کیا کرسکتے ہیں؟" رام داس نے جواب دیا۔ "ممکن ہے دروازہ مسز سروپ کمار نے کھولا' خانساماں نے کھولا ہو یا پھر انوپ کمار ہی ہوگا۔" رنجیت نے پریشانی سے کہا۔

"ہمیں فوری طور پر کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا' مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں معاملہ بگڑ نہ گیا ہو۔"

"فرض کرو! انوپ کمار ہی قاتل ہوا اور موہن کو بھی ہلاک کردے۔" رنجیت نے خوف ظاہر کیا۔ "ہمیں اس لیے فوری طور پر کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا ہوگا۔"

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں تم گھبراؤ مت میں اسے سنبھال لوں گا۔" رام داس نے اسے تسلی دی اور کھڑا ہوگیا۔ پھر وہ ریوالور نکال کر بولا۔ "اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو میں ایک فائر کردوں گا۔ اسے سنتے ہی تم چلے آنا۔"

"تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

"میں اس سے کہوں گا کہ میں جیکٹ کے بارے میں مزید تحقیقات کرنے آیا ہوں۔"

رام داس نے ریوالور واپس ہولسٹر میں رکھ لیا' مگر اس طرح سے کہ ضرورت پڑنے پر فوراً ہی نکال سکے۔ پھر اس نے دروازے پر جا کر گھنٹی بجائی۔ جیسے انوپ کمار' موہن کے سامنے رکا۔ میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ اس آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے موہن کو قدرے فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا' لیکن موہن اس کی نظروں کی گرفت میں تھا۔

"ہیلو کون ہے؟" انوپ کمار نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"میں حوالدار نارائن بول رہا ہوں' ہیڈ کوارٹر سے۔ کیا مسٹر انوپ کمار بات کررہے ہیں؟"

"کیا بات ہے؟ کس لیے زحمت کی؟"

"آپ فوراً جے جے اسپتال پہنچیں' مسٹر انوپ کمار!" نارائن کی آواز آئی۔ "ایک افسوس ناک حادثہ ہوگیا ہے۔"

"کیا میری ماتا جی کا؟"

"جی ہاں! ان کی گاڑی ایک تیز رفتار ٹرک سے بے قابو ہو کر ٹکرا گئی۔"

"کیا وہ بہت زیادہ زخمی ہوگئی ہے؟" انوپ کمار نے اشتیاق سے دریافت کیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ہسپتال لے جاتے وقت وہ دم توڑ گئیں۔"

ایک عجیب سفاکانہ مسکراہٹ' جسے دیکھ کر موہن کے جسم پر جھرجھری سی آ گئی' جو انوپ کمار کے ہونٹوں پر اُبھری تھی۔

"اطلاع دینے کا شکریہ۔ میرے وکیل اشوک مہتہ کو فون کر دو۔ وہ ضروری انتظامات کر دے گا۔"

اتنا کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور موہن کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"ابھی مجھے بہت جلد اچھی خبر ملی ہے' مسٹر موہن! میری ماں ایک حادثے میں مر کر نہ صرف خود اس دنیا سے نجات پا گئی' بلکہ میں بھی اس سے نجات پا گیا ہوں۔"

"اب میں چلتا ہوں۔" موہن اٹھ کھڑا ہوا۔

"لیکن پہلے میری شاہکار تصویر تو دیکھ لو۔" انوپ کمار نے کہا۔ "آپ کلدیپ کور جسونت کو جانتے ہوں گے' میں اس کا ایک پورٹریٹ بنا رہا ہوں' اگرچہ ابھی وہ نامکمل ہے' پھر بھی اس کے متعلق آپ کی گراں قدر رائے جاننا چاہوں گا۔"

"پلیز! آپ مجھے جانے کی اجازت دیں' میرا جانا اشد ضروری ہے۔" موہن کے ذہن میں اس جگہ سے بھاگ نکلنے کے سوا کوئی اور خیال نہیں تھا۔

"میں آپ سے ناراض ہونا نہیں چاہتا۔" انوپ کمار کی مسکراہٹ بڑی سنگدلانہ تھی اور وہ برابر لاکٹ کو چھو رہا تھا۔ "اور جو لوگ مجھے ناراض کرتے ہیں' میں ان کے حق میں بہت بُرا ثابت ہوتا ہوں۔" اس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ میرا اسٹوڈیو ہے' آگے بڑھیں۔" انوپ کمار نے کہا۔

انوپ کمار کو غور سے دیکھتے ہوئے موہن سمجھ رہا تھا' کہ وہ ایک بڑے خطرے سے دوچار ہے۔ وہ اسٹوڈیو کے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس وقت اطلاعی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔

اس نے رک کر جلدی سے انوپ کمار کی طرف دیکھا۔ یہ ضرور رام داس ہوگا۔ اس نے سوچا۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" انوپ کمار نے جیسے خود سے کہا۔ "مگر پروا نہیں جو بھی ہوگا' اندر نہیں آ سکتا۔ ہاں تو مسٹر موہن! آؤ میں آپ کو اس چنال اور فاحشہ اور طوائف کی تصویر دکھاؤں۔" پھر گھنٹی بجی۔

"جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں' وہ کرو۔" وہ موہن کو تذبذب میں دیکھ کر دھاڑا۔

اس کے چہرے پر درندگی کے تاثرات دیکھ کر موہن ڈر گیا۔ ادھر جب رام داس نے دیکھا کہ گھنٹی کے جواب میں کوئی باہر نہیں آیا ہے تو وہ رنجیت کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"دروازہ توڑ دیتے ہیں۔" رنجیت نے رائے دی۔

"جب تک ہمارے پاس سرچ وارنٹ نہ ہو' ہم ایسا نہیں کر سکتے۔" رام اس نے جواب دے کر پھر گھنٹی کا بٹن دبایا۔

دوسرے لمحے دروازہ کھل گیا۔ ان کے سامنے ایک بھرپور بھرے بھرے بدن کی کالی جوان سال عورت کھڑی تھی۔ وہ بے حد پُرشباب گداز بدن کی تھی۔ ان دونوں کو روپا اشوک کال گرل یاد آ گئی۔ ایک قیامت تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کا چہرہ خوف سے ستا ہوا تھا۔ اور اس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی پھٹی تھیں۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر رام داس اور رنجیت کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور پھر ایک تیزی سے پیچھے ہٹی۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر دونوں نے ریوالور نکال لیے۔ عورت نے چاقو سے وار کرنے کی حرکت کا مظاہرہ کیا اور راہ داری میں ایک دروازے کی طرف انگلی اٹھائی۔ رنجیت کو عورت کے پاس ٹھہرنے کے لیے کہہ کر رام داس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور اس کی نظروں نے جو منظر دیکھا' اسے دیکھ کر اس کی سانسیں رک گئیں۔ بستر پر ایک لاش اس طرح بگڑی ہوئی پڑی تھی' جیسے کسی درندے نے نشانہ بنایا ہو۔ پھر اس نے شناخت کر لیا کہ یہ لاش مسز سروپ کے خانساماں کی ہے۔ اس نے دیکھا کہ رام دیال ہر طرح کی طبی امداد سے بے نیاز ہو چکا ہے۔ اس کے ذہن میں فوراً موہن کا خیال آیا۔ وہ کہاں تھا؟ اومانے سرگوشی کی سی آواز نکالی اور رام داس کا ہاتھ پکڑ کر زینے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر حیرت انگیز پھرتی اور طاقت کے ساتھ رنجیت کو دھکا دے کر وِلا سے باہر بھاگ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پرس تھا۔ وہ اس میں شاید رقم لے گئی تھی۔

رام داس اور رنجیت سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر پہنچے۔ اسٹوڈیو کے کھلے دروازے سے انوپ کمار کی آواز آ رہی تھی۔

"اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے موہن! کیا میں اس تصویر میں کلدیپ کور کی مشابہت پیدا کر سکا ہوں؟"

موہن' کلدیپ کور کو اس تصویر کو دیکھنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا' جسے انوپ کمار نے ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ اس کی نظریں گنگولی کے کٹے سر کی تصویر' روشی کی تصویر اور شانتی سروپ کی تصویر کو بار بار گھور رہی تھیں۔ مگر انوپ کمار نے تقریباً زبردستی اس کا سر کلدیپ کور کی تصویر کی جانب موڑ دیا۔

"کیا آپ میرے اس شاہکار کے بارے میں کوئی رائے نہیں دیں گے؟" اس نے پوچھا۔

رام داس نے رنجیت کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا' اور دروازے کو زور سے دھکا دے کر تُرش لہجے میں کہا۔

"پولیس! چپ چاپ کھڑے رہو۔" اور پھر اس نے انوپ کمار کو ریوالور کی زد میں لے لیا۔

موہن نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف ہٹ گیا۔

"اس کی جیب میں ریوالور ہے۔" اس نے سرگوشی میں بتایا۔

انوپ کمار بالکل پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس نے خودسپردگی کے طور پر اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لیے۔

"تمہیں اوما نے اندر آنے کا موقع دیا ہے۔" وہ بولا۔ "میری حماقت تھی' میں اسے بھول گیا۔ بے شک میری جیب میں ریوالور ہے لیکن وہ میرے پتا جی کا ہے۔"

"رنجیت! اس کی جیب سے ریوالور نکال لو۔"

رنجیت پشت کی جانب سے اس کی طرف بڑھا۔ رام داس بدستور اسے ریوالور کی زد میں لیے رہا۔ رنجیت نے پل بھر میں ریوالور نکال لیا' اور ایک طرف تیزی سے ہٹ گیا۔ انوپ کمار کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"تم لوگوں کی تنخواہیں بہت کم ہوتی ہیں۔" اس نے باری باری تینوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے سودا کر لو۔ میں تم تینوں کو فی کس تین تین لاکھ کی پیش کش کرتا ہوں۔ انہیں لو اور سب کچھ بھول جاؤ۔ کیا کہتے ہو؟"

"دولت سے تم کچھ نہیں خرید سکتے۔" رام داس نے کہا۔ "تم اپنے حسرت ناک انجام تک آ پہنچے ہو۔"

"اگر میں اس میں ایک ایک لاکھ کا اضافہ کر دوں؟" انوپ کمار مسکرا کر بولا۔

"ہیڈکوارٹر' ایس پی مکرجی کو فون کر دو۔" رام داس نے انوپ کمار پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

رنجیت فون کی طرف بڑھا تو انوپ نے اپنی تصویروں کی طرف اشارہ کیا۔

"میرے فن کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ شاید وہ لوگ جو ماڈرن آرٹ کے قائل نہیں' یہ سمجھیں گے میں پاگل ہوں۔ مگر آپ کی کیا رائے ہے؟"

رام داس نے ایک نظر سے تصویروں کا جائزہ لیا' اور پھر جو کچھ اسے نظر آیا' اسے دیکھ کر اس قدر حیران اور خوف زدہ ہوا کہ پل بھر میں وہ انوپ کمار کو بھول گیا۔ جب اسے احساس ہوا تو

وہ اس کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔

"جہاں ہو وہیں رک جاؤ۔" رام داس ہیجانی لہجے میں چیخا۔

"مجھ سے ڈرو نہیں۔" انوپ کمار نے سفاک چمکتی آنکھوں سے کہا۔ "میں غیر مسلح ہوں۔"

بدستور مسکراتے ہوئے اس کی انگلی نے ہیرے کا نگ دبایا اور سلیمان اعظم کے خنجر سے رام داس پر حملہ کر دیا اور تیز خنجر رام داس کے بدن میں اترا اور اس نے انوپ کمار کو شوٹ کر دیا۔



دو دن بعد رنجیت جے جے اسپتال کے ایک پرائیویٹ روم میں داخل ہوا' جہاں رام داس افسردہ سا لیٹا ہوا تھا۔ "اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"باہر کیا ہو رہا ہے اور مجھے یہاں کیوں رکھا گیا ہے؟" رام داس نے جواب دے کر پوچھا۔

"جسونت سنگھ کا اصرار تھا کہ آپ کے ساتھ وی آئی پی سلوک کیا جائے۔ تمام اخراجات وہ خود ادا کر رہا ہے۔ آپ ہیرو بن گئے ہیں رام داس۔" رنجیت مسکرایا۔ "اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"میں مروں گا نہیں۔ اگرچہ اس خونی شیطان نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔" رام داس بولا۔

"آپ نے اسے بھی ختم کر دیا' پریس انٹرویو کے لیے بے تاب ہے۔ سریندر کپور آپ کو ٹی وی پر لانے کے لیے شور مچا رہا ہے۔"

"اور چیف؟" رام داس نے خوش ہو کر پوچھا۔

"انہیں میں نے سنبھال لیا ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں اور آپ جیکٹ کے بارے میں مزید تحقیقات کے لیے کمار ولا گئے تھے' تو وہ موہن کو قتل کرنے والا تھا۔ موہن کا بیان ہے کہ وہ انشورنس پالیسی فروخت کرنے گیا تھا' تو اس نے انوپ کمار کو دیوانے قاتل کے طور پر پہچان لیا تھا۔ کوئی الجھن پیش نہیں آئے گی۔ بس اب آپ جلدی سے صحت یاب ہو جائیں۔ ہمارے تمام ساتھی آپ کو ایک زبردست پارٹی دینا چاہتے ہیں۔"

"میں چیف سے سفارش کروں گا کہ تمہارا گریڈ بڑھایا جائے۔" رام داس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نے بڑی ذہانت سے میری مدد کی۔"

"یہ فیصلہ پہلے ہی کر لیا گیا ہے۔" رنجیت نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب میں بھی انسپکٹر بن جاؤں گا۔"

''اور موہن؟''

''اسے انعام دیا جا رہا ہے' جس کا وہ ہر طرح سے مستحق ہے' وہ بھی آپ کو پارٹی دینا چاہتا ہے۔'' رنجیت دروازے کی طرف چلا۔ ''ریما باہر انتظار کر رہی ہے۔''

دوسرے لمحے ریما ایک پھولوں کا گلدستہ ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔ ''ہیلو ڈارلنگ!'' اس نے بڑی میٹھی آواز میں کہا۔

''آج تم اتنی سندر لگ رہی ہو کہ کھانے کو جی چاہتا ہے۔''

''بیکار باتیں مت کرو۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ تم مرتے مرتے بچے ہو۔''

''تو کیا ہوا؟ مرا تو نہیں؟''

''اخبارات تمہارے نام کی سرخیاں لگا رہے ہیں۔ تم ٹی وی پر آؤ گے' مجھے تم پر بڑا ناز ہے' مگر یہ بتاؤ کہ ان تین سراغوں سے تمہیں کوئی مدد ملی تھی؟''

رام داس کو تامل سا ہوا۔ پھر اس نے سوچا کہ ایک جھوٹ اس کی کئی بوتلیں بچا سکتا ہے۔

''ارے وہ آشا دیوی! شرابی عورت' اس نے آج تک کوئی ہوش کی بات کی ہے۔ اس کے سراغ اتنے ہی مفید تھے' جتنا ایک کھوپڑی میں گولی کا سوراخ۔ دروازہ اندر سے مقفل کر دو تاکہ میں تم پر ثابت کر سکوں کہ اتنا زخمی نہیں ہوں' جتنا تم سمجھ رہی ہو۔''

ریما سرخ ہو گئی۔ پھر وہ جا کر دروازے کی طرف بڑھی۔ واپس آ کر اس کے چہرے پر جھک گئی۔

